سید فرزند رضا
۱۲-ایچ رضویہ سوسائٹی
کراچی - ۱۸ (پاکستان)

قُل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل کان زھوقا

ترجمہ احقاق الحق جلد سوم

کتاب النبوۃ

مرتبہ

جناب فخر الافاضل مولانا مولوی سید محمد رضی صاحب مولوی فاضل
زنگی پوری دام فیضہ

در مطبع اصلاح کھجوہ ضلع سارن طبع گردید

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین

محمد وآلہ الطیبین الطاہرین

اما بعد حقیر محمد رضی زنگی پوری عرض کرتا ہے کہ جناب سلطان المحققین سید المتکلمین علامہ قاضی نور اللہ الشوشتری المعروف بہ جناب شہید ثالث رضی اللہ عنہ کی کتاب مستطاب احقاق الحق کے ترجمہ کا یہ تیسرا حصہ ہے جسمین مسئلہ نبوت کے مباحث کا توضیحی ترجمہ درج کیا جا رہا ہے۔ خداوند عالم اسے لوگون کی ہدایت کا ذریعہ قرار دے

قول علامہ اعلی اللہ مقامہ

مسئلہ رابعہ نبوت کے بیان مین۔ اور اس مین کئی مباحث ہین۔

بحث اول ۔ جاننا چاہیے کہ یہ دین کی بڑی اصل ہے اور اسی سے مسلم وکافر کے درمیان فرق واقع ہوتا ہے۔ لہذا اسکی طرف توجہ مبذول اور اس پر دلیل قائم کرنا واجب ہے اور نبوت کے اثبات کیلئے خواہ عموماً ہو یا خصوصاً ان دو مقدمون کے سوا اور کوئی طریقہ نہین ہے اور ان مین سے ایک مقدمہ یہ ہے کہ نبی ؐ نے یہ دعوے کیا کہ پروردگار عالم نے اونکو تمام خلق کیطرف مبعوث برسالت کیا ہے اور اوس نے تصدیق کی غرض سے اوس کے دعوے کے موافق معجزہ بھی ظاہر کیا۔ اور دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ ہر وہ شخص جسکی خداوند عالم تصدیق کرے (اپنے دعوے مین) صادق ہوگا۔ اشاعرہ ان دونون مقدمون کے قائل نہین ہین (اس لئے مطلقاً نبوت کو ثابت نہین کر سکتے) پہلا مقدمہ تو اس لئے (مفید نہین ہو سکتا) کہ اون کے نزدیک یہ محال ہے کہ خداوند عالم کسی غرض وغایت سے کوئی کام کرے پس (اس بنا پر) یہ کہنا جائز نہ ہوگا کہ خدا نے مدعی رسالت کے ہاتھون پر اسی غرض سے معجزہ کو ظاہر فرمایا ہے کہ اوس کے کلام کی تصدیق اور دعوے کی تصحیح کرے بلکہ بغیر کسی غرض کے محض عبث کام کیا ہے اور اس طرح معجزہ کے اظہار کا نبی کیلئے حجت ہونا ممکن نہین کیونکہ اگر

ہم (افعال الٰہیہ کا مطلقاً اغراض پر مبنی ہونا تسلیم کرتے ہوئے فقط) اس امر مین شک کرین کہ فعل معجزہ کی غرض تصدیق ہی ہے یا اور کچھ تو اس شک کے ساتھ (اوس معجزہ سے) مدعی نبوت کے صدق پر استدلال کرنا ممکن ہوگا پھر جبکہ یہ یقین کر لیا جائے کہ اوسکی غرض تصدیق نہین ہے تو مدعی نبوت کے صدق کا جزم کیونکر حاصل ہو سکتا ہے۔

اور دوسرا مقدمہ اونکے مذہب کے بنا پر اس لئے تمام نہین ہو سکتا کہ وہ خدا تعالے کیطرف تمام قبائح کو منسوب کرتے ہین اور کہتے ہین کہ جو شخص بھی نبوت کا دعوے کرتا ہے عام اس سے کہ وہ صادق ہو یا کاذب اوس کا دعوے خدا تعالے ہی کا فعل واقع ہوتا ہے (خود اوس شخص کا فعل اختیاری نہین ہوتا اور اتنا ہی کیا) تمام انواع شرک و معاصی و ضلالت جو عالم مین پائی جاتی ہین خدا تعالے ہی کی طرف سے ہوتی ہین پس اس قول کے ساتھ کیونکر معلوم کیا جا سکتا ہے کہ یہ شخص جس کی تصدیق خدا نے کی ہے اپنے دعوے مین سچا ہی ہے کیونکہ (قول مذکور کی بنا پر) جائز ہوگا کہ وہ اپنے دعوے مین جھوٹا ہو اور یہ اضلال خود خدا تعالیٰ کیجانب سے ہو جس طرح دیگر اسباب ضلالت اوسی کے فعل سے وجود مین آتے ہین پس عاقل کو اس پر نظر کرنی چاہیے کہ آیا ایسے مذہب کی طرف جانا بھی جایز ہوگا جس سے نہ کسی نبی کی نبوت کا ثابت کرنا ممکن ہو سکے اور نہ شرائع الٰہیہ مین سے کسی شریعت کے حق ہونے کا جزم و یقین حاصل ہونا ممکن ہو ؟ حالانکہ خدا تعالے نے بعثت رسل سے مکلفین کے تمام اعذار کو قطع کر دیا ہے اور فرمایا ہے کہ (بعثت رُسُل اسی لئے واقع کیگئی) تاکہ اوسکے بعد لوگونکی کوئی حجت خداوند عالم پر باقی نہ رہ جائے۔ بھلا خدا تعالیٰ کے اوپر اس سے بڑی حجت اور کیا ہو سکتی ہے اور اس سے عظیم تر اور کونسا عذر ہو سکتا ہے کہ اوس سے بندہ یہ کہے کہ خود تو نے ہی عالم کو گمراہ کیا اور اون مین شرور و قبائح کو خلق کیا اور نبوت کا دعوے کرنے والی ایک جماعت ایسی ظاہر ہوئی جس مین تو نے جھوٹ کو خلق فرمایا تھا اور اوسکے ساتھ دوسرون نے بھی (جو درحقیقت سچے تھے) نبوت کا دعوی کیا اور تو نے اون کے صدق کو معلوم کرنے کا کوئی طریقہ ہمارے لئے قرار نہین دیا اور نہ اون شرائع کی صحت کو جاننے کی کوئی سبیل معین کی جنکو وہ لوگ لیکر آئے تھے (پس اگر ہم نے عدم امتیاز کے سبب اون کی تصدیق نہ کی اور ان شرائع کو نہ مانا تو ہمارا کیا قصور ؟) پس (اسوقت) خدا تعالیٰ کی حجت کا منقطع ہو جانا لازم ہوگا پھر کیا کسی مرد مسلم کیلئے یا ہر اوس شخص کیلئے جو خدا کے عقاب سے خائف اور اوس کے عذاب سے نجات کا طالب ہو اس قول کو اختیار کرنا جائز ہوگا ؟

نعوذ باللہ من الدخول فی لشبھا انتھیٰ!

قول ابطال

مصنف (یعنی علامہ حلی) نے اپنے اس کاذب اور طریق عقل سے خارج کلام کو بعینہ مسئلہ خلق اعمال میں ذکر کیا ہے اور وہان ہم اس کا جواب دے چکے ہین لیکن چونکہ اس مقام مین اوس کلام کو دوبارہ ذکر کیا ہے تو ہم کو بھی اعادہ جواب کا بار اٹھانا لازم ہے پس ہم کہتے ہین کہ اون دو مقدموں مین سے جن پر ثبوت نبوت کے موقوف ہونے کا دعوے کیا ہے پہلا مقدمہ (اور وہ کہ نبی نے دعوائے رسالت کیا اور خدا نے اوس کے دعوے کے موافق بغرض تصدیق معجزہ ظاہر فرمایا) درست نہین کیونکہ اس سے پہلے ہم واضح کر آئے ہین کہ اظہار معجزہ کی غایت اور اوسکی حکمت و مصلحت یہ ہوتی ہے کہ خدائے تعالیٰ نبی کے دعوے کی تصدیق کرے اور یہ امر محض اس پر موقوف ہے کہ خدا کا معجزہ ظاہر کرنا حکمۃ و مصلحۃ و غایۃ پر مشتمل ہو۔ غرض اور اوس علۃ غائیہ کے ثابت کرنے پر موقوف نہین ہے جو (خدائے تعالیٰ کیلئے) موجب نقص و احتیاج ہو پس پہلا مقدمہ اشاعرہ کی رائے کی بنا پر ثابت ہو گیا اور جو کچھ مصنف نے اون پر وارد کیا ہے۔۔ باطل ہو گیا۔ اور دوسرا مقدمہ یعنی جس کی خدا تصدیق کرے وہ صادق ہو گا تو اوسکو اشاعرہ بھی ثابت کرتے ہین اور اوس پر دلائل صحیحہ صریحہ سے استدلال کرتے ہین اور خدائے تعالیٰ کا اون قبائح کو خلق کرنا جو بہ نسبت اوس کے قبیح نہین ہوتین اس کو مستلزم نہین ہے کہ ہر صادق و کاذب مدعی نبوت کا دعوے اوسی کی جانب سے وجود مین آئے آخر اس کلام سے کہ "ہر محق و مبطل کا دعوے خدا ہی کیجانب سے ہو گا" کیا مقصود ہے؟ آیا یہ مراد ہے کہ اوسکے ارادات بخلق الٰہی وجود مین آئینگے؟ تو اس کی صحت مین کلام نہین کیونکہ ہر فعل کو خدا ہی خلق فرماتا ہے اور اگر یہ مراد ہے کہ وہ (دعوے) خدا کا پسندیدہ ہو گا اور وہ صادق و کاذب دونو کو مبعوث برسالت کرتا ہے؟ تو یہ باطل صریح ہے۔ کیونکہ خدائے تعالےٰ اپنے بندون کے کفر و ضلال پر راضی نہین ہوتا اگرچہ وہ اوسی کے خلق و تقدیر سے صادر ہوتے ہین جیسا کہ تم بارہا سن چکے ہو اور جو شخص نبوت کا دعوے کرتا ہے اور خدا کی طرف سے مبعوث ہوتا ہے اوسکی تصدیق کے لئے معجزہ ظاہر کرنے پر عادت الٰہیہ جاری ہے اور وہ اس سے کبھی متخلف نہین ہوتی اور (اسی طرح) خدائے تعالےٰ کی وہ عادت جس کے برخلاف ہونا بمنزلہ محال عادی کے ہے اس امر پر جاری ہے کہ جھوٹے کے ہاتھ پر معجزہ کا اظہار نہ ہو اور حاصل کلام یہ ہے کہ اشاعرہ اس کے قائل ہین کہ کوئی شے خدائے تعالےٰ پر واجب نہین اس لئے کہ وہ مالک مطلق ہے اوس پر کوئی شے واجب نہین ہو سکتی اور (مصنف نے) یہ جو کہا ہے کہ اسکی معرفت کسطرح حاصل ہو سکتی ہے کہ یہ شخص جسکی تصدیق خدا نے کی ہے اپنے دعوے مین صادق ہے؟ تو ہم (جواب مین) کہتے ہین کہ اسکی شناخت معجزہ ہی سے حاصل ہوگی یہ قول کہ (بنا بر مذہب اشاعرہ) جائز ہو گا

کہ کاذب کے ہاتھ پر خدا معجزہ ظاہر فرمائے تو (اس کی بابت) ہم کہتے ہین کہ اس جواز سے تمہارا مقصود کیا ہے آیا امکان عقلی؟ (یعنی عقلاً کاذب کے ہاتھ پر معجزہ کا اظہار ممکن ہوگا) تو ہم کہتے ہین کہ (ہان) یہ عقلاً ممکن ہے۔ یا یہ ارادہ کرتے ہو کہ ایسا واقع ہونے کو عقل باعتبار عادت بھی تجویز کرتی ہے؟ تو ہم کہتے ہین کہ ایسا ہونا عادت کے اعتبار سے محال ہے اور علم عادی ہم کو یہ بتاتا ہے کہ عادت اللہ اس پر جاری نہین ہے (کہ جھوٹے کے ہاتھ پر معجزہ ظاہر فرمائے جس طرح (اسی عادت الٰہیہ پر نظر کرکے) ہم کو اس کا یقین حاصل ہے کہ فلان پہاڑ اس وقت سونے کا پہاڑ نہین بن گیا ہے (اگرچہ عقلاً ایسا ہو جانا محال نہین ہے) پس جو کچھ مصنف نے ذکر کیا ہے وہ اشاعرہ پر لازم نہین آتا۔

قول احقاق

فاضل مخاطب نے اس جواب مین جو کچھ بیان کیا ہے وہ بہت سی وجہون سے منقوض ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ (مجیب کا) بالخصوص اسی مقام مین یہ کہنا کہ مین کلام کا اعادہ کرتا ہون کوئی وجہ (معقول) نہین رکھتا اس لئے کہ اوس کے کلام کے سب ہی مراتب اعادہ مین اپنی قوم کی اون باتون کا جن کو مصنف نے نقل فرمایا ہے۔ غایۃ الامر یہ کہ یہ اعادہ اوسی طریقہ پر واقع ہوا ہے جیسے بیل اپنی ایک چبائی ہوئی شے کو دوبارہ (حلق سے) باہر لاتا ہے اور اوس کو (پہلے سے) زیادہ شکستگی و مضرت پہونچاتا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اشاعرہ کی رائے کی بنا پر پہلے مقدمہ کی توجیہ مین جو کچھ کہا ہے وہ بالکل غیر موجہ (اور بیفائدہ) ہے کیونکہ مصنف قدس سرہ نے اپنے کلام مین تعمیم رکھی ہے اور "لغرض من الاغراض وغایۃ من الغایات" کہا ہے پس وہ اوس غایت کو بھی شامل ہے جس کا افعال الٰہیہ مین معتبر ہونا فاضل مخاطب نے تسلیم کیا ہے پس یہ کلام مصنف کے کلام کو دفع کرنے والا جواب کیونکر ہو سکتا ہے ہان اگر جواب مین یہ کہتے کہ اشعری مطلق غایت کا انکار نہین کرتے تو البتہ ہو سکتا تھا لیکن (یہ کہنا ممکن نہین اس لئے کہ) وہ مطلق غایت و غرض کی نفی کرتے ہین جیسا کہ کتابون مین مذکور ہے پس دفع الزام کیلئے اشعری کیطرف سے یہ کہنا کہ مطلق غایت (افعال الٰہیہ مین ثابت ہے) وکالۃً فضولیہ ہے۔ خلاصہ یہ کہ اشعری مطلق غایت و غرض کی نفی کرتے ہین عام اس سے کہ وہ علۃ غائیہ کے معنی مین ہو یا فائدہ و مصلحۃ کے اور وہ اس (فائدہ و مصلحۃ) کے قائل کیونکر ہو سکتے ہین جبکہ تصریحاً یہ کہدیا ہے کہ کسی فعل مین کوئی ایسی جہت نہین ہوتی جو اوسکو حسن یا قبیح ٹھیرائے خواہ اوسکی ذات کے اعتبار سے ہو یا صفت لازمہ اور دیگر جہات و اعتبارات کے لحاظ سے جیسا کہ حسن و قبیح افعال کے بحث مین پہلے مذکور ہو چکا ہے اور اگر وہ اوس قول کے قائل ہوتے جس کا اعتراف مخاطب نے اون کی جانب سے کیا ہے تو وہ فاضل تفتازانی پر جو کہ اون کے اتباع متعصبین مین سے ہین مخفی نہ

رہ جانا اور وہ شرح مختصر الاصول کی شرح مین اون کی رد کرتے ہوئے یہ نہ کہتے کہ "حق تو یہ ہے کہ بعض افعال خصوصاً شرعیۃ احکام و مصالح کے علل ظاہر ہین مثلاً حدود و کفارات کا واجب اور مسکرات کا حرام کرنا اور ایسے ہی دیگر احکام (کے علل و مصالح ظاہر ہین) اور نصوص (قرآنیہ) بھی اس پر شہادت دے رہی ہین (کہ بعض افعال آلہیہ غرض و غایت پر مبنی ہین) جیساکہ خدا تعالےٰ کے ان اقوال سے (ظاہر ہوتا ہے)" (۱) وماخلقت الجن والانس الا لیعبدون (۲) ومن اجل ذالك كتبنا علی بنی اسرائیل الایۃ (۳) فلما قضی زید منها وطرا زوجناکها لکیلا یکون علی المومنین الایۃ اور اسی سبب ایک مختصر جماعت کے علاوہ سبکے نزدیک قیاس حجت قرار پاتا ہے لیکن اس کی تعمیم (یعنی ہر فعل آلہی کا اسیطرح غرض و غایت پر مبنی ہونا) البتہ محل بحث ہے انتھے کلامہ بالجملہ اگر نزاع (در اصل اس حکم مین نہ ہوتی کہ آیا افعال آلہیہ کی کوئی غایۃ ہوتی ہے یا نہین بلکہ) فقط منشا حکم کی تعبیر مین ہوتی کہ غرض وعلۃ غائیہ سے نہین بلکہ مصلحۃ و غایۃ سے تعبیر کرنا چاہیے جیساکہ فاضل مخاطب نے کیا ہے تو وہ تخصیص بحث کرکے (اشاعرہ و معتزلہ کے درمیان) محاکمہ کرنے پر مضطر نہ ہوجاتے (جو مبحث افعال مین گذر چکا ہے) خلاصہ یہ کہ الفاظ علۃ غائیہ و غرض و مصلحۃ تقریباً ایک ہی معنی رکھتے ہین اون کے درمیان بہ تکلف فرق پیدا کرنا اور ایک سے دوسرے کیطرف بھاگنا جسکا ارتکاب بعض متاخرین نے کیا ہے محض مرض خناق کی تنگی کے سبب سے واقع ہوا ہے نہ کہ تحصیل اتفاق کی غرض سے لیکن بہر صورت اتفاق ہوجاتا ہے اگر علۃ غائیہ و مصلحت و حکمۃ متقارب المعنی لفظین ہین تو حصول اتفاق ظاہر ہے لیکن اگر علۃ غائیہ کے معنی کچھ اور ہین جسکا یہ لوگ انکار کرتے ہین تو ہم بھی اس انکار مین اون کے شریک ہین کیونکہ ہمارا مدعا محض غایت بمعنی مصلحت و حکمت ہی کا ثابت کرنا ہے جس کا اقرار یہ لوگ بھی کرنے لگے لہذا اتفاق بہ صورت حاصل ہوگیا اور یہ مقام مسرت ہے نیز جس دلیل نے ابو الحسن اشعری کو (افعال الٰہیہ کے) مبنی بر علل ہونے کے انکار کیطرف کھینچا ہے اور وہ یہ کہ (اس صورت مین) پروردگار عالم کا اپنے مخلوق سے متاثر ہونا لازم آئیگا وہ جسطرح تعلیل کی نفی کرتی ہے اوسیطرح رعایت مصالح کی بھی نفی کرتی ہے (یعنی بہر صورت تاثر مخلوق سے لازم آئیگا) لہذا کوئی وجہ نہین کہ اوسکی طرف افعال مین اثبات مصالح کی نسبت دیجاے ہم اس دلیل کو مع اوسکے مفاسد کے اوائل کتاب مین ذکر کر چکے ہین۔ واللہ الموفق للصواب۔

اور تیسری وجہ ۔ یہ ہے کہ دوسرے مقدمہ کی توجیہ مین جو کچھ ذکر کیا ہے وہ مردود اور باطل ہے شق اول (یعنی ہر محق و مبطل کا دعوے بخلق الٰہی واقع ہوتا ہے) مین یہ کہنا کہ ہم اسمین کوئی کلام نہین ہے کئی وجہون سے محل کلام ہے اون مین سے بعض تو وہ ہین جو خلق افعال کی بحث مین گذر چکین اور ایک یہ ہے

کہ جب صادق و کاذب دونو کا دعوے خدائے تعالےٰ ہی کا مخلوق ہوگا اور قبائح مین سے کوئی شے
اوسکے لئے قبیح نہ ہوگی تو کیونکر معلوم ہو سکے گا کہ یہ قبیح منہی عنہ ہے اوسکو خدا نے مدعی نبوت مین خلق کردیا
ہے اور بندے کے کسب کو اوسکے موافق جاری کیا ہے تاکہ (یہ معلوم کرکے) ہم اوسکو قبول نہ کرین یا یہ حسن اور اوسکا پسندیدہ ہے
تاکہ ہم اوسکا اتباع کرین۔ اور یہ اعتراف کرنا کہ خدا اپنے بندون کیلئے کفر و ضلال کو پسند نہین کرتا محض اوسی وقت فائدہ دیسکتا ہے جبکہ
وہان کوئی ایسی وجہ موجود ہو جس سے عقل کے نزدیک کفر و ضلال اپنے غیر (ایمان و ہدایت) سے ممتاز ہو سکے مگر جبکہ مذہب اشاعرہ کی بناپر ذاتی ہو و صفتی یا
اعتباری ہر طرح سے حسن و قبح سے متصف نہ ہونے مین سب افعال برابر ہین (اون مین سے کوئی نہ حسن سمجھا جاسکتا
ہے نہ قبیح) تو پھر مکلف اس امر کیطرف کیونکر ہدایت پا سکتا ہے کہ یہ دعوے جو مدعی نبوت مین خلق
کیا گیا ہے حسن و پسندیدۂ خدائے تعالےٰ ہے یا قبیح و ناپسندیدہ ہے (تاکہ اوس کا اقرار یا انکار کرسکے)
اور جواز کی تردید مین یہ جو کہا ہے کہ "آیا تم امکان عقلی مراد لیتے ہو الخ" تو اوس مین جو کچھ سخن سازی
و دروغ بافی موجود ہے وہ مخفی نہین اس لئے کہ یہان امکان عقلی کو تجویز عقلی بحسب العادۃ کا مقابل قرار
دیا ہے حالانکہ (ان دونو مین تقابل نہین ہے بلکہ) اس مقام مین تقابل امکان عقلی اور امکان عادی
کے درمیان ہے کاش مجھے معلوم ہوجاتا کہ آخر تجویز عقلی بحسب العادۃ کے معنی کیا ہین؟ بالجملہ ہم شق اول
کو اختیار کرکے کہتے ہین کہ یہان امکان عقلی یعنی "تجویز العقل وقوع الکذب" مراد ہے (یعنی عقل کا یہ تجویز
کرنا کہ خداوند عالم سے کذب واقع ہوسکتا ہے) پس اس بنا پر دلیل مصنف کا حاصل یہ ہوگا کہ بتقدیر
نفی قبح عقلی کذب خداوند عالم پر ممتنع عقلی باین معنی نہین رہ جاتا کہ عقل اوس کے نہ صادر ہونے کا
یقین کرلے اس لئے کہ یہ یقین محض اسی دلیل سے ہوسکتا ہے کہ اوس سے قبیح کا صادر ہونا محال ہے
(پھر جبکہ اسی کی نفی کردیگئی تو عقل کذب کے نہ صادر ہونے کا یقین کیونکر حاصل کرسکتی ہے) اور
جب کہ عقل کو خداوند عالم سے قبیح کے صادر نہ ہونے کا یقین حاصل نہ ہوا تو یہ تجویز کرسکتی ہے کہ وہ
کاذب کے ہاتھ پر بھی معجزہ ظاہر کرسکتا ہے اور جب عقل نے یہ تجویز کرلیا تو اثبات نبوت کا باب
مسدود ہوگیا پھر کسی نبی کی نبوت ثابت نہین ہوسکتی جیسا کہ مصنف قدس سرہ نے فرمایا ہے اور حاصل
کلام یہ کہ جب اشاعرہ نے یہ اعتراف کرلیا کہ خداوند عالم کے لئے کاذب کے ہاتھ پر معجزہ ظاہر فرمانا اور
اوسکی تصدیق کرنا جائز ہے تو محض یہ دعوے کہ ایسا واقع نہ ہونے کا ہمکو یقین حاصل ہے (اثبات نبوت
کے لئے کافی نہین ہے۔ کیونکہ یہ دعوے بدیہی نہین ہے (جو دلیل سے ثابت کئے جانے کا محتاج
نہ ہو) بلکہ اوسکو ثابت بھی کرنا لازم ہے (یعنی فی الواقع ایسا کبھی نہین ہوا کہ خدا نے کاذب کے ہاتھ
پر معجزہ ظاہر کیا ہو) تاکہ اوس سے نبوت ثابت کیجا سکے اور اس پر طریقہ اشعری کے بناپر کسی طرح

کی کوئی دلیل قائم نہین ہو سکتی نہ شرعاً (کوئی دلیل قائم ہو سکتی ہے) کیونکہ ثبوت نبوت سے پہلے شرع ثابت نہین ہوتی اور نہ عقلاً (کوئی دلیل حاصل ہو سکتی ہے) اس لئے کہ یہ پہلے ہی فرض کیا جا چکا ہے کہ افعال مین نہ اون کی ذات کے اعتبار سے کوئی ایسی وجہ پائی جاتی ہے جو اون کو حسن یا قبیح ٹھیرائے اور نہ صفات و اعتبارات کے لحاظ سے جس سے عقل اون کے حالات پر استدلال کر سکے کہ وہ حسن ہین یا قبیح اور موجب رضائے آلٰہی ہین یا اوس کے غضب کے باعث۔ اور نہ عادت کے اعتبار سے (کوئی دلیل قائم ہو سکتی ہے) اس لئے کہ پہلے مذکور ہو چکا کہ عادت کے یہ معنی ہین کہ کوئی امر بار بار وجود مین آئے بغیر اس کے کہ اوس مین کسی علاقہ عقلیہ (اور حکم عقل) کا دخل ہو پس یہ بات سب سے پہلے نبی بلکہ دوسرے نبی کیلئے بھی حاصل نہین ہو سکتی بلکہ ہماری نبی جو خاتم الانبیا ہین اون کے معجزہ کی بابت بھی مفید نہین ہو سکتی اس لئے کہ آپ جن اہل جاہلیت کی طرف مبعوث کئے گئے تھے اون کی نشو و نما ایام فترت رسل مین ہوئی تھی اکثر لوگون کو اس پر اطلاع نہ تھی کہ انبیائے سابقین کے حالات و معجزات کیا تھے اور اون مین عادت کیونکر جاری تھی پس (اس حالت بے خبری مین) مدعی نبوت کے صدق و کذب کا علم عادی اون کو کیونکر حاصل ہو سکتا تھا۔ پس حجت کا منقطع اور باب اثبات نبوت کا مسدود ہو جانا لامحالہ لازم آئیگا اور جس طرح ہم نے تقریر دلیل و توضیح سبیل کی ہے اوس سے ظاہر ہو گیا کہ کلام مصنف علامہ مین جو حقائق و الہامات موجود ہین اون کو ترہات و طامات (کلام باطل و بے ہودہ) سے تشبیہ دینا فاضل مخاطب کا محض تعصب فاسد اور دروغ بے فروغ ہے۔

قول علامہ علیہ الرحمۃ

بحث ثانی اس امر کی بابت کہ انبیاء معصوم ہین۔ فرقہ امامیہ کا اتفاق اسی امر پر ہے کہ انبیاء جملہ صغائر و کبائر سے معصوم اور تمام گناہون سے منزہ ہین خواہ قبل نبوت ہو یا بعد نبوت اور عمداً ہو یا سہواً اور (اسی طرح) ہر رذیلہ و منقصہ اور اون تمام امور سے جو خست نفس و دنائت طبع کی دلیل ہون پاک ہین مگر اس بارے مین اہل سنت نے بالعموم اون سے مخالفت کی ہے اور انبیاء سے معاصی کا صادر ہو جانا جائز بتایا ہے اور بعضون نے تو کفر کو قبل نبوت بھی اون پر جائز بتایا ہے اور ان سے سہو و غلطی کا واقع ہونا تجویز کیا ہے اور رسول خدا صلعم کیطرف قرآن کو بھول جانے اور اون کلمات کو پڑھنے کی نسبت دی ہے جو موجب کفر ہین چنانچہ کہتے ہین کہ ایک دن انحضرت صلعم نے نماز صبح مین سورہ نجم کی تلاوت فرمائی اور اس مین آیۂ افرأیتم اللات والعزی ومنوۃ الثالثۃ الاخری کے بعد تلک الغرانیق العلی منہا الشفاعۃ ترتجی

پڑھ گئی گویا آپ نے اس کا اقرار کیا کہ اون بتون سے شفاعت کی امید کیجاتی ہے خدا کی پناہ اس کلام کفر سے جسکے کہنے کی طرف آنحضرت کو منسوب کیا گیا ہے آخر یہ حضرات اہلسنت کل (بروز قیامت) رسول اللہ صلعم کے سامنے کیا عذر پیش کرینگے (کیا غضب ہے کہ) آپ نے بتون کی عبادت ہی کی بدولت تو اپنے بہت سے اعزہ واقارب کو قتل کیا اور خدا کے معاملہ مین کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کی اور آپ کی طرف ایسے قول کی نسبت دیجاتی ہے جو موجب شرک وکفر ہے آپ کا منصب تو ہدایت عالم تھا (پھر یہ کلمہ کفر منہہ سے نکالنا کیسا؟) انواع ضلالت مین کوئی نوع اس سے بڑھکر تو ہو نہین سکتی۔ آخر یہ (کلمہ کفر) خدا تعالیٰ کے اس قول لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل کے ساتھ کیونکر جمع ہو سکتا ہے (یعنی باوجود اس کلمہ کفر وضلال کے آپ کی بعثت اس لئے کیونکر کہی جاسکتی ہے کہ لوگونکو خدا کے سامنے حجت پیش کرنے کا موقع باقی نہ رہ جائے) کیا اس سے بڑی حجت اور کچھ بھی ہو سکتی ہے کہ بندہ (خدا سے) یہ کہے کہ تو نے ہی تو ہمارے پاس ایسے رسول کو بھیجا جو ہمکو شرک وکفر وتعظیم اصنام کی طرف دعوت دیتا تھا (پھر ہماری کیا خطا ہے) بے شبہ اون لوگون پر جو ایسے قول کے قائل ہین خدا تعالےٰ کا یہ ارشاد صادق آتا ہے کہ ما قدروا اللہ حق قدرہ انتہی

قول ابطال

تمام اہل ملل وشرائع کا اس پر اجماع ہے کہ انبیاء اون باتون مین عمداً جھوٹ بولنے سے معصوم ہین جن کی سچائی پر معجزہ دلالت کرتا ہے مثلاً دعوائے رسالت اور وہ امور جن کو وہ خدا کیطرف سے خلق تک پہونچاتے ہین کیونکہ اس بارے مین اون کیلئے کذب وافترا عقلاً جائز ہو تو معجزہ کی دلالت کا ابطال لازم آئیگا۔ (یعنی معجزہ دلیل صدق نہ رہے گا) اور یہ محال ہے۔ اور اس امر کی بابت کہ امور مذکورہ (دعوے رسالت وغیرہ) مین اون سے بطریق سہو ونسیان کذب کا صادر ہونا جائز ہے (یا نہین علماء کے درمیان) اختلاف ہے اوستاد ابو اسحاق اور بہت سے علمائے اعلام نے اس کا انکار کیا ہے اس لئے کہ معجزہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ تبلیغ احکام مین سچے ہین پس اگر اس مین غلطی جائز ہو (یعنی وہ فی الواقع صادق نہ ہون) تو دلالت معجزہ باطل ہو جائیگی اور یہ نا ممکن ہے۔ رہا معاصی کا معاملہ تو وہ یا کفر ہین یا نہین اگر کفر ہین تو ان سے قبل نبوت وبعد نبوت معصوم ہونے پر امت کا اجماع ہے اس مین کسی کو اختلاف نہین ہے (البتہ) فرقہ شیعہ نے انبیاء کے لئے بطریق تقیہ اظہار کفر اوس وقت جائز بتایا ہے جبکہ اون کو خوف ہلاکت نفس لاحق ہو اور اس سے بالکلیہ دعوت کا اخفا لازم آتا ہے جو قطعاً باطل

ہے اس لئے کہ اس صورت میں دعوت کو بالکلیہ مخفی اور تبلیغ رسالت کو ترک کر دینا لازم آئیگا۔ کیونکہ (انبیاء کے) ضعف اور مخالفین کی کثرت کے سبب دعوت ہی کا وقت تو تقیہ کے بہترین اوقات میں سے ہوگا (یعنی جو دعوت کا وقت ہوگا وہی تقیہ کا بھی وقت ہوگا) پس جبکہ تقیہ جائز ٹھہرا تو لامحالہ دعوت و تبلیغ رسالت بالکل مفقود و متروک ہو جائیگی (پس) ذرہ ان متعصبین کو دیکھو کہ خود تو انبیا کے لئے یہ جائز بتاتے ہیں کہ تقیہ کر کے کفر ظاہر کریں اپنی جانیں بچائیں اور حقوق اللہ کو ترک کر دیں اور پھر اہل سنت پر طعن و تشنیع کرتے ہیں کہ وہ انبیا علیہم السلام پر سہو جائز ہونے کے قائل ہیں۔

رہے معاصی صغائر و کبائر تو (اون کی دو صورتیں ہیں) یا تو عمداً صادر ہوں گے یا سہواً۔ جمہور محققین نے کبائر کے (انبیاء سے عمداً) صادر ہونے کا انکار کیا ہے اور اکثر علما کی یہ رائے ہے کہ اونکا صادر ہونا بدلیل سمعی ممتنع ہے (نہ بدلیل عقلی) قاضی اور محققین اشاعرہ نے یہ کہا ہے کہ تبلیغ کے سوا دیگر امور میں عصمت عقلاً واجب نہیں ہے کیونکہ معجزہ اوس پر دلالت نہیں کرتا۔ پس اون سے گناہان کبیرہ کے عمداً صدور کا محال ہونا دلیل سمعی (قرآن و حدیث) اور اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس کے مخالف رائے رکھنے والوں کے ظہور سے پہلے اسی پر امت کا اجماع تھا رہا کبائر کا سہواً یا تاویل میں خطا واقع ہو جانے سے صادر ہونا تو اوسکے متعلق قول مختار یہی ہے کہ جائز نہیں۔ او صغائر کا عمداً صادر ہونا تو جمہور علما نے اس کو جائز ٹھہرایا ہے اور سہواً صادر ہونا ہمارے اکثر اصحاب (اشاعرہ) اور اکثر معتزلہ کے نزدیک بھی جائز ہے البتہ وہ صغائر خسیسہ مثلاً ایک حبہ یا ایک لقمہ کا چورانا جائز نہیں ہو سکتا جس کا مرتکب ہونے والا دنائت خست و رذالت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور فرقہ شیعہ اس کا قائل ہے کہ اون سے کسی صغیرہ و کبیرہ کا صادر ہونا جائز نہیں خواہ وہ عمداً ہو یا سہواً اور خطائی التاویل سے اور وہ لوگ ہر طرح کے گناہوں سے وحی نازل ہونے سے پہلے ہی پاک ہوتے ہیں پھر بعد وحی کیونکر نہ ہونگے اور اشاعرہ اس امر پر کہ انبیا کا سہواً و عمداً صدور کبائر سے معصوم ہونا واجب ہے کئی وجوہ سے استدلال کرتے ہیں اور ہم بیان اونکے ادلہ کو بیان کرتے ہیں مگر اس لئے نہیں کہ اون سے خصم (فرقہ شیعہ) پر احتجاج کریں کیونکہ وہ تو خود اس مسئلہ میں اون سے موافقت رکھتا ہے بلکہ اس غرض سے کہ انبیاء پر تجویز کبائر کا جو جھوٹا الزام مصنف نے اشاعرہ پر قائم کیا ہے اوس کو مرتفع کر دیں۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ اگر انبیا سے گناہ صادر ہو سکے گا تو اوس میں اون کی پیروی کرنا یقیناً حرام ہوگا کیونکہ گناہ کے ارتکاب کا (ہر شخص پر) حرام ہونا بداہۃً ثابت ہے حالانکہ اون (انبیا) کا اتباع بالاجماع واجب ہے نیز

خداوند عالم کے اس قول سے "ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ" (اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو کہ اس سے خدا بھی تم کو دوست رکھے گا) یہ دلیل جو صغائر و کبائر دونوں سے انبیا کی عصمت کے وجوب کو ثابت کرتی ہے اشاعرہ نے بیان کی ہے اور اس مین فرقہ شیعہ سے موافقت حاصل ہے پس معلوم ہوا کہ اشاعرہ اس رائے مین شیعون کے موافق ہین کہ انبیا کا صغائر و کبائر سے معصوم ہونا واجب ہے۔ البتہ صغائر کی بابت محض تجویز عقلی ایک دوسری دلیل کے سبب جو تحقیق عصمت مین عنقریب آئیگی بیان کرتے ہین (ادن کے واقع ہونے کے قائل نہین ہین)۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر انبیا گناہ کرین تو اون کی شہادت کا رد کر دینا یقیناً لازم ہوگا اس لئے کہ بالاجماع فاسق کی شہادت قبول نہین کیجا سکتی اور لازم (یعنی وجوب رد شہادت انبیا) بالاجماع باطل ہے کیونکہ دنیا کی قلیل اور فانی شے مین جس کی شہادت مقبول نہ ہوگی اوس کی شہادت قیامت کے دن دین قیم کے معاملہ مین کب سنی جائیگی اور یہ دلیل اس پر دلالت کرتی ہے کہ اون کا کبائر کے مرتکب ہونے اور صغائر پر اصرار کرنے سے معصوم ہونا واجب ہے کیونکہ یہی رد شہادت کا موجب ہے صدور صغیرہ سے معصوم ہونے پر (یہ دلیل) دلالت نہین کرتی (کیونکہ اوس سے شہادت کا رد کر دیا جانا واجب نہین ہوتا) **تیسری دلیل** یہ ہے کہ اون سے گناہ صادر ہو تو اون کو زجر و توبیخ (ملامت و سرزنش) کرنا واجب ہوگا کیونکہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا وجوب عام ہے حالانکہ اون کو کسی طرح کی ایذا دینا بالاجماع حرام ہے نیز اگر وہ گناہ کے مرتکب ہونگے تو پروردگار عالم کے اس قول ومن یعص اللہ ورسولہ فان لہ نار جہنم اور اس قول الا لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین اور اس کلام ملامت و مذمت لم تقولون مالا تفعلون اور اس ارشاد اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم کے تحت مین داخل ہو جائینگے جس سے اون کا مستحق عذاب جہنم اور ملعون و مذموم ہونا لازم آئیگا اور یہ اجماعاً باطل ہے اور یہ دلیل بھی تمام گناہون سے معصوم ہونے پر دلالت کرتی ہے ان (دلائل ثلثہ) کے علاوہ اور دلیلین بھی ہین جن کو امام رازی نے ذکر کیا ہے غرض (اس طویل کلام سے) یہ ہے کہ اس شخص (مصنف علامہ) نے جو کہا ہے کہ انبیا کے مرتکب معاصی ہونے سے حجۃ اللہ کا ابطال لازم آتا ہے تو اشاعرہ کا مذہب اس سے بری ہے کیونکہ انھون نے تو (عصمت پر) یہ دلائل بیان کئے ہین رہا اون چھوٹے گناہون کا (انبیا کے لئے) تجویز کرنا جو کمینہ پن پر دلالت نہین کرتے تو اوس کا سبب یہ ہے کہ گناہ صغیرہ جو شاذ و نادر عمداً واقع ہو جائے کبائر سے بچنے والے سے معاف کر دیا جاتا ہے اور

نبی بھی بشر ہوتا ہے اور بشر سے اس کا واقع ہوجانا بعید نہین ہوتا۔ پھر تم کو معلوم ہو کہ اس بحث کی تحقیق معنی عصمة کی تحقیق کی طرف راجع ہے اور اشاعرہ کے نزدیک اون کی اس اصل مسلم کی بنا پر کہ تمام چیزین ابتدأً فاعل مختار (خدا) ہی کی طرف منسوب ہین (اوسی کے خلق سے وجود مین آئی ہین) عصمت کے معنی یہ ہونگے کہ خداوند عالم انبیا کی ذوات مین گناہ کو خلق نہ کرے پس اس بنا پر انبیا معصوم ہوتے ہین کفر و کبائر اور اون صغائر سے جو خست و رذالت کو ثابت کرتے ہین (یعنی خدا ان باتون کو اون مین خلق نہین کرتا) رہے اور صغائر (جو رذالت و خست کو ظاہر نہین کرتے) تو اشاعرہ اون سے معصوم ہونے کے قائل نہین اس لئے کہ وہ تارک کبیرہ سے معفو ہے اس نص قران کے بموجب "اِنَّ الَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَ الْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ اِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ هُوَ اَعْلَمُ بِکُمْ اِذْ اَنْشَاَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ اِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِکُمْ فَلَا تُزَکُّوْٓا اَنْفُسَکُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی۔"

یہ آیت بتارہی ہے کہ جو شخص ذنوب کبیرہ و معاصی فاحشہ سے بچنے والا ہو اوس سے چھوٹے گناہ جو سرزد ہوتے ہون معاف کردئے جاتے ہین نیز آیت مین اس امر کی طرف اشارہ موجود ہے کہ ازبسکہ انسان کی خلقت و نشو و نما مٹی سے ہوئی ہے اس لئے وہ اس خاکی کدورت (و کثافت) سے خالی نہین ہوتا جو معصیت و غفلت کی مقتضی ہوتی ہے پس بعض گناہ اوس سے محض موافق مقتضائے طبع سرزد ہوجاتے ہین اور جو نکہ وہ ملکہ عصمة کے خلاف نہین ہوتے (یعنی اون کے صادر ہونے سے ملکہ عصمة مین کوئی خلل واقع نہین ہوتا) اس لئے قابل مواخذہ بھی نہین ہوتے۔ اور حکما کے نزدیک عصمت ایک ملکہ ہے جو فسق و فجور سے باز رکھتا ہے اور یہ (ملکہ) ابتدأ معاصی کی برائیون اور طاعات کی خوبیون کے معلوم کرنے سے حاصل ہوتا ہے اور پھر جائز و ناجائز امور کے متعلق پے در پے اون پر وحی اوامر و نواہی نازل ہونے سے انبیا مین مستحکم ہوجاتا ہے اور جو صغائر اون سے سہواً یا عمداً صادر ہوتے ہین وہ اون لوگون کے نزدیک جو عمداً ترک اولی و افضل کو (انبیا کے لئے) جائز سمجھتے ہین کیونکہ وہ مانع ملکہ عصمت نہین ہوتا اس سبب سے کہ صفات نفسانیہ ابتدائی حصول مین احوال (و کیفیات) ہوتی ہین پھر رفتہ رفتہ ملکات بن جاتی ہین نیز انبیا و گناہون کے ترک پر مکلف ہوتے ہین اور مستحق ثواب قرار پاتے ہین پس اگر اون سے گناہ کا واقع ہونا محال ہو تو ایسا نہین ہوسکتا (یعنی ترک معاصی پر مکلف و مثاب نہین ہوسکتے)

اس لئے کہ امر محال کے ترک کی نہ تکلیف دی جا سکتی اور نہ اوس پر ثواب مرتب ہو سکتا ہے
نیز خدائے تعالےٰ کا یہ ارشاد "قل انما انا بشر مثلکم یوحی الیّ" اس امر پر دلالت
کرتا ہے کہ اون باتوں مین جن کی رجوع بشریت کی جانب ہوتی ہے تمام آدمیوں سے مشابہت
ومماثلت رکھتے ہین امتیاز فقط وحی سے حاصل ہوتا ہے اور بس۔ پس اون سے بھی گناہ
کا سرزد ہونا محال نہ ہوگا جس طرح اور افراد بشر سے محال نہین ہے یہی مذہب اشاعرہ کی حقیقت
ہے جو شخص اس مین غور وفکر کریگا جان لے گا کہ وہ حق صریح عقل ونقل کے مطابق ہے اور
جو کچھ اس شخص (مصنف علامہ) نے بر سبیل طعن وتشنیع ذکر کیا ہے وہ اون (اشاعرہ) پر وارد نہین
ہوتا جیسا کہ تم نے مجملاً معلوم کر لیا اور مفصلاً عنقریب معلوم کروگے جہان کہ اس شخص کے اقوال
سے بحث کیجائیگی اور قصہ سورۂ نجم اور اوس مین رسول خدا کا غیر قرآن کلمات کو پڑھ جانا جو
بیان کیا ہے تو یہ ایسا امر ہے جو کتب صحاح مین مذکور نہین ہے بلکہ صرف بعض تفاسیر مین ذکر کیا
گیا ہے اور اون (مفسرین) نے یہ ذکر کیا ہے کہ جب آپ کی قوم کا انکار وانحراف آپ کے
دین سے درجہ شدت کو پہونچ گیا تو یہ تمنا کی کہ آپ کے اوپر خدا کی طرف سے کوئی ایسی چیز نازل
ہوتی جس کے ذریعہ اون سے قرب حاصل کرتے اور اون کے قلوب کو مائل کر لیتے پس خدا نے آپ
کے اوپر سورۂ نجم کو نازل فرمایا جب اوس کے پڑھنے مین مشغول ہوئے تو قول خدا وند عالم
افرأیتم اللات والعزی ومنوة الثالثة الاخری" کے بعد "تلك الغرانیق العلی
منها الشفاعة ترتجی" بھی پڑھ گئے پس جب قریش نے یہ کلمات سنے تو خوش ہوئے اور کہنے لگے
کہ (آج تو) ہمارے خداؤن کو بھلائی سے یاد کیا پس جبریلؑ آپ کے پاس بعد شام کے آئے
اور کہنے لگے کہ آپ نے لوگون کے سامنے وہ کلمات پڑھے جو مین نے آپ کے سامنے نہین پڑھے
تھے۔ پس رسول خدا (یہ معلوم کرکے) نہایت محزون اور خدا سے بہت خائف ہوئے پس آپ کو
تسلی دینے کے لئے خدا نے یہ آیت نازل کی "وما ارسلنا من قبلك من رسول الآیہ"
(ہم نے جب کبھی کوئی رسول یا نبی بھیجا تو ضرور واقع ہوا کہ جب اوس نے کوئی آرزو کی تو شیطان نے
اوسکی آرزو مین خلل ڈالا) یہ واقعہ بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے اور اوس سے اون لوگون نے استدلال
کیا ہے جو کبائر کو انبیاء پر جائز سمجھتے ہین اور اشاعرہ نے تمنے کو "قرائۃ" پر محمول فرض کرکے
اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ محض القائے شیطانی تھا یعنی درحقیقت شیطان نے آیہ منقولہ
(تلك الغرانیق العلی الی آخرها) پڑھی تھی اور اپنی آواز حضرت کی آواز مین اسقدر ملا دیا

تھی کہ آپ ہی کے پڑھنے کا گمان ہونے لگا اشاعرہ نے کہا ہے کہ اگر یہ شیطان کا القاء تھا بلکہ فی الواقع اوس کے پڑھنے والے حضرت ہی تھے تو ماننا پڑیگا کہ آپ سے کفر صادر ہوا حالانکہ یہ بالاجماع جائز نہیں ہے نیز ہو سکتا ہے کہ یہ عبارت بھی قرآن میں داخل رہی ہو اور "تلک الغرانیق" سے ملائکہ کی طرف اشارہ رہا ہو پھر موجب اشتباہ ہونے کی وجہ سے بعد میں اوسکی تلاوت منسوخ کر دیگئی ہو اور جس نے سورۂ نجم پڑھا ہے اور اوس کی آیات کی ترتیب و سیاق میں غور کیا ہے وہ جانتا ہوگا کہ ان کلمات کا نہ ذکر اصنام کے بعد کوئی جوڑ معلوم ہوتا ہے اور نہ اوس کے درمیان میں اور ناممکن ہے کہ متکلم بلیغ بتوں کی مذمت بیان کرتے کرتے اون کی مدح کرنے لگے ہاں یہ کلمات ملائکہ کے ذکر میں البتہ مرتبط ہو جاتے ہیں اور وہ خدا تعالےٰ کا یہ ارشاد ہے "وکم من ملک فی السماوات لا یغنی شفاعتہم شیئا الا من بعد ان یاذن اللہ لمن یشاء ویرضی"

(یعنی آسمانوں میں کتنے فرشتے ہیں جنکی شفاعت کچھ بھی فائدہ نہیں دیتی لیکن بعد اس کے کہ خدا اذن عطا فرمائے جس کو چاہے اور پسند کرے) پس یہاں البتہ مناسب ہے کہ یہی پڑھا جائے کہ "تلک الغرانیق العلی وان شفاعتہن لترتجی" پس معلوم ہوا کہ اگر یہ روایت صحیح ہو تو ملائکہ کے وصف میں یہ کلمات واقع رہے ہوں گے پھر موجب اشتباہ ہونے کی وجہ سے (کہ یہ اصنام کا وصف ہے) یا کسی اور سبب سے منسوخ کر دئیگئے۔ واللہ اعلم۔

یہ جواب ہیں اشاعرہ کے جن سے معلوم ہوا کہ اس شخص (مصنف) نے جو اعتراض کیا ہے وہ اوس کے مفتریات میں سے ہے۔ اور اہل مغرب تو اس روایت کی صحت کا اصل ہی سے انکار کرتے ہیں چنانچہ شیخ امام قاضی ابوالفضل موسی بن عیاض الحصبی المغربی نے کتاب شفا میں کہا ہے کہ یہ ملاحدہ کے مفتریات میں سے ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے اور اس کے انکار میں پورا مبالغہ کیا ہے۔

قول احقاق اس کلام پر کئی وجہوں سے نقض وارد ہوتا ہے **پہلی وجہ**۔ فاضل مخاطب کا یہ کہنا کہ "استاد ابو اسحاق اور بہت سے ائمہ اعلام نے جواز صدور کذب کا انکار کیا ہے" غلط بیانی سے خالی نہیں ہے اس لئے کہ قاضی ابوبکر نے اوس کو جائز بتایا ہے جیسا کہ کتاب مواقف میں مذکور ہے اور قاضی مذکور اعلم اشاعرہ ہیں **دوسری وجہ**۔ اون کا یہ دعوے کہ انبیا کے قبل نبوت و بعد نبوت کفر سے معصوم ہونے پر اجماع ہی" کاذب ہے کیونکہ اشاعرہ میں سے ابن فورک اس کے مخالف ہیں اور کافر کی بعثت جائز بتاتے ہیں اور اس پر وہ کلام غزالی بھی

دلالت کرتا ہے جو انکی کتاب منخول مین موجود ہے ہم عنقریب اوسکو ذکر کرینگے اور بعض حشویہ نے کہا ہے کہ ہمارے نبی م بھی ایسی ہی (کافر) تھے کیونکہ خدا تعالیٰ نے فرماتا ہے ووجدک ضالا فہدی اور یہ استدلال غلط ہے اس لئے کہ یہان "ضلال" سے مراد قبل بعثت صرف اون باتون کی طرف ہدایت یافتہ نہ ہونا ہی جن کا تعلق (اون) امور شرعیہ سے ہے جن کی تبلیغ بعد بعثت سپرد کیگئی نہ کہ کافر و گمراہ ہونا **تیسری وجہ**۔ یہ جو کہا ہے کہ شیعہ انبیائے لئے بحالت تقیہ اظہار کفر کو جائز سمجھتے ہین تو صاحب مواقف نے بھی ذکر کیا ہے مگر یہ بے شک و شبہہ افترا پردازی ہے اور مفتری ناکام ہی رہتا ہے چنانچہ اس افترا کی ناکامی کی دلیل فاضل بدخشی حنفی کا وہ کلام ہے جو اونکی شرح منہاج الاصول بحث افعال مین مذکور ہے وہ کہتے ہین کہ "اکثر محققین کی رائے یہ ہے کہ قبل نبوت نوع گناہ خواہ کبیرہ ہو یا صغیرہ عقلاً ممتنع نہین ہے مگر روافض اس کے مطلق خلاف ہین اور معتزلہ صرف کبائر مین مخالف ہین (یعنی قبل نبوت صدور صغیرہ اون کے نزدیک بھی ممکن ہے) اور اون (انبیاء) پر کفر کے محال ہونے مین کسی کو اختلاف نہین ہے سوائے خوارج کے فرقہ فضیلیہ کے (وہ البتہ انبیا کا کافر ہوجانا تجویز کرتے ہین اور) اس کی بنا اون کی اس اصل پر ہے کہ ہر معصیت کفر ہے (اور عاصی کافر ہوتا ہے) اور خداوند عالم "وعصےٰ ادم" فرمایا ہے (لہذا وہ کافر ہونگے نعوذ باللہ من ذلک) اور بعض نے اون کے لئے خوف جان کے وقت اظہار کفر بھی جائز بتایا ہے۔ لیکن بعد نبوت پس اس پر اجماع واقع ہے کہ احکام شرعیہ مین عمداً مرتکب کذب ہونے سے معصوم ہین اس لئے کہ معجزہ اون کے صدق پر دلالت کرتا ہے رہا غلطی اور سہو سے کذب کا سادر ہوجانا تو قاضی نے اوس کو جائز کہا ہے باقی دیگر علما نے اس کا انکار کیا ہے "الخ" اس کلام سے دو امر معلوم ہوے ایک تو یہ کہ انبیا کے لئے اظہار کفر کو جس نے جائز بنایا ہے وہ شیعہ نہین بلکہ کوئی اور نامعلوم جماعت ہے اگر ایسا ہوتا تو فاضل بدخشی یہان بھی تصریح کردیتے کہ وہ (اظہار کفر کو جائز بتانے والی) جماعت شیعہ ہے جیسے پہلے "خلافاً للروافض" کہدیا ہے اور **دوسرا امر** یہ ہے کہ جس نے اس (اظہار کفر) کو تجویز کیا ہے اوس نے فقط قبل نبوت کی بابت تجویز کیا ہے نہ کہ بعد نبوت کی بابت جس سے وہ اعتراض وارد ہو سکے جو فاضل مخاطب نے ذکر کیا ہے یعنی "یہ امر بالکلیہ اخفائے دعوت کا باعث ہوگا" اور تمھین (یہ سمجھ لینے کے لئے) کہ شیعہ اس کے قائل نہین ہین، اتنا ہی کافی ہے کہ اونھون نے مقام تقیہ مین آئمہ علیہم السلام سے برات ظاہر کرنے کو حرام کہا ہے اور اس امر پر امیر المومنین ع کے اس قول سے استدلال کیا ہے

"وان السبب فسبونی فانہ لی زکوٰۃ ولکم نجاۃ واما البرائۃ فمدوا الاعناق"
(یعنی برا کہنا پس تم مجھے برا کہو کیونکہ وہ میرے لئے باعث طہارت اور تمھارے لئے سبب نجات ہے مگر برأت ظاہر کرنا پس قتل ہو جانے کے لئے گردنیں بڑھا دو مگر الیا نہ کرو) اور ظاہر ہے کہ جب اونھوں نے تقیہ کی صورت مین اپنے نفوس ضعیفہ کے لئے ائمہ سے برأت ظاہر کرنے کو جائز نہین ٹھیرایا تو انبیاء و ائمہ کے لئے جو کہ نفوس قویہ قدسیہ اور قوائے ربانیہ سے موید ہوتے ہین کفر کا ظاہر کرنا کیونکر جائز بتا ئینگے۔ یہان فاضل مخاطب کے کلام مین بری تکرار اس قول "یفضی الی اخفاء الدعوہ بالکلیۃ" کی جو واقع ہوئی ہے اوسکا محض بے فائدہ ہونا مخفی نہین ہے۔ چوتھی وجہ۔ یہ جو کہا ہے کہ "جمہور محققین نے کبائر کا انکار کیا ہے" اس وجہ سے مردود ہے کہ محققین نے صرف زمان نبوت مین اون کے وقوع کا انکار کیا ہے نہ کہ قبل زمان نبوت کی بابت بھی۔ پس ظاہر ہو گیا کہ مذہب اشاعرہ اور مذہب شیعہ کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے اور مواقف اور اوس کی شرح مین اسکی (کہ اشاعرہ نے صرف زمان نبوت مین کبائر کے صادر ہونے کا انکار کیا ہے) تصریح موجود ہے اوس مقام پر جہان یہ کہا ہے کہ "ہم کئی دلیلین رکھتے ہین اپنے اس قول مختار پر کہ انبیاء زمان نبوت مین مطلقاً کبائر سے معصوم تھے الخ" اور ظاہر یہ ہے کہ اونھون نے انبیاء پر اس امر کو اسلیئے جائز بتایا ہے کہ اپنے خلفائے ثلثہ سے اس استبعاد کو دفع کرین کہ باوجود پہلے کافر رہنے کے منصب خلافت کے قابل کیونکر ہو سکتے ہین پس اون کے محققین اس قول سے کیونکر پھر سکتے ہین۔۔ پانچوین وجہ۔ فاضل مخاطب کا یہ کہنا کہ "انبیا سے کبائر کے عمداً صدور کا محال ہونا دلیل سمعی سے ثابت ہوا ہے اور اس سے کہ مخالفین کے ظہور سے پہلے اس پر امت کا اجماع تھا" مصنف کے طعن کو اون سے دفع نہین کرتا کیونکہ وہ اختلاف کرنے والے بھی تو اہل سنت ہی ہین پس (اون کے قول کا) وبال سب کی گردن پر عائد ہو گا۔ چھٹی وجہ فاضل مخاطب کا یہ قول کہ "ہم بعض ادلہ کو ذکر کرتے ہین مگر نہ اس لئے کہ اون سے خصم پر احتجاج کرین کیونکہ وہ اس مسئلہ مین ہم سے موافقت رکھتا ہے" اس سے باطل ہو جاتا ہے کہ اشاعرہ اپنے خصم معتزلہ و شیعہ سے فقط بعد نبوت کی بابت موافق ہین رہا نبوت سے پہلے کا زمانہ تو اشاعرہ اوس مین صدور کبائر کے جائز ہونے کے قائل ہین۔ اور شیعہ معتزلہ اس کے نہین جیسا کہ مذکور ہوا۔ پس اس کلام مین بھی غلط بیانی و حق پوشی موجود ہے جو مخفی نہین۔ اسی طرح دلیل

اول کے بیان مین یہ کہنا کہ "معلوم ہوا کہ صغائر و کبائر سے انبیا کی عصمت کے واجب ہونے
مین اشاعرہ اپنے خصم سے موافق ہین الخ" صحیح نہین ہے کیونکہ جن دلائل کو بیان ذکر کیا ہے
اون سے اشاعرہ فقط بعد بعثت کبائر و صغائر سے معصوم ہونے کے وجوب پر استدلال
کرتے ہین اور اون کا دعوے بس اتنا ہی ہے اور سید شریف نے شرح مواقف مین اور فخر الدین
رازی نے تفسیر سورہ یوسف مین اس کی تصریح کر دی ہے چنانچہ (فخر الدین رازی)
کہتے ہین "ہمارے نزدیک انبیاء کا حصول نبوت کے وقت مین معصوم ہونا معتبر ہے لیکن
قبل نبوت بھی معصوم ہونا پس وہ واجب نہین ہے انتھی" پس فاضل مخاطب نے یہ جو ذکر
کیا کہ اشاعرہ اس مسئلہ مین امامیہ و معتزلہ کے ساتھ موافقت رکھتے ہین علے الاطلاق
(قبل نبوت و بعد نبوت دونو زمانون کی بابت) صحیح نہین ہے بلکہ تمھین معلوم ہو چکا کہ موافقت
فقط بعد بعثت کی بابت ہے۔ اور فاضل مخاطب کا یہ قول کہ "اشاعرہ کیطرف تجویز کبائر کی نسبت دینا افترا ہے" مطلقاً
صحیح نہین ہے کیونکہ یہ تجویز تو اون سے قبل بعثت و بعد بعثت دونون زمانون کی بابت واقع ہوئی ہے جیسا کہ کلام مواقف
اس پر دلالت کرتا ہے اور صاحب مواقف نے تو دعوئے عصمت کو بنیاد ہی سے منہدم کر دیا ہے جناب فاطمہ علیہا السلام
کی عصمت کا انکار کرتے ہوئے کہا ہے کہ "قول رسول بضعۃ منی مجاز ہے حقیقۃً نہین ہے پس فاطمہؑ
کا معصوم ہونا لازم نہین آتا نیز نبی ہی کے معصوم ہونے مین کلام ہے جو پہلے مذکور ہوا انتھی" اور عصمت انبیاء کی یہ تشکیک
اون سے پہلے غزالی بلکہ قاضی ابوبکر نے کی ہے چنانچہ غزالی نے اپنی کتاب منخول فی الاصول مین
افعال رسول کی بحث مین کہا ہے کہ قول مختار وہی ہے جو قاضی نے ذکر کیا ہے اور وہ یہ ہے
کہ انبیاء کا معصوم ہونا عقلاً واجب نہین ہے کیونکہ اوس کے وقوع کا استحالہ عقل کے
نزدیک نہ بداہتہً ظاہر ہوتا ہے اور نہ نظر و فکر سے اور وہ (معصوم نہ ہونا) مدلول
معجزہ کے خلاف نہین ہے کیونکہ معجزہ سے اتنا ہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ اون باتون مین جنکی
خبر خدا کی طرف سے دیتے ہین صادق اللہجہ ہین عمداً یا سہواً مرتکب کذب نہین ہین رہا تنفیر
کا معاملہ (یعنی انبیاء کا مرتکب معاصی ہونا لوگون کی نفرت کا باعث ہوگا اور اس سے فائدہ
بعثت حاصل نہ ہو سکے گا) تو وہ باطل ہے کیونکہ ہم یہ جائز سمجھتے ہین کہ خدا تعالےٰ کسی
کافر کو نبی بنا کر بھیجے اور معجزہ سے اوس کی تائید کر دے (جس سے لوگ دیکھی نبوت
تسلیم کرین) انتھی" میرا خیال یہ ہے کہ (عصمت انبیاء کے مسئلہ مین) یہ اضطراب
[illegible] اشاعرہ سے محض اس سبب سے نمودار ہوا ہے کہ جب انھون نے [illegible]

کے علو شان پر نظر کی تو فی الجملہ عصمت اون مین موجود ہونے کے (مجبوراً) قائل ہو گئے اور جب حضرت ابو بکر و عمر و عثمان کی حالت پر نظر کی اور دیکھا کہ عصمت نہ ہونے سے خلیفہ و نائب رسول ہونے کی صلاحیت ہی اون سے معدوم ہوئی جاتی ہے تو اپنے قول سے نادم ہوئے اور اون کی حالت و خلافت کے تحفظ کیلئے کہدیا کہ انبیا بھی معصوم نہین تھے اور یہ بھی محتمل ہے کہ یہ اختلاف اون کی طبائع کے حیا عن الخالق والخلایق سے متصف ہونے اور نہ ہونے مین اختلاف کا نتیجہ ہو

ساتوین وجہ۔ فاضل مخاطب نے جو یہ کہا کہ "غرض یہ ہے کہ اس شخص (مصنف) نے جو کچھ ذکر کیا ہے کہ ذنوب انبیا سے ابطال حجۃ اللہ لازم آتا ہے اور مذہب اشاعرہ بری ہے کیونکہ اونھون نے یہ دلائل بیان کئے ہین الخ" اس لئے مدفوع ہے کہ اون کی اس غرض مذکور مین بھی مقدمات سابقہ کی طرح حیلہ و حق پوشی کا شائبہ موجود ہے کیونکہ علامہ علیہ الرحمہ نے ابطال حجۃ خدا کو فقط اوسی امر پر مترتب فرمایا ہے جسکی نسبت اہل سنت نے رسول خدا کی طرف دی ہے کہ حضرت نے بتون کی حقیت کا اقرار فرمایا اور ایسے امور کا آپ سے صادر ہونا حجت خدا کو یقیناً باطل کر دیگا اس کا انکار ممکن نہین اور جو کچھ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے اوس سے تمہین معلوم ہوا ہوگا کہ فاضل مخاطب نے اس کلام مین کہ "اشاعرہ نے یہ دلائل بیان کئے ہین الخ" غلط بیانی اور حق پوشی سے کام لیا ہے کیونکہ ہم یہ ذکر کر چکے ہین کہ اشاعرہ نے انبیا کے فقط بعد بعثت معصوم ہونے پر دلیلین قائم کی ہین نہ کہ قبل نبوت معصوم ہونے پر بھی اور ہم اس کو تسلیم نہین کرتے کہ اوس شخص کی حجت پوری ہو گی جس سے قبل بعثت کفر یا اور کبائر سرزد ہوئے ہین جیسا کہ عنقریب انشاء اللہ ہم اس کی طرف اشارہ کرین گے (یعنی جس طرح بعثت کے بعد کافر یا کبائر کے مرتکب ہونے سے حجت خدا کا باطل ہو جانا لازم آتا ہے اوسی طرح قبل بعثت کفر یا کبائر کے صدور سے بھی لازم آئیگا ہم یہ تسلیم نہین کرتے کہ ایسا نہ ہوگا پس مصنف علامہ کا ارشاد صحیح ہے اور مذہب اشاعرہ اون کے الزام سے بری نہین ہو سکتا)۔

آٹھوین وجہ۔ فاضل مخاطب کا یہ کلام کہ "اشاعرہ جو کہتے ہین کہ انبیا کا صغائر سے معصوم ہونا واجب نہین ہے وہ اس سبب سے کہ صغائر بنص قرآن معفو ہین الخ" اس وجہ سے تسلیم نہین کیا جا سکتا کہ بعض گناہون کا بعد مین معاف ہو جانا اوس کا ارتکاب کرنے والے سے

لوگون کی نفرت وبداعتقادی کو تو دفع نہین کرتا اوسکی وقعت ومنزلت نظرون سے ضرور گرجائیگی اور لوگ اوسکی اطاعت پہ آمادہ نہ ہون گے پس بعثت کا فائدہ جاتا رہے گا۔

نوین وجہ۔ فاضل مخاطب کے اس قول مین کہ "آیۃ مین اس امر کیطرف اشارہ ہے کہ انسان از بسکہ مٹی سے مخلوق ہے الخ" کلام ہے جس کی جانب ہم عنقریب اشارہ کرینگے۔

دسوین وجہ۔ فاضل مخاطب کے اس کلام مین کہ "جب وہ ملکۂ عصمت کے خلاف نہین ہین تو باز پرس کے قابل نہ ہونگی" دو غلطیان مواخذہ کے قابل ظاہر بظاہر موجود ہین ایک تو یہ کہ (اون کا) ملکۂ عصمت کے مخالف ہونا اور نہ ہونا قران سے نہ تصریحاً مفہوم ہوتا ہے اور نہ اشارۃً وکنایۃً بلکہ اوس کا (یعنی بعض معاصی کے خلاف ملکۂ عصمت نہ ہونے کا) بطلان واضح ہے بھلا کوئی عاقل یہ کسی طرح کہہ سکتا ہے کہ گناہ کا صادر ہونا ملکۂ عصمت کے خلاف نہین ہے؟

اور دوسرے یہ کہ عصمت بمعنی ملکہ حکما کی اصطلاحات مین سے ہے پس اس معنی سے (بعض ذنوب کے صدور کا) مخالف نہ ہونا فرقہ عدلیہ پر حجت نہین ہو سکتا جیسا کہ ہم عنقریب واضح کرینگے

گیارہوین وجہ۔ فاضل مخاطب کا یہ قول کہ "عصمت حکما کے نزدیک الخ" لغو ہے جیسا کہ ہمنے اشارہ کیا (کہ حکما کی اصطلاح عدلیہ پر حجت نہین ہو سکتی) نیز اون کے اوس انکار کے خلاف ہے جو کلام حکما سے سند لانے کی بابت پہلے کیا تھا۔ بالجملہ یہان مسلمین کے دونون گروہون (اشاعرہ وعدلیہ) مین سے ہر ایک کے کلام کو چھوڑ کر حکما کے کلام سے تمسک کرنا تلبیس وتمویہ سے خالی نہیں ہے جو فکر وتامل کرنے والے پر مخفی نہ رہیگی جبکہ فاضل مخاطب نے یہ دیکھا کہ صغائر کا انبیا سے صادر ہونا مخالف عصمت ہے خواہ اوس معنی کا اعتبار کیا جائے جس کو اشاعرہ نے اختیار کیا ہے یعنی "خدا کا ذوات انبیا مین گناہ کا خلق نہ کرنا" یا اوسکے وہ معنی لئے جائین جن کو اہل عدل نے اختیار کیا ہے یعنی وہ ایک لطف خدا ہے جسکو وہ انبیاء کے اندر موجود کرتا ہے اوس کے باعث کوئی گناہ اون سے صادر نہین ہوتا اور یہ اوس کا باعث عدم صدور معصیت ہونا) الجاؤ بے اختیاری کی حد تک نہین پہونچتا" تو غلط مبحث کرکے مذہب فلاسفہ سے تمسک کرنے کی طرف متوجہ ہو گئے جو نہ فربہی لاتا ہے اور نہ بھوک کو دفع کرتا ہے جیسا کہ تم عنقریب مطلع ہو گے۔

بارہوین وجہ۔ اس قول مین کہ "انبیا سے صغائر کے عمداً یا سہواً صادر ہونے پر اون لوگون کے نزدیک کوئی اعتراض نہین ہو سکتا جو اون کے۔ لئے عمداً ترک اولیٰ وافضل کو جائز سمجھتے ہین"

جو خبط اور خلط مبحث موجود ہے وہ پوشیدہ نہین اس لئے کہ اولی و افضل کا ترک گناہ صغیرہ نہین کہا جا سکتا اور نہ اوس کا شمار اون گناہون مین کیا جاتا ہے جن کی نفی و اثبات مین نزاع واقع ہے۔ جو افعال کہ فی الحقیقت معاصی صغیرہ ہین وہ جب عمداً واقع ہون گے تو ضرور محل اعتراض ملکہ انبیا سے لوگون کی رو گردانی کا سبب ہو نگے۔ نیز یہ قول کہ "وہ مانع ملکۂ عصمت نہین ہین" اس کی بابت ہم کہتے ہین کہ مانع ملکۂ عصمت نہ ہونا تسلیم نہین کیا جا سکتا اور (استدلال مین) یہ کہنا کہ "صفات نفسانیہ ابتدائے حصول مین احوال ہوتی ہین پھر رفتہ رفتہ ملکات بن جاتی ہین" اس کو ہم تسلیم کرتے ہین مگر جب تک وہ صفات ملکہ نہین بن جاتین اون سے متصف ہونے والا معصوم نہین کہا جاتا پس منع ثابت ہے (یعنی جس وقت تک وہ صفات اتنی راسخ نہین ہو جاتین کہ صغائر سرزد نہ ہو سکین اوس وقت تک انسان معصوم نہین کہا جاتا اور جب وہ مستحکم ہو کر ملکۂ عصمت بن جاتی ہین تو صغائر کا صدور نہین ہو سکتا اگر وہ صادر ہوتے ہون تو اون صفات کا ملکہ کے مرتبہ مین داخل ہونا تسلیم نہین کیا جا سکتا بالجملہ اوسی وقت تک صغائر صادر ہوتے ہین جب تک ملکۂ عصمت متحقق نہین ہوتا اور جب وہ حاصل ہو جاتا ہے تو صغائر سرزد نہین ہو سکتے پس ملکۂ عصمت اور صدور صغائر دونو کا ایک ساتھ مجتمع ہونا اور ایک دوسرے کے منافی نہ ہونا ممکن نہین) اور اس کی مزید توضیح مسئلۂ عصمت امام مین کیجائیگی۔ تیرہوین وجہ۔ یہ جو کہا ہے کہ "آیت انبیا کو خواص بشریہ مین عامۂ ناس کے مشابہ و مماثل بتاتی ہے امتیاز اون کو صرف وحی سے حاصل ہوتا ہے اور بس" تو اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کا تمام اوصاف بشریہ مین مشابہت پر دلالت کرنا مسلم نہین کیونکہ آیت مین مقصود فقط اتنا ہے کہ انبیاء گناہون پر قادر ہونے مین عامۂ ناس سے مشابہت و مماثلت رکھتے ہین جس سے وہ مدح و ثواب کے مستحق ہوتے ہین لیکن خدا تعالی اپنی لطف و رحمت سے اونکو عصمت پر ثابت قدم رکھتا ہے۔ (یہ مراد نہین ہے کہ وہ عامۂ ناس کیطرح گناہ کرتے بھی ہین) علاوہ اس کے (عامۂ ناس سے انبیا کی) مماثلت کا قائل ہونا خصوصاً اوس حصر و تاکید کے ساتھ جو فاضل مخاطب نے "لا غیر" کہکر ثابت کی ہے اہلسنت کی اس تصریح کے خلاف ہے کہ خاتم النبیین ص بلکہ جملہ انبیاء ع نورانی تھے اور صفات مین ملائکہ پر بھی فضیلت رکھتے تھے (چنانچہ) قاضی عیاض نے کتاب شفا مین کہا ہے کہ "نبی کریم ص اگرچہ بشر تھے اور (فطرت و) جبلت کے اعتبار سے اون پر بھی وہ باتین جائز تھین جو

عام انسانی جبلت پر جائز ہین مگر براہین قاطعہ اور اجماع تام سے یہ امر ثابت ہے کہ حضرت اون (کے نقائص) سے خارج اور ادن آفات (وشرور) سے پاک تھے جو اختیاریا بے اختیاری سے واقع ہوتے ہین جیسا کہ انشاءاللہ ہم عنقریب ذکر کرینگے ۔ انتھی"

چودہوین وجہ ۔ رہا یہ کہنا کہ "قصہ سورہ نجم صحاح مین مذکور نہین ہے الخ" تو اس کا جواب ہے کہ اگرچہ وہ ان کتابون مین مذکور نہین ہے جن کا نام تسمیہ شے باسم ضدہ "الا برعکس نہند نام زنگی کافور" کے طور پر صحاح رکھ لیا ہے لیکن شیخ شہاب الدین احمد بن محمد قسطلانی اپنی کتاب مواہب لدنیہ مین لکھتے ہین کہ اس قصہ کی اصل ہے کیونکہ ابن ابی حاتم وطبرانی وابن المنذر نے متعدد طرقون سے اوسکی روایت کی ہے اور اسی طرح ابن مردویہ وبزار نے اور ابن اسحاق نے کتاب سیرۃ مین اور موسیٰ بن عقبہ نے کتاب مغازی مین اور ابو معشر نے کتاب سیرہ مین اوس کی روایت کی ہے اسیطرح حافظ عماد الدین ابن کثیر وغیرہ نے بھی ذکر کیا ہے اور اوس کی اصل کے ثابت ہونے پر شیخ الاسلام وحافظ ابوالفضل عسقلانی نے متنبہ کیا ہے چنانچہ وہ کہتے ہین کہ ابو حاتم وطبری وابن المنذر نے بطرق متعددہ شعبہ سے اور اوس نے ابو بشر سے اور اوس نے سعید بن جبیر سے اس (قصہ) کی روایت کی ہے اور بزار وابن مردویہ نے بطریق امیۃ بن خالد شعبہ سے روایت کی ہے اوس نے اس کی اسناد مین کہا کہ "سعید بن جبیر نے ابن عباس سے روایت کی ہے لیکن مجھے اس حدیث مین شک ہے" پھر تمام حدیث بیان کی بزار نے کہا ہے کہ یہ حدیث اس اسناد کے سوا متصلاً مروی نہین ہے اور وہ (بزار) اسناد کو امیۃ بن خالد موثق مشہور سے وصل کرنے مین متفرد ہین اور وہ کہتے ہین کہ "یہ حدیث بطریق کلبی (بھی) مروی ہے اوس نے ابو صالح سے اور اوس نے ابن عباس سے روایت کی ہے اور کلبی متروک ہے اوس پر اعتماد نہین کیا جاتا اور اسی طرح نحاس نے ایک دوسری سند سے جس مین واقدی داخل ہے روایت کی ہے اور ابن اسحاق نے سیرۃ مین بسند محمد بن کعب ذکر کیا ہے اور موسے بن عقبہ نے کتاب مغازی مین ابن شہاب زہری سے روایت کی ہے اور اسی طرح ابو معشر نے اپنی کتاب سیرۃ مین محمد بن کعب قرظی ومحمد موسے بن غیث سے روایت کی ہے اور اوس کو طبری کے طریق سے (بھی) وارد کیا ہے اور ابن حاتم نے بطریق اسباط وارد کیا ہے اور اوس نے سدی سے روایت کی ہے اور ابن مردویہ نے بطریق عبادہ بن صہیب یحیےٰ بن کثیر سے روایت کی ہے اور وہ کلبی سے اور وہ ابو صالح سے روایت کرتا ہے اور بطریق ابو بکر الہذلی

وایوب عکرمہ سے روایت کی ہے اور سلیمان تیمی نے اوس شخص سے روایت کی جس نے اوس سے بیان کیا اور ان تینون راویان حدیث نے ابن عباس سے روایت کی ہے اور اس حدیث کی طبری نے بھی بطریق عوفی ابن عباس سے روایت کی ہے اور مضمون سب کا ایک ہے اور تمام طرق سوائے طریق سعید بن جبیر کے یا ضعیف ہین یا منقطع ہین لیکن زیادہ ہونا طرق روایت کی کثرت یہ بتاتی ہے کہ اس قصہ کی کوئی اصل ہے علاوہ اس کے ہمارے سامنے دو مرسل طریق اور بھی ہین جن کے رجال علے شرط الصحیح (معتبر) ہین اون مین سے ایک وہ ہے جسکا اخراج طبری نے بطریق یونس بن یزید کیا ہے اور اوس نے ابن شہاب سے روایت کی ہے اور دوسرا وہ ہے جس کو طبری ہی نے بطریق معمر بن سلیمان وارد کیا ہے حافظ ابن حجر کہتے ہین کہ ابن العربی نے اپنی عادت کے بموجب جرأت سے کام لیا ہے اور کہدیا ہے کہ "طبری نے اس واقعہ کے متعلق بہت سی روایات ذکر کئے ہین جن کی کوئی اصل نہین ہے" مگر یہ کہنا (کہ مطلقاً اون کی کوئی اصل نہین ہے) تسلیم نہین کیا جا سکتا اور اسی طرح قاضی عیاض کا یہ قول بھی (غلط ہے) کہ "اس حدیث کی روایت اہل صحت اور کسی معتبر شخص نے نہین کی ہے بلکہ اوسکے نقل کرنے والے ضعیف اور اوسکی روایات مضطرب ہین اور اسناد منقطع ہے" اور اسی طرح اون کا یہ کلام بھی (مسلم نہین) کہ "تابعین ومفسرین مین سے جن لوگون نے اس کی حکایت کی ہے اون مین سے ایک نے بھی کسی صحابی کی طرف مسندیا مرفوع نہین کیا ہے اور اون کے اکثر طرق روایات سست وضعیف ہین" قاضی عیاض نے (یہ بھی) کہا ہے کہ "بزار نے ظاہر کر دیا ہے کہ یہ حدیث کسی ایسے طریق سے مروی نہین ہے جس کا ذکر کرنا جائز ہو سوائے طریق ابی بشر کے جس نے سعید بن جبیر سے روایت کی ہے مگر اس کے وصل مین بھی شک واقع ہے رہا کلبی تو اوس کا ضعف اتنا قوی ہے کہ اوس سے روایت کرنا جائز نہین" پھر اونھون نے نظر (وعقل) کے طریق پر یہ رد وارد کی ہے کہ "اگر یہ واقعہ پیش آیا ہوتا تو بہت سے اہل اسلام مرتد ہو گئے ہوتے" لیکن یہ تمام باتین قواعد (علم حدیث) کے بنا پر چل نہین سکتین کیونکہ (فن حدیث کے مسلمات مین سے یہ ہے کہ) جب کسی حدیث کے طرق روایت بہت ہون اور اون کے مخارج جدا جدا ہون تو وہ اسکی دلیل ہونگے کہ وہ کوئی اصل رکھتی ہے اور ہم نے ذکر کر دیا کہ یہان تین اسناد علے شرط الصحیح مرسل موجود ہین اور ایسی مرسل روایات سے (جن کی سندین مشروط بشرط الصحیح ہونے کے ساتھ کثرت وتعدد بھی رکھتی ہون) وہ لوگ تو احتجاج کرتے ہی ہین جو حدیث مرسل کو حجت جانتے ہین

جو لوگ حجت نہین جانتے وہ بھی احتجاج کرتے ہین اس لئے کہ اون (روایات متعددہ) مین سے ہر ایک کی تائید دوسرے سے ہوتی ہے" انتھی۔

کسی عالم اہل سنت سے مامون رشید کی دلچسپ گفتگو

مین کہتا ہون کہ اس مقام مین ذکر کئے جانے کے قابل لطائف مین سے وہ روایت ہے جو کتاب عیون اخبار الرضا مین مامون عباسی کی بابت مروی ہے (اور وہ یہ ہے کہ) اوس نے علماء اہل سنت مین سے کسی کو مخاطب ہو کر کہا کہ تمہاری اس روایت سے مجھے تعجب ہوتا ہے کہ "رسول خدا نے فرمایا کہ جب مین جنت مین داخل ہوا تو اوس مین نعلین کی آہٹ سُنی دیکھا (تو معلوم ہوا) کہ ابوبکر کا غلام مجھ سے پہلے ہی وہان پہونچ گیا ہے" اور یہ (تعجب) اس لئے ہے کہ شیعہ تو اتنا ہی کہتے ہین کہ علی ابوبکر سے افضل ہین (مگر تم نے تو غضب ہی کر دیا کہ) اس روایت مین ابوبکر کے غلام کو رسول الثقلین سے بھی افضل کہدیا ہے کیونکہ سابق مسبوق سے افضل ہوتا ہے اور یہ روایت اوس (دوسری) روایت کی نظیر ہے جو تمہارے یہان مروی ہے کہ شیطان عمر کی آہٹ سے (بھی) بھاگتا ہے اور (اوس کے ساتھ ہی یہ بھی مروی ہے کہ) اوس نے رسول خدا ص کی زبان پر کلمہ "تلک الغرانیق العلیٰ" جاری کر دیا پس شیطان عمر سے تو بھاگا اور رسول خدا ص (پر اتنا غالب ہوا کہ اون) کی زبان پر کلمہ کفر ڈالدیا؟ مین نہین جان سکتا کہ جو لوگ اس قصہ کو صحیح مانتے ہوئے زبان رسول ص پر کلمہ کفر واقع ہو جانے کے قائل ہین وہ اسکو پروردگار عالم کے اس قول "وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ" کے ساتھ جو اسی سورہ کے شروع مین واقع ہے کس صورت سے جمع کر سکتے ہین سوا اس کے کہ یہ کہا جائے کہ یہ آیت اس قصہ کے واقع ہونے کے بعد نازل ہوئی کلمہ کفر حضرت سے اوس سے پہلے صادر ہوا تھا اور ایسا کہدینا اون سے کچھ بعید نہین جب کہ وہ اصل قصہ ہی کے قائل ہین جو اس قول سے زیادہ فاسد اور قابل تشنیع ہے۔

پندرہوین وجہ۔ یہ جواب (وہ کلمہ کفر شیطان نے حضرت کی آواز مین کہا تھا) جس کو فاضل مخاطب نے اپنے قول "الاشاعرة اجابوا" مین اشاعرہ کی طرف منسوب کیا ہے قاضی عیاض نے اوسکی اصل کو اپنی کتاب شفا مین کلبی سے نقل کیا ہے وہ کہتا ہے کہ رسول خدا صلعم نے اپنے دل مین کچھ باتین کہین پس اوس کو شیطان نے اون کی زبان پر ڈالدیا۔ اور اس سے واضح تر وہ قول ہے جو (قاضی مذکور نے اسی کتاب مین نقل کیا ہے وہ کہتے ہین کہ "موسی بن عقبہ نے کتاب مغازی مین حکایت کی ہے کہ یہ کلمہ (تلک الغرانیق العلیٰ الخ) مسلمین نے

(آنحضرت کی زبان سے نکلتے ہوئے) نہین سنا بلکہ شیطان نے فقط مشرکین کے کانون اور
دلون مین ڈالدیا تھا»۔ اور کلبی وصاحب المغازی دونو شیخ الاشاعرہ (ابوالحسن اشعری)
سے سو برس یا زیادہ پہلے گذر چکے تھے پس دوسرون کے اس جواب کو فاضل مخاطب نے
اشاعرہ کی طرف کیونکر منسوب کیا ہے؟ (یہ اون کا بیان کیا ہوا جواب تو نہین ہے) ہان بغیر
اشاعرہ کی طرف منسوب کئے ہوئے اوس کی توضیح دونو اصل مجیب کلبی وصاحب مغازی
موسی بن عقبہ) سے بعد کے لوگون نے کی ہے جیسا کہ مواقف وغیرہ کتب اشاعرہ مین مذکور ہے۔
اور اسلوب کلام سے فاضل مخاطب کی جہالت ایک یہ بھی ہے کہ جواب مذکور کتاب مواقف مین
یون بیان کیا گیا ہے " والجواب علی تقدیر صحۃ التمنی علی القرأتہ ھو انہ من القاء الشیطان الخ
(اور فاضل مخاطب نے اوسکو اس عبارت مین ادا کیا ہے "والاشاعرۃ اجابوا عن ھذا بانہ علی تقدیر
صحۃ التمنی علی القرأتہ ھو انہ من القاء الشیطان) اور آشنا نہ جانا کہ لفظ "والجواب" کے بجائے
"اجابوا" کہنے کے بعد "ھو انہ" کہنا لغو ہو جاتا ہے اور اس غلطی مین پڑنے کا سبب
حرص کذب اور اس تعصب کی زیادتی ہے کہ جواب مذکور کو (والاشاعرۃ اجابوا) کہکر
اشاعرہ کی جانب نسبت دین اور اس سے اون کے لئے ایک فضیلت حاصل کرین۔
سولھوین وجہ۔ فاضل مخاطب کا اس کلام سے "اگر یہ صحیح ہو تو کلمات مذکورہ مین ملائکہ کا وصف
ہوگا۔ اور بعد مین احتمال اشتباہ یا کسی اور سبب سے منسوخ کر دیا گیا ہے" (کیا مقصود ہے)
اگر یہ مراد ہے کہ اگر ان کلمات کا بتون کے ذکر کے بعد درمیان مین واقع ہونا صحیح ہو تو وہ وصف
ملائکہ پر مشتمل سمجھے جائینگے تو پہلے اس کے (خود فاضل مخاطب نے) جو کچھ اس جواب کے
(کہ محتمل ہے کہ کلمات مذکورہ داخل قران رہے ہون اور اون میں ملائکہ کا وصف بیان کیا گیا ہو)
رد مین کہا ہے کہ "وہ وصف ملائکہ پر مشتمل نہین ہین اور یہ مقام اون کے واقع ہونے کے لئے
مناسب نہین ہے" (یہ کلام) اوس کے مخالف ہوگا اور اگر ملائکہ کے ذکر مین خدا تعالے کے اس
قول "وکم من ملک فی السماوات لا تغنی شفاعتھم شیئا الا" کے ساتھ واقع ہونے کی صحت
مراد لی ہے جیسا کہ پہلے اس کا احتمال ذکر بھی کیا ہے تو علاوہ بعید وغیر مناسب احتمال ہونے کے
اس وجہ سے مردود ہے کہ اس صورت مین اوس کے منسوخ کر دئے جانے کی کوئی حاجت
ظاہر نہین ہوتی کیونکہ اس مقام مین اوس کے سبب اشتباہ ہونے کا احتمال ہی نہین ہے جو منسوخ
کر دئے جانے کا باعث ہو۔

ستر ہوین وجہ ۔ قاضی عیاض کی بابت یہ کہنا کہ "اوس نے اپنی کتاب شفا مین کہا ہے کہ یہ حدیث مفتریات ملاحدہ مین سے ہے" قاضی مذکور پر افترا ہے کیونکہ اونھون نے یہ نہین کہا کہ "وہ مفتریات ملاحدہ مین سے ہے" بلکہ یہ کہا ہے "کہ اس قصہ کو مفسرین نے ذکر کیا ہے اور اوس سے ملحدون نے تمسک کیا ہے" اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ حدیث ملاحدہ کی گڑھی ہوئی ہے تو ایک جماعت اہل سنت کے لئے اور زیادہ قباحت پیش آنے کا سبب ہوگا کہ اونھون نے اس قصہ کو اپنی کتابون مین تو درج کر دیا مگر اوس کی اسناد و متن کے فاسد ہونے کو نہ سمجھے یہان تک کہ جب غیرون کی طرف سے اون پر طعن کیا جانے لگا تو اوس سے گلو خلاصی حاصل کرنے کے لئے بیقرار (اِدھر اُدھر دوڑنے لگے اور) وہ باتین کہنے لگے جن کا فائدہ اور محصل کچھ نہین۔

قول علامہ علیہ الرحمہ اہل سنت نے یہ بھی روایت کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے (ایکدن) نماز ظہر کو دو ہی رکعتون پر ختم کر دیا اس پر اصحاب نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! آپ نے نماز قصر کر دی یا بھول گئے؟ فرمایا یہ کیا؟ اونھون نے کہا آپ نے دو ہی رکعتین پڑھی ہین۔ پس حضرت نے دو شخصون سے شہادت طلب کی جب ونھون نے بھی شہادت دی تو آپ کھڑے ہوئے اور نماز تمام کی۔ اور صحیحین مین یہ روایت کی ہے کہ ایکدن حضرت نے لوگون کیساتھ نماز عصر کو دو ہی رکعتون پر تمام کر دیا اور حجرہ مین چلے گئے جب کسی ضرورت سے باہر تشریف لائے تو بعض اصحاب نے اس کا ذکر کیا تب آپ نے نماز پوری کی۔ آخر نقص و دنائت مین اس نسبت سے بڑھکر اور کونسی نسبت ہو گی؟ کیونکہ وہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ آپ نے پروردگار عالم کی عبادت سے منھ پھیرا اور دوسرے کامون مین مشغول ہو گئے اور نماز مین کلام کیا اور اگر سہو واقع ہو گیا تھا تو خود (یاد کر کے) اوس کا تدارک نہ کر سکے نعوذ باللہ من ھذہ الآراء الفاسدۃ

قول بطال اہل سنت نے اس امر کی جو روایت کی ہے رسول خدا کی نماز کی بابت کہ (آپ سے سہو واقع ہوا اور آپ نے خود یاد کر کے تدارک نہ کیا) یہانتک کہ ذوالیدین نے آپ سے عرض کی کہ یا رسول اللہ! آپ نے نماز قصر پڑھی یا بھول گئے؟ پس جب آپ وقوع سہو پر مطلع ہوئے تو اوس کا تدارک فرمایا تو آخر سہو واقع ہونے مین کونسی منقصت اور دنائت ہے جبکہ خود خداوند عالم نے (آپ کے متعلق) فرمایا ہے کہ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ (یا شیطان تمکو بھلادے) اور یہ ارشاد باریتعالے حضرت سے سہو و نسیان کے وقوع کے جواز کی تصریح کرتا ہے اور اس سہو و نسیان کے واقع ہونے مین مصلحت اور حکمت یہ تھی کہ نماز مین سہو واقع ہو جانے کے

احکام تعلیم کر دئے جائین۔ اور کلام قلیل جو نماز ہی سے تعلق رکھتا ہو اوس کو ضرر نہین پہونچاتا اور اسیطرح وہ حرکت بھی جو نماز ہی سے متعلق ہو پس ممکن ہے کہ خود خداوند عالم نے (آنحضرت صلعم کی) نماز مین یہ سہو و نسیان واقع کر دیا ہو اس مصلحت سے کہ ان امور مذکورہ (نماز مین سہو و نسیان اور کلام و حرکت) کے احکام لوگون کو تعلیم کر دئیے جائین اور اس سہو سے جس کے فوائد ہم نے بیان کئے عصمت مین کوئی قدح وارد نہین ہوتا بھلا اس (وقوع سہو) مین کونسی منقصت و دنائت ہے؟ کیونکہ خود خداوند عالم نے تشریع احکام کے لئے حضرت کے اوپر نسیان کو طاری کیا تھا اور (ایک جگہ قرآن مین) یہ بھی فرمایا ہے ما ننسخ من آیۃ او ننسہا "اس آیت مین" انساء "کے ایک معنی حضرت پر نسیان واقع کر دینا بھی ہین نیز جناب یوسف عم کی بابت فرمایا ہے" فانساہ الشیطٰن ذکر ربہ" (شیطان نے اونکو خدا کی یاد بھلا دی) اور خدا تعالےٰ کے اس قول "وما قدروا اللہ حق قدرہ اذ قالوا ما انزل اللہ علی بشر من شئی" کے مطابق جس طرح اوسکی پوری قدر کا لحاظ کرنا واجب ہے کہ انبیاء کی ویسی ہی قدر کیجائے جیسی کرنی چاہئے اور یہ معلوم کر لیا جائے کہ کونسے امور اون پر جائز ہین اور کونسے جائز نہین ہین خدا تعالےٰ نے (آنحضرت صلعم کی بابت) "انما انا بشر مثلکم" فرمایا ہے اور اون کفار کی جو انبیاء کو اوصاف بشریہ سے منزہ سمجھنے مین مبالغہ کرتے تھے اپنے کلام مین مذمت کی ہے "قالوا ما لھٰذا الرسول یاکل الطعام و یمشی فی الاسواق" (یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازارون مین چلتا ہے) نیز سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا فرمایا ہے (پھر انبیاء علیہم السلام پر سہو و نسیان جو خاصہ بشریہ ہے کیونکر جائز نہ ہوگا؟)۔

قول احقاق — صحیح مسلم مین ابو سفیان سے مروی ہے اوس نے ابوہریرۃ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہین کہ رسول اللہ صلعم نے (ایک مرتبہ نماز ظہر یا عصر کی) ہمارے ساتھ دو ہی رکعتین پڑھین پس ذو الیدین کھڑے ہوے اور پوچھا کہ آپکی نماز قصر ہو گئی یا سہو واقع ہوا ہے؟ فرمایا "ان مین سے کچھ بھی نہین واقع ہوا ہے" کہا "دونون مین سے کوئی بات تو ضرور واقع ہوئی ہے" اور ایک دوسری روایت مین لفظ "قد نسیت" مذکور ہے (یعنی آپکو نماز مین نسیان واقع ہوا ہے) اس روایت کی صحت پہلے تو اس وجہ سے مقدوح ہے کہ اوس کے راوی ابوہریرۃ صاحب ہین پھر درمیان کے راویون کا حال تو خدا ہی جانتا ہے کہ وہ کہانتک قابل وثوق و اعتبار ہین اون کے حالات سے بحث کرنے کی ضرورت نہین محض ابوہریرۃ صاحب ہی کا نام روایت کی صحت کو مقدوح کر دینے کے لئے کافی ہے) اون کی روایت کے مقدوح ہونے کی وجہ بحث امامۃ مین عنقریب مذکور ہو گی۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ خزیمہ ذو الشہادتین آنحضرت سے جتنا

اخلاص رکھتے تھے اور آپ کے ظلم وتہمت سہو ونسیان سے معصوم ہونے کے جیسے معتقد تھے وہ معلوم ہے یہان تک کہ اونھون نے دعوائے اعرابی کے قضیہ مین (جو ایک اونٹ کے خریدنے مین واقع ہوا تھا) محض اپنے اسی علم کے بموجب کہ آنحضرت صلعم معصوم وصادق ہین آپ کے حق مین شہادت دی بغیر اس کے کہ اون کو اصل معاملہ پر اطلاع حاصل ہو یا آنحضرت صلعم کی شان مین سہو ونسیان کے واقع ہونے کا احتمال ہو اور روایت مذکورہ اس کے بالکل منافی ومخالف ہے (یعنی وہ ظاہر کرتی ہے کہ اون کے دل مین آنحضرت صلعم سے سہو واقع ہونے کا خیال گذرا بلکہ اس کا یقین ہو گیا جیسا کہ دوسری روایت کے فقرہ بل قد نسیت سے واضح ہوتا ہے پس اس قسم کی روایات اون کی بابت کس طرح صحیح تسلیم کی جاسکتی ہین؟)

تیسری وجہ - یہ ہے کہ جب ذوالشہادتین عادل تھے (اور اونکی عدالت اس مرتبہ پر پہونچی ہوئی تھی) کہ اون کی شہادت کو آنحضرت صلعم نے بمنزلہ دو عادلون کی شہادتون کے قرار دیا تھا تو (اس معاملہ مین) حضرت نے فقط اون کی شہادت کو کیون نہین قبول کیا اور اون کے ساتھ اور دو شخصون سے شہادت طلب کرنے کی احتیاج کیون ہوئی؟ مصنف علامہ رفع الله درجتہ نے کتاب تذکرۃ الفقہا مین فرمایا ہے کہ ذوالیدین (خزیمہ ذوالشہادتین) والی روایت ہمارے نزدیک باطل ہے کیونکہ آنحضرت صلعم سے سہو واقع ہونا جائز نہین اور اسی کے ساتھ محدثین کی ایک جماعت نے اس روایت مین یہ طعن بھی وارد کیا ہے کہ اوس کے راوی ابوہریرۃ ہین جنھون نے ذوالیدین کے مرنے کے برسون بعد اسلام قبول کیا تھا کیونکہ ذوالیدین جنگ بدر مین شہید ہوئے جو ہجرت کے دو برس کے بعد واقع ہوئی تھی اور ابوہریرۃ نے ہجرت سے سات برس بعد اسلام قبول کیا تھا حدیث مذکور سے احتجاج کرنے والون نے (اس کے جواب مین) کہا ہے کہ جنگ بدر مین جو صاحب شہید ہوئے وہ ذوالشمالین تھے اون کا نام عبداللہ بن عمرو بن نضلۃ الخزاعی تھا اور ذوالیدین آنحضرت صلعم کے بعد بھی زندہ رہے اون کی موت معویہ کے زمانہ مین واقع ہوئی قبر اون کی مقام ذی خشب مین ہے اون کا نام خرباق تھا کیونکہ عمران بن الحصین نے جو اس حدیث کی روایت کی ہے تو اوس مین یہ کہا ہے کہ خرباق کھڑے ہوئے اور آنحضرت صلعم سے عرض کی کہ یارسول اللہ! آپنے نماز قصر پڑھی یا بھول گئے؟ اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اوزاعی نے کہا ہے کہ ذوالشمالین کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ نے نماز قصر کردی ہے؟ "اور یہ ذوالشمالین جنگ بدر مین ضرور شہید ہوئے اور اس حدیث مین یہ مروی ہے کہ ذوالیدین کھڑے ہوئے اور عرض کی

کہ یا رسول اللہ آپ نے نماز قصر کر دی ہے یا بھول گئے ہیں؟" حضرت نے فرمایا کہ "ان میں سے کوئی امر واقع نہیں ہوا ہے" اور بعض روایات میں یہ ہے کہ "آپ نے فرمایا کہ میں اس لئے بھولتا ہوں کہ سہو کے احکام تم پر ظاہر کر دوں" اور یہ بھی مروی ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ "نہ میں بھولا ہوں اور نہ نماز قصر کی گئی ہے" (بالجملہ ان روایتوں کے ملانے سے معلوم ہوا کہ ذوالشمالین اور ذوالیدین دو شخص نہیں ہیں) اور بطریق شیعہ جناب صادق علیہ السلام سے بھی مروی ہے ذوالیدین ہی ذوالشمالین بھی کہے جاتے تھے۔ اور فاضل مخاطب نے سہو و نسیان کے نقص نہ ہونے پر آیہ واما ینسینک الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظٰلمین سے جو استدلال کیا ہے وہ اس لئے درست نہیں ہے کہ مفسرین محققین نے تصریح کر دی ہے کہ خداوند عالم کا مقصود (اپنے رسول سے) یہ کہنا ہے کہ اگر (ہماری طرف سے) نہی وارد ہونے سے پہلے کفار کے پاس اوٹھنے بیٹھنے کی برائی تمھیں شیطان نے بھلا دی (تو خیر) مگر اب جبکہ اوس کا قبح ہم نے تم سے بیان کر دیا ہے اور اوس پر تم کو متنبہ کر دیا ہے اون کے پاس نہ بیٹھو (اس سے معلوم ہوا کہ یہاں لفظ "ینسینک" کے معنی نہیں ہیں کہ کسی معلوم امر کو بھلا دیا ہے بلکہ یہ معنی ہیں کہ ابتدا ہی سے ملتفت نہ ہونے دیا اور مبحوث عنہ اس مقام میں امر معلوم کا بھول جانا ہے اور وہی سبب نقص بھی ہے نہ کہ ابتدا ہی سے اوس کی طرف ملتفت نہ ہونا) بھلا سہو (رسول خدا ص) کیلئے کیونکر نقص نہ ہوگا حالانکہ اوس سے اسلام کو ضعف پہونچے گا اور وہ لوگوں کو آپ کے اتباع سے متنفر کر دیگا نیز ایسے سہو کے وقوع کا (جو روایت مذکورہ سے معلوم ہوا) حضرت کے لئے جائز ہونا آپ کے اس قول کی منافی ہے جس کی روایت بخاری نے کی ہے کہ "تم اپنی صفوں کو برابر کرو پس میں پس پشت سے بھی اوسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح اپنے سامنے سے"، پس تم سمجھو (کہ ایسے قوی ادراک کے ہوتے ہوئے بھی سہو و نسیان کا واقع ہونا ممکن ہے؟ اور اس کو بعض متاخرین اہل سنت نے بھی سمجھا ہے جیسا کہ ابن ہمام حنفی نے کتاب المسایرۃ میں ذکر کیا ہے پس اونھوں نے رسول خدا ص سے سہو واقع ہونے کا انکار کیا ہے اور یہ تصریح کی ہے کہ حدیث ذی الیدین میں آنحضرت صلعم کا دو ہی رکعتوں کے بعد سلام پڑھ دینا جو مذکور ہے (وہ سہواً نہیں واقع ہوا تھا بلکہ) آپ نے قصداً ایسا کیا تھا اور حکم سہو لوگوں کو تعلیم کرنے کی غرض سے ایسا کرنا آپ کے لئے مباح کر دیا گیا تھا انتہی لیکن اس کلام پر اور فاضل مخاطب کے اوس کلام پر بھی جس میں خالی از خیر از بیان کیا ہے (کہ آنحضرت ص پر تشریع احکام سہو کے لئے نسیان طاری کر دیا

گیا تھا) یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ محض رجم بالغیب اور اندھیرے مین تیر اندازی ہے آخر کونسی حدیث صحیح اور خبر صریح اس راز کے علت سہو ہونے کو بتاتی ہے جس کو تشنیع خلق سے رہائی پانے کے لئے ان لوگون نے بیان کیا ہے؟ اور ایسی بلائے نسیان ہی رسولؐ پر نازل کرکے تشریع (احکام سہو) کو ظاہر کرنے پر کونسی ضرورت داعی ہوئی درانحالیکہ سہو ونسیان سے قلم مرفوع ہے (یعنی اوس پر کوئی باز پرس نہین ہے اوس کا معاملہ اتنی اہمیت نہین رکھتا کہ اوس کے لئے خواہ مخواہ ایسی آفت سہو رسول اللہؐ پر نازل کیجائے) اور دیگر خواص نبی کی طرح اس امر پر بھی نص کردینے سے کہ سہو ونسیان سے پاک ہونا حضرت کے خصوصیات مین کرکے (علمائے اہل سنت کو) کونسا امر مانع ہوا۔ علاوہ اس کے صاحب سایرۃ کا کلام (جو اوپر نقل کیا گیا) مقصود مین تناقض رکھتا ہے اور محض بےحاصل ہے کیونکہ اوس کے ارادہ اور سہو دونو کا ایک ساتھ جمع ہوجانا لازم آتا ہے جیسا کہ قاضی عیاض نے شفا مین کہا ہے (یعنی کلام صاحب سایرۃ کا مقصود یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے تعلیم سہو کے لئے عمداً سہو واقع کیا حالانکہ عمداً سہو واقع کرنا ممکن ہے بھلا سہو اور قصد کا اجتماع کیونکر ہوسکتا ہے؟) لیکن یہ اعتراض ضعیف ہے کیونکہ اس کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ یہان حقیقۃً سہو مراد نہین ہے بلکہ صورت سہو مراد ہے یعنی آنحضرتؐ نے عمداً بصورت سہو نماز تمام کردی تاکہ لوگون کو سہو واقع ہوجانے کا گمان ہوجائے اور آپ اوس کے احکام تعلیم کرسکین۔ اس جواب کی طرف جناب شہید علیہ الرحمہ نے اس مقام پر حاشیہ لکھکر اشارہ فرمایا ہے اوس کا محصل یہ ہے کہ "ہم نے اس جواب کی بابت "کما ذکر صاحب الشفا" اس لئے کہا ہے کہ غور کرنے سے یہ تناقض دفع ہوجاتا ہے"۔ پس اس کا جواب حقیقی ایک وہ ہے جو جناب شہید علیہ الرحمہ نے دیا ہے یعنی اگر احکام سہو کی تعلیم ہی مقصود تھی تو اوس کے لئے حقیقۃً سہو واقع ہونے یا عمداً صورت سہو واقع کرکے نماز کو ناقص کردینے کی احتیاج نہ تھی۔

اور دوسرا جواب وہ ہے جو قاضی عیاض نے دیا ہے اوس کا ماحصل یہ ہے کہ تعلیم احکام کیلئے عمداً صورت سہو واقع کرنے کا قول محض رجم بالغیب ہے کوئی حدیث اس بات کو ثابت نہین کرتی کہ خدا نے حضرت کو یہ حکم دیا ہو کہ تشریع احکام کے لئے عمداً صورت نسیان واقع کرین۔ مترجم

اور فاضل مخاطب نے سورۂ یوسف کی آیت سے جو استدلال کیا ہے وہ ساقط ہے کیونکہ پوری آیت یہ ہے "وقال للذی ظن انہ ناج منہما اذکرنی عند ربک فانساہ الشیطن ذکر ربہ" اور اس کے معنی ظاہر جو ارباب تنزیہ (انبیا کو سہو ونسیان سے منزہ سمجھنے والون) نے اختیار کئے ہین کہ لفظ انساہ مین ضمیر اوس مرد شرابی کی طرف راجع ہے (جس نے قید سے

رہائی پائی تھی اور عزیز مصر کے لئے شراب بنانے پر مقرر ہوا تھا) اور حاصل آیت یہ ہے کہ شیطان نے اوس شرابی کو یہ بھلا دیا کہ اپنے مالک (عزیز مصر) کو حضرت یوسف کی یاد دلا دیتا۔ اس معنی کے بنا پر آیت مقصود فاضل مخاطب کے مخالف ہوگی نہ کہ موافق۔ ہان۔ از بسکہ وہ اور اون کے اصحاب انبیاء علیہم السلام سے حسن ظن نہین رکھتے اس لئے آیہ مذکورہ کی وہی تفسیر کی ہے جو اون کے مذہب کے موافق ہے اور وہ یہ کہ شیطان نے حضرت یوسف عم کو اون کے رب کیطرف سے اوس وقت غافل کر دیا تھا جبکہ اونھون نے اپنے امر کا دوسرے کو وکیل بنایا اور مخلوق سے فریاد رسی کی درخواست کی۔

اور فاضل مخاطب نے آیہ "انما انا بشر مثلکم" سے جو استدلال کیا ہے تو اوس کا جواب پہلے گذر چکا کہ بنا بر تصریح مفسرین بیان محض نوع و صنف مین مماثلت مراد ہے یا گناہون پر قادر ہونے مین مشابہت مقصود ہے لیکن خداوند عالم نے اپنے لطف و فضل سے اون کو عصمت پر ثابت قدم کر کے عامہ ناس سے ممتاز کر دیا تھا اور اس امر کہ (اگرچہ انبیاء علیہم السلام گناہون پر قادر ہونے مین عامہ ناس سے مشابہت رکھتے تھے لیکن خداوند عالم نے اپنے لطف و فضل سے اونکو عصمت پر ثابت قدم کر کے ممتاز کر دیا تھا) سورہ ابراہیم مین نص بھی واقع ہے اور وہ خدا تعالیٰ کا یہ قول ہے قالت لهم رسلهم ان نحن الا بشر مثلکم ولکن الله یمن علی من یشاء من عبادہ (اون لوگون سے رسولون نے کہا کہ ہم بھی تمہین جیسے انسا ہین لیکن خدا اپنے بندون مین سے جس پر چاہتا ہے احسان کرتا ہے) (البتہ نیشاپوری نے اپنی تفسیر مین کہا ہے کہ (اس آیت مین) خدا نے رسول صلعم کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ تواضع کا برتاؤ کرین اور (یہ آیت ظاہر کر رہی ہے کہ آپ کی حالت صفات بشریہ ہی کے اندر محدود تھی صفات ملکیہ کی حد تک نہین پہونچی تھی البتہ آپ نزول وحی کے سبب (عامہ ناس سے ممتاز تھے اور یہ کلام اون کے مستحق ملامت ٹھہرانے کیلئے کافی ہے۔

قول علامہ علیہ الرحمۃ اہل سنت نے رسول خدا صلعم کی طرف بہت سے نقائص کو منسوب کیا ہے چنانچہ حمیدی نے جمع بین الصحیحین مین عائشہ سے روایت کی ہے وہ کہتی ہین کہ مین رسول خدا صلعم کے پاس گڑیان کھیلتی تھی اور میری کچھ سہیلیان تھین وہ بھی میرے ساتھ کھیلتی تھین جب رسول خدا صلعم تشریف لاتے تو وہ ٹھٹک جاتی تھین پس آپ اون کو اشارہ کرتے تھے تو پھر وہ میرے ساتھ کھیلنے لگتی تھین نیز حمیدی سے

دوسرے حدیث مین (عائشہ کا یہ قول) مروی ہے کہ مین آنحضرتؐ کے گھر گڑیان کھیلتی تھی حالانکہ انھین لوگون نے صحاح احادیث مین رسول خدا صلعم سے یہی روایت کی ہے کہ جس گھر مین مجسم تصویرین ہوتی ہین اوس مین ملائکہ داخل نہین ہوتے اور مجسمہ تصویرین بنانے کی ممانعت آنحضرتؐ سے بالتواتر منقول ہے پس اوس خانۂ نبوی مین جس کی بنیاد ہی عبادت کے لئے پڑی تھی اور جو ہر وقت ملائکہ اور روح امین کا مہبط بنا رہتا تھا مجسم تصویرین بنانے کی نسبت رسول خدا اور اون کی زوجہ محترمہ کی طرف دینا اہل سنت کے لئے کیونکر جائز ہو سکتا ہے حالانکہ حضرتؐ نے جب کعبہ مین مورتین دیکھین تو جب تک وہان سے محو نہین کر دی گئین اوس مین داخل نہین ہوئے پس جبکہ آپ نے (اونھین تصویرون کی وجہ سے) خانۂ کعبہ مین باوجود اوس کے شرف و علو مرتبت کے داخل ہونا گوارا نہ کیا تو خود اپنے گھر مین جس کا مرتبہ کعبہ سے کہین کم ہے تصویرین بنا کر رکھنا (اور اوس مین داخل ہونا) کس طرح گوارا کر سکتے تھے۔ انتھی۔

قول ابطال بے شک یہ روایت صحیح ہے کہ عائشہ گڑیان کھیلتی تھین اور یہ اس لئے کہ (اوس وقت تک) کم سن اور غیر مکلف تھین کیونکہ یہ صحیح ہے کہ آنحضرت صلعم نے اون کو اپنے زوجیت مین داخل فرمایا تو فقط نو برس کی تھین اور وہ گڑیان انسان کی تصویر بھی نہین تھین بلکہ گھوڑے کی تصویرین تھین کیونکہ مروی ہے کہ حضرتؐ نے عائشہ کے پاس ایسے گھوڑے دیکھے جو (پرندون کے ایسے) بازو رکھتے تھے تو فرمایا کہ کہین گھوڑے بھی بازو رکھتے ہین؟ عائشہ نے کہا کہ "کیا آپ نے نہین سنا ہے کہ حضرت سلیمان کے گھوڑے بازو بھی رکھتے تھے؟" (یہ سنکر) رسول خدا صلعم مسکرا دئیے۔ اور گھوڑے کی شکل صورت (مورت) نہین کہی جاتی کیونکہ لڑکے کسی چیز کی صورت بنانے پر قادر نہین ہوتے (وہ جو کچھ بناتے ہین) فقط صورت کے مشابہ ہوتی ہے (نیز) گھوڑے کی شکل کی مورت بنانا حرام نہین ہے بلکہ (فقط) انسان کی تصویر بنانا حرام ہے یا بنا بر ایک قول کے اون حیوانات و ملائکہ و انسان کی تصویرین بنانا جن کی پرستش کی جاتی تھی (اور گھوڑا اون حیوانات مین سے نہین ہے لہذا اوس کی تصویر مجسم بنانا حرام نہ ہوگا) نیز یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ یہ امر (یعنی عائشہ کا تصاویر بنا کر کھیلنا) صورت سازی کے حرام کئے جانے سے پہلے واقع ہوا ہو کیونکہ ثابت ہے کہ تصویر بنانا اوس سال حرام کیا گیا ہے جس مین فتح مکہ واقع ہوئی اور عائشہ اوائل ہجرت مین گڑیان کھیلتی تھین نہ کہ بعد فتح مکہ نیز تصویرون کے لئے کچھ شرائط ہین جن کے موجود

ہونے ہی کے وقت اون کا بنانا حرام ہوتا ہے (اگر وہ موجود نہ ہوں تو حرام نہیں ہوتا) اور ہو سکتا ہے کہ (عائشہ کی گڑیوں میں) اون شرائط میں سے کوئی شرط موجود نہ رہی ہو جبکہ احادیث (عائشہ کی گڑیوں کے متعلق) درجۂ صحت کو پہونچے ہوئے ہیں تو اون میں تاویل اور جمع کرنا واجب ہے۔ صحاح ستہ کی حدیثیں احادیث روافض کی طرح (ضعیف) تو ہیں نہیں بلکہ اون کی صحت پر اجماع ائمہ واقع ہے۔

قول احقاق اس کلام پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ مصنف علامہؒ کا کلام (اہل سنت کی) فقط اس تجویز سے تعلق رکھتا ہے کہ رسول خدا صلعم گڑیاں کھیلنے کا موقع دیتے تھے اور بجائے منع کرنے کے اون کو لانے کا اشارہ کرتے تھے مطلقاً عائشہ کی گڑیاں کھیلنے سے اوس کلام کو تعلق نہیں ہے تاکہ یہ جواب دیا جا سکے وہ اس وقت تک مکلف نہیں ہوئی تھیں حالانکہ اس کا کاذب ہونا بھی ظاہر ہے (تشریح کا محتاج نہیں) اور یہ کہنا کہ "وہ گڑیاں انسان کی صورت پر مصور نہ تھیں الخ" درست نہیں کیونکہ ایسا نہیں کہ لفظ بنات " تصویر بنات انسان ہی پر اطلاق کیا جاتا ہو جیسا کہ اس لفظ سے بظاہر سمجھ میں آتا ہے گھوڑوں کی تصویروں پر بولا جاتا ہو۔ اور فاضل مخاطب کے خیالات ظاہرہ میں سے یہ بھی ہے کہ عائشہ کی گڑیوں کی بابت یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ وہ فقط گھوڑوں کی تصویریں تھیں اور بس حالانکہ جس روایت جامع الاصول میں تصرف کر کے اس پر استدلال کیا ہے وہی تصریح کے ساتھ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ عائشہ انسانی صورت پر بنائی ہوئی گڑیوں سے کھیلتی تھیں البتہ اون کے درمیان ایک تصویر گھوڑے کی بھی تھی جس کے دو بازو تھے چنانچہ صاحب جامع الاصول کہتے ہیں " ایک دوسری روایت میں ابوداؤد سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم غزوہ تبوک یا حنین سے تشریف لائے

____ پس ہوا چلی اور اوس نے اون گڑیوں پر سے پردہ کا ایک گوشہ ہٹا دیا جن کو عائشہ کھیلتی تھیں پس (اون کو دیکھ کر) فرمایا کہ "عائشہ! یہ کیا ہے؟" کہا "یہ میری گڑیاں ہیں" حضرت نے اون گڑیوں کے بیچ میں کپڑے کی بنی ہوئی ایک گھوڑے کی تصویر دیکھی جسکے دو بازو تھے تو فرمایا کہ "اون کے درمیان میں کیا چیز ہے؟" عائشہ نے کہا کہ "یہ گھوڑا ہے" فرمایا "اور اوس کے اوپر کیا لگا ہوا ہے؟" کہا "یہ دونوں بازو ہیں" فرمایا کیا گھوڑے کے بھی بازو ہوتے ہیں!؟" کہا "کیا آپ نے نہیں سنا ہے کہ حضرت سلیمان کے پاس ایسے گھوڑے تھے

جو بازو بھی رکھتے تھے" (یہ سُنکر) رسول خدا صلعم ہنس پڑے یہان تک کہ آپ کے دندان مبارک نمایان ہوگئے انتھی۔ پس فاضل مخاطب کا اس روایت سے جو اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ عائشہ کبھی گھوڑون کی صورت پر بنی ہوئی گڑیون سے بھی کھیلتی تھین یہ ثابت کرنا کہ انسانی صورت پر بنائی ہوئی گڑیان یقیناً نہین کھیلتی تھین تعجب خیز ہے نیز یہ حکم کرنا کہ گھوڑے کی تصویرون سے کھیلنا حرام نہین اوس بات کے منافی ہے جو عنقریب مسائل شہادات مبحث مسائل فقہیہ مین مذکور ہوگی اور وہ یہ ہے کہ شطرنج بازی کا حرام نہ ہونا شافعی کے نزدیک چار شرطون سے مشروط ہے جن مین سے ایک یہ بھی ہے کہ آلات شطرنج مصور بہ صورۃ حیوانات نہ ہون (اس سے معلوم ہوا کہ حیوانات کی تصویرون سے کھیلنا مطلقاً حرام ہے) پھر یہ کہنا کہ ہیاۃ فرس کو صورۃ نہین کہتے "عرف و لغت دونو کے اعتبار سے مکابرہ ہے کیونکہ قاموس مین ہے الصورۃ بالضم الشکل ج صور، صور، صور انتھی" (اس سے معلوم ہوا کہ صورت شکل کو کہتے ہین خواہ وہ انسان کی ہو یا کسی اور شے کی) اور تعجب خیز امور مین سے ایک امر فاضل مخاطب کا یہ استدلال بھی ہے کہ "اطفال تصویر بنانے پر قدرت نہین رکھتے" کیونکہ تصویرون سے کھیلنا اس کا مقتضی نہین ہے کہ وہ خود ہی اون کے بنانے پر بھی قادر ہون بلکہ اکثر یہی ہوتا ہے کہ ماں۔ بہن۔ خالہ یا دوسری عورتین بنا دیا کرتی ہین اور نہ عائشہ تو اوس وقت جبکہ گڑیان کھیلتی تھین سن طفولیت مین بھی نہ تھین بلکہ اوس وقت (خیبر سے) اون کی عمر کا نوان سال تھا جیسا کہ فاضل مخاطب نے بھی اس سے پہلے اعتراف کیا ہے اور ثعالبی نے کتاب فقہ اللغۃ مین تصریح کی ہے کہ "طفل" کا اطلاق فقط شیرخوار بچے پر کیا جاتا ہے زمانہ شیرخواری ختم ہوجانے کے بعد فطیم یا فطیمہ اور ولید یا ولیدہ" کہتے ہین (پھر عائشہ پر طفل کا اطلاق کرنا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے اور فقط نوان سال بھی کیسا) وہ تو بعض فقہا کے مذہب کے بنا پر بالغہ بھی ہوچکی تھین (نیز کتب تواریخ و سیر مین جو واقعات عقد و زفاف مذکور ہین اون سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ مترجم)

اور فاضل مخاطب کا یہ قول کہ "گھوڑون کی صورت پر گڑیان بنانا حرام نہین ہے" اس لئے ممنوع ہے کہ وہ صور و تماثیل جو حدیث تحریم مین مذکور ہین ہر طرح کی تصویر کو شامل ہین کیونکہ حدیث اطلاق رکھتی ہے (اوس مین کسی خاص قسم کی تصویر کی تخصیص نہین کی گئی ہے) اور علامہ بغوی نے مصابیح مین اور بیضاوی نے اپنی شرح مین اس کی تصریح کردی ہے (کہ حدیث تحریم ہر قسم کی تصویرون کو شامل ہے) اور فاضل مخاطب نے جو مضحک تاریخ (یعنی تصویرسازی فتح مکہ کے سال مین حرام کیگئی

اور عائشہ اوائل ہجرت مین گڑیان کھیلتی تھین) ذکر کی ہے وہ شاید خود اونھین کی تاریخ فارسی سے ماخوذ ہے جو کہ اکاذیب کا دفتر ہے پس بہتر یہ ہے کہ اس کو بھی اپنی جہالات کے مخلاۃ ہی مین محفوظ رکھین (زبا ہر نہ نکالیں)

اور فاضل نخاطب نے یہ جو کہا ہے کہ "اخبار صحاح اہل سنت مثل اخبار روافض نہین ہین" اوسکو ہم بھی تسلیم کرتے ہین بے شک اہل سنت نحویہ وجماعت یزیدیہ کی حدیثین اون لوگون کی احادیث کی مثل کیونکر ہو سکتی ہین جو باطل کو چھوڑنے والے اور کتاب خدا وعترت رسول سے تمسک کرنے والے ہین" اور یہ کہنا کہ "اخبار صحاح ستہ کی صحت پر ائمہ کا اجماع ہے" اس لئے مردود ہے کیونکہ شیطان نے جن لوگون کو [illegible] لیا ہے وہ آتش جہنم کی طرف دعوت دینے والے ہین لہذا اون کا اجماع [illegible] اعتبار [illegible] (ہے اور اس کلام کی تحقیق احادیث فریقین [illegible] سے مناسب مقام مین [illegible] انشاء اللہ تعالیٰ۔

قولہ [illegible] **انتہیٰ مقامہ** (نیز حمیدی نے جمع بین الصحیحین مین عائشہ سے روایت کی ہے [illegible] نے کہا کہ رسول خدا [illegible] نے مجھکو اپنی [illegible] حبشیون کو دیکھنے کی [illegible] ہے تھے پس عمر نے اون کو [illegible] اور [illegible] جمع بین الصحیحین مین [illegible] ہے یہ بھی روایت کی ہے کہ (ایک مرتبہ) رسول خدا صلعم [illegible] اوس وقت تشریف لائے جبکہ دو کنیزین بھی جنگ بعاث کے اشعار گا رہی تھیں [illegible] آپ بستر پر لیٹ گئے اور منہ اوس طرف سے پھیر لیا اتنے مین ابوبکر آ گئے اور مجھ پر خفا ہوئے اور بولے کہ رسول خداؐ کے پاس یہ شیطانی راگ؟ پس رسول خدا اون کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ انھین اپنے حال پر چھوڑ دو۔ پس جب حضرت سو گئے تو مین نے اون دونو کنیزون کو اشارہ کیا (کہ چلی جاؤ) پس وہ چلی گئین۔ بھلا رسول خدا کے لئے اس (ناچ گانے) پر صبر کرنا کیونکر جائز ہو سکتا تھا حالانکہ آپ نے لہو ولعب کے حرام ہونے پر نص بھی کر دی ہے نیز قرآن اوس (کی حرمت کے ذکر) سے بھرا ہوا ہے اور وہ بھی بالخصوص اپنی زوجہ محترمہ کیلئے (ایسے لہو ولعب کو کیونکر گوارا کر سکتے تھے) آخر آپ کو حمیت وغیرت کیون نہ آئی حالانکہ آپ سب سے زیادہ غیور تھے؟ اور یہ کب ہو سکتا ہے کہ ابوبکر وعمر تو (اوس لہو ولعب کو) پسند نہ کرین اور آپ اون کو منع فرمائین کیا یہ حضرات رسول خدا صلعم سے بھی افضل واکمل تھے؟ نیز اہل سنت نے رسول خدا کی بابت روایت کی ہے کہ (ایک مرتبہ) آپ سفر سے مدینہ مین آئے اور مدینہ کی عورتین آپ کی تشریف آوری

کی خوشی میں گھروں سے دف بجاتی ہوئی نکل پڑیں اور آپ بھی (آواز دف) سنکر وجد میں آگئے اور (آستین پھیلا کر رقص فرمانے لگے۔ آیا کسی رئیس ملت یا اوس شخص سے جو کچھ بھی وقار رکھتا ہو ایسی (ذلیل و خفیف) حرکت سرزد ہو سکتی ہے؟ حالانکہ اگر ان (اہل سنت) میں کسی شخص کیطرف ایسے امور کی نسبت دیدی جائے تو وہ یقیناً سب و شتم سے اوسکا جواب دیگا اور اپنی برأت ظاہر کریگا۔ پس رسول خدا کی طرف ایسے (ناجائز) امور کی نسبت دینا جن سے آپ کا دامن قدس پاک ہے کیونکر جائز ہو سکتا ہے نعوذ باللہ من ھذہ السفسطۃ انتھی۔

قول البطال دف بجانا اور اسی طرح لہو (یعنی گانا ناچنا) بھی مطلقاً حرام نہیں ہے جیسا کہ اس مقام میں مذکور ہے اور عائشہ کے پاس کنیزوں کا دف بجانا جو ذکر کیا ہے تو وہ ایام عید کا واقعہ ہے اور علما کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ لہو اور دف بجانا خوشی کے اوقات مثلاً ایام عید۔ تقریب ختنہ وغیرہ میں جائز ہے اور ابوبکر نے اس سبب سے منع کیا تھا کہ اون کو ایام عید میں اوس کے جائز ہونے کی خبر نہ تھی چنانچہ حدیث بھی ہے کہ آنحضرت صلعم نے ابوبکر سے فرمایا کہ ان کنیزوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو کیونکہ یہ عید کا دن ہے پس ابوبکر نے محض ناواقفیت کی وجہ سے منع کیا تھا کہ اونکو اوقات سرور میں جائز ہونے کا علم نہ تھا جس پر آنحضرت صلعم نے بتا دیا کہ گانا بجانا عید کے دنوں میں حرام نہیں ہے۔ اور یہ جو کہا ہے کہ مدینہ کی عورتیں سفر سے حضرت کی واپسی کی خبر سنکر گھروں سے نکل پڑیں اور آپکے پاس آکر مجتمع ہو گئیں تو (اس کا جواب یہ ہے کہ) یہ امر مدینہ کی عورتوں کے خصائل میں سے تھا اور آنحضرت کے منع نہ فرمانے کی وجہ یہ تھی کہ ابھی پردے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا نیز وہ آپ کی تشریف آوری پر اپنی خوشی ظاہر کر رہی تھیں اور یہ (اظہار مسرت) عین عبادت ہے نیز ایسے امور میں مروت کو ترک کر دینا (یعنی ایسی حرکات خفیفہ کا مرتکب ہو جانا جو سنجیدگی و وقار کے خلاف ہوں) جائز ہے جن سے الفت پیدا ہوتی ہو قلوب شاد ہوتے ہوں اور اس کے ساتھ ہی مسائل کی تشریع بھی ہو جاتی ہو لیکن (اس کا کیا علاج ہے کہ ہمارے معترضین کو یہ خوبیاں نظر ہی نہیں آتیں) کیا خوب کہا گیا ہے ؎ وعین الرضا عن کل عیب کلیلۃ ٭ ولکن عین السخط تبدی المساویا۔

قول احقاق فاضل مخاطب اور اون کے دیگر اصحاب کا اس امر پر استدلال کہ لہو و غنا حرام نہیں ہے اسی روایت مذکورہ اور اوسکی ہم معنی روایات میں منحصر ہے جن پر خصم (یعنی شیعہ) طعن و تشنیع کرتے ہیں پس ان ہی روایتوں سے عدم حرمت لہو و غنا پر استدلال کرنا

مصادرۃ علے المطلوب ہوگا (یعنی دعوے اور دلیل مین تغایر نہ ہوگا بلکہ دلیل عین دعوے ہو گی) اور اگر فاضل مخاطب کے پاس ان کے علاوہ کوئی دلیل قران واجماع موجود ہے تو اوس کو بیان کرنا چاہیے تاکہ اوس مین نظر کیجائے کہ وہ دلیل بننے کی صلاحیت کہانتک رکھتی ہے ۔ علاوہ اس کے ابوبکر کا "مزمارۃ الشیطان" کہنا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ (گانا بجانا) شیطانی فعل تھا ور (خصوصاً اس لئے کہ) رسول خدا صلعم نے اون کے اس قول سے انکار نہیں فرمایا (یعنی یہ نہیں فرمایا کہ مزمارۃ الشیطان نہین ہے) غالباً فاضل مخاطب نے اس کلام سے کہ "لہو کا جواز اپنے مقام مین مذکور ہے" خدا تعالے کا وہ قول مراد لیا ہے انما الدنیا لھو ولعب وزینۃ الآیۃ " (یعنی فاضل مخاطب نے اسی آیۃ کو جواز لہو ولعب کی دلیل قرار دیا ہے اور اوس کے اپنے مقام مین مذکور ہونے کا حوالہ دیا ہے) جیسا کہ عبید اللہ الکافی نے رسالۂ اخلاق مین اصحاب مذہب مختار کی جانب سے اسی آیت سے (لہو ولعب کے جواز پر) استدلال کیا ہے پس ایسا استدلال کرنے والے کو (اپنی عقل وفہم پر) خوش ہوکر ہنسنا کم چاہیے (بلکہ) زیادہ رونا ہی لازم ہے کیونکہ کہان دنیا کا لہو ولعب ہونا اور کہان اوس کا جواز آخر دلیل ودعوے مین کونسا ربط ہے ؟

علاوہ فاضل مخاطب نے یہ احتمال جو بیان کیا ہے کہ ممکن ہے کہ ابوبکر کو عید کے دن اوسکے جائز ہونے کا علم نہ رہا ہو تو (اگر فی الواقع ایسا ہی تھا تو) اون کے نقص کیلئے یہی کافی ہے کہ جس امر کو اون کی کمسن صاحبزادی اور دو نو کنیزین بھی جانتی تھین اوس سے اب تک ناواقف تھے۔

اور تتمہ حدیث جو ذکر کیا ہے (یعنی آنحضرت نے ابوبکر سے فرمایا کہ ان کو اسی حال پر چھوڑ دو کیونکہ یہ عید کا دن ہے) وہ فاضل مخاطب کے اضافات ومخترعات مین سے ہے جو اونھین جیسے جہلا کے نزدیک مقبول ہو سکتا ہے ساتھ ہی اس کے اوس (تتمہ حدیث) سے ابوبکر کا اوس امر سے جاہل ہونا لازم آتا ہے جو بچون اور بازاری کنیزون کو بھی معلوم تھا۔

اور یہ جو کہا ہے کہ "مدینہ کی عورتین اوس وقت رسول خدا م کی تشریف آوری پر خوشی کا اظہار کر رہی تھین اور یہ عین عبادت ہے" تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہان (رسول خدا م کی تشریف آوری پر) سرور عبادت تو ہے مگر اوسکے ساتھ دف بجانا معصیت ہے اور کلام اسی دف بجانے اور رسول کے رقص فرمانے مین ہی ہے نہ کہ مطلقاً سرور اور اوس کے اظہار مین کیا اظہار سرور کیلئے دف بجانے کے سوا اور کوئی طریقہ نہین ہو سکتا تھا ؟

اور یہ قول فاضل مخاطب کہ "ایسے امور مین خلاف مروت عمل کرنا جو باعث الفت وموافقت

اور بسبب مسرت قلوب تشریع مسائل ہوں جائز ہے" قابل تسلیم نہیں کیونکہ بہت سے وہ امور جو خلاف مروت بھی ہے شمار نہیں کئے جاتے بلکہ بالاتفاق منافی عدالت سمجھے جاتے ہیں اوس جماعت کی الفت و موافقت کا سبب ہوتے ہیں جو مروت و تقوی کو ترک کر دینے کی پروا نہیں کرتی پس اس کلام کی بنا پر اون کا جائز ہو جانا بھی لازم آتا ہے حالانکہ کوئی عقلمند مسلمان یہ نہیں کہہ سکتا۔ رہا ارادہ تشریع مسائل تو اوس کا جواب پہلے معلوم ہو چکا (کہ یہ کہنا محض اپنے وہم و خیال کی بنا پر ہے کسی حدیث سے ثابت نہیں ہوتا نیز تشریع مسائل کیلئے ارتکاب قبیح کی حاجت نہیں)

قول علامہ اعلی اللہ مقامہ

صحیحین میں مروی ہے کہ جب ملک الموت حضرت موسیٰ کے پاس قبض روح کیلئے آئے تو حضرت نے اونکے منہ پر طمانچہ مارا اور ایک آنکھ نکال لی کیا حضرت موسیٰ کی عظمت و شرف منزلت و شوق قرب الٰہی و مجاورۂ عالم قدس کو دیکھتے ہوئے کوئی عاقل آپ کی طرف اس کی نسبت دے سکتا ہے کہ موت سے کراہت کرتے تھے بھلا آپ کے لئے کب جائز ہو سکتا تھا کہ ملک الموت کو ایسی ضرب لگائیں حالانکہ وہ خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے آئے تھے؟ انتہی۔

قول ابطال

موت کو انسان بالطبع مکروہ سمجھتا ہے اور جناب موسیٰ تند مزاج بھی تھے جیسا کہ احادیث و آثار میں مذکور ہے پس از بسکہ حدیث مذکور صحیح ہے لہذا اوس کو آپ کی کراہت موت اور تند مزاجی پر حمل کرنا واجب ہے علاوہ اس کے جس طرح آپ نے (غصہ میں آکر) الواح توریت پھینک دی تھیں اور اپنے بھائی (ہارون) کا سر پکڑ کر کھینچا تھا اوسیطرح آپ نے ملک الموت کو بھی مارا (پھر اس میں تعجب کیوں ہے؟) آخر یہی اعتراض جناب ہارون کو مارنے اور اون الواح توریت کو توڑ ڈالنے پر بھی تو وارد ہوتا ہے جو خداوند عالم نے ہدایت و رحمۃ قرار دے کر اون کو عطا کی تھیں؟ اور یہ کہنا ممکن ہے کہ حضرت موسے کی طرف اس طرح الواح خدا و کتاب خدا کی توہین کرنے کی نسبت دینا کیونکر جائز ہو سکتا ہے اور (اسیطرح) جناب ہارون کو مارنا کیونکر کہا جا سکتا ہے حالانکہ وہ بھی نبی مرسل تھے؟ پس یہ تمام امور اہل حق کے نزدیک مقتضائے بشریۃ ہونے پر محمول کئے جاتے ہیں اور ان سے ملکہ عصمت میں کوئی قدح وارد نہیں ہوتی البتہ ابن المطہر (علامہ حلی) کے نزدیک ذنب و معصیت پر محمول ہونگے اگر قرآن متواتر نہ ہوتا اور ابن المطہر حلی کو نقل متواتر سے نہ معلوم ہوتا کہ جناب موسیٰ نے الواح پھینک دی تھیں اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر کھینچا تھا تو یقین ہے کہ اسکے بھی منکر ہو جاتے اور اس پر بھی ایسے ہی اعتراضات وارد کرتے اگر وہ انصاف سے کام لیتے تو معلوم ہو جاتا کہ اون کے تعصب کی

بات جو کچھ ہم کہہ رہے ہین حق ہے۔ انتہی۔

قول احقاق قاضی عیاض نے بھی حدیث مذکور کو صحیح بتایا ہے کیونکہ وہ اون دونو کتابون مین مذکور ہے جن کا نام اون کے مولفین نے صحیح رکھا ہے اور جو معصیت جناب موسیٰ کیطرف اوس مین منسوب ہے اوس کا یہ جواب دیا ہے کہ حدیث مین کوئی ایسی بات مذکور نہین ہے جس کی بابت یہ کہا جاسکتا ہو کہ جناب موسیٰ کی تعدی اور زیادتی تھی اور آپ نے ناجائز کام کیا بلکہ آپ نے جو کچھ کیا وہ جائز تھا اور اوس کی وجہ ظاہر ہے اور وہ یہ کہ آپ (حفاظت خود اختیاری پر عمل کرکے) اوس شخص کو دفع کر رہے تھے جو اون کی جان لینے کے لئے آیا تھا ملک الموت اوس وقت آپ کے پاس آدمی کی صورت مین آئے تھے جس سے آپ پہچان نہ سکتے تھے کہ یہ ملک الموت ہین پس آپ نے (ناواقفیت کے سبب) اون کو اپنے نفس سے دفع کیا اور اس مدافعت سے اس صورت انسانی کی آنکھ جاتی رہی جس مین ملک الموت بحکم الٰہی محض امتحان کیلئے متشکل ہو کر آئے تھے جب وہ (اپنی صورت اصلی مین) اون کے پاس آئے اور خدا تعالےٰ نے اونکو بتادیا کہ وہ اوس کے فرستادہ (ملک الموت) ہین تو آپ نے سر تسلیم خم کر دیا لیکن اس جواب پر پہلا اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ اوس وقت حضرت موسیٰ کا ملک الموت کو نہ پہچاننا تسلیم نہین کیا جاسکتا کیونکہ اکثر ملائکہ (اپنی اصلی صورت کے علاوہ) دوسری صورتون مین متشکل ہو کر انبیاء علیہم السلام کے پاس آیا کرتے تھے اور وہ اون کو پہچان لیتے تھے علاوہ اس کے حدیث مذکور مین یہ بھی وارد ہے کہ جب ملک الموت پروردگار عالم کے پاس واپس گئے اور شکایت کی کہ تو نے مجھے ایسے بندے کے پاس بھیجدیا جو ابھی مرنا چاہتا ہی نہین تو حکم ہوا کہ پھر اوس کے پاس جاؤ اور کہو الخ اور یہ (کلام ملک الموت اور جواب خداوند عالم) اس کا قرینہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے ملک الموت کو اوس وقت پہچانا تھا (اور موت پر راضی نہ ہونے کے سبب دانستہ وہ ضرب شدید لگائی تھی)

اور دوسرا اعتراض یہ ہے کہ یہ کہہ دینے کے بعد کہ حضرت موسیٰ پر مدافعت کرنا واجب تھا اور آپنے اوسی واجب کو ادا کیا) آزمایش و امتحان کے لئے کوئی وجہ باقی نہین رہتی (یعنی اس کلام سے کہ ملک الموت کو خدا نے بغرض امتحان بشکل انسانی بنا کے بھیجا تھا اگر یہ امتحان مقصود تھا کہ وہ اس صورت مین بھی مطلع ہو کر جان دیدینے پر تیار ہو جاتے ہین یا نہین تو وہ اس قول کیساتھ درست نہین ہو سکتا کہ جناب موسیٰ نے وہی کیا جو آپ پر واجب تھا کیونکہ جب مدافعت کر واجب تھا تو بغیر ایک امر واجب کو ترک کئے ہوئے امتحان کا مقصد پورا نہین ہو سکتا تھا پس

خداوند عالم کی طرف سے ایسا امتحان کیونکر مقصود ہو سکتا تھا جو اگر تمام ہو تو ترک واجب لازم آتا ہے اور اگر واجب عمل میں آئے تو وہ تمام نہیں ہو سکتا بالجملہ اگر بمدافعت اور حفاظت نفس واجب نہوتی تو البتہ انسانی صورت میں ملک الموت کے بھیجنے کا مقصود یہ ہو سکتا تھا کہ شوق موت و لقائے الٰہی کی آزمایش کیجائے فافہم) اور اس اعتراض کا جواب کبھی لفظ فقأ عینہ کو مجاز پر محمول کرکے دیا جاتا ہے یعنی یہ لفظ عرب کے (محاورہ فقأ عین حجتہ" (اوس کی حجت کی آنکھ پھوڑ دی) سے ماخوذ ہے پس مراد یہ ہوگی کہ حضرت موسیٰ نے اپنی حجت کا ایک طمانچہ ملک الموت کے منھ پر مارا اور اون کی حجت (دلیل) کی آنکھ پھوڑ دی (یعنی باطل کر دیا) لیکن یہ اوس کے مناسب نہیں ہے جو حدیث مذکور میں وارد ہے کہ خدا نے اون کو پھر آنکھ عطا کر دی نیز قبض روح کے وقت ملک الموت کے ساتھ مباحثہ کونسا واقع ہوا تھا جس میں جناب موسیٰ کو (دلیل) حجت کے ابراد و ابطال کی احتیاج پیش آئی ہو اور بعضوں نے یہ جواب دیا ہے کہ محتمل یہ ہے کہ یہ فعل حضرت موسیٰ سے بے اختیاری میں واقع ہو گیا ہو کیونکہ موت کے وقت حالت سکرات ہوتی ہے (جس کے حرکات اضطراریہ کا واقع ہو جانا ممکن ہے) میں کہتا ہوں کہ یہ جواب حضرت عمر بن الخطاب کے اس قول ان الرجل لیھجر (یا لیھد وا علے اختلاف الروایتان) سے مستنبط ہے جو رسول خدا کی شان میں کہا تھا۔ برادران ایمانی! ذرا توجہ و انصاف کی نظر سے دیکھو کہ گمراہی کے میدان کی وسعت کہاں تک پہونچی ہوئی ہے آخر محض جناب موسیٰ کی طرف معصیت کی نسبت دینے ہی میں تو کلام نہیں ہے بلکہ اون کے اس اعتقاد کی سخافت میں بھی تو ہے کہ ملک الموت باوجود اوس قدرت و تائید کے جو خدا کی طرف سے اون کو حاصل ہے جناب موسیٰ کا مقابلہ کرنے سے اور وہ بھی اون کے مرض و ضعف کی حالت میں اس قدر عاجز رہے کہ اپنی آنکھ کھو بیٹھے اور پروردگار عالم کی جناب میں شکوہ کرنے کے محتاج ہوئے۔

اور فاضل مخاطب نے غفتہ جناب موسیٰ کے اس قصہ کو کہ آپ نے الواح توریت پھینک دیں اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر کھینچا جو معارضہ میں پیش کیا ہے وہ بالکل اس کی صلاحیت نہیں رکھتا کہ معارضہ میں پیش کیا جائے کیونکہ اوس کے لئے محمل صحیح و تاویل جمیل موجود ہے جس کو سید مرتضیٰ علم الہدیٰ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے اور فخر الدین رازی نے بھی اوس کو مستحسن قرار دیکر تفسیر کبیر میں درج کر دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ نبی اسرائیل جناب موسیٰ کیطرف سے نہایت سوء ظن میں مبتلا تھے۔ یہاں تک کہ جب کبھی جناب ہارون غائب ہو جاتے تو وہ

لوگ حضرت موسیٰ سے کہتے تھے کہ تم نے اون کو قتل کر دیا پس جب خدا نے اون سے تیس راتون کا
وعدہ کیا اور دس (اور زیادہ کرکے چالیس راتون) پر پورا کر دیا اور وہ الواح عطا کر دین جن مین
ہر شے کا حکم مندرج تھا اور وہ اون کو لیکر واپس آئے اور قوم مین زہ (کفر و ارتداد) دیکھا جو دیکھا
پس آپ نے جناب ہارون کا سر پکڑ کر اپنے سے قریب کرکے کیفیت واقعہ کی تحقیق کرین
اس پر جناب ہارون کو خوف ہوا کہ مبادا یہی بے اصل خیال (کہ حضرت موسیٰ جناب ہارون کے
دشمن ہین) بنی اسرائیل کے دلون مین پیدا نہ ہو جائے لہذا جناب موسیٰ (کی طرف سے لوگون
کو سوءظن پیدا ہو جانے) کے خوف سے یہ عرض کی کہ آپ میری ڈاڑھی اور سر کو نہ پکڑین تاکہ قوم
یہ گمان نہ کر سکے کہ آپ مجھے مارنا اور دکھ پہونچانا چاہتے ہین۔ مین کہتا ہون کہ ملاقات و مشاورت
کے وقت ڈاڑھی اور سر پکڑ لینا ایک عرب کی عادت جاریہ تہے اور اگر اہانت کی غرض سے
ایسا کیا ہوتا تو اوس کے ساتھ کوئی طمانچہ بھی لگاتے اور وہ بھی روایات مین منقول ضرور ہوتا
اور جب ایسا نہین کیا تو معلوم ہوا کہ اہانت مقصود نہ تھی۔ نیز جائز ہے کہ یہ تمام اعتراض و تعرض
(اور اظہار غیظ و غضب) مقولہ ایاک اعنی و اسمعی یا جارۃ کا مصداق ہو (یعنی اگرچہ بظاہر آپ
جناب ہارون پر غضبناک تھے اور سختی سے بازپرس کر رہے تھے مگر دراصل یہ تمام غیظ مرتدین
بنی اسرائیل پر تھا)

اور اکثر آیات انداز (وتہدید) جن مین خطاب انبیاء کیطرف کیا گیا ہے اسی اسلوب و طریق
پر وارد ہوئی ہین (کہ درحقیقت انبیا کو ڈرانا مقصود نہین ہے بلکہ عامہ ناس کی تخویف و تہدید منظور ہے)
مثلاً خدا تعالےٰ کا یہ قول ولو تقول علینا بعض الاقاویل ۞ (اگر رسول ہماری نسبت
کوئی جھوٹ بات بنا لیتے) اسی اسلوب پر واقع ہے۔ اور حاصل کلام یہ کہ الواح کو پھینکدینا
اس مصلحت سے تھا کہ قوم پر اوس کی مبتلائے ضلالت ہو جانے کے سبب غیظ و غضب ظاہر
کرین لیکن ملک الموت کو طمانچہ مارنے اور اون کی آنکھ پھوڑ دینے مین کوئی دینی مصلحت نہین تھی
بلکہ مصلحت اسی مین تھی کہ اون کو (قبض روح کا) اختیار دیدیتے جیسا کہ مذکور ہوا

اور فاضل مخاطب نے الواح کو توڑ ڈالنے اور کتاب خدا کی اہانت کرنے کا قصہ جو بیان کیا ہے
وہ انھین کے اضافات (واختراعات) مین سے ہے آخر یہ کہان سے معلوم کر لیا کہ الواح کا پھینکدینا
اوس مصلحت سے نہ تھا جس کو ہم نے ذکر کیا بلکہ اس سے کتاب خدا کی اہانت ہی مقصود تھی
اور اگر یہ صحیح طور سے ثابت ہو جائے کہ فی الواقع یہی مقصود تھا تو وہ اون کی عصمت مین قدح

وارد ہونے کے لئے کافی ہوگا عام اس سے کہ حدت مزاج ہی اوس کی باعث ہوئی ہو یا اور کچھ۔
اور فاضل مخاطب کا یہ کہنا کہ "یہ تمام واقعات اہل حق کے نزدیک مقتضائے صفات بشریہ ہونے پر محمول ہیں" اس امر کا موجب ہے کہ اونکے امام فخر الدین رازی اور اون کے شیخ صاحب مواقف اہل حق کے زمرہ سے خارج ہوں کیونکہ اون لوگوں نے بھی اوسی تاویل پر محمول کیا ہے جس پر علامہ حلی طاب اللہ رمسہ نے حمل کیا ہے اور جو طہارت و عصمت انبیاء علیہم السلام کے منافی نہیں ہے۔ کس قدر عجیب امر ہے کہ فاضل مخاطب (اور انکے دیگر علماء ملت) اون آیات کو جن میں بظاہر انبیاء پر ترک اولے واقع ہوجانے کے سبب عتاب کیا گیا ہے اون کے ظواہر ہی پر محمول کرتے ہیں اور یہ حکم کرتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام سے معصیت وخطا صادر ہوئی تھی حالانکہ ایک طرف عقل یہ بتا رہی ہے کہ اون کو خطا و معاصی سے منزہ و معصوم سمجھنا واجب ہے اور دوسری طرف اون آیات کیلئے محامل (یعنی تاویلات صحیحہ) بھی موجود ہیں (جن پر اون کے ظواہر کو محمول کیا جا سکتا ہے) اور حضرت عمر بن الخطاب کے کلمات ہذیان کو باوجود اس کے کہ اون کا مرتبہ انبیاء کے مراتب سے بے انتہا کم تھا خلاف ظاہر معنی پر محمول کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ معنی ظاہر پر اون کا حمل کرنا جائز نہیں ہے حالانکہ اون کلمات کے لئے دوسرے معانی جن پر وہ محمول ہو سکیں موجود نہیں کاش یہ لوگ اون کو انبیائے عظام کے برابر ہی سمجھ لیتے (اور اون سے معصیت وخطا کے صادر ہو جانے کا اقرار کرتے)
رہا فاضل مخاطب کا یہ کہنا کہ "اگر قرآن متواتر نہ ہوتا اور یہ قصہ ابن المطہر تک بہ نقل متواتر نہ پہونچا ہوتا کہ جناب موسی نے الواح توریت کو پھینکدیا اور اپنے بھائی ہارون کا سر پکڑ کر کھینچا تھا تو یقیناً وہ اس کا بھی انکار کرتے" تو وہ محض رجم بالغیب ہے آخر یہ کیونکر معلوم ہوا کہ وہ اوسی تاویل صحیح پر محمول نہ کرتے جس کو سید مرتضی علم الہدی نے پسند فرمایا ہے اور فخر الدین رازی قدس سرہ نے بھی اس بارے میں اون سے موافقت کی ہے۔

قول علامہ اعلی اللہ مقامہ جمع بین الصحیحین میں مروی ہے کہ قیامت کے دن خلق اللہ کا جو حال ہوگا اوس کے بیان میں رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ لوگ جناب آدم ع کے پاس آئینگے اور شفاعت کی درخواست کرینگے اور وہ اوس سے معذوری ظاہر کرینگے پس وہ لوگ حضرت نوح ع کے پاس آئینگے اور وہ بھی اسی طرح عذر کرینگے پس جناب ابراہیم کے پاس آئینگے اور عرض کرینگے آپ نبی خدا اور خلیل خدا ہیں اپنے رب سے ہماری شفاعت کیجئے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہم لوگ کس حال میں ہیں؟

تو وہ کہیں گے کہ (میں کیا شفاعت کروں) مجھ پر تو خود اسوقت خدا تنا غضبناک ہو کہ نہ کبھی پہلے ایسا ہوا تھا اور آئندہ ہوگا اور وہ اس لئے کہ میں نے (دنیا میں) تین جھوٹ بولے تھے لہذا اس وقت تو مجھے اپنی جان کی پڑی ہے تم لوگ کسی اور کے پاس جاؤ۔ اور اوسی جمع بین الصحیحین میں یہ بھی رسول خدا صلعم سے مروی ہے کہ جناب ابراہیم ع تین مرتبہ کے سوا کبھی جھوٹ نہیں بولے۔ آخر ان لوگوں کو کیونکر جائز ہے کہ انبیا کیطرف کذب کی نسبت دیں اور یہ اعتراف کر لینے کے بعد کہ عمداً جھوٹ بولتے تھے اون کی شرائع پر کسطرح وثوق کر سکتے ہیں۔ انتہی۔

قول ابطال تم کو اس سے پہلے معلوم ہوا کہ کذب سے انبیا کی عصمت کے واجب ہونے پر اجماع واقع ہے پس وہ کذبات جو جناب ابراہیم کی طرف منسوب ہیں از انبکہ حدیث صحیح میں وارد ہیں لہذا (اون کی یہ تاویل کی جائے گی کہ) اون سے صورۃ کذب مراد ہے نہ کہ اوس کی حقیقت مثلاً آپ نے کہا تھا «بل فعله كبيرهم هذا فاسئلوهم ان كانوا ينطقون» (یہ کام اسی بڑے بت نے کیا ہے اگر یہ بولتے ہوں تو انھیں سے پوچھ لو) اور اس کلام سے آپ کا مقصود یہ تھا کہ لوگوں پر الزام قائم کریں (کہ وہ بے حس و حرکت اور بے نفع و ضرر بتوں کو خدا سمجھتے ہیں) اور بڑے بت کی طرف اوس فعل کو اس لئے منسوب کیا کہ وہ تیشہ جس سے اور بتوں کو توڑا تھا اوسی کی گردن میں ڈالدیا تھا اور قابل تاویل کذب فی الحقیقت کذب نہیں ہوتا بلکہ اوس میں کذب کی محض صورت ہوتی ہے اور ضرورت کے وقت ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

قول احقاق پہلے مذکور ہوا کہ کذب سے مطلقاً (قبل نبوت و بعد نبوت دونوں زمانوں میں) معصوم ہونے پر اجماع واقع نہیں ہوا ہے بلکہ اشاعرہ نے عصمت کو بعد نبوت سے مخصوص بنایا ہے اور فاضل مخاطب کا یہ کلام کہ "کذبات ابراہیم ع سے وہ باتیں مراد ہیں جو کذب کی فقط صورت رکھتی تھیں فی الحقیقت کذب مراد نہیں ہے" (قابل تسلیم نہیں ہے کیونکہ) خود جناب ابراہیم کا شفاعت کے پاس سے عذر کرنا اور یہ کہنا کہ وہ تین مرتبہ جھوٹ بولنے کے سبب خدا سے شفاعت کرنے کے قابل نہیں رہے ہیں" اس کے قابل تسلیم ہونے سے مانع ہے (کیونکہ اگر درحقیقت جھوٹ بولنے کے مجرم نہ تھے تو خدا اون پر غضبناک کیوں تھا اور کس وجہ سے وہ شفاعت طلبی کے لائق نہ رہے تھے) نیز دوسری روایت میں آنحضرت صلعم کا یہ قول «ان ابراهيم لم يكذب قط الا ثلاث كذبات» جو مروی ہے وہ بھی اوس کے درست ہونے سے مانع ہے کیونکہ سیاق کلام یعنی حصر اور لفظ "قط" سے اوسکی تاکید اسی کی دلیل ہے کہ حضرت نے حقیقت کذب مرادلی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ (اگرچہ آیت

مذکورہ (بل فعلہ کبیرھم) مین جو کذب کا شائبہ نظر آتا ہے وہ درحقیقت کذب نہین ہے بلکہ وہ ایسی تعریض پر مشتمل ہے جس سے حق یعنی الزام خصم اور اوس کو بے جواب کر دینا مقصود ہے اور اس کی مثال یہ ہے کہ تم نے کوئی کتاب نہایت خوشخط لکھی ہو اور تمہارا کوئی دوست جو لکھنا بالکل نہ جانتا ہو اوس کو دیکھ کر تم سے یہ کہے کہ یہ آپ نے لکھی ہے؟ تو اوس کا تم یہ جواب دو کہ (جی نہین) یہ تو آپ نے لکھی ہے تو اس جواب سے مقصود اوس دوست پر استہزا (اور تعریض) کرتے ہوئے یہ کہنا ہو گا کہ ہان یہ کتاب مین نے لکھی ہے یہ کہنا مقصود نہ ہو گا کہ فی الحقیقت تم اوس کے کاتب نہین ہو بلکہ وہ تمہارا ہی دوست ہے لیکن اوس کذب مین جو حدیث مذکور مین بیان کیا گیا ہے یہ کلام ہے کہ جب وہ قول فاضل مخاطب کی بنا پر درحقیقت کذب نہ تھا اور اوس مین کچھ مضائقہ بھی نہ تھا تو پھر متن حدیث مین یہ جو مذکور ہے کہ خدا تعالے جناب ابراہیم پر اتنی شدت سے غضبناک ہوا کہ وہ اپنی شفاعت کے مقبول ہونے سے مایوس ہو گئے اور عذر طلبی پر مائل ہوئے آخر اس کی وجہ کیا ہو گی۔۔؟

قول علامہ اعلے اللہ مقامہ اور جمع بین الصحیحین مین مروی ہے کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ ہم تو شک کرنے کا حق ابراہیمؑ سے زیادہ رکھتے ہین (یعنی جب ابراہیمؑ کو شک واقع ہوا تو ہم سے واقع ہو جانا زیادہ ممکن ہے اور وہ ہمارے لئے سبب نقص نہین ہو سکتا کیونکہ اونھون نے کہا تھا کہ رب ارنی کیف تحیی الموتی قال اولم تؤمن قال بلی ولکن لیطمئن قلبی (پروردگار مجھے یہ دکھا دے تو کس طرح مردون کو زندہ کرتا ہے کہا کیا تم اس پر ایمان نہین رکھتے؟ عرض کی کہ ہان رکھتا ہون مگر چاہتا ہون کہ دل مطمئن ہو جائے) اور (رسول خدا صلعم) نے کہا خدا لوط پر رحم کرے کہ وہ کسی مضبوط قلعے مین پناہ لینا چاہتے تھے اور (یہ بھی فرمایا کہ) جتنی مدت تک یوسفؑ قید خانہ مین رہے اگر مجھے رہنا پڑتا تو مین (صبر نہ کر سکتا بلکہ) دعوت زلیخا کو قبول کر لیتا (نہ معلوم) اس قوم (اہل سنت) کے لئے یہ کس طرح جائز ہوا کہ رسول خدا کی طرف شک فی العقیدہ کی نسبت دینے کی جرات کرین

قول الطاف دیگر انبیاء کے مقابلہ مین تواضع رسولؐ کی عادت تھی چنانچہ آپ نے فرمایا کہ تم لوگ مجھے یونس بن متے پر فضیلت نہ دو نیز فرمایا کہ مجھکو موسیٰ سے افضل نہ کہو (الحدیث) آپ نے اس حدیث مین انبیا کے فضائل بیان کئے ہین اور جناب ابراہیمؑ کے ثبات ایمان کا ذکر کیا ہے اور مراد حدیث یہ ہے کہ جناب ابراہیم باوجود اس کے کہ ایمان مین کامل تھے اور صانع عالم اور حشر کے اثبات مین پوری استقامت رکھتے تھے تحصیل اطمینان کا ارادہ کرتے اور ولکن لیطمئن قلبی فرماتے تھے پس دوسرون کو تو اوس تردد کا زیادہ حق حاصل ہونا چاہیے جو (بعد مین) اطمینان کا

باعث ہوتا ہے (گویا فاضل مخاطب کے نزدیک شک و تردد ہی حصول اطمینان کا وسیلہ ہوتا ہے بغیر اوس کے حاصل نہیں ہوسکتا۔ مترجم)

رہا جناب لوط پر رحم کرنا تو فی الواقع ایسا ہی تھا کہ حضرت لوط مستحکم قلعہ مین پناہ لینا چاہتے تھے۔ چنانچہ اون کا یہ قول "اَوْ آوِیْ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ" موجود ہے پس اون کے ضعیف ہونے کے سبب سے رسولؐ نے اون کے حق مین رحم کی دعا فرمائی اس دعا سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ نے اونکو کوئی عیب لگایا ہے اور یہ قول رسولؐ کہ "اگر مجھے اوس قدر مدت تک قید خانہ مین رہنا پڑتا جتنی مدت حضرت یوسفؑ نے بسر کی تو مین دعوت زلیخا کو قبول کر لیتا" حضرت یوسفؑ کے صبر و ثبات قدم کی تعریف پر مشتمل ہے یعنی جب تک آپ کا معاملہ صاف نہیں ہو گیا طول مدت قید پر صبر کرتے رہے (اس کے سوا اوس قول مین اور کیا ہے جو مورد طعن ہوسکے) پس دیکھنے والو! دیکھو آیا ان امور مذکورہ مین سے کوئی امر ایسا بھی ہے جس سے انبیاء کی ذوات مین کوئی عیب ثابت ہوتا ہو (کیا غضب ہے کہ باوجود صحت حدیث کے (ابن المطہر الحلی) قول رسولؐ پر طعن کر رہے ہین۔ نعوذ باللہ۔

قول احقاق حدیث کا پہلا جملہ اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ رسول خداؐ کا مقصود جناب ابراہیم کے ساتھ تواضع کرنا تھا بھلا اونکی ذات مین شک ثابت کرنے مین کونسی تواضع تھی جس سے فی الواقع یہ دونو حضرات بری تھے (یعنی یہ کہنا کونسی تواضع پر مبنی ہوسکتا ہے کہ جناب ابراہیم نے شک کیا تھا اور مین اون سے زیادہ شک کرنے والا ہون حالانکہ یہ دونو حضرات اس سے پاک تھے) اور قران مین جناب براہیم کے کلام کی جو حکایت موجود ہے وہ صاف طور سے اس پر دلالت کر رہی ہے کہ آپ نے شک کا اظہار نہیں کیا تھا بلکہ یہ فرمایا تھا کہ زیادتی اطمینان کیلئے مین یہ دیکھنا چاہتا ہون (کہ تو کس طرح مردون کو زندہ کرتا ہے پس آپ کا مقصود سوال اطمینان کو زیادہ کرنا تھا نہ کہ شک کو زائل کرنا) اور نقل کو عقل سے قوت پہونچتی ہے (اور یہان عقل بھی حکم کرتی ہے کہ شک امور دینیہ مین شان نبوت کے خلاف ہے لہذا مقصود سوال رفع شک نہیں ہوسکتا) اور اسی سے ظاہر ہوتا ہے کہ فاضل مخاطب نے جو مطلب حدیث کا بیان کیا ہے وہ شک کیساتھ قطعاً مربوط نہیں ہوتا (یعنی حدیث مین شک مذکور ہے لہذا اوس کا مطلب یہ ہوگا کہ جناب ابراہیم شک کی حالت مین تھے اور اوس کو دور کر کے اطمینان حاصل کر لینا چاہتے تھے۔ نہ یہ کہ کمال ایمان و یقین تو حاصل تھا صرف اطمینان مین زیادتی مقصود تھی) شارح بخاری قسطلانی نے نقل کیا ہے کہ شافعی نے حدیث مبوث عنہ کے معنی یہ بیان کئے کہ شک واقع ہونا جناب ابراہیمؑ سے محال ہے اور اگر انبیاء

کو شک عارض ہو سکتا تو مین جناب ابراہیمؑ سے زیادہ اوس کا حق رکھتا تھا (یعنی مجھے زیادہ تر شک عارض ہوتا) اور تم نے جان لیا کہ ابراہیمؑ سے شک واقع نہین ہوا کیونکہ جب مردون کو زندہ کرنے پر خدا تعالی کے قادر ہونے مین مجھکو شک و ریب نہین ہوا تو ابراہیمؑ کو بدرجۂ اولی نہ ہوا ہو گا (اس تاویل کی بابت قسطلانی کہتے ہین کہ) یہ تاویل طویل و علیل حدیث کو تعمیہ و الغاز (معمہ و چیستان) بنا دینے والی ہے لہذا شافعی پر واجب تھا کہ خدا سے اپنی طول عمر کا بھی سوال کرتے تاکہ یہ حدیث جہان جہان جاتی وہ بھی اوس کے ساتھ جاتے اور جو شخص اس کے معنی ظاہر کا انکار کرتا اوس سے اپنی تاویل بیان کرتے (اس حدیث کی درست تاویل یہ ہے کہ زرکشی سے منقول ہے وہ کہتے ہین کہ صیغۂ افعل کبھی مین دو چیزون سے کسی امر کی نفی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے مثلاً کہتے ہین کہ "الشیطان خیر من زید" اور مراد اس سے ہوتی ہے کہ دونو ہی مین کوئی خیر نہین ہے اسی طرح پروردگار عالم کے اس قول "اھم خیر ام قوم تبع" کے یہ معنی ہین کہ فریقین (یعنی اون مشرکین اور قوم تبع) مین سے کسی مین کوئی خیر نہین پس اس بنا پر قول رسولؐ "نحن احق بالشک من ابراھیمؑ" کے یہ معنی ہونگے کہ ہم سب (انبیا) کے پاس شک کا گذر نہین ہوا یہ حدیث کی بہترین تاویل ہے۔ انتہی

مین کہتا ہون کہ اس تاویل کا قبح ظاہر ہے اس لئے کہ جس حدیث مین ہم بحث کر رہے ہین اوسکو دونو سابق عبارتون (یعنی الشیطان خیر من زید اور آیہ اھم خیر الآیہ) پر قیاس کرنا فقط احقیۃ بالشک کی نفی کرنے کا مقتضی ہو گا (اور معنی یہ ہونگے کہ ہم دونو مین سے شک کرنے کا کوئی زیادہ حقدار نہین بلکہ دونو برابر حق رکھتے ہین اور دونو کو یکسان شک واقع ہو سکتا ہے) اور یہ امر ظاہر ہے جنہین فکر کرنے والا شک نہین کر سکتا۔ اور فاضل مخاطب نے یہ جو کہا ہے کہ "جملۂ ثالثہ مین جناب یوسفؑ کے صبر و استقلال کا وصف مذکور ہے الخ" اوس کا جواب یہ ہے کہ اس کے معنی یہ ہوئے کہ رسول خداؐ نے اس امر کا اظہار فرمایا کہ وہ راہ خدا مین طول مدت اسیری کے شدائد جھیلنے پر صبر نہین رکھتے اور اگر وہ جناب یوسفؑ کی جگہ پر ہوتے تو زلیخا کی دعوت کو قبول کر لیتے پھر بھی تو وہ امر ہے جو محل طعن و تشنیع اور مقصود مصنف علامہ قدس سرہ تھا اور فاضل مخاطب اسی سے تو رسول خداؐ کی برائت ثابت کرنا چاہتے ہین (پس اونھون نے یہ جواب دیا یا مصنف علامہ کے طعن کو اور مستحکم کر دیا جنہین اتنی بھی سمجھ نہ ہو وہ جواب دینے کی جرأت ہی کیون کرے مترجم) رہا جملۂ ثانیہ (جو جناب لوطؑ کے قصہ سے متعلق ہے) تو اگرچہ اوس سے بظاہر وہی مطلب سمجھ مین آتا ہے جو فاضل مخاطب نے بیان کیا ہے لیکن یہ تینون جملے ایک ہی حدیث کے ہین جو صحیح بخاری مین مذکور ہے پس جبکہ پہلے اور

دوسرے جملہ مین رحمن کا تعلق جناب ابراہیم اور جناب یوسف علیہما السلام سے ہے) شک و ر
عدم صبر کا ذکر تصریحاً موجود ہے تو لازم ہے کہ دوسرا جملہ بھی اونھین کے سیاق کے مناسب واقع ہوا
(یعنی اوس مین بھی ایسی ہی کوئی بات مذکور ہو) اور وہ یہی ہے کہ رسول خدا صلعم نے اوس جملہ کو فرما کر یہ
بھلایا ہے کہ جو امر جناب لوط کے لئے کسی رکن شدید کی پناہ ڈھونڈھنے کا باعث ہوا تھا وہ خدا تعالیٰ
کی طرف سے اون کا ضعف اعتقاد و فتور اعتماد تھا اور اسی سبب سے قسطلانی نے اوس کی یہ تاویل
کی ہے کہ خدا اگر وہ ارادہ کرتے تو اوس (رکن شدید) کی پناہ حاصل کر لیتے لیکن اونھون نے داس
کا ارادہ ہی نہ کیا بلکہ خدا کی طرف پناہ لی" اور ہمارے اس کلام کی موید وہ حدیث بھی ہے جو بخاری نے
حدیث مبعوث عنز کے بعد ہی ذکر کی ہے اور وہ یہ ہے ہم سے ابوالیمان نے بیان کیا ہے اور اوس سے
شعیب نے اور اوس سے ابوالزناد نے بیان کیا اور اوس نے اعرج سے اور اوس نے ابوہریرہ سے
روایت کی ہے کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ خدا لوط کی مغفرت کرے کیونکہ وہ ایک رکن شدید کی پناہ ڈھونڈھتے
تھے" یہ حدیث اس امر پر دلالت کر رہی ہے کہ از بسکہ جناب لوط نے یہ بات (یعنی خواہش پناہ رکن شدید)
کہی تھی اور اپنی قوم کی ایذا رسانی پر صبر کرنے سے قاصر رہے تھے لہذا اس کے محتاج ہین کہ اون کیلئے
استغفار کیا جائے۔

قول علامہ اعلی اللہ مقامہ

صحیحین مین مروی ہے کہ (ایک دن) رسول خدا صلعم کے پاس حبشی
اپنے برچھون سے کھیل رہے تھے کہ اسی اثنا مین عمر ابن الخطاب
آپہونچے اور زمین سے سنگریزے اٹھا کر اون کو مارنے لگے پس رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ عمر ان کو چھوڑ
دو اور غزالی نے احیاء العلوم مین روایت کی ہے کہ رسول خدا صلعم بیٹھے تھے اور آپکے پاس
چند کنیزین گانے ناچنے مین مشغول تھین اسی اثنا مین عمر آپہونچے اور طالب اذن ہوئے پس رسولخدا
نے اون کنیزون سے کہا کہ تم سب خاموش ہو جاؤ پس وہ خاموش ہو گئین عمر اندر آئے اور اپنی حاجت
پوری کرکے واپس چلے گئے تب رسول خدا نے اون کنیزون سے فرمایا کہ تم سب پھر اپنے کام مین مشغول
ہو جاؤ پس وہ گانے لگین اور پوچھا یا رسول اللہ یہ کون صاحب تھے جن کی آمد پر آپنے ہمکو خاموش ہونے
کا حکم دیا اور جب چلے گئے تو فرمایا پھر گانے مین مشغول ہو جاؤ تو ارشاد ہوا کہ یہ وہ شخص تھے جو باطل
کو سننا پسند نہین کرتے۔ ایسی باتون کا رسول خدا سے روایت کرنا اس قوم (اہل سنت)
کے لئے آخر کیونکر جائز ہی کیا عمر رسول خدا سے اشرف تھے کہ وہ تو باطل کا سننا پسند نہیں
کرتے تھے اور رسول خدا صلعم اوس کو پسند فرماتے تھے؟

قول باطل

حبشیون کا برچھیون سے کھیلنا تو اس لئے تھا کہ وہ عید کا دن کا تھا کیونکہ ہم ذکر چکے ہین کہ عید کے دن لہو ولعب بالاتفاق جائز ہے اور ممکن ہے کہ برچھیون سے کھیلنا مواقع حرب مین کار آمد ہونے کے سبب (عموماً) جائز ہو کیونکہ اوس سے ہتھیار چلانے کی مشق اور مہارت حاصل ہوتی ہے اور اون تمام امور مین کوئی مضائقہ نہین جو جنگ کے مواقع مین کار آمد ہون اور ممکن ہے کہ عمر اوس کے جواز کو نہ جانتے رہے ہون اور رسول خدا صلعم نے (کنکریان مارنے سے منع فرماکر) اون کو بتایا ہو (کہ یہ کام جائز ہے) اور غزالی کی روایت اگر صحیح ہو تو اوس کا اس امر پر حمل کرنا ممکن ہے کہ لہو ولعب (مثلاً گانا بجانا) یون تو مطلقاً اور عید کے دنون مین خصوصاً جائز ہے اور رسول خدا صلعم بضرورت تشریع حکم اوس کو سنتے تھے تاکہ لوگون کو معلوم ہو جائے کہ لہو ولعب حرام نہین ہے اور از بسکہ عمر اوس کے سننے سے پرہیز کرتے تھے اس لئے (آنحضرت م نے خواہ مخواہ سننے پر اون کو مجبور نہ کیا) بلکہ نہ سننے کا موقع دیا تاکہ اون کو معلوم ہو جائے کہ (اگرچہ سننا جائز ہے مگر) نہ سننا بہتر ہے اور خود محض تشریع کی ضرورت سے سنتے تھے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا پس اس سے یہ کہان لازم آتا ہے کہ عمر رسول اللہ صلعم سے اشرف ہون حالانکہ وہ آپ کی امت مین داخل تھے اور آپ سے علوم شریعت حاصل کرتے تھے۔

قول احقاق

فاضل مخاطب کا یہ کہنا کہ "وہ لہو ولعب عید کے دن ہو رہا تھا" رجم بالغیب ہے (حدیث سے یہ معلوم نہین ہوتا کہ وہ دن عید کا تھا) اور یہ کہنا کہ عید کے دن لہو ولعب جائز ہے دعوائے بے دلیل ہے اور اس کے جواز پر اتفاق کا دعوے کرنا ممنوع ہے کیونکہ شیعون کی اوس سے مخالفت ظاہر ہے نیز (اہل سنت مین سے) اون لوگون کی بھی جو اس معاملہ مین شیعون کے موافق ہین (پس اتفاق واجماع کہان متحقق ہوا) ہان اگر اتفاق فساق مقصود ہے تو وہ تسلیم کیا جا سکتا ہے اور اسی سے فاضل مخاطب کے اس قول کا باطل ہونا بھی معلوم ہوتا ہے کہ "ممکن ہے کہ برچھیون سے کھیلنا اس لئے ہو کہ وہ لڑائی مین نافع ہے الخ" (کیونکہ یہ بھی دعوائے بے دلیل ہے آخر کس دلیل سے ثابت ہوا کہ لڑائی مین نفع بخش ہونے سے ہر لہو ولعب بھی جائز ہے)

و اس قول کا بطلان کہ "ممکن ہے کہ عمر کو جواز لہو ولعب کا علم حاصل نہ رہا ہو اور رسول خدا صلعم نے اوس وقت اون کو خبر دی ہو" اوس کلام سے ظاہر ہے جو ہم فصول سابقہ مین ذکر کر چکے ہین۔ (یعنی اگر فی الواقع ایسا ہی تھا تو اس سے حضرت عمر کی ذات مین بہت بڑا نقص یہ لازم آتا ہے کہ جس امر سے حبشی غلام تک واقف تھے وہ اوس سے اب تک بے خبر تھے کیا اہل سنت اس کو تسلیم کرینگے؟)

اور یہ جو کہا ہے کہ "رسول خدا صلعم بضرورت تشریع گانا سنتے تھے" تو اوس کا جواب یہ ہے کہ ثبت العرش ثم انقش (یعنی پہلے اوس کا امر شرعی و جائز ہونا ثابت کر دیجئے پھر یہ کہو کہ رسول خدا صلعم اوسکے جائز ظاہر کرنے کے لئے سنتے تھے) اول بحث و نزاع یہی تو ہے کہ لہو و لعب امر شرعی (و جائز) ہے یا نہیں (اگر انہیں احادیث مبحوث عنہا سے اوس کے جواز پر استدلال کیا جائیگا تو مصادرۃ علے المطلوب ہوگا پس لازم ہے کہ پہلے اور دلیلون سے اوس کا جواز ثابت کیا جائے پھر یہ کہا جائے کہ رسول خدا صلعم اظہار جواز کی ضرورت سے سنتے تھے۔ مترجم) اور روایت غزالی کی توجیہ مین جو کچھ کہا ہے اوس مین بھی اسی وجہ سے کلام ہے (یعنی پہلے لہو و لعب کا مطلقاً یا ایام عید مین خصوصاً جائز ہونا ثابت کر نا چاہیے اس کے بعد یہ کہنا درست ہوگا کہ آنحضرت صلعم بضرورت تشریع و اظہار عدم حرمت سنتے تھے الخ) بالجملہ فاضل مخاطب نے جو تاویلات بارده بیان کی ہین (یعنی لہو و لعب کا جائز ہونا اور آنحضرت صلعم کا بضرورت تشریع سننا) اس سبب سے درست نہین ہو سکتین کہ روایت مذکورہ مین (حضرت عمر کی بابت) آنحضرت ص کا یہ قول موجود ہے کہ "یہ وہ شخص ہین جو باطل کو سننا پسند نہین کرتے" (اس قول مین لہو و لعب کو باطل سے تعبیر فرمایا ہے) اور جو امر جائز یا مکروہ ہو وہ باطل نہین کہا جاتا (بلکہ باطل فقط امر حرام کو کہتے ہین) پس اس سے لازم آتا ہے کہ رسول خدا ص تو باطل کو سننے پر راغب ہون اور عمر صاحب اوس سے پرہیز کرنے والے۔ اور یہی اعتقاد (کہ رسول خدا حرام و باطل کو سنتے تھے) کفر محض ہے اوس کا افضلیت عمر کو مستلزم ہونا تو درکنار (اس کے کفر محض ہونے مین تو کوئی کلام ہی نہین)

علاوہ اس کے جس امر کی تشریع (و تعلیم) ضروری ہو اوس کا ترک کرنا اولے نہ ہوگا (بلکہ اوس کا فعل ضروری ہوگا اور در حقیقت اسی لئے اوس کی تشریع ضروری ہوگی پس تشریع لہو و لعب کو ضروری بتاتے ہوئے فاضل مخاطب کا یہ کہنا کہ عمر صاحب کے آنے پر کنیزون کو خاموش کردینے سے یہ بتانا مقصود تھا کہ ترک سماع غنا اولی ہے کسی طرح صحیح نہین ہو سکتا ضرورت تشریع کا مقتضی تو یہ تھا کہ اون کو بھی سننے کی تاکید فرماتے مترجم)

قول علامہ اعلے اللہ مقامہ صحیحین مین ابوہریرہ سے مروی ہے وہ کہتے ہین کہ ایک مرتبہ یہ اتفاق ہوا کہ رسول خدا صلعم کے برآمد ہونے سے پہلے ہی نماز کیلئے جماعت تیار ہو گئی نمازیون کی صفین برابر ہو گئین پس جب حضرت ص برآمد ہوئے اور اپنے مصلے پر کھڑے ہو چکے تو آپ کو یاد آیا کہ جنابت کی حالت مین ہین پس آپ نے لوگون سے فرمایا کہ اپنے اپنے

مقام پر کھڑے رہو (مین غسل کرکے ابھی آتا ہون) پس ہم سب ویسی طرح کھڑے رہے حضرت وہان سے تشریف لے گئے اور غسل کرکے اس حالت مین واپس آئے کہ بالون سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے تب آپ نے تکبیر کہی اور ہم نے نماز سے فراغت پائی۔ مرد عاقل کو دیکھنا چاہیے کہ آیا وہ علم اعلیٰ درجہ کے لوگون کا وصف ہے رسول خدا صلعم کیلئے مستحسن ہو سکتا ہے کہ نماز کیلئے آئین اور بحالت جنابت صف مین کھڑے ہوجائین؟ اور کیا یہ نماز مین تقصیر (وغفلت) اور اوس کی طرف عدم مسارعت نہین ہے؟ حالانکہ خداوند عالم نے یہ فرمایا "وسارعوا الی مغفرة من ربکم فاستبقوا الخیرات" پس کیا اس حکم کا قبول کرلینا رسول اللہ صلعم سے بھی زیادہ کسی دوسرے مکلف پر فرض ہو سکتا ہے؟ نیز صحیح بخاری مین ابوہریرة سے مروی ہے اونھون نے کہا کہ (ایک مرتبہ) رسول خدا صلعم نے شام کی کوئی نماز دو ہی رکعتون پر تمام کردی مجھے زیادہ خیال یہ ہے کہ وہ نماز عصر تھی پس سلام ختم کرنے کے بعد ایک لکڑی کی طرف چلے جو مسجد کے اگلے حصہ مین رکھی تھی اور اپنا ہاتھ اوس پر رکھا اور باہر نکل گئے اوس جماعت مین ابوبکر وعمر بھی حاضر تھے مگر وہ خوف سے کچھ بول نہ سکے لیکن اور لوگون نے شور مچایا اور (پکار کر) کہا کیا آپ نے نماز قصر کردی؟ (اون مین سے) ذوالیدین نامی ایک شخص نے کہا یا نبی اللہ! آپ بھول گئے ہین یا نماز قصر کردی ہے؟ تو فرمایا کہ نہ بھولا ہون اور نہ قصر کی ہے۔ اوس نے کہا نبی نہین آپ ضرور بھول گئے ہین۔ تو فرمایا کہ ذوالیدین سچ کہتا ہے پس کھڑے ہوئے اور وہ رکعتین (جو باقی رہ گئی تھین) پڑھین اور سلام پر تمام کین۔

اہل عقل دیکھو! آیا اس فعل کی نسبت رسول خدا صلعم کی طرف جائز ہے؟ اور آخر بھولنے سے انکار کرنا آپ کیلئے کیونکر جائز ہوا کیونکہ یہ تو سہو بالائے سہو ہے؟ اور کس کو یہ معلوم ہوا کہ جو کچھ رسول اللہ بھول گئے تھے وہ ابوبکر وعمر کو یاد تھا حالانکہ اونھون نے حضرت سے اوس کا ذکر نہین کیا؟۔

قول ابطال سابقاً مذکور ہوچکا ہے کہ انبیاء سے سہو ونسیان کا واقع ہونا جائز ہے کیونکہ وہ انسان ہین خصوصاً جبکہ سہو باعث تشریع احکام ہو کیونکہ اعمال کو فعل مین لاکر جو تشریع کیجاتی ہے وہ محض اقوال سے زیادہ راسخ ومستحکم ہوتی ہے پس مصنف نے جو حدیث تذکر جنابت ذکر کی ہے وہ باب نسیان مین داخل ہے اور اوس مین اس حکم کی تعلیم دیگئی ہے کہ نسیان کے بعد جب کوئی امر یاد آجائے تو کیا کرنا چاہیے اور اسی لیے جس باب مین یہ حدیث مذکور ہے بخاری نے اوس کا عنوان یہ قرار دیا ہے "باب من تذکر انه جنب رجع واغتسل" اور اس حدیث سے کوئی نقص (شان رسالت مین) لازم نہین آتا۔

اور نماز مین رسول خدا صلعم کو سہو واقع ہونے کا جو ذکر کیا ہے تو اوس مین کوئی مضائقہ نہین کیونکہ وہ تشریع کے فائدہ پر مشتمل تھا اور سہو کو بھول جانے کا جو ذکر کیا ہے تو وہ بھی اسی طرح مصلحت تشریع سے خالی نہ تھا کیونکہ حضرت نے اوس نسیان سے تعلیم فرمایا کہ نماز کے درمیان مین اوس فعل کا واقع ہونا جو نماز ہی سے تعلق رکھتا ہو اور اسی طرح کلام قلیل کا واقع ہو جانا جائز ہے اور یہ کہنا عجیب ہے کہ "جس امر کو رسول خداؐ بھول جائین وہ ابوبکر و عمر کو یاد رہے یہ کیونکر ممکن ہے" آخر اس امر مین تعجب کی کونسی وجہ ہے کیونکہ امام کو اکثر سہو واقع ہو جاتا ہے اور ماموین کو نہین ہوتا اور اس سے یہ لازم نہین آتا کہ ماموم امام سے افضل ٹھہرے پس یہ باتین بالکل مزخرفات ہین۔

قول احقاق فاضل مخاطب قول جواز سہو کے مرتکب ہوئے ہین اور اوس پر یہ استدلال جو کیا ہے کہ نبی بھی بشر ہی ہین اور سہو و نسیان کو وسیلۂ تشریع جو قرار دیا ہے ان سب امور کے متعلق ہمارا کلام بھی پہلے مذکور ہو چکا ہے (لہذا اون کے اعادہ کی حاجت نہین) البتہ اس مقام مین یہ خاص بات جو کہی ہے کہ "فعل مین لائے ہوئے اعمال کے وسیلے تعلیم زیادہ مستحکم ہوتی ہے" ممنوع ہے اس وجہ سے کہ قضیہ یہان منعکس ہے کیونکہ ممکن ہے کہ تشریع فعلی اوسی (فعل) کے ساتھ مخصوص ہو (دوسرے موقع مین اوس پر عمل کرنا جائز نہو یعنی کسی فعل کا کسی موقع پر عمل مین لانا یہ ثابت نہین کرتا کہ ہمیشہ ویسا ہی کرنا جائز ہوگا بلکہ ممکن ہے کہ وہ اوسی موقع کے ساتھ مخصوص ہو) بخلاف امر قولی عام کے (کہ اوس سے کسی موقع کی خصوصیت کا احتمال نہین ہو سکتا بلکہ حکم عام بخوبی ظاہر ہو جاتا ہے) اور اسی سے اون تشریعات فعلیہ کا ضعف معلوم ہوتا ہے جن کی صحت فاضل مخاطب نے بعد مین بیان کی ہے اور اون کا یہ قول "کہ رسول خداؐ نے اس نسیان کے وسیلہ سے یہ تعلیم فرمایا کہ اثنائے صلوۃ مین اوسی سے متعلق فعل کا واقع ہونا جائز ہے" بظاہر فاسد ہے کیونکہ احکام نسیان کی تشریع اسی پر موقوف نہ تھی کہ رسول خداؐ بعد نماز کے مسجد کی لکڑی پر ہاتھ دھر کے کھڑے ہون بعد اوس کے حجرہ مین داخل ہو جائین پھر باہر آئین اور اون سے سہو کی بابت سوال کیا جائے تو چار کلمون سے اوس کا جواب دین پھر دوبارہ اون سے سوال کیا جائے اور مثل سابق جواب دین (بلکہ بغیر اس توقف طولانی و حرکات و اقوال کثیرہ کے بھی احکام نسیان کی تعلیم و تشریع ممکن تھے) ساتھ ہی ایسے تکلم بہ کلام انسانی اور فعل کثیر فقہائے اربعہ کے نزدیک نماز کا مبطل بھی ہے لیکن امر اول (یعنی تکلم بہ کلام انسانی کا مبطل صلوۃ ہونا) تو وہ کتاب ینابیع سے ثابت ہوتا ہے (چنانچہ اوس مین تصریحاً مذکور ہے)

کہ جن باتون پر نماز کی صحت موقوف ہے اون مین سے ایک ترک کلام بھی ہے اور دلیل اس کی یہ قول رسول ہے کہ "نماز مین کلام انسانی کا واقع ہونا درست نہین" شارح انصاری (اسکی شرح مین) کہتے ہین کہ کلام انسانی سے وہ کلام مراد ہے جس سے آپس مین مخاطب کرتے ہین یا کوئی اور جو اسی جنس سے ہو اور کتاب البہتہ وغیرہ مین ہے کہ (اوس سے مراد) وہ کلام ہے جو سننے مین آئے اور حروف ہجی سے مرکب ہو عام اس سے کہ معنی رکھتا ہو یا نہین مذہب فقہا کے بنا پر (کلام کی تعریف) یہی ہے اور علمائے لغت و اصول کے نزدیک بھی یہی ہے البتہ علمائے نحو اسی پر کلام کا اطلاق کرتے ہین جس سے معنی بھی سمجھے جاتے ہون پس جبکہ نماز مین کلام نہ کرنا شرط صحت قرار دیا گیا ہے تو وہ دو حرفون کے بولنے سے یا ایسے ایک ہی حرف کے تکلم سے جو سمجھ مین آسکتا ہو باطل ہو جائیگی اگرچہ وہ ایک ہی حرف ممدود کیون نہ ہو کیونکہ مد بھی ایک حرف شمار کیا جاتا ہے انتھی۔ ہان شافعی نے (البتہ) یہ کہا ہے کہ نسیان و جہل سے کلام صادر ہو جانے سے نماز باطل نہین ہوتی اگر وہ کلام عادت کے اعتبار سے کثیر نہ ہو جائے۔ اور جمہور شافعیہ نے یہی قول اختیار کیا ہے (لیکن) ابو حنیفہ کے نزدیک جیسا کہ کتاب ہدایہ وغیرہ مین مذکور ہے نسیان و جہل سے (بھی کلام صادر ہونے سے) نماز باطل ہو جاتی ہے کیونکہ پہلے جو حدیث مذکور ہوئی ہے وہ عموم پر دلالت کرتی ہے۔ پس ظاہر ہوا کہ فاضل مخاطب کا یہ قول کہ "جو مراتب جواب رسول خدا کی طرف منسوب کئے گئے ہین وہ کلام قلیل مین داخل ہین" اون کے اصحاب (حنفیہ) کے خلاف ہے (کیونکہ اون کے نزدیک تو کلام قلیل سے بھی نماز باطل ہو جاتی ہے)

اور امر ثانی (یعنی فعل کثیر کا مبطل صلوۃ ہونا) تو اس سے ثابت ہے کہ نہایہ اور اوس کی شرح مین مذکور ہے کہ "ایسے فعل سے نماز باطل ہو جاتی ہے جو اوس کے جنس سے خارج ہو اگر (حد سے متجاوز اور) آشکار ہو جائے جیسے نماز گذار کا اوچھل کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہونچ جانا اگرچہ وہ زیادتی کی حد مین نہ پہونچا ہو یا وہ جنس افعال صلوۃ سے خارج فعل جو بطور لہو و لعب کے صادر ہو مثلاً ایک ہتھیلی کو دوسرے پر مارنا (تالیان بجانا) یا وہ افعال صلوۃ کے خلاف وہ فعل جو (اگرچہ لہو و لعب مین داخل نہ ہو لیکن) عادت کے اعتبار سے کثرت کی حد مین پہونچا ہو تو اکثر علمائے (حنفیہ کے نزدیک) اون سے نماز باطل ہو جاتی ہے اور فعل کثیر کی مثال یہ ہے کہ پے در پے تین ضربین (کسی چیز پر لگائے یا) تین قدم چلے ـــــ پس اگر تین سے کم ہون یا پے در پے واقع نہ ہوئے ہون تو ان سے نماز باطل نہین ہوتی اور جمہور علما کے نزدیک قلت و کثرت عرف و عادت کے اعتبار

سے بھی بچاتی ہے انتہی۔ اور فاضل مخاطب نے دفع تعجب کیلئے یہ جو کہا ہے کہ "امام کبھی سہو کرتا ہے اور ماموین نہین کرتے" تو وہ رسول خدا کے علو شان کو بھول گئے ہین کیونکہ جہان کلام اوس امام میں نہین ہے جس کا عامی جاہل فاجر ہونا بھی اہل سنت نے جائز بتایا ہے بلکہ اوس امام کی بابت ہی جو نبی و معصوم اور موید بنفس قدسی و وحی الٰہی تھا جس کی برکت سے ماموین کے بھی سہو و نسیان خطا و طغیان سے محفوظ رہنے کی توقع کیجاتی تھی جیسا کہ مداح اہل بیت علیہم السلام نے فارسی مین کہا ہے نظم

زہے امام کہ پاسش نگاہ می دارد	بوقت نیت از اندیشہ خاطر ما سرم
مگر حجاب نماند وگرنہ از در وصف	بصد کتاب نہ گردد مقام او معلوم

قول علامہ اعلی اللہ مقامہ صحیحین مین عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ (ایکدن) رسول خدا م زید بن عمرو بن نفیل سے ملے اور یہ آپ پر وحی نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے پس آپنے اوس کی طرف ایک خوان بڑھایا جس مین گوشت تھا تو اوس نے کھانے سے انکار کیا اور کہا کہ مین اوس ذبیحہ کا گوشت نہین کھاتا جس کو تم اپنے بتون پر ذبح کرتے ہو اور جس پر خدا کا نام نہین پڑھا جاتا۔ پس اہل عقل کو دیکھنا چاہیے کہ آیا عبداللہ بن عمر کے لئے یہ جائز تھا کہ اپنے نبی م کی طرف بتون کی پرستش اور اون کو قربانی دینے اور اونکا گوشت کھانے کی نسبت دین؟ اور کیا زید بن عمرو بن نفیل رسول خدا م سے زیادہ خدا کا عارف اور اوس کے حقوق کی رعایت و حفاظت کرنے والا تھا۔ نعوذ باللہ من ھذہ الاعتقادات الفاسدۃ

قول ابطال اس حدیث کی روایت اون غرائب مین سے ہے جن سے اس شخص (مصنف علام) کی خیانت اور اون کے منقولات کے ناقابل اعتماد و وثوق ہونے پر استدلال کیا جاسکتا ہے کیونکہ اپنے مطلوب یعنی روایۃ صحاح پر طعن کرنے کے لئے حدیث کے بعض حصہ کو بیان کیا ہے پوری حدیث نقل نہین کی ہے۔ حالانکہ تتمۃ حدیث یہ ہے کہ زید نے جب رسول خدا م سے یہ بات کہی تو آپ نے فرمایا کہ مین بھی اون کا ذبیحہ نہین کھاتا اور نہ وہ ذبیحہ (عموماً) جس پر خدا کا نام نہین لیا جاتا پھر دونوں شخصون (زید اور رسول خدا م) نے وہ گوشت کھایا۔ اس شخص نے حدیث کے اس تتمۃ کو ذکر نہین کیا تاکہ روایۃ پر طعن کر سکے۔ خدا تعصب سے بچائے کیونکہ وہ انسان کا برا رفیق ہے۔

قول احقاق فاضل مخاطب کے عجائب مین سے یہ امر ہے کہ اوس طعن سے بچنے کے لئے جو روایت مذکورہ کی بابت اہل سنت پر وارد ہوتا ہے کچھ عبارتین اپنی طرف اختراع کرکے اصل روایت مین بڑھا دین اور پہلے خوب گرجے اور چمکے اور پوری شدت سے

ساتھ تعجب و غرابت کا اظہار کیا اور مصنف علامہ کی طرف خیانت کی نسبت دی پھر تعصب سے محفوظ رکھے جانے کی دعا پر اپنے کلام کو تمام کیا تاکہ ماخذ روایت کیجانب ناظرین کی توجہ کے دروازے ہی بند کر دین جس سے اون کی خیانت اضافہ و الحاق ظاہر نہ ہو سکے حاصل یہ کہ ہم نے صحیح بخاری کی طرف رجوع کی تو حدیث اوسی قدر ملی جتنی مصنف علامہ نے نقل فرمائی ہے اور جو اضافہ فاضل طبی نے کیا ہے اوس کا اثر و نشان کہین نہ ملا اگر کوئی شخص فاضل ممدوح سے حسن ظن رکھنے کے سبب اس بات کو تسلیم نہ کرے تو اوس کو صحیح بخاری پر تفحص کرنی چاہیئے کہ وہ سفید جھوٹ واضح ہو جائے اور ہم نے بعض مواقع پر اس امر کی طرف جو اشارہ کیا ہے کہ علمائے اہل سنت نے شیعوں کی طرف سے بعض احادیث کی شناعت پر متنبہ کئے جانے کے بعد اون مین حذف و الحاق شروع کر دیا ہے اوس کا مصدق اس مقام سے بھی ظاہر ہوتا ہے پس ان کی روایات کسی شمار مین لائے جانے کے قابل نہین رہے ہین۔

قول علامہ اعلی اللہ مقامہ صحیحین مین حذیفہ یمانی سے مروی ہے وہ کہتے ہین کہ مین رسول خدا کے ساتھ تھا حضرت ایک محلہ مین پہونچے تو کھڑے کھڑے پیشاب کرنے لگے (یہ دیکھکر) مین وہان سے ہٹ گیا (لیکن) حضرت نے مجھے قریب آنے کا حکم دیا پس مین پس پشت آ کر کھڑا ہو گیا پھر (بعد فراغت) آپ نے وضو کیا (جس مین) مسح موزون پر کیا آخر رسول خدا کی طرف کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی نسبت دینا جائز ہو گا حالانکہ اگر کسی ارذل ناس کی طرف بھی اس کی نسبت دی جائے تو وہ اوس سے برأت ظاہر کرے گا۔ اور پھر موزون پر مسح کرنا (کیسا ؟) حالانکہ خدا نے "وارجلکم" فرمایا ہے (یعنی پاؤن پر مسح کرو ایہا الناس !) ان اہل سنت کو دیکھو کہ کس طرح (کمال جرأت و بے باکی کے ساتھ) انبیا سے خطا و غلطی کا صدور تجویز کرتے ہین اور (کہتے ہین کہ) ایک درہم کا چرانا اور معمولی سے معمولی چیزون کی بابت جھوٹ بولنا نبی کیلئے جائز ہے۔

قول ابطال کھڑے کھڑے پیشاب کرنے کے جواز مین اختلاف ہے جو شخص اوس کو جائز بتاتا ہے وہ اسی حدیث سے استدلال کرتا ہے اور اطبا کا قول ہے کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا گردہ کو نفع دیتا ہے پس رسول خدا صلعم نے اس لئے ایسا کیا کہ اوس کا شرعاً جائز ہونا ظاہر کر دین آخر کھڑے ہو کر پیشاب کرنے مین منقصت ہی کونسی متصور ہے خصوصاً جبکہ فائدہ تشریع پر مشتمل ہو اور حذیفہ کو قریب بلا لینے مین یہ مصلحت ہو سکتی ہے کہ لوگون کے رہنے کی حالت مین بھی پیشاب کرنے کا جواز ظاہر کر دین بخلاف فضلہ کے کیونکہ وہ غلیظ و باعث نفرت ہوتا ہے

(اس لئے اوس حالت مین لوگون سے قریب ہو جانا جائز نہین) اسی لئے حضرت رفع حاجت کے لئے لوگون سے دور چلے جاتے تھے لیکن پیشاب کے لئے ایسا نہین کرتے تھے۔ رہا موزون پر مسح کرنا تو وہ اہل سنت کے نزدیک بالاجماع جائز ہے جیسا کہ مباحث فقہ مین عنقریب مذکور ہوگا انشاءاللہ۔ اور مصنف کا یہ ذکر کرنا کہ اہل سنت انبیاء سے خطا و غلطی کا صدور تجویز کرتے ہین اور ایک درہم کی چوری بھی نبی کے لئے جائز بتاتے ہین تو اس کی بابت ہم کہہ چکے ہین کہ افتراء محض ہے کیونکہ (اہل سنت کے نزدیک) انبیاء کو ایسی معصیت صغیرہ سے جو کمینہ پن کی دلیل ہو پاک سمجھنا واجب ہے۔

قول احقاق گردہ کو نفع پہونچنا اطباء کے نزدیک کھڑے ہو کر پیشاب کرنے ہی مین منحصر نہین ہے اور نہ اون معالجات مین داخل ہے جس سے شفا جلد ہو جائے ہوتا کہ یہ امر اوس کے قبح ظاہر کا معارض ہو سکے (یعنی باوجود ظاہر بظاہر قبیح ہونے کے کھڑے پیشاب کرنا جائز قرار پا سکے) اور اوس کی تشریع خواہ مخواہ ضروری ہو جائے اور اگر ہم اس سے قطع نظر بھی کر لین تب بھی اعتراض وارد ہو کر رہے گا جو قفال شافعی نے حنفیون پر وارد کیا تھا کہ ہم کو بداہت عقل معلوم ہے کہ خداوند عالم نے کسی رسول کو ایسے (قبیح) حکم کی تشریع کیلئے دنیا مین نہین بھیجا ہے۔ اور اہل سنت کو ایسی روایت کے وضع کرنے کی ضرورت کیون پڑی؟ اس کی تحقیق یہ ہے کہ از بسکہ خلیفہ ثانی اور اون کے بعض رفقا نے یہ کہہ دیا تھا کہ البول قائماً احصن للدبر (یعنی کھڑے ہو کر پیشاب کرنا دبر کو بہت محفوظ رکھتا ہے) اور وہ لوگ ایسا ہی کرتے تھے جیسا کہ نووی نے اس حدیث کی شرح مین ذکر کیا ہے لیکن اہل سنت نے دیکھا کہ اس مین قباحت موجود اور طعن کا موقع مل سکتا ہے لہذا یہ حدیث وضع کر کے رسول خداؐ کو بھی اون کا شریک (اس امر) فعل مین بنا دیا تاکہ کوئی شخص اب طعن و تشنیع کرنے کی جرأت نہ کر سکے اور اس کی تائید وہ حدیث کرتی ہے جو عائشہ سے منقول ہے اونھون نے کہا کہ تم لوگون سے جو شخص یہ بیان کرے کہ رسول اللہ صلعم کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے تو اوس کو سچا نہ سمجھو کیونکہ آپ فقط بیٹھ کر پیشاب کیا کرتے تھے پھر کتاب الاشراف مین ابن المنذر سے مروی ہے اونھون نے کہا کہ کھڑے کھڑے پیشاب کرنے کی بابت اختلاف ہے عمر بن الخطاب و زید بن ثابت و ابن عمر و سہل بن سعد سے تو یہ ثابت ہے کہ بحالت قیام پیشاب کیا کرتے تھے (اور کسی کی بابت یہ ثابت نہین ہے)۔

اور فاضل مخاطب کا یہ کلام کہ اہل سنت کی طرف یہ نسبت دینا کہ وہ انبیاء کے لئے معصیت ...

جائز بتاتے ہین بہتان وافترا ہے" محض مکابرہ اور ہٹ دھرمی ہے کیونکہ مباحث حدود وجنایات مین عنقریب مذکور ہوگا کہ اہل سنت اس کے قائل ہین کہ ایک درہم کا شمار مال مین نہین ہے اس لئے کہ اوس (کی چوری مین) ہاتھ قطع کرنے کا حکم نہین ہے لہذا اوس کی چوری معصیت کبیرہ نہ ہوگی (بلکہ صغیرہ ہوگی) اور اوس کا بیان پہلے گذر چکا کہ اہل سنت کے نزدیک صغیرہ کا صادر ہونا انبیاء سے جائز ہے پس اس سے ظاہر ہوا کہ وہ لوگ انبیاء کے لئے ایک درہم کی چوری کو جائز ٹھیراتے ہین (یعنی اہل سنت ایک درہم کا سرقہ گناہ صغیرہ قرار دیتے ہین اور انبیاء کے لئے گناہ صغیرہ کا مرتکب ہونا جائز بتاتے ہین پس ظاہر ہے کہ اون کے نزدیک ایک درہم کی چوری بھی انبیاء کیلئے جائز ہوگی) اور یہی مصنف علامہ نے ذکر کیا ہے۔

قول علامہ علی اللہ مقامہ ان اقوال کی وجہ سے اہل سنت پر بہت سی باتون کا اعتقاد کرنا لازم آتا ہے منجملہ اُن کے ایک یہ ہے کہ انبیاء کی شریعتون پر طعن کرنا جائز ہوجاتا ہے اور اون پر اعتماد وثوق باقی نہین رہتا کیونکہ جب تبلیغ کرنے والے (نبی) ہی پر کذب اور تمام گناہون کو جائز ٹھیرایا تو یہ جائز ہوگیا کہ وہ عمداً یا سہواً جھوٹ بولین یا جو کچھ وحی اون پر نازل ہوا اوسکو لوگون تک پہنچائین یا (بغیر وحی) اپنی طرف سے حکم دیدین پس اس صورت مین اون کے اقوال پر اعتماد کیونکر باقی رہ سکتا ہے۔

قول ابطال تم کو سابقاً معلوم ہوا کہ اشاعرہ انبیاء سے کذب کا صادر ہونا خواہ عمداً ہو یا سہو ونسیان کی وجہ سے جائز نہین بتاتے اور یہی اون کا مذہب ہے رہا کذب کے علاوہ اور باتون مین سہو کرنا تو اوس کو البتہ جائز بتاتے ہین اور اس مین کوئی مضائقہ نہین کیونکہ خدا تعالے ہی اون پر سہو واقع کرتا ہے تاکہ اوس کو سبب تشریع احکام قرار دے۔

قول احقاق روئے سخن اون افراد اہل سنت کی طرف ہی جو کذب وغیرہ معاصی کا انتساب ابراہیم ودیگر انبیاء علیہم السلام سے بحالت نبوت واقع ہونا جائز بتاتے ہین لہذا وہ اتنا کہدینے سے دفع نہین ہوسکتا کہ بالخصوص اشاعرہ اہلسنت اوس کو جائز نہین کہتے (آخر جائز کہنے والے بھی تو اہل سنت ہی ہین ؟) علاوہ اس کے اشاعرہ بھی اون پر بعثت سے پہلے کذب اور تمام معاصی کبیرہ کو جائز بتاتے ہین پس (اون کی رائے کی بنا پر بھی) بعد بعثت انبیاء کے اقوال پر اعتماد باقی نہین رہ سکتا جیسا کہ ہم عنقریب واضح کرین گے انشاءاللہ ... رہا یہ جو کہا ہے کہ خدا تعالے سہو کو نبی پر واقع کرکے سبب تشریع قرار دیتا ہے" تو اسکی بابت پہلے گذر چکا کہ خداوند عالم ایسی تشریع شنیع سے اعلی وارفع ہے۔

قول علامہ اعلی اللہ مقامہ اون محال باتون سے ایک یہ بھی ہے کہ اگر فعل معصیت مین نبی کی پیروی کرنا ہم پر واجب ہوگا تو جس امر کا ترک واجب تھا اوس کا فعل مین لانا واجب ہوجائے گا جس سے ضدین (وجوب فعل و ترک) کا مجتمع ہوجانا لازم آئے گا (اور یہ محال ہے) اور اگر اون کا اتباع واجب نہ ہوگا تو فائدہ بعثت معدوم ہوجائیگا (اور یہ بھی محال ہے)

قول ابطال یہی دلیل ہم نے اس سے پہلے اشاعرہ کیطرف سے ذکر کی ہے اور وہ اون لوگون پر حجت ہے جو انبیا پر معاصی کو جائز ٹھیراتے ہین اور اشاعرہ کا مذہب یہ نہین ہے (لہذا اون پر حجت نہ ہوگی) اور جن صغائر کو وہ انبیا کے لئے تجویز کرسکتے ہین اون کا وقوع شاذ و نادر ہوتا ہے اور یہ شاذ و نادر واقع ہونا ملکہ عصمت مین خلل انداز نہین ہوتا جیساکہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے اور اون کا ایسے محل مین واقع ہونا بھی لازم ہے کہ یہ معلوم ہوسکے کہ اون کا وقوع محض ندرت اور اتفاق کے طور پر ہوگیا ہے اور نبی یہ ظاہر بھی کردیتا ہے کہ یہ محل پیروی کرنے کا نہین ہے بالجملہ ہم خود پہلے یہ کہہ چکے ہین کہ انبیا پر مطلقاً معصیت کا تجویز کرنا اسی دلیل کی وجہ سے محل تامل ہے۔

قول احقاق فاضل مخاطب نے یہان جو کچھ ذکر کیا ہے وہ اونھین سے دفع ہوجاتا ہے جن سے ہم نے اون کے جواب کو فصل سابق (شروع مبحث نبوت) مین دفع کیا ہے پس تم بغور اس مقام سے اون کی تطبیق کرلو۔

قول علامہ اعلی اللہ مقامہ اون محال باتون سے یہ بھی ہے کہ اگر نبی کا عاصی ہونا جائز ہو تو اون کو ایذا دینا اور اون سے بیزاری ظاہر کرنا واجب ہوگا اس لئے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب ہے حالانکہ خداتعالے نے ان الذین یؤذون اللہ و رسولہ لعنہم اللہ فی الدنیا والاخرۃ" فرماکر نبی کی ایذا رسانی کے حرام ہونے پر نص کردی ہے۔

قول ابطال ہم نے اس دلیل کو بھی اشاعرہ کی جانب سے پہلے بیان کردیا ہے اور وہ قائلین جواز کبائر پر حجت ہی (اور اشاعرہ اس کے قائل نہین ہین جو اون پر حجت ہوسکے) رہا صغائر کا معاملہ پس وہ تو اون لوگون سے معفو ہی ہین جو کبائر کے مرتکب نہین ہوتے پس نہ زجر و توبیخ کی حاجت ہے اور نہ ایذا رسانی کی (جس سے نص قرآن کی مخالفت لازم آئی)

قول احقاق یہ کلام بھی اونھین باتون سے مندفع ہو جاتا ہے جو ہم نے فصل سابق مین ذکر کر دی ہین (علاوہ اس کے) پہلے یہ مذکور ہو چکا کہ اشاعرہ بھی رسالت سے تعلق نہ رکھنے والے امور مین جھوٹ بولنے اور دیگر کبائر کے جواز کے قائل ہین پس دلیل مذکور اون پر بھی یقیناً حجت ہو گی۔

قول علامہ اعلی اللہ مقامہ اون محال باتون مین سے ایک یہ بھی ہے کہ اون کی قدر و منزلت عوام کی نگاہون مین گر جائیگی پس وہ اس کی اطاعت پر آمادہ نہ ہونگے جس سے بعثت کا فائدہ جاتا رہے گا۔ اور اون مین سے ایک یہ بھی ہے کہ اس بنا پر لازم آئے گا کہ ان کی حالت افراد امت سے پست ہو کیونکہ انبیا کے درجات غایت شرف تک پہونچے ہوئے ہین اور جو شخص ایسا ہو (کہ اوس کے درجات انتہائے شرف تک پہونچے ہون) اوس سے گناہ کا صادر ہونا حد درجہ قبیح ہو گا جیسا کہ خداوند عالم نے فرمایا ہے یا نساء النبی من یات منکن بفاحشۃ مبینۃ یضاعف لہا العذاب ضعفین (احزاب رکوع ۴) نیز محصن (جو زوجہ رکھتا ہو اگر زنا کرے تو) سنگسار کر دیا جاتا ہے اور غیر محصن پر حد (تازیانہ) جاری کیجاتی ہے اور غلام پر بہ نسبت آزاد کے نصف حد جاری کیجاتی ہے (اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص جسقدر آسانی سے گناہ نہ کرنے پر قادر ہو سکتا ہے اور مراتب شرف جس قدر بلند ہوتے جاتے ہین اوسیقدر گناہ کا سرزد ہونا زیادہ قبیح اور قابل مواخذہ ہوتا جاتا ہے اور سزا و عقاب مین شدت بڑھتی جاتی ہے پس جبکہ محصن کا گناہ غیر محصن کے گناہ سے بدتر ہوا اور آزاد کی معصیت غلام سے قبیح تر قرار پائی تو انبیا کی خطا و معصیت تو افراد امت کی خطیئات و معاصی سے کہین زیادہ قبیح اور قابل مواخذہ شدیدہ ہو گی لہذا اون کی حالت جتنی بری ہو گی ظاہر ہے) اور اصل اس کی یہ ہے کہ انبیا کا علم عرفان الہی بہ نسبت دوسرون کے اکثر و اتم ہوتا ہے اون کے پاس وحی آتی ہے اور ملائکہ نازل ہوتے ہین اور معلوم ہے کہ کمال علم کے سبب سے خدا کی معرفت اور خضوع و خشوع مین زیادتی لازم ہے پس وہ صدور معصیت کا منافی ہو گا (کیونکہ معرفت اور خضوع و خشوع نہ ہونے ہی کے سبب سے معصیت صادر ہوتی ہے پس اگر باوجود کمال علم و نزول وحی وہ گناہ کرین تو اون کی حالت بہ نسبت دوسرون کے یقیناً بدتر ہو گی) حالانکہ اجماع اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ نبی کو افراد امت سے بدتر حالت رکھنے والا نہ ہونا چاہئے۔ اور اون محالات مین سے یہ بھی ہے کہ (معصیت صادر ہونے سے نبی کا مردود الشہادہ ہونا لازم آتا ہے کیونکہ خداتعالے نے فرمایا ہے ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا

(یعنی اگر کوئی فاسق تمھارے پاس کوئی خبر لائے تو تم اس کی تحقیق کر لو بغیر اس کے نہ مانو) پس عام طور سے اون کی گواہی وحی کے معاملہ مین کیونکہ مقبول ہوگی نیز لازم آئیگا کہ اون کی حالت اون افراد امت سے پست تر ہو جو صاحبان عدالت ہین کیونکہ اون کی گواہی مقبول ہی اور یہ بالاجماع باطل ہے نیز اگر انبیاء سے گناہ صادر ہو تو اس مین بھی پیروی کرنا امت پر واجب ہوگا کیونکہ خدائے تعالٰے نے فرمایا ہے "اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ"، حالانکہ تالی (گناہ مین اطاعت کا واجب ہونا) بالاجماع باطل ہے ورنہ وجوب و حرمت ایک ساتھ مجتمع ہو جائین گے۔ انتھی۔

قول ابطال سابقاً مذکور ہو چکا کہ یہ تمام دلیلین اون لوگون کے مقابلہ مین حجت ہین جو انبیاء سے صدور کبائر کے جواز کے قائل ہین اور اس کثرت کیساتھ صغائر کے ارتکاب کو بھی جائز بتاتے ہین جو اون کی قدر و منزلت لوگون کے نزدیک گر جانے کا سبب ہو اور اون کے ساتھ ایذا رسانی و سرزنش سے کام لینا واجب ہو جائے اور امت کو اون پر ترجیح حاصل ہو جائے لیکن شاذ و نادر اون سے ایسے صغائر کا صادر ہونا ممتنع نہین ہے جنکو خدا نے معاف کر دیا ہے اور معجزہ ایسے صغائر کے صادر نہ ہو سکنے پر دلالت نہین کرتا اور یہ تمام دلیلین ہم نے پہلے بیان کی ہین اور اشاعرہ نے ان دلیلون کے اون لوگون کے مقابلہ مین استدلال پیش کیا ہے جو جواز کبائر کے قائل ہین اور پہلے ہم نے یہ بھی ذکر کر دیا ہے کہ انمین سے بعض دلیلین انبیاء سے مطلقاً گناہ کی نفی کو واجب ثابت کرتی ہین۔ واللہ اعلم انتھی۔

قول احقاق فاضل مخاطب نے یہان جو کچھ کہا ہے وہ اونکی حیرانی و پریشانی پر دلالت کرتا ہے اور اس امر پر بھی کہ اون کے مذہب کی حقیقت خود اُن پر مشتبہ ہو گئی ہے اور وہ بھول گئے ہین کہ پہلے کیا کہا ہے کیونکہ وہان یہ نہین کہا ہے کہ یہ دلیلین اُن لوگون پر حجت ہین جو جواز صدور کبائر کے قائل ہین۔ اور اگر اس کا اقرار کرتے ہین تو ہمارا مقصود حاصل ہو گیا اور اون پر اور اُن کے اصحاب (اشاعرہ) پر حجت تمام ہو گئی کیونکہ فریقین (امامیہ و اشاعرہ) کے درمیان نزاع اسی امر مین تھی کہ نبوت مین خلل انداز اور انبیاء کے احکام کی تعمیل سے مانع آیا کبائر و صغائر کا اون سے واقع ہونا ہے یا محض وقوع کا جائز ہونا اگرچہ وہ واقع نہ ہون۔ پس اشاعرہ۔ کہتے تھے کہ فقط جائز ہونا نبوت مین خلل انداز نہین ہے (بلکہ واقع ہونا خلل انداز ہی) اور امامیہ اس کے قائل تھے کہ محض جواز بھی خلل ڈالنے والا ہی۔ باَ جملہ اشاعرہ بھی جواز وقوع کبائر

کے قائل ہیں لہذا دلائل مذکورہ اعتراف فاضل مخاطب کے بنا پر اون کے مقابلہ میں بھی حجت ہونگی) زیادہ سے زیادہ ہو گروہ کہتے ہیں کہ دلیل عقلی وسمعی بعض ایسے کبائر کے واقع نہ ہونے پر دلالت کرتی ہے جنسے معجزہ میں خلل واقع ہوتا ہے مثلاً جھوٹ بولنا۔ اور فاضل مخاطب اس کلام کی تاویل کیونکر کر سکتے ہیں حالانکہ اس مقام پر (جہان ان دلائل کو بیان کیا ہے) اونکا عنوان بیان اولہ بھی خصوصاً علمیہ سے یہی ظاہر کر رہا ہے (کہ اشاعرہ جواز کبائر کے منکر نہیں ہیں بلکہ صرف اون کے وقوع کا انکار کرتے ہیں اور ان دلیلون سے فقط واقع نہونے پر استدلال کرنا مقصود ہے نہ کہ عدم جواز وقوع پر بھی) چنانچہ وہان یہی کہا ہے کہ "الاول ان صدر عنہم الذنب الخ" (اگر اون سے گناہ صادر ہو) الثانی لواذنبوا (اگر وہ گناہ کریں) الثالث انہ ان صدر عنہم ذنب" (اگر اون سے کوئی گناہ سرزد ہو) اور جو لوازم مصنف علامہ نے بیان کئے ہیں اگر اون کو دلیلون کے قالب میں ڈھالا جائے تو اون کا محصل یہ ہوگا کہ لوجاز صدور الذنب عنہم لکان کذا او لو جاز وقوع الکبائر عنہم لکان کذا "(یعنی اگر ان سے گناہ کا صادر ہونا جائز ہو تو یہ خرابی لازم آئیگی اور اگر کبائر کا واقع ہونا جائز ہو تو یہ خلل پیدا ہوگا) اور ان دونو عنوانون کے درمیان لفظاً ومعنے جو فرق ہے وہ بہت واضح ہے (بالجملہ مصنف علامہ نے ان دلیلون سے عدم جواز کبائر پر استدلال کیا ہے لہذا اون کا عنوان بیان یہ ہوگا کہ اگر صدور کبائر انبیاء سے جائز ہو تو یہ خرابیان لازم آئینگی" اور اشاعرہ محض عدم وقوع کبائر پر استدلال کرنا چاہتے ہیں لہذا اون کا عنوان بیان یہ ہے کہ "اگر کبائر انبیاء سے واقع ہون تو یہ خرابیان لازم آئینگی" پس دونو کے مقصود اور عنوان میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ نیز مصنف علامہ کے عنوان سے بیان کی ہوئی دلیلین اشاعرہ پر بھی یقیناً حجت ہونگی کیونکہ وہ بھی جواز کبائر کے قائل ہیں۔ مترجم)

نیز ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ ان تمام لوازم کو جن کا نام فاضل مخاطب نے دلائل رکھا ہے مصنف علامہ نے اون تمام اہل سنت پر وارد کیا ہے جو اس کے قائل ہیں کہ انبیاء علیہم السلام سے تمام کبائر وصغائر کا صادر ہونا قبل بعثت مطلقاً جائز ہے اور بعض کا صادر ہونا بعد بعثت بھی جائز ہے بالخصوص اشاعرہ پر ان الزامات کا عائد کرنا مقصود نہیں ہے لہذا فقط اشاعرہ کی برأت کا اظہار اون کے دفع کرنے کیلئے کافی نہیں (بلکہ تمام اہل سنت کو اون سے بری ظاہر کرنا چاہیئے) علاوہ اسکے تمام اشاعرہ بھی تو اس سے بری نہیں ہو سکتے (کیونکہ بعض اشاعرہ وقوع کبائر سے بھی معصوم ہونیکے قائل نہیں ہیں) جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔ (اس مقام پر ایک شبہہ بھی پیدا ہو سکتا ہے اور اسکا ذکر کر دینا اور اوس کے جواب کیطرف اشارہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ یہ بحث ہر طرح مکمل ہو جائے ؎

ایک اہم اعتراض اور اُس کا جواب

اگر یہ کہا جائے کہ پہلی دو دلیلین جو اس مقام پر بیان کی ہین اون کا حاصل یہی ہے کہ انبیاء و ائمہ سے صدور معاصی کی تجویز بعثت انبیا اور نصب امام کی غرض کو مفقود کر دیتی ہے اور وہ غرض یہی ہے کہ لوگ اُن کے اقوال کو قبول کرین اور اون کے احکام کو بجالائین پس (ارتکاب معاصی سے) اس مین خلل واقع ہونے اور لوگون کے نزدیک انکی قدر و منزلت گر جانے کی وجہ کیا ہوگی؟ اس کو ظاہر کرنا چاہیئے کیونکہ یہ وجہ بہت خفی ہے اور اس جہت سے اس مسئلہ مین فریقین کے درمیان طول کلام کی نوبت پہونچی ہے تو مین (اس سوال کے جواب مین) کہونگا کہ اوس کی وجہ یہ ہے کہ جس سے کبائر معاصی کا واقع ہونا جائز ہوگا تو نفس کو اُسکے قول پر ویسا سکون و اطمینان یقیناً حاصل نہ ہوگا جیسا کہ اس شخص کے قول پر ہوتا ہے جس سے کسی معصیت کا واقع ہونا جائز نہ ہو۔ شریف مرتضیٰ رضہ نے کہا ہے کہ یہی معنی ہین ہمارے اس قول کے کہ کبائر دمعاصی کا وقوع قبول قول اور امتثال حکم سے نفرت دلانے والا ہے" اور باعث نفرت ہونا اور نہ ہونا عادت کی طرف راجع ہے کوئی ایسا امر نہین ہے جو دلیل سے معلوم کیا جاسکے جو شخص عادت کی طرف رجوع کریگا وہ ہمارے قول کی سچائی معلوم کرلیگا کیونکہ کبائر باعث نفرت ہونے مین ایسی بیہودہ گوئی سے جو کمینہ پن کی دلیل ہو اور شوخ چشمی و خفت عقل سے تو کم نہین ہے (یعنی کم سے کم اوس قدر بے وقعتی اور نفرت قلوب ناس مین کبائر سے ضرور پیدا ہوجائیگی جتنی امور مذکورہ سے ہوجاتی ہے) اور اس مین کوئی اختلاف نہین کہ ان امور مذکورہ کا انبیاء سے ظاہر ہونا ممتنع ہے (پس کبائر کا واقع ہونا کیونکر جائز ہوگا)

دوسرا اعتراض اور اوس کا جواب

پس اگر یہ کہا جائے کہ کیا ایسا نہین ہوا کہ بہت سے لوگون نے کبائر کا وقوع انبیاء و ائمہ سے جائز بتایا اور پھر باوجود اس کے اون کی باتون کے ماننے اور احکام کی تعمیل کرنے سے متنفر نہین ہوئے؟ پس یہ بات تمھارے اس کلام کے خلاف ہے کہ کبائر باعث نفرت ہوتے ہین تو ہم (اوس کے جواب مین) یہ کہین گے کہ یہ کلام اوس شخص کا ہے جو تنفیر کے معنی کو نہین جانتا (اور ہمارے مقصود کو نہین سمجھ سکا ہے) اس لئے کہ ہماری مراد یہ نہین ہے کہ تصدیق و اطاعت سرے سے مرتفع ہوجائیگی بلکہ ہم نے یہ کہا ہے کہ نفس کو سکون و اطمینان حاصل نہ ہوگا اور لوگ پورے اعتماد و اطمینان کے ساتھ تصدیق و اطاعت پر مائل نہ ہونگے پس اس کا کیا

ثبوت ہے کہ جو لوگ باوجود جواز و وقوع کبائر کے قائل ہونے کی تصدیق و اطاعت کرتے ہین اون کے نفوس کو پورا اعتماد و اطمینان بھی حاصل ہے ؟) اور کوئی عاقل اس مین شک نہین کر سکتا کہ نفس عدم تجویز کبائر کی حالت مین جائز سمجھنے کی حالت کے بہ نسبت تصدیق و اطاعت سے قریب تر ہوگا اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک امر کسی شے کے موجود ہونے کی حالت مین بعید تو ہوتا ہے مگر بالکل مرتفع نہین ہوتا اسیطرح کبھی قریب ہوتا ہے مگر واقع نہین ہوتا کیا تم نہین دیکھتے کہ کھانے کی طرف دعوت دینے والے کی ترش روئی اور تنگدلی باعتبار عادت اوسکی دعوت مین حاضر ہونے اور کھانا کھانے سے لوگون کو نفرت دلاتی ہے لیکن باوجود اس کے لوگ کبھی وہان پہونچتے اور کھانا کھا لیتے ہین لیکن اس سے یہ نہین ہوتا کہ وہ (ترشروئی و تنگدلی) باعث نفرت ہی نہ رہی اسیطرح دعوت دینے والے کی تازہ روئی اور بشاشت حضور دعوت و تناول طعام کیطرف مائل کرتی ہے لیکن باوجود اس کے کبھی لوگ نہین آتے اور اوس کا کھانا نہین کھاتے۔

تیسرا اعتراض اوسکا جواب

بجا ہے یہ نہین کہا جا سکتا کہ یہ دلیل صرف اسی کو چاہتی ہے کہ نبوت و امامت کے مرتبہ پر فائز ہونے کی حالت مین کبائر واقع نہ ہون۔ رہا اوس سے پہلے بھی واقع نہ ہونا تو وہ اس کو مقتضی نہین ہے کیونکہ عقاب و مذمت کو دفع کرنے والی توبہ کے بعد اس کا حکم زائل ہو جاتا ہے اور نفرت کی کوئی وجہ باقی نہین رہتی کیونکہ ہم اس کا یہ جواب دین گے کہ ہم نے فقط استحقاق ذم و عقاب کو (مانع قبول قول و امتثال امر) قرار نہین دیا ہے بلکہ لزوم تنفر قلوب کو بھی (مانع قرار دیا ہے) اور یہ توبہ کر لینے کے بعد بھی موجود رہتا ہے (یعنی توبہ کر لینے سے فقط استحقاق ذم و عقاب دفع ہو جاتا ہے لیکن تنفر قلوب باقی رہجاتا ہے مستحق ذم و عقاب نہ رہنے سے لوگون کے قلوب سے نفرت دور نہیں ہوتی) چنانچہ ہم یہی (تنفر عام طور سے قلوب ناس مین) اوس واعظ و داعی الی اللہ کیطرف سے پاتے ہین جس کو پہلے کبائر معاصی کا ارتکاب کرتے ہوئے ہم نے دیکھا ہو اگرچہ اب اوس نے توبہ کر لی ہو بخلاف اوس واعظ کے جسکو ایسا کرتے کبھی نہ دیکھا گیا ہو پس ان دو شخصون کے درمیان بداہت وجود فرق ظاہر کر رہی ہے کہ کس کی بات مقبول ہوگی اور کس سے طبائع کو تنفر ہوگا (یہ امر کسی دلیل و برہان کا محتاج نہین) اسی وجہ سے ہم اکثر لوگون کو دیکھتے ہین کہ وہ اوس شخص مین عیب لگاتے ہین (اور اس کو بنظر حقارت دیکھتے ہین) جو پہلے مرتکب قبائح ہوتے ہوئے دیکھا گیا ہو اور اگرچہ اب توبہ کر لی ہو اور نزاہت (طہارت) حاصل ہو گئی ہو لیکن پھر بھی اون قبائح سابقہ کا اوس کو

نقص وعیب سمجھتے ہین زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ کبائر توبہ کر لینے کے بعد اوس پہلے کی نسبت کم باعث نفرت ہوتے ہین لیکن اس سے سبب تنفر ہونے سے بالکلیہ خارج نہین ہوتے۔

چوتھا اعتراض اور اوسکا جواب

پس اگر یہ کہا جائے کہ پھر تم یہ کیون کہتے ہو کہ اُن پر صغائر بھی مطلقاً جائز نہین حالانکہ اونمین نفرت کی کوئی وجہ نہین تو مین یہ کہونگا کہ غور کرنیسے معلوم ہوگا کہ اون مین بھی تنفر حاصل ہے اسلئے کہ اون سے محفوظ سمجھنے ہی کی حالت مین نفس کو سکون واطمینان حاصل ہوتا ہے اون کو تجویز کرنیکی حالت مین نہین ہوتا اور یہ فرق کرنا کہ صغائر موجب عقاب وذم نہین ہوتے درجۂ اعتبار سے ساقط ہے کیونکہ ہم نے بار بار کہدیا کہ (اس معاملہ مین) باعث نفرت ہونا معتبر ہے (نہ کہ موجب ذم وعقاب ہونا پس اگر وہ کسی عقاب وذم کے باعث نہین ہوتے نہ سہی تنفر قلوب کے باعث تو ضرور ہوتے ہین اور یہان بحث اسی سے ہے) کیا تم نہین دیکھتے بہت سے مباح امور بھی باعث نفرت ہوتے ہین حالانکہ اون مین ذم وعقاب کچھ بھی نہین۔ بلکہ ہم تو یہ کہتے ہین کہ نفرت اکثر اون امور سے بھی ہوا کرتی ہے جو اپنے فاعل کیلئے باعث ثواب ہوتے ہین اور اس کا اقرار ہمارے مخالفین نے بھی کیا ہے چنانچہ اونھون نے (اپنے مجتہدین کے) بعض ایسے اجتہادات پر جو کہ قانون عقل ونقل سے خارج ہین باعث نفرت عوام ہونے کا حکم لگایا ہے اور ساتھ ہی اس کے یہ بھی کہا ہے کہ مجتہد خطا کار بھی مستحق ثواب ہوتا ہے (جس سے ظاہر ہوا کہ کبھی ایسے امور سے بھی طبائع عوام کو تنفر ہوتا ہے جو باعث حصول ثواب ہوتے ہین) ابو المعالی جوینی جن کو امام الحرمین کا لقب حاصل ہے اونھون نے اوس رسالہ مین جو حقیقت مذہب شافعی کے بیان مین لکھا ہے کہتے ہین کہ "اگر یہ کہا جائے کہ شافعی ایک ایسی اصل کے قائل ہوگئے ہین جس کے بطلان پر تمام افراد امت کا اجماع ہے خواہ وہ مشرق کے رہنے والے ہون یا مغرب کے اور وہ (اصل) یہ ہے کہ اون کے نزدیک نہ سنت کتاب خدا سے منسوخ ہوسکتی ہے اور نہ کتاب خدا سنت سے اور یہ حد درجہ محال ہے اگر کوئی جاہل بھی سن لے تو پھر اوسکی طبیعت ضرور متنفر ہو جائیگی اور شافعی کی تقلید واقتدا سے کنارہ کش ہو جائیگا۔ تو ہم کہین گے کہ یہ اصل ایسی نہین ہے کہ اوس کا باطل ہونا یقینی ہو کیونکہ اونھون نے فقط سنت متواترہ کا کتاب خدا سے منسوخ نہ ہوسکنا تجویز کیا ہے اور وہ اس لئے کہ الخ" (حاصل کلام یہ کہ شافعی کے اجتہاد کا باطل ہونا واضح ہے کہ ایک مرد عاصی وجاہل کو بھی اوس سے اس قدر نفرت ہوگی کہ پھر اونکی تقلید نہ کرے گا حالانکہ وہ بھی اس کلیہ کے مطابق موجب ثواب ضرور ہے کہ مجتہد خاطی بھی ثواب کے

محروم نہین رہتا) اس تفصیل کے ساتھ تقریر کلام اسی کتاب کی خصوصیات مین سے ہے اور یاد رکھنے کے قابل ہے۔

قول علامہ اعلی اللہ مقامہ

تیسری بحث اس امر کے بیان مین کہ انبیاء کا دنات آبا اور عدم عفت امہات سے منزہ ہونا واجب ہے پس امامیہ کا مذہب یہ ہے کہ نبی کا دنات آباء و عدم عفت امہات سے منزہ ہونا لازم ہے (ایسا کوئی شخص نبی نہین ہوسکتا جس کے ماں باپ عفت و شرافت سے خالی ہون) اور ایسے رذائل افعال سے بھی جو خست نفس کی دلیل ہون مثلاً (اس کا اتنا ذلیل ہونا کہ) لوگ اوسکو حقیر سمجھتے اور اوس سے ہنسی مذاق کرتے ہون کیونکہ اس سے اُس کی وقعت و منزلت قلوب ناس سے گر جائیگی اور لوگ اوس کی اطاعت سے نفرت کرین گے اور یہ امر بدیہی ہے کہ کسی شک وشبہ کی گنجائش نہین رکھتا لیکن اہل سنت نے (خواہ وہ اشاعرہ ہون یا معتزلہ) اس سے اختلاف کیا ہے پس اشاعرہ (تو اس لئے اختلاف کرنے پر مجبور ہین کہ وہ حسن و قبح عقلی کی نفی کرتے ہین لہذا اون کو اس مسلک کی طرف جانا لازم ہوگیا کہ ایسے شخص کی بعثت جائز ہے جسکا ولد الزنا ہونا ہر شخص کو معلوم ہوا اور اس کا باپ جملہ فواحش اور ہر قسم کے شرک وکفر کا حد درجہ مرتکب رہا ہو اوس سے تمسخر و استہزا کیا جاتا ہو اور وہ بازارون مین تالیان بجاتا پھرتا ہو ہمیشہ مفعول لواطہ رہا ہو اور اوس کی ماں زانیہ و فاحشہ ہو اور وہ خود بھی حد درجہ دنی الطبع ہو اور قبل نبوت اور بعد نبوت غرض تمام معفول لواطہ رہا ہو بازارون مین تالیان بجاتا پھرتا ہو ان تمام امور کا قائل ہو جانا اشاعرہ کیلئے اسیوجہ سے لازم آتا ہے کہ وہ حسن و قبح عقلی کا انکار کرتے ہین اور یہ سب باتین ممکن ہین (محال نہین ہین) لہذا اون کا خدا تعالے سے واقع ہونا جائز ہوگا (یعنی) از آنسکہ اشاعرہ حسن و قبح عقلی کا انکار کرتے ہین اون کے نزدیک کوئی فعل عقلاً بھلا یا برا نہین ہے لہذا صفات مذکورہ اون کے نزدیک عقلاً قبیح نہ ہونگی اور جائز ہوگا کہ پروردگار کسی ایسے شخص کو نبی بنا کر بھیجے جو اون سے متصف ہو) اور یہ اون کے اس قول سے برا نہین ہے کہ خدا تعالے اس شخص کو ہمیشہ کیلئے جہنم مین معذب کر سکتا ہے جو عذاب کا نہین بلکہ ثواب کا سراسر مستحق ہو۔

قول ابطال

ان خرافات و ہذیانات سے اور انبیاء کے ذکر مین ایسے فوحش کا ذکر کرنے اور اون لوگون کے زمرہ مین داخل ہوجانے سے (جن کا وصف اس آیت مین مذکور ہے) خدا کی پناہ ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشة فی الذین امنوا لھم عذاب الیم فی الدنیا والآخرة

یہی سوء ادب کیا کم ہے کہ انبیاء کے ذکر کے ساتھ ایسے خرافات کا ذکر کیا جائے پھر اس پر مشائخ سنت و علمائے اسلام پر ان امور کی تہمت جن میں سے کچھ بھی ان کے قول کی بنا پر لازم نہیں آتا کیونکہ تفصیل معلوم ہو چکا کہ حسن و قبح کے تین معانی ہیں اُن میں ایک نقص و کمال کی صفت ہے اور دوسرا الملائمۃ و منافرۃ ہے (جس کو مصلحۃ و مفسدہ سے بھی تعبیر کرتے ہیں دیکھو بحث حسن و قبح افعال مترجم) اور یہ دونو معنی عقلی ہیں اس میں کچھ شک نہیں پس جبکہ اشاعرہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ دونو معانی عقلی ہیں تو اس سے بڑا اور کونسا نقص ہو سکتا ہے کہ صاحب دعوت الٰہیہ ان قبائح مذکورہ سے موصوف ہو جن کو اس شخص نے بیان کیا ہے (یعنی از بسکہ اس دعوت الٰہیہ کا قبائح مذکورہ سے موصوف ہونا بہت بڑا نقص اور خلاف مصلحت ہے لہذا اشاعرہ کے نزدیک بھی بحکم عقل اون سے منزہ ہونا لازم ہوگا)۔

قول محقق خرافہ ظاہرہ (دراصل) وہ ہے جو فاضل مخاطب سے بوجہ عاجزی و حیرانی ظاہر ہوئی ہے اون کی عادت ہے کہ مثل نسیج عنکبوت ایسے امور واہیہ کا جال پھیلاتے ہیں جن سے مصنف کا مقصود فوت ہو جاتا ہے (چنانچہ یہاں بھی) اونھوں نے مصنف کا مقصود باوجود اس کے کہ وہ مثل برق طور روشن ہے نہ سمجھا اور جو کچھ غلط و مہمل چاہا کہہ دیا ہے کیونکہ مصنف کا کلام فعل الٰہی یعنی بعثت سے متعلق ہے اور انھوں نے اپنے اس قول میں تصریح بھی کر دی ہے کہ اشاعرہ کو لازم ہو گیا ہے کہ ولد الزنا کی بعثت کو جائز سمجھیں الخ اور حسن و قبح کو دونو معنی مذکور میں لینے کے باوجود بھی مصنف کے اعتراض کا لازم آنا اور خدائے تعالےٰ سے صدور قبائح کا جائز قرار پانا ظاہر ہے معنی اول کے لحاظ سے تو اس لئے کہ کمال و نقص صفات سے مخصوص ہیں اور اس کی اشاعرہ نے تصریح بھی کی ہے اور مخاطب نے بھی تصریحاً کہا ہے کہ ولا نزاع فی ان ھذا امر ثابت للصفات فی انفسہا۔ یعنی اس میں کوئی تنازع نہیں کہ یہ حسن و قبح صفت کمال و نقص ہونے کے اعتبار سے صفات کو ثابت ہے) اور بعثت افعال میں داخل ہے (نہ کہ صفات میں) پس یہ دونوں اوس کی صفت نہ ہونگے (یعنی بعثت کمال سے موصوف نہ ہو گی جو اس معنی سے اوس میں حسن عقلی ثابت کیا جاسکے) اور (معنی ثانی) موافقت غرض و عدم موافقت کے اعتبار سے (اعتراض مصنف کا وارد ہونا اور خدا سے صدور قبائح کا جائز قرار پانا) اس لئے ظاہر ہے کہ اوس شخص کی بعثت جو ہر امر شنیع کا مفعول ہو فاعلین کی اغراض کے موافق ہو گی پس جائز ہے کہ اون کے

اعراض کے مناسب و موافق ہونیکے لحاظ سے خداوند عالم ایسے شخص کو مبعوث کردے اسلئے کہ وہ حاکم مطلق ہے اوس پر کوئی شئے واجب نہین اور نہ کوئی امر اوسکے لئے قبیح ہو بلکہ ہر قبیح اوس کے کرنے سے حسن ہوجاتا ہے جیسا کہ ابو الحسن الاشعری کا قول ہے پس اونہین سے کسی معنی کے اعتبار سے جو عقل اس کا حکم کیونکر کرسکتی ہے کہ خدائتعالے کی طرف سے ایسی بعثت کا وقوع جائز نہین ہے۔ محصل اس کلام کا یہ ہو کہ حسن و قبح کے کسی معنی کا اعتبار کرو ایسے شخص کی بعثت جو صفات مذکورہ سے موصوف ہو قبیح عقلی نہین قرار پاسکتی معنی اول یعنی کمال و نقص کے اعتبار سے تو اس لئے کہ اس معنی سے حسن و قبیح افعال کی صفت نہین ہوتے بلکہ محض صفات اون سے متصف ہوتی ہین پس چونکہ بعثت فعل ہے نہ صفت لہذا باعتبار اس معنی کے حسن و قبیح سے موصوف نہین ہوسکتی ظاہر ہے کہ بعثت کو کامل یا ناقص کہنا درست نہین ہے اور اگر دوسرے معنی کا اعتبار کیا جائے اور وہ یہ کہ جو موافق غرض ہو وہ حسن ہے ورنہ قبیح ہے تو شخص متصف بصفات مذکورہ کی بعثت بھی کچھ لوگون کے اغراض کے موافق ضرور ہوگی پس خدا کی طرف سے اس کا واقع ہونا بحکم عقل سراسر حسن و جائز قرار پائیگا کیونکہ اشاعرہ نے یہ تسلیم کرلیا ہے کہ جو امر موافق غرض ہو وہ بحکم عقل حسن ہے اور اگر بالفرض قبیح بھی ہو تو اون کی اس رائے کی بنا پر حسن ہوجائیگی کہ قبیح بھی خدا تعالی سے صادر ہونیکے سبب حسن ہوجاتا ہے۔ مترجم) اور مصنف علامہ نے اون مقدمات کی طرف جنکو ہمنے بیان کیا ہے اپنے اس قول مین اشارہ کیا ہے "چونکہ یہ ممکن ہے لہذا اوس کا خدا سے واقع ہونا بھی جائز ہے اور یہ اس تجویز سے بدتر نہین ہے کہ خدا اوس شخص کو بھی معذب کرسکتا ہو جو سراسر ثواب کا مستحق ہو نہ عذاب کا" اور معتزلہ کے ذکر مین اسکی تفصیل بھی فرمائی ہے جو اس سے متصل عنقریب آئیگی اور ہمارے کلام سے واضح ہوگیا کہ فاضل مخاطب کا یہ کہنا کہ "جب کہ اشاعرہ یہ سب ہے کہ وہ دونو معنے عقلی ہین تو اس سے بڑھکر اور کونسا نقص ہوسکتا ہے کہ صاحب دعوت الٰہیہ ان قبائح سے موصوف ہو الخ" مصنف علامہ کے کلام سے ربط نہین رکھتا کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ عقل کا یہ ادراک کرلینا کہ کسی معنی کی بنا پر صاحب دعوت الٰہیہ کا صفات مذکورہ سے موصوف ہونا قبیح ہے اس کو مستلزم نہین کہ وہ یہ بھی ادراک کرے کہ خدا کا ایسے شخص کو مبعوث کرنا قبیح ہے اور وہ اس کا ادراک کسطرح کرسکتی ہے درانحالیکہ اشاعرہ کے قاعدہ مسلمہ کی بنا پر کوئی شئے خدا کیلئے قبیح نہین ہے یعنی اگر عقل اس کا ادراک بھی کرے کہ صاحب دعوت کا صفات مذکورہ سے موصوف ہونا قبیح ہے تو اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ خدا کی طرف سے ایسے شخص کے مبعوث کئے جانیکو بھی قبیح سمجھے

ے درانحالیکہ اشاعرہ نے یہ قاعدہ تسلیم کر لیا ہے کہ کوئی فعل خدا کیلئے قبیح نہین پس جب اوس مین قبیح باقی ہی نہین رہا تو عقل ادراک کس بات کا کریگی لہذا ایسے شخص کی بعثت جس کی صفات مصنف علامہ نے بیان کئے ہین قاعدہ مذکورہ کی بنا پر سراسر حسن ہوگی اور اشاعرہ کو اسکا تسلیم کرنا لازم ہوگا) پس ایسے شخص کو مبعوث کرنا بھی اوس کے لئے جائز ہوگا جس طرح دیگر قبائح وظلم کا اوس سے صادر ہونا ان لوگون نے تجویز کیا ہے اور مصنف رح نے اوس کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور اس کو تائید حاصل ہوتی ہے مواقف وشرح مواقف کے اس کلام سے کہ اہل حق اشاعرہ کے نزدیک نبوت بس یہی ہے کہ خدا کسی سے یہ کہدے کہ ہم نے تم کو فلان قوم کیطرف بھیجا اور اوس کو بھیجنے کے لئے (کسی خاص وجہ فضیلت واستحقاق) کی شرط نہین ہے مثلاً وہ اغراض واحوال جو مواقع خلوت ومقامات عزلت مین ریاضات ومجاہدات نفس کرکے حاصل کئے گئے ہون اور نہ کسی استعداد ذاتی مثلاً صفاء جوہر وذکاء فطرت وغیرہ کی شرط ہے جیسا کہ حکماء کا خیال ہے (کہ نبی کو بانواع ریاضات ومجاہدات تہذیب یافتہ اور صفائے نفس وذکاء فطرت وغیرہ استعداد ذاتی کے اعتبار سے ممتاز ہونا چاہیئے) بلکہ خداوند عالم اپنے بندون مین سے جسکو چاہتا ہے (خواہ وہ کیسا ہی ہو) اپنی رحمت سے مختص کر دیتا ہے پس نبوت ایک رحمۃ وعطیہ الٰہی ہے جسکا تعلق فقط اوسکی مشیت سے ہے (ملکات نفسانیہ استعدادات ذاتیہ پر موقوف نہین ہے بلکہ اوس شخص کو بھی مل سکتا ہے جو ان مین سے کچھ بھی نہ رکھتا ہو")

اور فاضل مخاطب نے توزیح مصنف کے لئے جو آیتین ذکر کی ہین وہ اون کے اسلاف کے مطابق حال وشان ہین کیونکہ اونھین نے ان روایات فاحشہ کو شائع اور اپنی کتب صحاح مین مندرج کیا ہے اور قرناً بعد قرنٍ اپنی مجالس ومحافل مین اوس کی اشاعت کرتے رہے ہین پس اون کا مقصود تشنیع فاحشہ ہونا ظاہر ہے جس مین کسی مناقشہ کی گنجایش نہین مصنف علامہ کا مقصود تو صرف اتنا ہے کہ اون فواحش کی اشاعت کی بابت اون اسلاف کے طرز عمل کو قبیح ظاہر کردین تاکہ اون کی پیروی کرنے والے اخلاف اوس سے باز رہین ۔

اور یہ کہنا کہ "مصنف نے انبیاءؑ کے ذکر مین ایسے قبائح ومعائب کا ذکر کرکے سوء ادب کا ارتکاب کیا ہے" تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب برامکہ ہی کی برکات ہین کیونکہ اشاعرہ جو جواز صدور فواحش کے قائل ہین اونھین مین سے ہین پس جس طرح اونھون نے اذکار انبیاءؑ کے ساتھ ان فواحش کا ان کا ذکر کیا ہے اون کے کلام کے نقل کرنے والے کو ویسا ہی کرنا پڑتا ہے اور اسی طرح (دنیا کا)

اتفاق ہے کہ نقل کفر کفر نہیں ہوتا نیز حکماء متکلمین اکثر وجود وحدت باریتعالے پر استدلال کرتے ہوئے اوس کے عدم اور تعدد کو بھی جن کا قائل کافر ومشرک ہو جاتا ہے (بضرورت ابطال) ذکر کرتے ہین لیکن آجتک کسی عاقل کی طرف سے یہ مواخذہ نہیں کیا گیا کہ اس کا ذکر کرنا سوءادب یا کفر و شرک ہے پس مصنف کے کلام پر بھی کوئی موخذاہ نہ ہونا چاہیے کیونکہ دونوں کے کلام کا انداز ایک ہی ہے اور جواب سے عجز ہی نے فاضل مخاطب کو اس قسم کے طعن و تشنیع پر امادہ کیا ہے اور یہ حکایت اون کے حسب حال ہے کہ کسی شخص نے ایک مسجد مین اونھین جیسے ایک فقیہ ناقص کو دیکھا اور چند مسائل حیض و استحاضہ کے متعلق اوس سے پوچھے پس جب اوس فقیہ نے یہ دیکھا کہ وہ اون کے جواب سے عاجز ہے تو مضطرب ہو گیا اور برہم ہو کر بولا کہ ان نجاسات کو مسجد سے باہر نکال دے

قول علامہ اصلح اللہ مقامہ

از بس کہ مترجم نے انبیاء سے صدور معصیت تجویز کیا ہے لہذا اوس کے جواز وقوع کا قائل ہو جانا بھی اون پر لازم ہو گیا ہے نیز قبل بعثت انبیاء سے کبائر کے واقع ہونے پر اون کا اتفاق ہے اور اس پر قصہ برادران یوسف ع سے استدلال کرتے ہین پس عاقل کو چشم انصاف سے دیکھنا چاہیے کہ آیا ایسے اقوال فاسدہ و آراے ردیہ کو اپنا مذہب بنانا کہانتک جائز ہو سکتا ہے ؟ اور آیا کوئی مکلف ایسے شخص کا مطیع فرمان ہو سکتا ہے جو تمام عمر وقت نبوت تک مشغول فواحش رہا ہو اور بحالت نبوت بھی (اشتباہ وقار) ہو کر اوس کے ساتھ تمسخر و استہزا کیا جاتا ہو اور کیا ایسے شخص کی بعثت سے حجت خدا خلق پر تمام ہو سکتی ہے ؟

تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس بارے مین (یعنی حجت خدا کا تمام نہ ہو سکنا وغیرہ وغیرہ) اشاعرہ کے ساتھ بحث ساقط (یعنی بے حاصل) ہے اگر اون سے بحث کیجائے گی تو فضول باتون کو کام مین لاینگے کیونکہ وہ تو یہ تجویز کرتے ہین کہ مکلف حکم خدا کو نہ بجالانے پر معذب ہو سکتا ہے اگرچہ وہ نہ جانتا ہو کہ خدا نے اوس کو کیا حکم دیا ہے (جس کی وہ تعمیل کرے) اور نہ خدا نے اوسکی طرف کوئی رسول بھیجا ہو بلکہ اوس کے احکام کے بجالانے پر بھی (معذب ہونا ممکن ہے) اور جمیع قبائح خدا ہی کی طرف سے وجود مین آتے ہین عالم وجود مین جو امر واقع ہوتا ہے وہ بفعل الٰہی واقع ہوتا ہے اور وہ حسن بھی ہوتا ہے کیونکہ حسن وہی ہے جو (اوس کی طرف سے) واقع کیا جائے اور قبیح وہی ہے جو واقع نہیں ہوتا ہے (مثلاً اگر کفر واقع ہوا تو وقوع کے سبب حسن ہے اور ایمان واقع نہیں ہوا ہے تو وہ بسبب عدم وقوع قبیح ہے) پس نبی اور اوس کے ماں باپ مین ان صفات مذکورہ کا موجود ہونا بھی

حسن ہوگا کیونکہ وہ خدا ہی کیطرف سے واقع کیگئی ہونگی پس اس وقت (یعنی جبکہ وہ صفات سراسر حسن ہونگی اون سے متصف ہونیوالے کی) بعثت سے کونسا امر مانع ہوگا؟ لہذا اس صورت مین کہ ہر امر خدا ہی کے فعل سے وجود مین آتا ہے اور از بسکہ وہ اوس کا فعل ہو لہذا قبیح نہین ہو سکتا اشاعرہ کیلئے کیونکر ممکن ہوسکتا ہو کہ نبی کے کفر اور تمام انواع معاصی کا انکار کرین درآنحالیکہ اون سب کا وقوع خدا کی طرف سے ہوگا اور جوکچھ وہ کرتا ہے سب حسن ہو؟ اور یہ مذہب اختیار کرلینے کے بعد اون کیلئے کیونکر ممکن ہے کہ انبیاء کو (کفر و معاصی سے) منزہ ثابت کرین۔ خدا کی پناہ ایسے مذہب سے جو (انسان کو اس مقام ضلالت مین) پہونچا دینے والا ہو کہ وہ کفر کو حسن اور ایمان کو قبیح اور مستجمع جمیع رذائل وقبائح کی بعثت کو جائز سمجھنے لگے اور تم نے ان باتوں سے معلوم کرلیا ہوگا کہ اشاعرہ اس معاملہ مین بدیہیات کا بھی انکار کرتے ہین۔

قول ابطال قصہ برادران یوسف ؑ سے انبیاء سے وقوع کبائر پر معتزلہ کا استدلال قوی استدلال ہو اس لئے کہ اس پر اجماع واقع ہو کہ وہ لوگ جناب یوسف کو کنوین مین گرا دینے اور دیگر معاصی کے مرتکب ہونیکے بعد جنکے کبائر ہونے مین کوئی شک نہین مرتبہ نبوت پر فائز ہوگئے تھے اور اس شخص (مصنف علامہ) نے بجائے جواب کے تعرض کرنیکے مثل عوام بازاری کے فحش و باطل باتون پر اکتفا کی ہے معتزلہ تو وقوع کبائر کو ثابت کر رہے ہین اور یہ شخص اسپر قادر نہین کہ اون کے استدلال کو دفع کرے اور اونکے ساتھ اسکے جواز مین بحث کرے یہ (فحش و باطل کا استعمال) اُسکے غرائب طرق بحث مین سے ہے۔

اور یہ جو ذکر کیا ہو کہ "اشاعرہ سے بحث ساقط ہو اس لئے کہ الخ" تو اس کا جواب تم نے اون باتون سے معلوم کرلیا جو پہلے مذکور ہوچکین اور (وہ یہ کہ) حسن و قبح ایک معنی سے شرعی ہین اور دوسرے دو معنون کے اعتبار سے عقلی ہین (اس سے) تمکو معلوم ہوگیا کہ جوکچھ مصنف نے کہا ہو وہ اشاعرہ کا مذہب نہین ہو اور اون باتون مین سے کوئی بھی اون پر وارد نہین ہوتی اور نہ وہ بداہۃ عقل کے مخالف ہین۔

قول احقاق (برادران یوسف ؑ کے انبیاء ہونے پر) اجماع کا دعویٰ باطل ہو جس نے اونکی نبوت کا قول اختیار کیا ہو وہ محض اس بنا پر کیا ہو کہ اوس نے لفظ "اجتباء" کی تفسیر نبوت سے کی ہو جو خدا تعالے کے اس قول مین واقع ہو "وکذلک یجتبیک ربک ویعلمک من تاویل الاحادیث ویتم نعمتہ علیک وعلی آل یعقوب الآیۃ" حالانکہ لفظ "اجتباء" نبوت کے

معنی مین صریح وظاہر نہین ہے اور خدا تعالےٰ کا قول "وکذالک یجتبیک" خود ہی بتا رہا ہے کہ یہان نبوت نہین مراد ہے) چنانچہ فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر مین اسکے معنی یہ بیان کئے ہین کہ "جسطرح خدا نے ایسے عظیم خواب کیلئے جو عز وشرف وجلالت شان کی دلیل ہے تم کو برگزیدہ کیا ہے اوسیطرح بڑے بڑے کامون کیلئے بھی تمکو برگزیدہ کریگا" (اس سے معلوم ہوا کہ اجتباء سے مراد بڑے کامون کیلئے مخصوص کر لینا ہے نہ کہ نبوت) زجاج نے کہا ہے کہ "اجتباء" مشتق ہے "جبیت الشیٔ" سے جبکہ تم نے اوس شے کو اپنے نفس کیلئے خاص کر لیا ہو اور "جبیت الماء فی الحوض" بھی اس سے مشتق ہے (یعنی مین نے حوض مین پانی جمع کیا) نیز فخر الدین رازی نے کہا ہے کہ مفسرین نے اس مین اختلاف کیا ہے کہ "اجتباء" سے یہان کیا مراد ہے پس حسن نے تو یہ کہا ہے کہ "یجتبیک ربک بالنبوۃ" (یعنی نبوت کیلئے خاص کر لینا مراد ہے) اور دیگر مفسرین نے یہ کہا ہے کہ محض درجہ کو بلند اور مرتبہ کو عظیم کرنا مراد ہے نبوت کی تعیین پر یہ لفظ (یجتبیک) کسیطرح دلالت نہین کرتی۔ پھر امام رازی فرماتے ہین "تم کو معلوم ہو کہ جب ہم نے اس آیت کی تفسیر نبوت سے کی تو یہ حکم کرنا بھی لازم ہو گیا کہ اولاد یعقوب (بغیر اشتثنائے نسوان وصبیان) سب کے سب انبیاء تھے اسلئے کہ خدا تعالےٰ نے "ویتم علیک وعلیٰ ال یعقوب" فرمایا ہے (اور آل مین جملہ اصناف اولاد داخل ہین مگر دیگر دلائل سے) بیٹون کے سوا دوسرون کے حق مین اتمام نعمت کا ترک کر دیا جانا یعنی اون کو نبوت کا حاصل نہ ہونا ثابت ہے پس لازم ہے کہ وہ اون کی اولاد (بیٹون) کے حق مین ثابت ہے" اور یہ تمام باتین صاف طور سے بتا رہی ہین کہ (برادران یوسفؑ کے انبیاء ہونے پر) اجماع واقع نہین ہے (بلکہ اس امر مین اختلاف صریح موجود ہے اور جو لوگ اسکے قائل ہین ان کو دوسری دلیلون سے کام لینے کی حاجت ہوئی ہے اگر اس پر اجماع ہوتا تو یہ احتیاج کیون ہوتی) اور اس سے زیادہ صریح وہ کلام ہے جو شفاے قاضی عیاض مین مذکور ہے چنانچہ وہ کہتے ہین کہ "جناب یوسفؑ اور اونکے بھائیون کے قصہ سے خود جناب یوسف پر کوئی مواخذہ وارد نہین ہوتا رہا اون کے بھائیون کا معاملہ تو نبوت ثابت ہی نہین جو اون کے افعال پر کلام (اور بحث) کرنا لازم ہو کہ اون سے ایسے قبیح افعال کیونکر واقع ہوئے اور قرآن مین انبیاء کے ذکر کیساتھ اسباط کا جو ذکر کیا گیا ہے (تو اوس کی بابت) مفسرین نے کہا ہے کہ (جمیع اسباط مراد نہین ہین بلکہ) اون مین سے فقط وہی لوگ مراد ہین جن کو نبوت عطا کی گئی تھی (لہذا اون اسباط کے افعال سے جو نبوت کے مرتبہ پر فائز نہ تھے انبیاء پر کوئی حکم صحیح نہین ہو سکتا)" اور اجماع منعقد ہی کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ آئمہ اہل البیت

اور علمائے شیعہ اس کے خلاف (یعنی برادران یوسف کے نبی نہ ہونے) پر متفق ہین۔ علاوہ اس کے کتاب تجرید کے شارح جدید نے یہ کہا ہے کہ بسبب نہ ہونے معتزلہ مین سے اس رائے کیطرف گئے ہین کہ قبل بعثت بھی انبیاء سے کبائر صادر نہین ہوسکتے پس ان لوگون پر نظر کرتے ہوئے برادران یوسف ع کی نبوت پر اجماع کا دعوے کس طرح کیا جاسکتا ہے جبکہ اون کا قول جس کی حکایت قرآن مین اسطرح کیگئی ہے ”لیوسف واخوہ احب الی ابینا منا“ (یوسف اور اون کے بھائی ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ محبوب ہین) محض حسد پر مبنی تھا اور حسد امہات الکبائر مین سے ہے (یعنی تمام کبائر کی اصل ہے) خصوصاً اس لئے کہ اسی حسد کے سبب اپنے برادر صالح (یوسف علیہ السلام) کو تاریک کنوین مین ڈالنے اور غلامی کی ذلت مین مبتلا کرنے کی طرف پیش قدمی کی اور باپ کو اونکی جدائی کے دائمی حزن و اسف مین مبتلا کردیا اور پھر اون سے جھوٹ بھی بولے غرض کوئی بدی و مخالفت باقی نہ چھوڑی اور شر و فساد کی کوئی راہ ایسی نہ رہی جس پر وہ نہ چلے ہون اور یہ تمام امور اون کی عصمت و نبوت مین قدح کرنیوالے ہین۔ اور فاضل مخاطب کا یہ کہنا کہ ”مصنف علامہ نے ثبوت دلائل معتزلہ کے جواب سے تعرض نہ کیا“ تو اوس جواب یہ ہے کہ جو شخص بداہتہ عقل کے مقابلہ مین مکابرہ سے کام لیتا ہے وہ اس کے سوا کسی اور جواب کا حق نہین رکھتا جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔ اور اون کا یہ قول کہ ”معتزلہ برادران یوسف کی نبوت کا وقوع ثابت کرتے ہین“ تو اوس کا جواب یہ ہے کہ نبوت برادران یوسف کو ثابت کرنے کی کوشش محض بے ثمر ہے کیونکہ اونھون نے اجماع سے اون کے ثابت ہونے کا دعوے کیا تھا (اس کے سوا اور کوئی دلیل اون کے پاس نہ تھی) اور اجماع کا باطل ہونا ہم واضح کرچکے۔

اور فاضل مخاطب نے یہ بھی خوب کیا کہ انھون اس قول ”نخالف البحث مع الاشاعرۃ ساقط لانہم یجوزون تعذیب المکلف وغیرہ من الطامات“ مین لفظ طامات کو مذہب اشاعرہ کا بیان قرار دیدیا جو قابل غور ہے۔ (یعنی فاضل مخاطب نے مسئلہ البحث سے ”تعذیب المکلف“ تک مصنف علامہ کی عبارت نقل کی ہے اور اون کے باقی کلام کی بابت ”وغیرہ من الطامات“ کہا ہے لیکن چونکہ اشاعرہ کے نزدیک ایک قول یعنی تجویز تعذیب مکلف غیر مستحق کے بعد اون کی بات متصل ”غیرہ من الطامات“ لکھدیا ہے اس سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ ”من الطامات“ کو اشاعرہ کے دیگر اقوال کا بیان قرار دیا۔ مترجم)

فہرست مضامین ترجمہ احقاق الحق کتاب النبوۃ

نمبر	مضمون	صفحہ
(۱)	بحث اول حقیقت نبوت	(۲)
(۲)	بحث ثانی عصمت انبیاء کی تحقیق	(۸)
(۳)	آنحضرت صلعم کا نماز میں بتوں کی تعریف کرنی	(۸)
(۴)	آنحضرت صلعم کے گناہان کبیرہ وصغیرہ کرنے کی تحقیق	(۹)
(۵)	آنحضرت صلعم کے قبل نبوت کافر ہونے کی بحث	(۱۴)
(۶)	کسی عالم اہلسنت سے مامون رشید کا مناظرہ	(۲۳)
(۷)	حضرت ابوبکر کا غلام جناب رسولخدا صلعم سے پہلے داخل جنت ہوگا	(۲۳)
(۸)	آنحضرت صلعم نے بھولے سے نماز ظہر دو ہی رکعت پڑھ دی	(.۵)
(۹)	آنحضرت صلعم نے بھولے سے نماز عصر دو ہی رکعت پڑھ دی	"
(۱۰)	سہو جناب رسالتمآب صلعم کی بحث	"
(۱۱)	حضرت عائشہ کا گڑیاں کھیلنا اور آنحضرت صلعم کا اس فعل کو پسند کرنا	(۳۰)
(۱۲)	تصویر بنانے کی بحث	(۳۱)
(۱۳)	آنحضرت صلعم کا اپنی ردا اٹھا کر حضرت عائشہ کو مسجد میں حبشیوں کا ناچ دکھانا	(۳۴)
(۱۴)	کنیزوں کا گانا اور آنحضرت صلعم کا سننا	"
(۱۵)	آنحضرت صلعم کا مدینہ کی عورتوں کے ساتھ ناچنا	(۲۸)
(۱۶)	دف بجانے اور لہو لعب کے جائز یا ناجائز ہونے کی بحث	"
(۱۷)	جب ملک الموت حضرت موسیٰ کے پاس قبض روح کیلئے آئے تو حضرت نے ان کے منہ پر طمانچہ مارا اور ایک آنکھ نکال لی	(۳۷)
(۱۸)	حضرت موسیٰ ع کے تند مزاج ہونے کی بحث	"
(۱۹)	حضرت آدم حضرت نوح اور حضرت ابراہیم ع کا شفاعت سے عاجز رہنا اور حضرت ابراہیم کا تین جھوٹ بولنا	(۴۱)
(۲۰)	حضرت ابراہیم ع کے تقیہ کی بحث	(۴۲)
(۲۱)	قول حضرت رسولخدا صلعم کہ ہم تو شک کرنیکا حق حضرت ابراہیم سے زیادہ رکھتے ہیں	(۴۳)

(۲۲) آنحضرت صلعم کے پاس حبشی ناچ رہے تھے اور حضرت دیکھ رہے تھے مگر حضرت عمر آئے تو اس کھیل کو حرام سمجھے اور حبشیون کو مارنا چاہا۔ (۴۶)
(۲۳) آنحضرتؐ کا کنیزون کا ناچ دیکھنا مگر حضرت عمر کا اوس سے بچنا۔ (۴۷)
(۲۴) آنحضرت صلعم کا حالت جنابت مین نماز جماعت پڑھانے کے لئے کھڑے ہوجانا۔ (۴۸)
(۲۵) آنحضرت صلعم نے نماز عصر دو ہی رکعت پر تمام کردی تو صحابہ نے ٹوکا۔ (۴۹)
(۲۶) آنحضرت صلعم نے ایک شخص کو بتون پر ذبح کئے ہوئے جانور کا گوشت کھانے کیلئے پیش کیا۔ (۵۲)
(۲۷) آنحضرت صلعم ایک دفعہ کھڑے کھڑے پیشاب کرنے لگے۔ (۵۳)
(۲۸) قول عمر کہ البول قائما احصن للدبر۔ (۵۴)
(۲۹) اصول اہلسنت کے مطابق شریعت انبیاء پر اعتماد نہین رہ سکتا۔ (۵۵)
(۳۰) انبیاء کے مرتکب گناہان کبیرہ وصغیرہ ہونے سے کیا خرابیان پیدا ہوتی ہین۔ (۵۶)
(۳۱) چند اہم اعتراض اور اون کا جواب (۶۰)
(۳۲) انبیاء کے دنائت آباء و عدم عفت امہات سے منزہ ہونیکی بحث (۶۳)
(۳۳) برادران حضرت یوسف کا قصہ۔ (۶۷)

بالخیر

قل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل کان زھوقا

ترجمہ احقاق الحق

جلد چہارم

جس مین باب الامامت کا مطلب خیز اور عام فہم ترجمہ کیا گیا ہے

در مطبع اصلاح کھجوہ ضلع سارن طبع گردید

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی افضل الانبیاء والمرسلین سید الاولین والاخرین ابی القاسم محمد المصطفی وآلہ الطیبین الطاہرین

امابعد فالحمد للہ کہ کتاب مستطاب احقاق الحق کے تیسرے باب کتاب النبوۃ کے ترجمے سے فراغت حاصل ہوئی اور اب چوتھے باب کتاب الامامۃ کا ترجمہ شروع کیا جاتا ہے۔ خداوند عالم اسکو جلد اور باحسن وجوہ تمام کرا دے اور اسے گمراہون کی ہدایت کا ذریعہ قرار دے۔

قول علامہ حلی علیہ الرحمہ پانچوان مسئلہ امامت وخلافت جناب رسالتمآب صلعم کے بیان مین اور اس مین کئی بحثیں ہیں۔

پہلی بحث یہ کہ امام کا بھی معصوم ہونا ضروری اور واجب ہے چنانچہ شیعون کا مذہب یہی ہے کہ انبیاء کی طرح آئمہ کو بھی بچپن سے مرتے وقت تک کل برائیون اور ہر عیب سے معصوم ومحفوظ ہونا واجب ہے اور عمدا یا سہوا اون سے بھی کبھی کوئی گناہ یا کسی قسم کی خطا سرزد نہیں ہوئی اور نہ ہوسکتی تھی کیونکہ وہ حضرات شرع اسلام وایمان کے حافظ ونگہبان اور اسکے قایم کرنے اور باقی رکھنے والے تھے تو اونکو بھی جناب رسالتمآب صلعم کی طرح معصوم ہونا چاہئے اور اسوجہ سے بھی کہ دنیا میں جناب رسالتمآب صلعم کے بعد امام رہنے کی جو غرض ہے وہ بغیر اوسکے معصوم ہوئے حاصل نہیں ہوسکتی کیونکہ اوسکا کام ظالم سے مظلوم کا حق دلانا۔ دلوری کرنی۔ فساد کو رفع کرنا فتنوں کے مادہ کا استیصال کرنا۔ بدمعاشوں کو اونکی شرارتوں سے روکنا۔ عامہ ناس کو اچھے کاموں بجالانے کا حکم دینا لوگوں کو طاعتوں کے کرنے اور محرمات سے علیحدہ رہنے پر آمادہ کرنا۔ حدود وفرائض خدا کو قایم کرنا ظلم وتعدی کرنے والوں سے مواخذہ کرنا اور جو شخص مستحق سزا ہو اوسے سزا دینا ہے۔ پھر اگر اوس سے بھی معصیت کا ہونا جایز ہو اور وہ خود گناہ کرے تو یہ کل فوائد اور ضرورتیں زائل ہوجائیں گی کیونکہ جب وہ خود ہی ظلم وفساد کریگا اور فسق وفجور میں مبتلا رہیگا تو دوسروں کو کیا روک سکتا ہے لہذا کسی دوسرے امام کی ضرورت ہوگی جو اس ظالم اور گنہگار

امام کو سمجھائے اور برائیون سے باز رکھے مگر یہ بھی گناہ کرے گا تو اسے روکنے کے لئے بھی کسی امام کی ضرورت ہوگی! اور اس طرح یہ سلسلہ غیر متناہی چلا جائیگا۔

لیکن حضرت اہلسنت نے اس مسئلہ مین بھی شیعون سے علیحدگی اور عقلی اصول کی مخالفت کی ہے اور فاسقین ظالمون بد معاشون گنہگارون بلکہ چور ڈاکو دن تک کی امامت جائز سمجھتے اور اون کو اپنا دینی سردار تسلیم کرتے ہین جیسا کہ علامہ زمخشری نے جو ان کے افاضل علماء سے ہین کہا ہے کہ "مثل چور خلیفہ دوانیقی کے"[1] جو خلفائے بنی عباس کے مشہور خلیفہ منصور دوانیقی کی طرف اشارہ ہے۔ پس کون عاقل اس امر کو پسند کرے گا کہ اوس شخص کو اپنا دینی پیشوا ملنے اور اپنے مذہب مین اس صفت کے شخص کی اطاعت کرے اور ایسے آدمی کی اطاعت و فرمانبرداری کے ذریعہ سے خدا کی درگاہ مین تقرب چاہے جو عمر بھر فسق و فجور مین بسر کرتا رہا ہو اور انواع و اقسام کے فواحش سے اس کا نامۂ اعمال بھرا ہو اور اون مقدس فرشتہ خصلت حضرات کی اطاعت و انقیاد سے علیحدگی اختیار کرے جو زہد و عبادت اور ورع و تقوی مین اپنی نظیر نہ رکھتے ہون اور کسی وقت یہ اوصاف اون سے جدا نہ پائے جائین حالانکہ خدا نے اس روش کو ناپسند کیا ہے چنانچہ قرآن مجید مین فرماتا ہے امن ھو قانت آناء اللیل ساجدا وقائما یحذر الآخرۃ ویرجو رحمۃ ربہ قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون انما یتذکر اولوا الالباب (رکوع ۱ سورہ زمر) یعنی بھلا جو شخص رات کے اوقات (تنہائی) مین (خدا کی) بندگی مین لگا ہے (کبھی اوس کے جناب مین) سجدہ کرتا اور (کبھی اوس کے حضور مین دست بستہ) کھڑا ہوتا۔ آخرت سے ڈرتا اور اپنے پروردگار کی رحمت کا امیدوار ہے (کہین ایسا شخص بندۂ نافرمان کے برابر ہوسکتا ہے۔ اے پیغمبر ان لوگون سے) کہو کہ کہین جاننے والے اور نہ جاننے والے بھی برابر ہوئے ہین (مگر ان

---

[1] جناب علامہ علیہ الرحمہ نے زمخشری کی اوس کتاب کا حوالہ نہین دیا جسمین اوس نے یہ عبارت لکھی ہے لیکن تفسیر کشاف (مصنفہ علامہ زمخشری) مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۲۲۲ مین یہ عبارت موجود ہے وکان ابو حنیفۃ رحمہ اللہ یفتی سرا بوجوب نصرۃ زید بن علی رضوان اللہ علیہما وحمل المال الیہ والخروج معہ علی اللص المتغلب المسمی بالامام والخلیفۃ کالدوانیقی واشباہہ یعنی امام ابو حنیفہ مخفی طور پر فتوی دیا کرتے تھے کہ حضرت زید بن علی رضوان اللہ علیہما کی مدد کرنی۔ اونکے پاس مال بھیجنا اور اون کے ساتھ ہوکر اون لوگون کے خلاف خروج اور بغاوت کرنا واجب ہے جو چور ڈاکو۔ ناجائز طور پر ملک و ملت پر تسلط کرجانے والے اور اپنے کو (غلط طور پر) امام اور خلیفہ مشہور کرنے والے تھے مثل خلیفہ منصور دوانیقی وغیرہ کے ۱۲ مترجم۔

باتون سے) وہی لوگ نصیحت پکڑتے ہین جو عقل رکھتے ہین انتہی ۔ مگر (حضرات اہلسنت کے بڑے) فرقہ اشاعرہ کے اصول کے مطابق خدا کا یہ کلام صحیح نہین ہوسکتا کیونکہ وہ لوگ خدا کے لئے ہر برائی اور قبیح کام کو تجویز کرتے ہین اور کہتے ہین کہ خدا ہر ظلم اور برا کام کرسکتا ہے تو منجملہ ان برائیون کے کذب (جھوٹ بولنا) بھی ہے پس جائز ہے کہ اس قول مین بھی خدا جھوٹ بولا ہو جس سے اوس کی ذات یقیناً بلند اور برتر ہو۔ رہے اہلسنت کے وہ فرقے جو اشاعرہ کے علاوہ ہین تو وہ کہتے ہین کہ فاضل پر مفضول کو مقدم کرنا جائز ہے (مثلاً عالم کے رہتے ہوئے جاہل امام ہوسکتا ہے) تو خدا کا مذکورہ بالا قول ان لوگون کے اصول کے مطابق بھی صحیح نہین ہوسکتا (کیونکہ خدا تو کہتا ہے کہ فاضل اور مفضول برابر نہین ہوسکتے اور یہ کہتے ہین برابر ہونا کیسا مفضول تو فاضل پر مقدم تک ہوسکتا ہے لہذا ثابت ہوگیا کہ اہلسنت کے دونون (اشاعرہ اور معتزلہ) فرقے مسئلہ امامت مین خدا کے مذکورہ بالا قول کے مخالف ہین۔

قول البطال جاننا چاہئے کہ اشاعرہ کے اعتقاد مین مسئلہ امامت اصول دین وعقاید سے نہین ہے بلکہ اون فروع سے ہے جن کا تعلق مکلفین کے افعال واعمال سے رہتا ہے کیونکہ اشاعرہ کا مذہب یہ ہے کہ دین اسلام کے قائم رکھنے اور اس ملت کی حفاظت اور نگرانی کرنے مین جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ کی قائم مقامی کرنے کا نام "امامت" ہے اس حیثیت سے کہ تمام اہل اسلام پر اوس (امام) کی پیروی واجب ہو۔ تو جو شخص امامت کی اہلیت رکھتا اور امام کہے جانے کا مستحق ہوسکتا ہے اس کے شرائط یہ ہین کہ وہ (۱) اصول وفروع دین مین مجتہد ہوتا کہ امر دین کو اچھی طرح قائم رکھ سکے (۲) فن حرب کی تدبیر اور لشکر کے انتظام وترتیب مین تجربہ کار اور صاحب رائے وبصارت ہو (۳) بہادر ہو (۴) مضبوط دل کا ہوتا کہ دین وملت اسلام پر اغیار ومخالفین جو حملہ کرین اونکی پوری طرح مدافعت کرسکے (۵) عادل ہوتا کہ ظلم نہ کرے کیونکہ جو شخص فاسق ہوتا ہے وہ اکثر مسلمانون کے مالون کو اپنی ذاتی غرضون مین صرف کرڈالتا ہے۔ اور ہمارے مذہب مین عادل اوس شخص کو کہتے ہین جو گناہان کبیرہ کبھی نہ کرتا ہو اور جو گناہان صغیرہ اوس سے

ـلہ یہ ترجمہ حضرات اہلسنت کے مشہور عالم شمس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی کے ترجمہ قرآن سے لیا گیا ہے ۱۲

ہوجاتے ہین اون پر اصرار نہ کرتا ہو (۶) عاقل ہوتا کہ شرعی امور اور اسلامی ضروریات وخدمات کو سمجھ کر انجام دے سکے (۷) بالغ ہو کیونکہ بچہ کی عقل کم ہوتی ہے (۸) مرد ہو کیونکہ عورتین ناقص العقل اور ناقص الدین ہوتی ہین (۹) آزاد ہو کہ کسی کی غلامی نہ کرے اور (۱۰) قریشی ہو۔ پس جس شخص مین بھی یہ صفات پائی جائینگی وہ آنحضرت صلعم کی خلافت (وامامت) اسلام کی ریاست اور مسلمانون کی سرداری کا اہل ہوجائے گا۔

رہی صفت عصمت تو صرف فرقہ شیعہ یعنی امامیہ واسماعیلیہ ہی نے اسکو امام کیلئے شرط قرار دیا ہے۔ جس پر اس شخص (علامہ حلی) نے یہ دلیل قائم کی ہے کہ امام کی حاجت اون اغراض اور ضرورتون کیلئے ہوتی ہے جنکو اس شخص نے اپنے بیان مین ذکر کیا ہے۔ پھر اگر امام کا گناہ کرنا جائز ہو اور دوسرون کی طرح وہ بھی گناہ کرے تو وہ فوائد حاصل نہین ہوسکینگے جن کے لئے وہ امام مقرر کیا گیا ہے۔ اس کے جواب مین ہم کہتے ہین کہ لفظ "عصمت" سے آپ کی کیا مراد ہے۔ اگر یہ مقصود ہے کہ امام اپنی ہر حالت مین اور ہمیشہ ہر بڑے اور چھوٹے گناہ سے بچتا رہے تو اس کا ضروری ہونا ہم تسلیم نہین کرتے کیونکہ اگر امام گناہان کبیرہ سے بچتا رہے تو اوس سے صرف بعض گناہان صغیرہ کے صادر ہونے پر یہ لازم نہین آتا کہ پھر وہ امامت کی قابلیت ہی سے محروم ہوجائے اور ظالم سے مظلوم کا عوض نہ لے سکے۔ یا اور وہ کام نہ کرسکے جنکو (علامہ حلی نے) ذکر کیا ہے۔ اور اگر عصمت سے آپ کی مراد امام مین ایسے ملکہ کا موجود ہونا ہے جو اوس کو گناہ سے بچاتا اور فسق وفجور سے روکتا رہے تو اوس عصمت کے ہم بھی قائل ہین اور اسے امام کیلئے اور اوس کی شرط قرار دیتے ہین کیونکہ ہم بیان کرچکے کہ امام کے شرائط سے اوس کا عادل ہونا بھی ہے اور عادل اوسی شخص کو کہتے ہین جس مین عصمت کا ایسا ملکہ موجود ہو جو اوس شخص کو فسق وفجور سے روکتا رہے۔ رہا اس عادل سے کبھی کبھی بعض گناہان صغیرہ کا صادر ہوتے رہنا تو اس سے اس کا ملکہ عصمت زائل نہین ہوسکتا (یعنی کوئی شخص گناہان صغیرہ کرتا رہے جب بھی اوس مین ملکہ عصمت موجود رہیگا) کیونکہ ملکہ اوس کیفیت کو کہتے ہین جو نفس مین اسطرح راسخ ہوجائے کہ جب اوس سے کسی فعل کا ارادہ کیا جائے تو وہ فعل بغیر

کسی عفت اور فکر و زحمت کے ہو جائے۔ اور اس ملکہ کے خلاف کبھی کسی کام کا ظاہر ہونا اوس ملکہ کی قوت زائل ہونے کا ثبوت نہیں ہوتا کیونکہ بعض خارجی اسباب پیدا ہو جاتے ہیں جن سے کوئی شخص بچ نہیں سکتا اور اوس سے خلاف ملکہ بات واقع ہو جاتی ہے مثلاً جس شخص میں عفت اور شجاعت کا خلقی ملکہ ہوتا ہے اوس سے بھی کبھی اتفاقاً خلاف عفت اور منافی شجاعت فعل ہو جاتا ہے۔ تو اس سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس شخص کا ملکہ عفت و شجاعت ہی زائل ہو گیا۔ غرض عصمت بمعنے ملکہ ہر اوس شخص میں پایا جاتا ہے جو گناہان کبیرہ سے بچتا رہے اگرچہ اوس سے کبھی کبھی گناہان صغیرہ ہو جایا کریں۔ اسطرح علامہ حلی کا وہ اعتراض رفع ہو گیا اور سلسلہ غیر متناہی کا عذر بھی جاتا رہا۔

اور یہ جو فرمایا ہے کہ "حضرات اہلسنت نے اس مسئلہ میں بھی شیعوں سے علیحدگی اور عقلی اصول کی مخالفت کی ہے اور فاسقوں، ظالموں، چور ڈاکوؤں تک کی امامت جائز سمجھتے ہیں" تو جان لو کہ یہ اون کا اتہام ہی اتہام ہے کیونکہ اہلسنت کی کل کتابیں اس عقیدہ سے بھری ہوئی پڑی ہیں کہ امام کا عادل ہونا واجب اور ضروری ہے لہذا فاسق شخص اون کے یہاں امام کیونکر ہو سکتا ہے اسلئے کہ فاسق تو عادل کا ضد ہوتا ہے۔ غرض ثابت ہو گیا کہ علامہ حلی اس دعوے میں مفتری اور کذاب ہیں اور میں نے اون کی شان میں کیا اچھا شعر کہا ہے کہ ؎ اذا ما رام طیبا فی الکلام + بقاذورۃ الکذب قولہ یلطخ + یخلط بالطہر انجاسہ + فابن المطہر ما انجسہ" یعنی جب یہ شخص کسی کلام میں خوشبو پاتا ہے تو اوس کو اپنے کذب کی گندگی سے بدبودار کر دیتا ہے۔ طہر کو اپنی نجاستوں سے مخلوط کرتا رہتا ہے پس ابن مطہر (علامہ حلی) بھی کیا ہی نجس شخص ہے۔ اور اون کے باقی اعتراضات کے جوابات آپ حضرات کو کئی بار معلوم ہو چکے۔

قول احقاق فاضل ابن روزبہان کے اس جواب میں کئی اعتراضات ہیں ایک یہ کہ جو کہا ہے کہ "اشاعرہ کے یہاں مسئلہ امامت اصول دین سے نہیں ہے الخ" تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ ان لوگوں میں دیانت ہی نہیں ہے اور اون کو حقائق اصول دین پر اطلاع تک نہیں حاصل ہے اسلئے کہ ان حضرات کا مسئلہ امامت کے منجملہ اصول دین ہونے سے انکار کرنا ایسا مکابرہ (اور ہٹ دھرمی) ہے جو حضرت علامہ علیہ الرحمہ کے اس بیان سے مردود ہو جاتا ہے کہ "وہ حضرات (یعنی ائمہ دین اور

خلفائے رسول (شرع اسلام وایمان کے حافظ ونگہبان اور اس کے قائم رکھنے والے تھے اون کو بھی جناب رسالتمآب صلعم کی طرح معصوم ہونا چاہیے۔ اور چونکہ جناب ممدوح کی یہ دلیل نہایت قوی اور لاجواب تھی لہذا فاضل مخاطب اس کے جواب سے چشم پوشی کر گئے اور اسکو ذکر تک نہین کیا بلکہ اس کے بعد کا قول لیکر جواب دینے کی کوشش کی ہے فاضل موصوف کی یہ چالاکی قابل دید ہے۔ کس قدر حیرت ہوتی ہے کہ ان حضرات نے مسئلہ امامت کو اصول دین سے ہٹا کر فروع دین سے ثابت کرنے مین کیا کیا کوششین کی ہین اور کس درجہ مبالغہ سے کام لیا ہے یہان تک وہ کہہ گئے کہ اس مسئلہ مین بحث کرنا یا اس کی تحقیق کرنی یا اس مین راہ حق ڈھونڈھنا ضروری اور واجب نہین ہے بلکہ باپ دادا کی تقلید کر لینا کافی ہے اسی وجہ سے اسکا مخالف ان کے یہان کافر نہین سمجھا جاتا بلکہ ان کے ظاہر اقوال سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ امامت کا مخالف فاسق تک نہین سمجھا جاتا ہے۔ اور یہ سب صرف اسوجہ سے کہ امامت کو بجائے نص خدا اور تعیین رسول کے مسلمانون کے انتخاب اور اختیار سے ثابت کرنے کی جو راہ ان حضرات نے ایجاد کی ہے اس کی خرابیون سے عامہ مسلمین غفلت ہی مین پڑے رہین اور ان لوگون کے خلفاء نے حضرات آئمہ طاہرین علیہم السلام کے جو حقوق غصب کر لئے اور جو موضوع حدیثین بنا کر جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کر دی ہین اونکا فاسد اور باطل ہونا واضح نہ ہونے پائے۔ باوجود اس کے ان حضرات نے اپنے ہی ایجاد کردہ اصول کی مخالفت بھی کی اور تناقض کا منظر پیش کر دیا کیونکہ اونھون نے دوسرے مواقع پر تصریح کر دی ہے کہ جناب رسالتمآب صلعم کے حقوق اور فرائض وخصوصیات مثلاً دین وملت اسلام کی حمایت۔ شرع کی حفاظت کرنی۔ کافرون اور باغیون سے جہاد کرنیکے لئے لوار اور علم کا نصب کرنا۔ ظالم سے مظلوم کا عوض لینا۔ امور حقہ کو جاری کرنا اور امور باطلہ کو رفع کرنا وغیرہ امور جو منصب نبوت کے لوازم سے ہین وہ سب امامت کے لئے بھی ثابت اور ضروری ہین کیونکہ امامت اوسی نبوت کی جانشینی اور قائم مقامی تو ہے لہذا جو صفت اوس مین ضروری اور واجب ہے وہ صفت امامت مین بھی ضروری بعینہٖ واجب ہے جیسا کہ خداوند عالم نے قرآن مجید مین ارشاد فرمایا ہے یاایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم (رکوع ۵ سورہ نساء) یعنی اے ایمان والو تم اطاعت

کرو خدا کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اولوا الامر کی اپنے مین سے۔ اور سنی و شیعہ دونون کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اس آیت مین اولی الامر سے مراد امام ہی ہے لہذا اوسکی معرفت حاصل کرنا بھی فی نفسہ اور اصالۃً واجب ہے نہ فرعی حیثیت سے اور نہ مین باب المقدمہ۔ اور حضرات اہلسنت نے اپنی کتابون مین اس مضمون کی حدیثین بھی روایت کی ہین چنانچہ ان کے امام حمیدی نے کتاب[1] الجمع بین الصحیحین مین روایت کی ہے کہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاھلیۃ۔ یعنی حضرت رسولخدا صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص اس حالت مین مرجائے کہ اس نے اپنے زمانہ کے امام کی معرفت نہ حاصل کی ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔ پھر یہ حدیث بھی نص صریح ہے اس امر پر کہ امامت اصول دین سے ہے اسلئے کہ یہ امر واضح ہی ہے کہ جو امور فروع دین سے ہین اون سے کسی واجب امر کو کوئی شخص نہ پہچانے تو اسکی وجہ سے اوس کی موت جاہلیت کی موت نہین کہی جائے گی کیونکہ اس کے نہ جاننے سے اوس کے اسلام مین کوئی خرابی نہین پیدا ہوتی ہے (مثلاً حج کرنا فروع دین سے ہے اور استطاعت ہونے پر واجب ہے لیکن کوئی مسلمان اگر حج کو نہ پہچانے اور مرجائے تو اس کی وجہ سے اوس کی موت جاہلیت کی موت نہین کہی جاسکتی ہے جس سے واضح ہوا کہ جس چیز کے نہ پہچاننے سے جاہلیۃ کی موت ہوتی ہے وہ فروع دین سے نہین ہوسکتی بلکہ حتماً و جزماً اصول دین ہی سے ہے) اور حدیث مذکور مین جو لفظ امام زمانہ واقع ہے اس سے قرآن مجید مراد نہین ہوسکتا جیسا کہ بعض ناواقفون کو شبہہ ہوگیا ہے اسلئے کہ اگر ایسا ہو تو اس کا سیکھنا ہر شخص پر واجب ہوگا حالانکہ اس کا کوئی قائل نہین دوسرے یہ کہ حضرت نے فرمایا ہے "امام زمانہ" یعنی زمانہ کو اوس شخص کی طرف مضاف اور ضمیر کو مضاف الیہ قرار دیا ہے جس کا معنے یہ ہے کہ جو شخص اپنے زمانہ کے امام کو نہ پہچانے یعنی ہر شخص کو اپنے وقت کے امام کو پہچاننا ضروری ہے جو اس امر کی دلیل ہے کہ ہر زمانہ مین ایک مخصوص امام ہوگا جس کی معرفت حاصل کرنی اوس زمانہ کے لوگون پر واجب ہے۔ پس اگر امام سے مراد قرآن لین تو یہ خصوصیت لغو ہو جائیگی اور اس اضافت کا کوئی مطلب نہین ہوگا کیونکہ قرآن ہر زمانہ کیلئے

[1] کنز العمال مطبوعہ حیدرآباد جلد اول صفحہ ۲۶۔

الگ الگ نہیں ہے بلکہ ایک ہی ہے۔ پس امام زمانہ سے پورے قرآن یا اوسکے بعض حصہ مثلاً سورہ فاتحہ کو مراد لینے سے اس تخصیص کا کوئی فائدہ نہیں رہیگا خصوصاً مذہب حنفی کی بنا پر جو قرآن پڑھنے یا سیکھنے کو واجب نہیں کہتا بلکہ اوس کے اصول کے مطابق کسی شخص پر سورہ فاتحہ یا اور کوئی سورہ تک پڑھنا یا جاننا واجب نہیں ہے کیونکہ اون کا فتویٰ یہ ہے کہ نماز مین بزبان فارسی یا اردو "دو برگ سبز" یا "دو سبز پتہ" کہدینا کافی ہے اور اون کی نماز ہو جائے گی جیسا کہ جمہور مین مشہور ہے [1] لہذا حدیث شا

---

[1] چنانچہ زمانہ حال کے مشہور عالم اہلسنت شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی نے امام ابو حنیفہ صاحب کی جو زبردست سوانح عمری مسمےٰ بسیرۃ النعمان لکھی ہے اوس کے صفحہ ۲۲۴ (مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ) مین وہ لکھتے ہین: "امام ابو حنیفہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ۔ اللہ اکبر کے سوا اور الفاظ سے بھی ادا ہو سکتی ہے جو اوس کے ہم معنے ہین (مثلاً اللہ اعظم، اللہ اجل) امام شافعی کے نزدیک نہین ہو سکتی۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک تکبیر اگر فارسی زبان مین کہی جائے تب بھی جائز ہے۔ امام شافعی کے نزدیک اوس سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک قرآن مجید کی کسی آیت کے پڑھنے سے قرارت کا فرض ادا ہو جاتا ہے امام شافعی کے نزدیک بغیر سورہ فاتحہ کے نماز ہو ہی نہین سکتی۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک جو شخص عربی مین قرآن پڑھنے سے معذور ہے وہ مجبوراً ترجمہ پڑھ سکتا ہے۔ امام محمد نے جامع صغیر مین جو روایت کی ہے اوس مین مجبوری کی قید نہین ہے اور اسی بنا پر مخالفین نے امام صاحب پر سخت اعتراض کیا ہے کہ وہ قرآن کی حقیقت و مفہوم مین الفاظ کو داخل نہین سمجھتے یعنی اون کے نزدیک صرف قرآن کے معانی پر قرآن کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ بے شبہہ امام صاحب کی اس غلطی کو ہم تسلیم کرتے ہین" لیکن مولوی شبلی صاحب نے جو مجبوری کی قید بڑہائی ہے یہ حنفی حضرات کی مسلم الثبوت کتابون کے بیان کے خلاف ہے چنانچہ کتاب ہدایہ جلد اول کے صفحہ ۹۳ مین لکھا ہوا ہے فان افتتح الصلوۃ بالفارسیۃ او قرء فیہا بالفارسیۃ او ذبح وسمے بالفارسیۃ وھو یحسن العربیۃ اجزاہ یعنی اگر نماز کو فارسی زبان مین شروع کرے۔ اور تکبیرۃ الاحرام کو فارسی مین کہے یا فارسی زبان مین نماز پڑھے یا کسی جانور کو ذبح کرے اور فارسی مین خدا کا نام لے اگرچہ عربی اچھی طرح جانتا اور پڑھتا ہو جب بھی اوس کی نماز و غیرہ فارسی زبان ہی مین صحیح ہو جائے گی۔ اور در مختار صفحہ ۶۴ مین ہے صح لو شرع بغیر عربیۃ ای لسان کان وخصہ البردعی بالفارسیۃ۔ یعنی نماز صحیح ہے اگر شروع کرے اوس کو غیر عربی زبان سے یعنی جس زبان مین چاہے نماز شروع کرے اور تخصیص کی ہے اوس کی بردعی نے فارسی زبان کے ساتھ۔ اس سے معلوم ہوا کہ فقط بردعی نے فارسی کی تخصیص کی ہے ورنہ ترکی۔ پشتو۔ انگریزی۔ اور ہندی وغیرہ سب زبانون مین حنفی مذہب مین نماز پڑھنا صحیح ہے۔ اور فتاوے عالمگیری جلد اول صفحہ ۹ مین ہے۔ ولو کبر بالفارسیۃ جاز وکذا لو اذن بالفارسیۃ سواء کان یحسن العربیۃ اولا الا انہ اذا کان یحسنہا یکرہ وعلی قول ابی یوسف ومحمد رحمہما اللہ لا یجوز اذا کان یحسن العربیۃ کذا فی المحیط وعلی ھذا الخلاف جمیع اذکار الصلوۃ من التشہد والقنوت والدعاء

مذکور (من مات ولم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ جاھلیۃ) مین امام زمانہ کی تاویل قرآن مجید سے کرنی کسی طرح بھی اوس کی غرض اور مقصود کے مطابق نہین ہو گی علاوہ برین علامہ قاضی بیضاوی نے اپنی کتاب منہاج الوصول کے مبحث اخبار مین اور اس کتاب کی شرح کرنے والون نے بھی اپنی شرحون مین تصریح کردی ہو کہ ان مسئلۃ الامامۃ من اعظم مسائل اصول الدین الذی مخالفتھا توجب الکفر والبدعۃ یعنی مسئلہ امامت اصول دین کے اعظم مسائل سے ہے جس کی مخالفت کفر اور بدعت کا سبب ہوتی ہے۔ اور فرقہ حنفیہ کے عالم استروشی نے اپنی مشہور کتاب فصول استروشی مین اوس شخص کو کافر لکھا ہے جو حضرت ابوبکر کی امامت کو تسلیم نہین کرتا بلکہ یہ حضرات اہلسنت اپنے افعال سے بھی اپنے سابق قول اور ظاہری عقیدہ کی مخالفت کرتے (اور ثابت کرتے ہین اکہ مسئلہ امامت اون کے یہان بھی اصول دین مین داخل ہے) اسلئے کہ جو شخص حضرت ابوبکر کو خلیفہ برحق نہین تسلیم کرتا یا کہتا ہے کہ اوس گمان کی وجہ سے جو مجھے حاصل ہو گیا ہے یا بعض مجتہدین کی تقلید کیوجہ سے مین حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کو جناب رسالتمآب صلعم کا خلیفہ بلافصل مانتا ہون اوس شخص کے قتل اور ایذا رسانی کے درپئے رہتے ہین۔

تسبیحات الرکوع والسجود وکذا کل ما لیس بعربیۃ کالترکیۃ والزنجیۃ والحبشیۃ والنبطیۃ ھکذا فی فتاوی قاضی خان یعنی اگر نماز کی تکبیر فارسی زبان مین کہے تو جائز ہے یہی قول بہت سے متون مین ہے خواہ نماز پڑھنے والا عربی جانتا ہو یا نہ جانتا ہو لیکن اگر وہ عربی جانتا ہو گا تو اوسکے لئے فارسی مین نماز پڑھنا مکروہ ہو گا۔ اور اسی اختلاف پر نماز کے کل اذکار ہین مثلاً تشہد۔ قنوت۔ دعا۔ تسبیحات رکوع وسجود۔ اور اسی طرح ہر زبان مین نماز اور کل اذکار کا پڑھنا جائز ہے جو عربی نہ ہو مثل ترکی۔ زنجی۔ حبشی۔ نبطی وغیرہ کے۔ اسیطرح فتاوے قاضی خان مین ہے بل دو برگ سبز کہدینا تو منیۃ المصلی صفحہ ۸۴ مین ہے۔ واما تقدیرھا فی الفرض قرأۃ آیۃ واحدۃ وان قصیرۃ نحو قولہ تعالی ثم عند ابی حنیفہ۔ یعنی امام ابوحنیفہ کے نزدیک نماز مین سورہ یا قرآن پڑھنے کی واجبی مقدار صرف ایک آیت ہے اگرچہ چھوٹی سی ہو مثل قول اللہ تعالیٰ ثم کے اسنتہے۔ علامہ فخر الدین رازی نے امام ابوحنیفہ صاحب کے ان اور ایسے ہی دیگر مسائل سے بہت مضحک نکتے پیدا کئے ہین جو اون کی تفسیر کبیر مین مذکور ہین طوالت کے خوف سے یہان نقل نہین کئے گئے ۱۲ مترجم۔

مختصر یہ کہ یہ مسئلہ امامت اگر واقعاً فروع دین سے ہوتا تو امین مجتہد کا گمان یا دوسرون کی تقلید کافی ہوتی اور اوس مجتہد کے گمان یا دوسرونکے قول کو غلط تک کہنے کی کوئی وجہ نہین ہوتی چہ جائیکہ ایسا اعتقاد رکھنے والون کو قتل کرنے کی کوشش کیجائے حالانکہ ان حضرات کا فتوے بلکہ ان کے افعال اس کے خلاف ہین (یعنی جو شخص مجتہد کے ظن یا کسی کی تقلید کیوجہ سے حضرت ابوبکر کی خلافت کو نہین مانتا اوسکو یہ لوگ کافر سمجھتے اور قتل کرنا چاہتے ہین جو ثابت کرتا ہے کہ یہ حضرات اس مسئلہ کو واقعاً اصول دین ہی مین شمار کرتے ہین ؎)

اور کتاب مواقف نیز اوسکی شرح[1] مین مسئلہ امامت کے فروع دین سے ہونے کی یہ دلیل بیان کی ہے "اما وجوبہ علینا سمعا فلوجہین الاول انہ تواتر اجماع المسلمین فی الصدر الاول بعد وفاۃ النبی علیہ السلام علی امتناع خلو الوقت عن خلیفۃ و امام حتی قال ابوبکر ان محمد اقد مات ولابد لھذا الدین ممن یقوم بہ فبادر الکل الی قولہ وترکوا الاشیاء المہمۃ منہا دفن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والصلوۃ علیہ والتعزیۃ لاھل البیت وتسلیتھم ولم یزل الناس بعد الخلفاء علی ذالک فی کل عصر الی زماننا ھذا من نصب امام متبع ۔ الثانی انہ فیہ دفع ضرر مظنون وانہ واجب اجماعا وبیانہ انا علمنا علما یقارب الضرورۃ ان مقصود الشارع فیما شرع انما ھو مصالح عایدۃ الی الخلق معاشا ومعادا" یعنی امام کا معین کرنا امت پر واجب ہے جسکی دو نقلی دلیلین ہین ۔ ایک یہ کہ عہد جناب رسالتمآب صلعم کے بعد مسلمانون نے اس امر پر اجماع کیا کہ کوئی زمانہ اور کوئی وقت خلیفہ اور امام سے خالی نہ ہونا چاہئے اور نہ ہو سکتا ہے ۔ اور اونکے اس اجماع کی خبرین متواتر طور پر پہونچتی رہی ہے یہانتک کہ حضرت ابوبکر نے آنحضرت صلعم کے انتقال ہی پر کہہ دیا کہ محمدؐ تو مرگئے اور اس دین کیلئے کسی ایسے شخص کا ہونا ضروری ہے جو اس کو چلا سکے اور اس کو باقی رکھے ۔ پس تمام مسلمان آپ کے حکم پر جھک پڑے اور اوس کے عوض مہتم بالشان کامون کو ترک کر دیا جن سے جناب رسالتمآب صلعم پر نماز

[1] دیکھو شرح مواقف مرصد رابع کا مقصد اول ۱۲ مترجم

جنازہ پڑھنی۔ آپ کو دفن کرنا۔ آپ کے اہل بیت کی تعزیت کرنی اور اون کو تسلی دینا بھی تھا کہ یہ کل امور ترک کر دیئے گئے اور خلیفہ انتخاب کرنے مین صحابہ مشغول ہو گئے) اور خلفائے اربعہ کے بعد اسوقت تک تمام مسلمان برابر ایسا ہی کرتے آئے ہین کہ اپنے زمانہ مین کسی امام کو مقرر کر لیتے ہین جسکی عام طور پر پیروی کیجاتی ہے۔ دوسری دلیل یہ کہ امام مقرر کر لینے سے وہ ضرر زائل ہو جاتا ہے جس کا گمان رہتا ہے اور ضرر کا دفع کرنا اجماعاً واجب ہے جسکی توضیح یہ ہے کہ ہم کو تقریباً بدیہی حیثیت سے معلوم ہے کہ شارع کا مقصود اون شرعی امور مین جنکو اوس نے مقرر کیا ہے وہ مصالح ہین جنکا نفع درحقیقت خلق ہی کو اون کی زندگی اور آخرت مین حاصل ہوتا ہے یا ہوگا۔ اور یہ مقصود اوسوقت تک نہ حاصل ہوگا جب تک ہم کوئی امام نہ معین کرین جو اون امور کی نگرانی کرے اور اختلاف کے وقت امت محمدیہ صلعم اوس کی طرف رجوع کرے'' انتہٰے۔

مین کہتا ہون کہ صاحب مواقف کی اس عبارت مین کئی خرابیان اور متعدد غلطیان ہین کیونکہ اونھون نے مسئلہ امامت کے فروع دین سے ہونے پر یہ دلیل جو ذکر کی ہے کہ امام کا معین کرنا خود امت پر واجب ہے تو یہ مصادرہ علی المطلوب (یعنی دعوے ہی کو اوس کی دلیل مین بیان کر دینا) ہے حالانکہ دلیل کو دعوے کے علاوہ ہونا چاہیئے) اس لئے کہ امت پر امام کا معین کرنا اوسوقت واجب ہوگا جب یہ ثابت ہو جائے کہ مسئلہ فروع دین سے ہے حالانکہ کسی دینی مسئلہ کا نقلی حیثیت سے واجب ہونا تین ہی چیزون سے ثابت ہو سکتا ہے۔ اول قرآن مجید۔ دوسری احادیث جناب رسالتماب صلعم۔ تیسری اجماع۔ اور خود علمائے اہلسنت کے اقرار کے مطابق یہان تینون امور غائب ہین جیسا کہ عنقریب ظاہر ہوگا۔ اور اون کے اس قول کا کہ ''خود امت پر واجب ہے کہ اپنا امام معین کرے'' نتیجہ یہ ہوگا کہ جب امت مین اتفاق نہ ہو تو امامت بھی منعقد ہو سکے اور نہ کوئی شخص امام قرار پا سکے بلکہ اس حالت مین واجب ہے کہ بار بار غور و فکر کیجائے اور امام کا انتخاب ہو مگر اس کا کوئی نتیجہ نہین نکل سکتا کیونکہ اون کے اختلاف رائے کیوجہ سے کسی شخص پر اتفاق ہی نہین ہوگا پس اس کو امت کی رائے پر چھوڑنا ہی باطل ہوگا۔ غرض امامت کو امت

کی رائے اور مسلمانون کے انتخاب پر چھوڑنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا مین کوئی امام معین ہی نہ ہوسکے اور تمام مسلمان بغیر امام ہی کے رہین یا لازم آئیگا کہ ہر جماعت اور ہر شخص کا ایک امام علیحدہ ہوا ور ہر فریق اپنے امام کے قول پر عمل کرے - اور ظاہر ہے کہ ایک وقت مین متعدد امامون کے ہونے سے شیرازہ اسلام کس درجہ پراگندہ ہوجائیگا - اور صاحب مواقف نے یہ جو کہا ہے کہ "مسلمانون نے اس پر اجماع کیا ہے کہ کوئی زمانہ اور کوئی وقت خلیفہ اور امام سے خالی نہ ہونا چاہیئے" تو زمانہ کا امام سے خالی نہ ہونا عام ہے کہ وہ امام خواہ خدا و رسول کا مقرر کیا ہو خواہ امت کا منتخب کیا ہوا - اور عام کو خاص پر کوئی دلالت نہین ہوتی لہذا اس بیان سے یہ نہین ثابت ہوسکتا کہ امت ہی پر امام کا معین کرنا واجب ہے (یعنی یہ کس دلیل سے ثابت ہوا کہ امت ہی کے مقرر کردہ امام سے زمانہ کو خالی نہ ہونا چاہیئے - ہم بھی کہتے ہین کہ بیشک امام سے زمانہ کو خالی نہ ہونا چاہیئے لیکن وہ امام خدا و رسول کا مقرر کیا ہوا ہوگا - اہل سنت جو کہتے ہین کہ امت ہی کا منتخب شدہ ہو تو اس کی کیا دلیل ہے) علاوہ برین آپ جس اجماع کا دعوے کرتے ہین وہ آپ کے مذہب کیلئے بجائے مفید ہونیکے مضر ہے کیونکہ تاریخ اس کو بتاتی ہے کہ اہلسنت کا بہت سا زمانہ ایسے امام سے خالی گزرا ہے جس مین وہ شرائط پائے جائین جو آپ کے اصول کے مطابق امام مین ہونے چاہئین (پس جب یہ شرائط ہی ان امامون مین نہ پائے گئے تو وہ امام بھی ناجائز امام ہوئے اور اس طرح وہ زمانہ جائز امام سے خالی رہا) چنانچہ ایک صفت امام کا قریشی ہونا ہے جس پر سب کا اتفاق ہے لیکن کس قدر خلفا اس شرط سے خالی گزرے ہین (مثلاً خلفائے بنی عباس کے بعد جس قدر خلفاء ہوئے وہ سب اس صفت سے خالی تھے کیونکہ وہ قریشی نہین تھے[1]) دوسری شرط (بنا بر اختلاف کے) امام کا عادل ہو

[1] خصوصاً ٹرکی کے سلاطین جو خلیفۃ المسلمین مانے گئے ہین وہ سب اس صفت سے خالی تھے اور یہی وجہ ہے کہ وہان جو عربی کتاب چھپتی ہے اسمین سے خلیفہ رسول کے قریشی ہونے کی حدیث اور بحث نکال دیجاتی ہے چنانچہ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی اپنے سفرنامہ روم و مصر و شام مطبوعہ آگرہ صفحہ ۹۶ مین سلطنت ٹرکی کا حال لکھتے ہوئے تحریر کرتے ہین کتابون کے چھپنے کے متعلق یہان جو روک ٹوک ہے وہ کسیقدر قابل اعتراض ہے - یہان عام قاعدہ ہے کہ جب کوئی شخص کوئی کتاب قدیم یا جدید چھاپنا چاہتا ہے تو پہلے وہ کتاب معارف کے سررشتہ مین پیش کیجاتی ہے - وہان محاسبہ اور تفتیش کا ایک جداگانہ صیغہ ہے - اس صیغہ کے عہدہ دار کتاب کو اول سے آخر تک پڑھجاتے ہین اور انکی رپورٹ کے موافق

نہین رہ سکتا۔ اور ہم نے جو تفصیل اوپر کی ہے اوس سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہونچگئی کہ امامت درحقیقت نبوت کی قائم مقامی اور اوسی کی جانشینی کا نام ہے جیسا کہ علامہ علیہ الرحمہ نے بھی اس کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ اور جب ایسا ہے تو حکمت الٰہی مین نبوت کے واجب ہونے کیلئے جو ضرورت ثابت ہوئی ہے حکمت الٰہی مین بعینہ وہی ضرورت امامت کے واجب ہونے کیلئے بھی ثابت ہے اسلئے کہ امامت اوسی نبوت کی جانشینی اور نیابت تو ہے اور دونون مین اسکے سوا کوئی فرق ہی نہین کہ نبی کو وحی الٰہی بلا واسطہ پہونچتی ہے اور امام کو نبی کے واسطہ سے۔ اور یہی کلام ہے اون شرائط مین بھی جو ہمارے یہان معتبر اور ضروری ہین۔ اور فاضل ابن روزبہان نے جناب علامہ علیہ الرحمہ کے جواب مین یہ جو کہا ہے کہ "امام کی شرط یہ ہے کہ وہ اصول و فروع دین مین مجتہد ہو" تو غلط ہے کیونکہ امام کا رتبہ اس سے اعلیٰ و ارفع ہے جس طرح نبی کا درجہ بھی اس سے بلند تر ہے۔ چنانچہ اصول فقہ کے مباحث مین اس کی تفصیل انشاء اللہ آئے گی۔ یہان مجملاً یہی سمجھ لینا چاہیئے کہ اجتہاد کبھی صحیح ہوتا ہے کبھی غلط۔ اور نبی سے غلطی واقع ہونا ہمارے مذہب کی رو سے محال ہے کیونکہ اوس کے لئے عصمت ضروری ہے۔ لہذا امام سے بھی غلطی نہین ہو سکتی اس لئے کہ وہ نبی کا قائم مقام۔ اونکا نائب اور نبی ہی کیطرح وہ بھی معصوم ہوتا ہے لہذا نہ نبی کو مجتہد کہنا چاہیئے نہ امام کو جیسا کہ سابقاً تفصیل سے بیان ہو چکا۔ دوسرے یہ کہ امام پر اگرچہ بلا واسطہ وحی نازل نہین ہوتی لیکن اوس کو الہام ہوتا ہے اور وہ لوح محفوظ کا مطالعہ کرتا ہے جس پر حضرات اہلسنت کے علامہ ابن حجر عسقلانی کا وہ قول دلالت کرتا ہے جو اونھون نے صحیح بخاری کی اوس روایت کی شرح مین لکھا ہے جس مین آنحضرت صلعم نے امام حسنؑ پر جب آپ شیرخوار تھے اور صدقہ کی کھجور منھ مین رکھ لی تھی اعتراض کیا تھا اور آپ سے فرمایا تھا کخ کخ اما تعلم ان الصدقۃ حرام علینا۔ یعنی تھوکو! تھوکو! کیا تمہین نہین معلوم کہ ہم لوگون پر صدقہ حرام ہے۔ اور جس شخص نے یہ خیال کرے کہ امام حسنؑ اوسوقت دودھ پیتے تھے اور آپ پر ابھی کسی شرعی امر کی تکلیف نہین تھی آنحضرت صلعم کے امام حسنؑ پر اعتراض کرنے کو امر عجیب سمجھا کہ آنحضرت صلعم نے امام حسنؑ پر کیون اعتراض کیا (کیونکہ وہ تو کوئی بات سمجھ سکتے ہی نہین تھے) تو اس شخص

کا (حسن نے اسکو امر عجیب سمجھا تھا) جواب علامہ ابن حجر نے یہ دیا ہے بعدم استواء حال الحسن وحال غیرہ لان الحسن فی تلک الحال کان یطالع اللوح المحفوظ کہ امام حسن علیہ السلام کی حالت کو دوسرے بچون پر قیاس نہین کرنا چاہیئے اس لئے کہ امام حسنؑ اس حالت شیرخوارگی مین بھی لوح محفوظ کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔ علاوہ برین اگر امام کو بھی مجتہد مانین تو بعض اوقات وہ لاجواب بھی کر دیا جا سکتا ہے کیونکہ کسی شخص کو وہ کوئی حکم دے تو وہ شخص اس امام سے کہہ سکتا ہے کہ "مجھ پر آپ کا حکم ماننا اوسوقت تک ضروری اور واجب نہین ہے جبتک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ آپ جو کہہ رہے ہین وہ صحیح ہے اور اس اجتہاد مین آپ نے غلطی نہین کی ہے اور آپ کی شہوانی قوت کے غلبہ سے یہ حکم نہین صادر ہوا ہے۔ اور اس کے جاننے کا (کہ یہ قول آپ کی شہوانی قوت کے غلبہ سے نہین صادر ہوا ہے) کوئی ذریعہ میرے پاس نہین ہے سوا اسکے کہ آپ ہی کہین۔ اور آپ کا کہنا مجھ پر ہمیشہ حجت نہین ہے بلکہ اوسی وقت حجت ہو سکتا ہے جب آپ پر شہوانی قوت غالب نہ ہو بلکہ قوت عقلیہ غالب ہو جو ملکہ عصمت کے قریب قریب ہوتی ہے۔ اور مین نہین جانتا کہ اسوقت آپ پر شہوانی قوت غالب ہے یا قوت عقلیہ لہذا آپ پہلے اس کو ثابت کر لیجئے کہ آپ پر اسوقت شہوانی قوت غالب نہین ہے بلکہ عقلی قوت غالب ہے پھر مین آپ کے حکم کو مانونگا" تو فرمایئے وہ امام صاحب جن کا آپ کے اعتقاد کے مطابق معصوم ہونا ضروری نہین ہے بلکہ صرف مجتہد ہونا کافی ہے اس شخص کا کیا جواب دے سکتے ہین اور اون کی امامت کیا کام دے گی۔ یہان اگر کوئی شخص یہ کہے کہ امام کے صرف مجتہد ہونے سے اوس کے حکم کی صحت معلوم ہو جائے گی اور اگر یہ بھی نہین تو جسطرح فتوے دینے والے کا قول ماننا اس کے مقلد پر ضروری ہوتا ہے اوسیطرح مجتہد امام کا حکم ماننا بھی ہر مسلمان پر فرض ہوگا اگرچہ وہ امام معصوم نہ ہو تو ہم جواب مین کہین گے کہ مجتہد امام کے رہتے ہوئے مسلمانون مین دوسرے مجتہد بھی تو ہون گے بس وہ مجتہدین اس امام سے کہہ سکتے ہین کہ ہم نے آپ کا حکم ماننے کے متعلق اجتہاد کیا تو اجتہاد نے یہ فیصلہ کیا کہ اسوقت آپ کا حکم نہ مانین۔ اس طرح مجتہد امام صاحب اون مجتہدین کے جواب سے عاجز ہو جائین گے۔ اور یہ جو کہا ہے کہ جس طرح فتوے دینے والے کا قول ماننا مقلد پر ضروری ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مفتی کا قول اوسی شخص پر واجب ہی

جو جاہل محض ہو کہ صحیح اور غلط مسئلہ مین کسی طرح تمیز نہ کر سکے۔ اور جو شخص خود اجتہاد کر کے تمیز کر سکتا ہے اوس پر دوسرے مجتہد کا قول ماننا کسی طرح واجب نہین ہے۔ اس کا ایک جواب علامہ علیہ الرحمہ نے بھی اپنی کتاب الفین مین دیا ہے جو طوالت کے خوف سے یہان ترک کیا گیا جسکو خواہش ہو وہ اون کی اوس کتاب مین دیکھ لے اور فاضل مخاطب نے یہ جو کہا کہ "فن حرب کی تدبیر اور لشکر کے انتظام و ترتیب مین تجربہ کار اور صاحب رائے و بصارت ہو" تو یہ بھی شرط عصمت کے لوازم سے ہے کیونکہ واضح ہے کہ جو معصوم ہوگا امور دنیویہ مین عقل اور بصارت سے اوسکی تائید ضرور کیجایگی۔ اسیطرح صفت شجاعت بھی ہے۔ اور جب فاضل مخاطب کو صفت شجاعت لکھنے کے بعد یہ کھٹکا ہوا کہ یہ صفت حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان مین تو پائی نہین گئی جو غزوات جناب رسالتمآب صلعم مین بار بار فرار کرتے رہے (جیسا کہ آگے بیان کیا جائیگا) پس اون لوگون کی امامت ہی باطل ہو جائیگی تو اس کے ساتھ یہ جوڑ لگا دیا کہ "امام مضبوط دل کا ہو" تاکہ اون حضرات کی شجاعت پر کوئی اعتراض کرے تو یہ کہنے کا موقع باقی رہے کہ شجاعت تو دل کی مضبوطی کا اثر اور نتیجہ ہوتی ہے اور دل کی حالت ایک امر غیبی ہے جس کو خدا کے سوا کوئی نہین جانتا لہذا ممکن ہے وہ حضرات (خلفائے ثلثہ) مضبوط دل کے رہے ہون اگرچہ اس صفت کے ظاہر ہونیکا موقع عمر بھر مین کبھی پیدا نہین ہوا۔ لیکن اس ترکیب اور ایسی تاویل کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اتنی کہان تک معقولیت ہے کہ دل تو مضبوط ہو مگر ہر جنگ مین بھاگا ہی کرین۔ رہی پانچوین صفت عدالت تو جب شیعون نے امام مین صفت عصمت تسلیم کر لی پھر اس کے بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہین ہے اسلئے کہ یہ اوس سے کہین پست تر اور حقیر تر صفت ہے جو غیر امام مین بھی پائی جاتی ہے۔ اور اس کے بیان مین فاضل مخاطب نے جو دلیل ذکر کی ہے کہ "جو شخص فاسق ہوتا ہے وہ اکثر مسلمانون کے مالون کو اپنی ذاتی غرضون مین صرف کر ڈالتا ہے" اسکی رکاکت مخفی نہین رہ سکتی کیونکہ یہ دلیل دعوے سے اخص ہے (یعنی دعوے تو عام ہے کہ امام کا عادل ہونا شرط ہے اور دلیل خاص ہے کہ تاکہ وہ امام مسلمانون کا مال نہ ہضم کر جایا کرے)۔ نوین صفت آزاد ہونا مسلم ہے جسمین کوئی کلام نہین ہے۔ اور دسوین صفت جو قریشی ہونا لکھی ہے تو یہ امام ہونے کی شرط نہین ہے اگرچہ حضرات آئمہ

اثنا عشر علیہم السلام جو خلفائے برحق تھے کل قریش ہی بلکہ بنو ہاشم بلکہ بنو عبد المطلب بلکہ خاص اولاد رسولخدا صلعم سے تھے۔

فاضل مخاطب کے جواب پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اونھون نے جو کہا "لفظ عصمت سے آپ کی کیا مراد ہے الخ" اور اس مین جو شکلین نکالین تو یہ سب مہمل ہین اول اس وجہ سے کہ یہ کہنا "امام اپنی ہر حالت مین اور ہمیشہ ہر بڑے اور چھوٹے گناہ سے بچتا رہے الخ" اوس دعوی ہی کو منع کرتا ہے جس پر دلیل قائم کی گئی ہے تو یہ قانون مناظرہ سے خارج ہوجاتا ہے کیونکہ جناب علامہ علیہ الرحمہ نے اس دعوی پر جو دلیل قائم کی ہے اوس کا جواب دینا چاہیئے نہ کہ دعوے ہی سے انکار کردیا جائے۔ دوسرے یہ کہ آپ نے جو دو شقین ذکر کی ہین تو ہم پہلی ہی شق کو اختیار کرتے ہین اور کہتے ہین کہ آپ نے اپنے جملہ "اس کا ضروری ہونا ہم تسلیم نہین کرتے" سے جو منع ذکر کیا ہے وہ یا گناہان صغیرہ سے بچنے پر منع ہے جس پر اون کا بعد کا قول دلالت کرتا ہے کہ "اوس سے صرف بعض گناہان صغیرہ کے صادر ہونے پر الخ" یا ہر حالت مین گناہون سے بچنے پر منع ہے تو اسکا باطل ہونا ظاہر ہے کیونکہ منجملہ حالات کے کھولنا دھیڑنا بچونہ (بڑھاپا) سفر۔ حضر۔ بیٹھنا۔ کھڑا ہونا۔ سوار رہنا۔ پیدل رہنا سب ہی ہے اور واضح ہے کہ ان حالات سے کسی حالت مین بھی اگر ظالم سے مظلوم کا عوض امام نہ لے تو اوس کی امامت کا فائدہ زائل ہوجائیگا۔ اور پہلی صورت بھی باطل ہے کیونکہ گفتگو اسمین نہین ہے کہ امام سے گناہان صغیرہ صادر ہوتے ہین یا نہین یا اون کے صادر ہونیکی وجہ سے ظالم سے مظلوم کا عوض لینے کی قابلیت امام سے زائل ہوجائیگی یا نہین بلکہ گفتگو اس مین ہے کہ امام سے گناہان کبیرہ یا صغیرہ صادر ہوسکتے ہین یا نہین کیونکہ اگر ہم مان لین کہ امام سے گناہ ہوسکتے ہین تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ امام کبھی خطا کرے اور انصاف نہ کرسکے یا ظالم سے عوض نہ لے سکے لہذا دوسرے امام کی ضرورت ہوگی اس مین بھی یہی تقریر جاری ہوگی اور تسلسل لازم آئیگا۔ مختصر یہ کہ امام معین کرنے کی غرض یہ ہے کہ وہ مسلمانون کو گناہون اور بری باتون سے روکے اور اچھے کامون پر آمادہ کرے لیکن اگر اوس سے بھی گناہ ہوگا اور وہ بری باتین کرسکیگا تو دوسرے امام کی ضرورت ہوگی جو سابق امام کو اوس گناہ یا بری باتون سے روکے اور یہ دوسرا امام

بھی معصوم نہ ہوگا تو تیسرے امام کی ضرورت ہوگی اور اسیطرح سلسلہ بڑھتا چلا جائے گا جبتک کسی معصوم امام تک آکر نہ رک جائے جس سے گناہ ہو ہی نہ سکے اوس کے بعد دوسرے امام کی ضرورت نہین ہوگی اور ممکنات کے واجب تک منتہی ہونے کی جو دلیل ہے (یعنی دنیا کی جو چیز ہے وہ ممکن ہے لہذا کسی کی پیدا کی ہوگی اب اگر وہ پیدا کرنیوالا ممکن ہے تو اوسکو بھی کسی نے پیدا کیا ہوگا لہذا ایک ایسی ذات کو ماننا پڑیگا جو ممکن نہ ہو بلکہ واجب ہو کہ اوسکو کسی نے نہ پیدا کیا ہو اور وہی خدا ہے) اوسی کے مشابہ امام کے معصوم ہونے کی یہ دلیل بھی ہے جس سے دونوں مقامون مین سلسلہ غیر متناہی کا اعتراض دفع ہوجاتا ہے بعض اوقات مخالفین یون ہٹ دھرمی کرتے ہین کہ امام کی غرض وہ نہین ہے جو آپ نے ذکر کی ہے کہ وہ مسلمانون کو بری باتون سے روکے اور اچھے کامون پر آمادہ کرے بلکہ صرف یہ ہے کہ اہل اسلام کی حفاظت کرے اور انکے امور کو باقاعدہ نظام کے مطابق مرتب کرے تاکہ مسلمانون مین کوئی فتنہ وفساد نہ پیدا ہو اور بندون کے حالات مین کسی قسم کا خلل نہ آئے چنانچہ فاضل مخاطب کے کلام مین بھی اسطرف اشارہ موجود ہے اور اس کا جواب واضح ہے کیونکہ اہل اسلام کے امور کو ایسے قاعدہ نظام پر مرتب کرنا جو شریعت کے مطابق نہ ہو شارع کو مطلوب نہین ہے بلکہ وہ چاہتا ہے کہ کل مسلمان شرعی حدود کے اندر رہین اور انکا کوئی امر شریعت کے خلاف نہ ہو لہذا واجب ہے کہ امام معصوم ہو اور کوئی گناہ نہ کرسکے ورنہ امام کے رہتے ہوئے بھی مسلمانون کے امور کا انتظام شرعی نہین ہوسکے گا۔ کم ازکم اوسی کے گناہ کی وجہ سے یہ خرابی پیدا ہوسکتی ہے لہذا دوسرے امام کی ضرورت ہوگی جس سے شرعی انتظام حاصل ہوسکے تیسرے یہ کہ ہم دوسری شق کو اختیار کرتے ہین اور کہتے ہین کہ آپ نے ملکہ کے جو احکام بیان کئے اون سے اکثر باطل ہین جنھین آپ نے اپنے دل سے اختراع کیا ہے خصوصًا یہ قول وصدور بعض الصغائر عنه فی بعض الاوقات لا یبطل ملکة العصمة یعنی اس عادل سے کبھی کبھی بعض گناہان صغیرہ کا صادر ہوتے رہنا تو اس سے اوس کا ملکہ عصمت زائل نہین ہوسکتا" بالکل غلط اور باطل دعوے ہے۔ اور یہ جو کہا کہ "ملکہ اوس کیفیت کو کہتے ہین جو نفس مین اچھی طرح راسخ الخ" تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ کتب مروجہ مین ملکہ کی تعریف وہ کی ہے جسمین دوام وضبط (ہمیشہ رہنا اور مستحکم ہونا) داخل ہے چنانچہ محقق دوانی اپنے مشہور فارسی رسالہ مین جسکو صفت عدالت

کی تحقیق مین تحریر کیا ہے لکھتے ہین "و چون نفس متمرن بملکات ثلث حکمت و عفت و شجاعت گردد بوجہی کہ علی الدوام افعال بر قانون مضبوط و نہج مقرر از و صدور یابد بے تجشم رویتی جدید وسعی مستانف آن ملکہ عدالت باشد انتہی" یعنی جب نفس تینون ملکہ حکمت عفت اور شجاعت کا اس طرح عادی اور خوگر ہو جائے کہ اوس سے یہ افعال ہمیشہ بغیر کسی جدید کوشش یا نئی توجہ کے مستحکم اصول اور پختہ قانون کے مطابق صادر ہوتے رہین تو یہ ملکہ عدالت کہا جائیگا انتہی۔ اور علامہ ابن حاجب نے اپنی کتاب مختصر الاصول اور دوسرے محققین نے اپنی کتابون مین عدالت کی تعریف یہ کی ہے کہ "انہ کیفیۃ راسخۃ تبعث المتصف بہا علی ملازمۃ التقوی والمروۃ" یعنی عدالت اوس کیفیت کا نام ہے جو نفس مین راسخ ہو جائے اور جس شخص مین یہ پیدا ہو جائے اوس کو تقوی اور مروۃ کی پابندی پر آمادہ کئے رہے۔ پس مصنف مذکور کی عبارت مین لفظ رسوخ اور ملازمۃ کا مقتضی یہ ہے کہ صفت نفس مین ہمیشہ پائی جائے اور کبھی زائل نہ ہو۔ پھر کوئی عقل والا بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ فن کتابت (لکھنا) مثلاً جب کسی شخص کا ملکہ ہو جائے گا تو اسمین غلطی واقع ہونا اوس ملکہ کے خلاف نہین ہوگا (یعنی کسیوقت ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ قوت و آلات و اسباب رہتے ہوئے وہ شخص لکھنے پر قادر نہ ہو) بلکہ خود فاضل مخاطب نے اسکے قبل مسئلہ عصمت انبیاء کی شرح مین اشاعرہ کی جو تعریف عصمت نقل کی ہے کہ "ان لا یخلق اللہ فیہم ذنبا" یعنی خدا اون مین کوئی گناہ نہ پیدا کرے وہ بھی ہمیشگی اور لزوم ہی کو ثابت کرتی ہے (کہ انبیاء سے گناہ کبھی صادر نہین ہوگا) بلکہ حکماء کی جو تعریف عصمت اوس مقام پر نقل کی ہے وہ بھی یہی بتاتی ہے۔ غرض فاضل موصوف نے اس مقام پر جو کہا ہے کہ "اس ملکہ کے خلاف کبھی کسی کام کا ظاہر ہونا اوس ملکہ کی قوت زائل ہو جانیکا ثبوت نہین ہوتا" بالکل غلط اور عقل و نقل دونون ہی کے مخالف ہے۔ ہان کوئی خارجی سبب پیدا ہو جانے سے ملکہ عدالت کے خلاف کوئی بات ہو سکتی ہے مثلاً جو شخص شراب سے برابر بچتا ہو اسکے حلق مین کوئی زبردستی شراب ڈالدے یا نبی کو دشمن ہلاک کرنا چاہے تو اس سے بچانے کے لئے جھوٹ بولدیا جائے کیونکہ ایسی صورت مین جھوٹ بولنا اقل القبیحین اور اوس قبیح سے بدتر ہے (جس سے نبی ہلاک ہو جائے) اور حضرت رسو لخدا صلعم نے ارشاد فرمایا ہے من ابتلی ببلیتین فلیختر ایسر ہما یعنی جو شخص دو طرف سے مصیبتون مین مبتلا ہو

اوسے چاہئے کہ جو ہلکی مصیبت ہو اوسکو اختیار کرے (تاکہ بڑی مصیبت سے بچ سکے) اور جو کر
ان دونون مجبوراً شراب پینے اور جھوٹ بولنے کی) مثالون یا اسی قسم کی اور صورتون
مین درحقیقت شرع کی کوئی مخالفت نہین ہے لہذا ان گناہون کے ہوجانے سے
ملکہ عدالت زائل نہین ہوگا۔ یہی حال تقیہ کا بھی ہے (جسمین مذہب اور جان بچانے
کیلئے جھوٹ بولدینے پر انسان مجبور ہوجاتا ہے کہ اس سے بھی عدالت زائل نہین
ہوسکتی) جیسا کہ پوشیدہ نہین ہے۔

فاضل مخاطب کے جواب پر تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اونھون نے آخر مین جو کہا ہے کہ
"فاسق ظالم چور ڈاکو اونکے یہان امام کیونکر ہوسکتا ہے" اور جناب علامہ علیہ الرحمہ کے
اعتراض سے انکار کرگئے تو یہ ایسا حیلہ ہے جو اون کے بزرگان دین اور علمائے او
کے اعتقادات اور تحقیقات کی خرابیان زائل نہین کرسکتا چنانچہ علامہ اسفرائنی شافعی
نے کتاب الینابیع کے باب الخبایات مین لکھدیا ہے (ینعقد الامامۃ ببیعۃ اھل الحل
والعقد من العلماء والرؤساء ووجوہ الناس الذین یتیسر حضورہم الموصوفین بصفات
الشھود کامامۃ الصدیق وباستخلاف من قبلہ وبولبعضہم کامامۃ الفاروق وبجعلہ
الشوری کامامۃ عثمان وبقبول المولی من عھد المولی الی موتہ وبالقھر والاستیلاء
ولو فاسقا وجاھلا اوعجمیا یعنی امامت اور خلافت ثابت کرنے کے متعدد طریقہ ہین ایک
یہ کہ اہل حل وعقد یعنی علماء۔ روساء۔ اور ارکان قوم سے جو لوگ حاضر ہوسکین اور گواہون
کی صفتین اون مین پائی جائین وہ کسی کی بیعت کرلین جیسے حضرت ابوبکر کی خلافت پہلی
دوسرا یہ کہ سابق خلیفہ مابعد کے خلیفہ کو نامزد کرجائے جیسے حضرت عمر کی خلافت تیسرا
یہ کہ سابق خلیفہ خلیفہ مابعد کو شورے سے مقرر کرنے کو کہہ جائے جیسے حضرت عثمان
کی خلافت چوتھا یہ کہ مولیٰ اپنے مولیٰ کے عہد کو اپنی موت تک قبول کرلے
(جیسے حضرت علی کہ آنحضرت صلعم نے من کنت مولاہ فعلی مولاہ کہکر آپ کو اپنا ولیعہد بنایا
تھا لہذا حضرت علی نے حضرت عثمان کے بعد حضرت رسولخدا کے اوس ارشاد کے مطابق
مسلمانون کا مولےٰ اور خلیفہ ہونا قبول کرلیا)۔ پانچوین یہ کہ قہر اور غلبہ سے کوئی خلیفہ
بن جائے اگرچہ وہ فاسق۔ یا جاہل یا عجمی ہو انتہے۔ اور شرح عقاید نسفی مین ہے
لا ینعزل الامام بالفسق والجور لانہ قد ظھر الفسق وانتشر الجور من الائمۃ

ولا امراء بعد الخلفاء والسلف کانوا منقادون لھم ویقیمون الجمع والاعیاد باذنھم یعنی فسق اور ظلم کی وجہ سے امام یا خلیفہ معزول نہین ہو سکتا کیونکہ بہت سے خلفاء اور نیز امراء سے فسق اور ظلم ظاہر ہوا مگر بزرگان دین جا بجا ذنکو خلیفہ مانتے اور اونکی اطاعت کرتے رہے اور اونکی اجازت سے نماز جمعہ اور نماز عیدین قائم کرتے رہے۔ اور شرح وقایہ مین جو فقہ حنفی کی مسلم الثبوت کتاب ہے لکھا ہے کہ لا یحد الامام حد الشرب لانہ نایب من اللہ تعالی انتھے یعنی خلیفہ شراب پیئے تو اوس پر شراب پینے کی حد نہین جاری کیجائیگی کیونکہ وہ خداے تعالے کا نائب ہے انتھے۔ پس ان حضرات نے ان خرافات اور مہمل عقاید کو اوجہ سے مانا ہے کہ اسکے ذریعہ سے معویہ، یزید وغیرہ خلفائے بنی امیہ و بنی عباس کی خلافت کو صحیح کہہ سکین اور جن بزرگ (عالم اہلسنت) کے قلم سے یہ نکل گیا ہے کہ امام یا خلیفہ کو عادل ہونا چاہیے تو غالبا انھون نے اسکو شرط استحبابی کہا ہے نہ شرط لازم (یعنی اونکا مقصود یہ ہے کہ خلیفہ کا عادل ہونا بہتر ہے یہ مقصود نہین ہے کہ خلیفہ کا عادل ہونا ضروری ہے اور جو عادل نہین ہوگا وہ خلیفہ ہو ہی نہین سکتا) جیسا کہ مطول مین کہا ہے کہ ان اعتقاد الثانی شرط حسن قصر القلب یعنی ثانی کا اعتقاد قصر قلب کے حسن کی شرط ہے ورآنحضرت صلعم نے فرمایا ہے لاصلوۃ الا بحضور القلب یعنی بغیر حضور قلب کے نماز ہی نہین ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ نماز کامل نہین ہوتی نہ یہ کہ ہو ہی نہین سکتی۔ فتدبر۔ اور فاضل مخاطب نے آخر مین جو شعر کہا ہے اوس کا جواب یہ ہے ؎

اذا ما رای فاضلا فی الامام ۔ یفضلہ فیہ لقد ونبہ ۔ ملوث الطھر بما فضلہ ۔ فضول الصفھان ما انجسہ

قول علامہ علیہ الرحمہ دوسری بحث یہ کہ امام کا رعیت (یعنی باقی مسلمانون) سے افضل اور بہتر ہونا ضروری اور واجب ہے چنانچہ شیعون کا اعتقاد یہی ہے اور سب کا اس پر اتفاق ہے مگر حضرات اہلسنت نے اسمین بھی مخالفت کی ہے اور فاضل پر مفضول کو مقدم کرنا یعنی افضل کے رہتے ہوئے کم مرتبہ والون کو امام بنالینا جائز سمجھتے ہین لیکن ان کا ایسا کرنا عقل اور نقل دونون ہی سے جنگ کرنی ہے اسلئے کہ مفضول کی تعظیم اور فاضل کی توہین کرنے

یا مفضول کا مرتبہ بڑھانے اور فاضل کا مرتبہ گھٹانے کو عقل برا سمجھتی ہے اور قرآن مجید بھی اس کی مذمت کرتا ہے چنانچہ فرماتا ہے افمن یھدی الی الحق احق ان یتبع امن لا یھدی الا ان یھدی فما لکم کیف تحکمون (سورہ یونس رکوع ۴) یعنی جو حق کی راہ دکھائے وہ اس کا زیادہ حق رکھتا ہے کہ اوس کی پیروی کیجائے یا جو ایسا ہے کہ جب تک دوسرا اوسکو راہ نہ دکھائے وہ خود بھی راہ نہیں پا سکتا تو تم لوگون کو کیا ہو گیا ہے کیسے فیصلے کرتے ہو۔ اور دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون انما یتذکر اولوا الالباب (سورہ زمر رکوع ۱) یعنی اے پیغمبر ان لوگون سے کہو کہ کہین جاننے والے اور نہ جاننے والے بھی برابر ہوئے ہین؟ نصیحت تو وہی لوگ پکڑتے ہین جو عقل رکھتے ہین۔ تو جو شخص زیادہ علم رکھتا ہو زیادہ زاہد اور حسب ونسب کے اعتبار سے زیادہ شریف ہو وہ اوس کی اطاعت کیونکر کرسکتا ہے جو ہر صفت مین اوس سے ادون (پست تر) ہو۔

قول ابطال امام کے رعیت سے افضل اور بہتر ہونے سے اگر آپ کی یہ مراد ہے کہ وہ حسب۔ نسب۔ شرف۔ معرفت۔ عفت۔ شجاعت اور علم مین اپنی رعیت سے افضل ہو تو اس کا واجب ہونا عقلاً ضروری نہین معلوم ہوتا کیونکہ عقل صریح طور پر حکم کرتی ہے کہ امامت اور خلافت کا مدار ملک وملت کی حفاظت قواعد حکومت وسلطنت کے جاننے اور رعیت کے ساتھ مناسب برتاؤ کرنے پر ہے کہ وہ نہ فظ غلیظ (درشت خو اور بد مزاج) ہو جس سے رعیت نفرت کرنے لگے اور نہ اس قدر نرم اور کمزور ہو کہ رعیت اوس پر غالب آجائے اور حامی عزت وشوکت اسلام ہو۔ پس ان امور کیلئے اوسی قدر علم کافی ہے جس کو ہم لوگون نے امام کی شرط قرار دیا ہے یعنی وہ مجتہد ہو اور اجتہاد کرسکے۔ یہی حال شجاعت اور حسب ونسب مین قریشی ہونیکا ہے پس اگر رعیت مین ایسا شخص موجود ہو جسمین یہ صفتین امام سے زیادہ پائی جائین لیکن وہ سلطنت کی حفاظت اوس طرح نہ کرسکے تو عقل یہی فیصلہ کرے گی کہ جو شخص سلطنت کی حفاظت زیادہ کرسکے اوسی کو امام اور خلیفہ ہونا چاہیئے اور تاریخ سے ثابت ہے کہ بہت سے مفضول ایسے گزرے ہین جو امامت اور خلافت کی صلاحیت فاضل سے زیادہ رکھتے تھے کیونکہ ہر خلافت اور ہر حکومت مین قابل لحاظ امر یہی ہے کہ

اوس کی مصالح اور مفاسد معلوم ہون اور اوسکے لوازم پورے کرنے کی قوت موجود ہو۔ توبہت سے وہ حضرات جو علم اور عمل مین دوسرون سے کم اور پست تر تھے حکومت اور سلطنت کے اصول باحسن وجوہ جانتے اور اچھا برتتے تھے اور اسکے شرائط کو زیادہ قابلیت سے پورا کرنے اور اس بوجھ کے اٹھانے کی قدرت بہتر رکھتے تھے ۔ اور اگر افضل سے آپ کی مراد یہ ہے کہ اوس کا ثواب خدا کے یہان زیادہ ہو تو اس سے اوس کا دینی شرف اور سعادت البتہ زیادہ ہوگی لیکن اسکو دنیوی حکومت اور ریاست سے کیا تعلق ہے۔ اور اگر افضل سے آپ کی مراد یہ ہے کہ حفاظت سلطنت اور تدبیر مملکت مین دوسرون سے بہتر علم و قابلیت رکھنے کی وجہ سے وہ امامت کیلئے زیادہ سزاوار ہو توہم بھی تسلیم کرتے ہین کہ بیشک یہی فاضل امامت کیلئے زیادہ موزون ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی کہین گے کہ اگر پست تر شخص سے حفاظت سلطنت کا کام انجام پا جائے تو فاضل کو اس پر مقدم کرنا واجب نہین ہوگا ہان بہتر اور مناسب یہی ہے کہ اگر مفضول کی بیعت پہلے نہ ہوگئی ہو تو جو شخص (حفاظت سلطنت کی) قابلیت زیادہ رکھتا ہو وہی امام بنایا جائے۔ اور اگر مفضول کی بیعت پہلے ہوگئی ہے اور اوس کے بدلنے مین فتنہ و فساد کا اندیشہ ہے تو اوس کا بدلنا جائز نہین ہے۔ یہ ہم نے صرف علامہ حلی کی اوس تقریر کا جواب دیا ہے جو اونھون نے فاضل پر مفضول کے مقدم کرنے مین عقلی خرابی کے طور پر ذکر کی تھی ورنہ ہم دل سے اس کے قائل نہین ہین۔ اس کے بعد اونھون نے قرآن مجید سے جو دلیل ذکر کی ہے تو اوس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ عالم اور جاہل یا ہدایت کرنیوالا اور گمراہ کرنے والا یا ہدایت یافتہ اور گمراہ شخص برابر نہین ہین اور یہ مسلم ہے کسی کو کلام نہین اسی وجہ سے وہ فاضل جو امام نہین ہوا (اور اوس کے رہتے مفضول امام بن گیا) وہ علم اور شرف کے اعتبار سے مفضول پر ترجیح ہی پائیگا لیکن جب حکومت اور سلطنت کیلئے مفضول زیادہ موزون اور حفاظت کرنیوالا ثابت ہو تو وہی خلافت اور امامت کا بھی زیادہ حقدار اور مناسب ہے اور اسمین کوئی خرابی نہین ہے۔ اور فرقہ اشاعرہ کے علماء سے بعض لوگون نے اس مین تفصیل کی ہے کہ اگر افضل شخص کے امام ہونے سے فتنہ و فساد کا اندیشہ ہو تو اوس کا مقرر کرنا واجب نہین ہے مثلاً لشکر اسلام اور رعایا اوس افضل شخص کی اطاعت نہ کرین اور مفضول ہی کی حکومت تسلیم کرین تو اسی مفضول کا خلیفہ ہونا ضروری ہے۔ ہان اگر

ایسا نہ ہو تو پھر افضل ہی کو خلیفہ بنانا واجب ہے۔

قول احقاق حضرت علامہ علیہ الرحمہ کا مقصود یہ ہے کہ کل محامد اوصاف اور صفات حمیدہ و اخلاق پسندیدہ مثلاً علم، زہد، کرم، شجاعت، عفت وغیرہ میں امام کو دوسرے مسلمانوں سے افضل اور اکمل ہونا چاہئے غرض ضروری ہے کہ امام وہی ہو جو نسب کے اعتبار سے سب سے زیادہ شریف، عزت و مرتبہ کے اعتبار سے سب سے زیادہ بلند اور خلقہ و خُلق کے اعتبار سے سب سے اکمل ہو۔ جس طرح نبی کو اپنی امت سے ہر اچھی صفت میں افضل اور برتر ہونا ضروری ہے، اور یہ ایسا واضح مسئلہ ہے جس پر چھوٹے بڑے علماء، حکماء سب متفق ہیں لیکن حضرات اہلسنت نے البتہ اکثر صفات مثلاً امام کے سب سے اعلم سب سے زیادہ شجاع اور سب سے اشرف ہونے میں مخالفت کی۔ ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ حضرت ابوبکر ایسے نہیں تھے اور حضرت عمر و ابو عبیدہ نے اپنی رائے سے اونھیں خلیفہ بنا دیا اسی طرح حضرت عمر بھی ان اوصاف سے خالی تھے مگر حضرت ابوبکر کے بنا دینے سے وہ خلیفہ بن گئے لیکن یہ حضرات اتنا نہیں سمجھتے کہ انکا یہ ناجائز اختیار قوم کے مکر و فریب جاہ خلافت کی فریفتگی اور حقیقی نائب رسول صلعم کی عداوت سے واقع ہوا جس پر مشہور صحابی طلحہ کے قول سے پوری روشنی پڑتی ہے کہ جب حضرت ابوبکر نے اپنے بعد حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کیا اور اس کا وصیت نامہ لکھدیا تو طلحہ نے حضرت عمر سے کہا ولیتہ امس ولاک الیوم یعنی تم نے کل (بروز سقیفہ) حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنا دیا اوسی کے عوض میں) آج اونھوں نے تمکو اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے۔ اسی قسم کے بہت سے کید حیلے۔ اور مکر و فریب کی تدابیر ان حضرات نے خلافت کو اوسکے حقیقی اہل سے غصب کرنے کے لئے استعمال کی ہیں۔ اسی طرح فرقہ معتزلہ کی ایک جماعت بھی جس سے علامہ عبدالحمید بن ابی الحدید مداینی (شارح نہج البلاغہ ایسا محقق) بھی ہے کہتی ہے کہ کسی مصلحت سے مفضول کو فاضل پر مقدم کر دینا جایز ہے بلکہ وہ لوگ تصریح کر دیتے ہیں کہ "ان علیا افضل من ابی بکر وجاز تقدیم ابی بکر علیہ مصلحۃ یعنی حضرت علی یقیناً حضرت ابوبکر سے افضل تھے پھر بھی مصلحتاً حضرت ابوبکر کو حضرت علیؑ پر مقدم کر دینا جائز ہوا" لیکن یہ قول کسی طرح قبول نہیں کیا جا سکتا ہے کیونکہ

لطیف خبیر کیلئے عقلا و نقلا ہر طرح یہ امر نہایت مذموم ہے کہ جو شخص مفضول اور ابھی خود ہی تکمیل کا محتاج ہو اوسکو ایسے شخص پر فضیلت دیدیجائے جو افضل اور اکمل ہو۔ چنانچہ ایسی ہی تفصیل نبوت کی بحث مین گزر گئی۔ اور ان لوگون کے شبہہ کی وجہ یہ ہے کہ جناب رسالتماب صلعم نے عمرو بن عاص اور اسامہ بن زید کو حضرت ابوبکر و عمر پر مقدم کیا کیونکہ بعض غزوات مین اون دونون کو سردار اور ان دونون کو اونکا ماتحت بنا کر بھیجا حالانکہ حضرت ابوبکر و عمر اون دونون سے افضل تھے۔ مگر اس شبہہ کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر کا اون دونون صحابیون سے افضل ہونا کس دلیل سے ثابت ہے؟ کیونکہ شیخین کے افضل ہونیکا عقیدہ تو آپ حضرات نے اون کے خلیفہ بن بیٹھنے سے ایجاد کیا ہے۔ اگر یہ دونون حضرات خلیفہ نہ بنجاتے تو آپ اونکو افضل بھی نہین کہتے۔ اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت ابوبکر و عمر اون دونون صحابیون (عمرو بن العاص اور اسامہ بن زید) سے افضل تھے تو قابل غور یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے صرف جنگ مین عمرو بن عاص اور اسامہ کو ان کا سردار مقرر کیا تھا اور فن جنگ مین وہ دونون ان شیخین سے یقیناً زیادہ ماہر اور ہوشیار تھے جس کی تصدیق بکثرت احادیث۔ تواریخ اور مشہور واقعات سے ہوتی ہے۔ یہ جواب تو اوس صورت کا ہے جب ہم خلافت مین کسی کے مقدم اور کسی کے مؤخر ہونے کو خدا کے اختیار سے سمجھین لیکن اگر اس کو امت کے اختیار سے متعلق کرین جیسا جمہور اہلسنت کا مذہب ہے تب بھی یہ لایق قبول نہین کیونکہ عقل اسکو برا سمجھتی ہے کہ جو شخص مفضول اور علوم فقہ مین مثلاً مبتدی اور ابجد خوان ہو اوسکو حضرت ابن عباس پر مقدم کر دیا جائے جو اون لوگون سے ان علوم مین کہین زیادہ بلند پایہ رکھتے تھے۔ پس اس امر کی خرابی کسی عاقل پر پوشیدہ نہین رہ سکتی اور اس سے مخالفت کرنا الا صرف مکابر (ہٹ دھرم) ہی ہو سکتا ہے۔

کسقدر حیرت خیز یہ امر ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر کے حضرت علی پر مقدم کرنے کو (جو سقیفہ بنی ساعدہ کے چند مسلمانون کا کیا ہوا تھا) علامہ ابن ابی الحدید نے خدا کی طرف نسبت دیدی ہے چنانچہ اونھون نے اپنی شرح نہج البلاغہ کے مقدمہ مین لکھا ہے کہ وقدم المفضول علی الفاضل لمصلحۃ اقتضاھا التکلیف یعنی مقتضائے تکلیف کی مصلحت

سے خدا نے مفضول کو فاضل پر مقدم کر دیا۔ اور یہ قول نہایت درجہ لغو ہے کیونکہ جو امر عقلا برا ہے اوسکو علامہ ممدوح نے خدا کی طرف منسوب کر دیا ہے حالانکہ وہ عدلی المذہب ہین (یعنی معتزلے ہین جنکا اعتقاد ہے کہ خدا عادل ہے اور اوس کا ہر فعل عدل کے مطابق ہونا ضروری ہے) تو اس قول مین علامہ ممدوح نے اپنی ہی مذہب کی مخالفت کی۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ خطبۂ شقشقیہ کی شرح کرنے لگے جسمین حضرت امیر المومنین نے خلفائے ثلثہ کے غصب خلافت کرنے کی تصویر کھینچی ہے تو حضرت کی شکایات کو اوسی پر محمول کیا۔ لیکن ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ حضرت علی کی ان شکایات کی تاویل کرنے سے خود حضرت علی پر بڑا اعتراض ہوتا ہے کیونکہ دو حالتون سے خالی نہین ہو سکتی یا حضرت ابوبکر کو خدا نے خلیفہ بنایا ہوگا تو اس صورت مین حضرت علی کی شکایت کسی طرح جائز نہین ہو سکتی اس لئے کہ پھر یہ اعتراض خدا پر ہوگا کہ اوس نے کیون آپ کے رہتے ہوئے ابوبکر کو خلیفہ بنایا اور معلوم ہے کہ خدا کے کسی فعل پر اعتراض کرنے والا کفر کی حد تک پہونچ جاتا ہے۔ یا حضرت ابوبکر کو مسلمانون نے خلیفہ بنایا ہوگا تو اگر مسلمانون نے اپنی دینی مصلحت کے لئے ایسا کیا تو اون سب کو اپنی مصلحت معلوم ہوئی لیکن حضرت علی کو اسکی مصلحت نہین معلوم ہوئی پس آپ اس سے جاہل رہے مگر حضرت کو اوس سے جاہل کہنے کی جرأت بھی کوئی مسلمان نہین کرسکتا۔ اور اگر یہ کہا جاے کہ مسلمانوں نے حضرت ابوبکر کو اپنی دینی مصلحت کے لیے خلیفہ نہین بنایا بلکہ اتفاقاً بنا دیا تو پھر حضرت علی کی شکایت کی وہ تاویل درست نہین ہو سکتی۔ غرض جب حضرت علی کی شکایت اس خلافت حضرت ابوبکر و عمر و عثمان سے یقینی ہے تو ان حضرات کی خلافت صحیح کسی طرح ثابت ہی نہین ہو سکتی۔ اور افضل کے رہتے ہوئے مفضول کو خلیفہ مقرر کرنا اس دلیل سے بھی باطل اور ناجائز ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے خلیفہ ہونے کے بعد مسلمانون سے کہا تھا اقیلونی اقیلونی فانی لست بخیر کم وعلی فیکم یعنی تملوگ مجھے چھوڑ دو کیونکہ حضرت علی کے رہتے ہوئے مین تملوگون سے بہتر نہین ہون۔ اور یہ دلیل اس کتاب کی خصوصیات سے ہے جسکو یاد رکھنا چاہیے۔ فاضل مخاطب نے جناب علامہ علیہ الرحمہ کا جواب دیتے ہوئے جو لکھا ہے "وہ حسب۔ نسب۔ شرف۔ معرفت۔ عفت۔ شجاعت اور علم مین افضل ہو" اس مین معرفت اور علم دونون کو ذکر کیا ہے جو محل تامل ہے کیونکہ

معرفت سے مراد اگر علم ہی ہے تو اسکے لئے دو لفظ لکھنا فضول تھا اور معرفت سے مراد اگر قواعد حکومت و اصول سلطنت کا جاننا ہے جیسا کہ اس کی ایک سطر کے بعد لکھا ہے تو اس سے پہلی سطر میں انکار کرنے اور بعد میں اسی کو تسلیم کرنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ اور یہ جو کہا "عقل صریح طور پر حکم کرتی ہے الخ" تو یہ بھی باطل ہے کیونکہ اگر ہم تسلیم بھی کر لیں کہ خلافت کا مدار ملک و ملت کی حفاظت۔ قواعد حکومت و سلطنت کے جاننے اور رعیت کے ساتھ مناسب برتاؤ کرنے پر ہے تاہم یہ حفاظت اور برتاؤ وہی معتبر ہوگا جو شرعی اصول کے مطابق اور جور و ظلم کی آمیزش سے خالی ہو اور واضح ہے کہ اس قسم کی حفاظت وہ شخص کر سکتا ہے جو اوصاف علم و فقہ و زہد و شجاعت سے متصف بلکہ درجہ عصمت پر فائز ہو جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا۔ اور وہ حفاظت اسلام نہیں معتبر ہو سکتی جو معمولی دنیوی یا سیاسی طرز پر ہو جیسی معویہ و یزید کی تھی یا خلیفہ بنی امیہ ولید کی جس نے (قرآن مجید میں فال دیکھی آیت اوس کے خواہش کے خلاف نکلی تو) قرآن کو تیر باراں کر کے پھاڑ ڈالا۔ یا ظالم اور خونریز حجاج (گورنر بنی امیہ) کی یا چوری سے خلافت پر قبضہ کرنے والے منصور دوانیقی وغیرہم کی کیونکہ یہ لوگ تو بغیر لحاظ حفاظت دین و ملت اسلام کے صرف اپنی سلطنت حکومت اور جاہ و حشمت محفوظ رکھنے کے لئے ہر اوس خدا رسیدہ کو قتل کر دیتے تھے جس سے اونکے دنیوی عیش کو خطرہ پہونچنے کا اندیشہ ہوتا تھا اور ہر اوس برگزیدہ شخص کو سولی پر چڑھا دیتے اوس کے مکان میں آگ لگوا دیتے اوس کی اور اوسکے اعزا و اقربا۔ ہمسایوں کی گردنیں مار دیتے اور بھی مختلف قسم کی سزائیں دیتے تھے جس سے مخالفت کا ذرہ برابر بھی شبہہ پیدا ہو جاتا یا جس کو کوئی شخص غلط طور پر متہم کر دیتا۔ حالانکہ شرعی حیثیت سے ان بیچاروں کا کوئی گناہ ثابت نہیں ہوتا تھا اور کسی قسم کی خطا کی تحقیق نہیں ہوتی تھی۔ مختصر یہ کہ حکومت اور سلطنت کی حفاظت ایسے عنوان سے جس سے صرف ظاہری انتظام ہو لڑائی جھگڑا موقوف رہے ایک شخص دوسرے پر ظلم نہ کرنے پائے وہ خلفاء بھی کر لیتے ہیں جو صرف برائے نام خلیفہ اور درحقیقت سلاطین جور ہیں بلکہ کوتوال، اور چوکیدار بھی یہ کام انجام دیدیتے ہیں بلکہ جو بادشاہ کافر اور غیر مسلم بلکہ دشمن اسلام ہوتے ہیں اونسے بھی یہ فوائد حاصل ہوتے رہے ہیں۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ دین و مذہب اسلام اور ایمان و شریعت کی حفاظت کون شخص کر سکتا ہے۔ چنانچہ جو حضرات خلفائے رسولؐ

سمجھے جاتے ہین اونھین کی یہ حالت تھی کہ اپنی سلطنت کے ہر خطرہ کا انتظام تو کرلیتے تھے مگر احکام دین اور اصول مذہب مین کوئی خرابی پیدا ہوجاتی یا کوئی مشکل آن پڑتی تو اوس کی اصلاح یا حل کرنے سے عاجز رہ جاتے تھے جسکو ایک شاعر عبداللہ بن الحر نے اپنے ان شعرون مین اس طرح ادا کیا ہے۔

تبیت النشاوی من امیۃ نوما۔ وبالطف قتلے ماینام جمیعھا + وما ضیع الاسلام الا قبیلۃ۔ تامر نوکاھا ودام نعیمھا + واضحت قناۃ الدین فی کف ظالم۔ اذا اعوج منھاجانب لا یقیمھا + یعنی بنی امیہ کے شرابخوار لوگ تو آرام کی نیند سویا کرتے ہین مگر کربلا مین (آل محمد) شہید ہوکر پڑے ہوے ہین + اسلام کو اسی قبیلہ (بنی امیہ) نے ضائع و برباد کردیا جسکے جاہل اور احمق لوگ مسلمانون کے حاکم بن بیٹھے اور برابر عیش کرتے رہے ہے اور دین و مذہب کی لگام ایسے ظالمون کے ہاتھ مین پڑگئی جو اسلام مین کوئی رخنہ یا کسی قسم کی خرابی پیدا ہو تو اوس کو کسی طرح زائل نہین کرسکتے۔

ہر سمجھدار شخص کو غور کرنا چاہیے کہ حضرات اہلسنت کے خلیفہ یزید بن معویہ کے زمانہ مین حضرت سیدالشہدا امام حسین علیہ السلام جو اس بے دردی سے قتل کردیے گئے اس سے ملک و ملت اسلام کی کس قسم کی حفاظت ہوئی ؟ یا اوس نے مدینہ منورہ پر حملہ کرکے جو وہان والون کو قتل کرایا اور صحابہ جناب رسالتمآب صلعم نیز تابعین کی ہزار باکرہ لڑکیون کا ازالہ بکارت کرڈالا (جو اسلام کی تاریخ مین واقعہ حرہ کے نام سے مشہور ہے) اس مین مخلوق کے حقوق کی کیا رعایت کی گئی ؟ یا اوس نے کعبہ پر منجنیق کے ذریعہ سے جو گولے برسوائے اور خانہ خدا کو مسمار کرادیا اس سے کون سا حسن انتظام مقصود تھا اور اسلام کی کس قسم کی خدمت انجام پائی ؟ اور فاضل مخاطب نے امامت کی شرطون مین یہ جو لکھا ہے کہ "وہ نہ فظ غلیظ (درشت خو اور بدمزاج) ہو" تو اسوجہ سے حضرت عمر کی خلافت مین بڑی مشکل پڑجائے گی کیونکہ صحابہ آپ کو انھین صفتون سے ناپسند کرتے تھے جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ اور یہ جو کہا کہ "ان امور کیلئے اوسیقدر علم کافی ہے الخ" تو اس کا جواب بھی گزرچکا اور حضرت عمر کے اجتہاد سے جو فاحش غلطیان ہوتی رہی ہین اون کی تفصیل آگے آئیگی جن پر وہ برابر اپنی جہالت کا اقرار کرتے اور لولا علی لہلک عمر (اگر حضرت علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہوگیا رہتا) فرماتے رہے ہین اور یہ بھی کہا

کرتے تھے کل الناس افقہ من عمر حتی المخدرات یعنی ہر شخص (مجھ) عمر سے زیادہ علم والا اور سمجھدار ہے۔ یہانتک کہ پردہ نشین عورتیں بھی۔ اور یہ جو فرضی صورت بیان کی ہے کہ "اگر رعیت مین ایسا شخص موجود ہو الخ" تو یہ فرض محال ہے کیونکہ ایسی کوئی صورت عقل مین آہی نہین سکتی کہ ایک شخص حسب۔ نسب۔ شرف۔ معرفت۔ علم اور شجاعت مین سب سے بڑھا ہوا ہو پھر بھی وہ سلطنت کی حفاظت قانون شرعی کے مطابق اچھی طرح نہ کرسکے اور وہ شخص کرسکے جو ان اوصاف مین اوس سے کمتر ہو۔ ان حضرات کا مطلب شاید یہ ہو کہ حضرت علی علیہ السلام بمقابلہ حضرت ابوبکر و عمر کے ایسے ہی تھے لیکن اس خیال کا غلط ہونا واضح ہے کیونکہ سب جانتے ہین اور کل اسلامی تاریخین اس پر گواہ ہین کہ حضرت عمر کے زمانہ مین فتح ایران و عراق اور اشاعت اسلام وغیرہ امور مین جو کچھ کامیابی ہوئی وہ سب اسوجہ سے کہ حضرت علی سے اصرار کرکے مشورہ لیتے (اور حضرت علیؑ اسلام کی محبت اور ہمدردی کا خیال کرکے مجبوراً مناسب رائے دیتے اور کامیابی کی تدبیرین کرتے) جس سے حضرت عمر فائز المرام ہوتے گئے؎۱ چنانچہ خلیفہ ثانی کے زمانہ کا ایک مشہور اور عظیم الشان واقعہ یہ بھی ہے کہ جب مدینہ مین یہ خبر پہونچی کہ ایرانیون کے اوس علم کے مقابلہ مین جسکا نام درفش کاویانی ہے اوس جدول کے سبب سے جسے اوس پر بعض جادوگرون نے بنا دیا تھا اور جسکے طول مین بھی سو خانے تھے اور عرض مین بھی سو خانہ مسلمانون کا علم سرنگون ہوگیا اور مسلمانونکو ہزیمت ہوئی تو حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے مخصوص علم جفر سے کام لے کر مسلمانون کے علم پر بھی ایک جدول بنا دی اور اسکے طول مین ایک سو ایک اور عرض مین بھی ایک سو ایک خانہ رکھے۔ چنانچہ حضرت کی اس جدول سے ایرانیون کے طلسم کی خاصیت باطل ہوگئی اور دوسری جنگ مین مسلمانون کا لشکر فتحیاب اور ایرانیون کا علم سرنگون ہوگیا۔ ہان حضرت مکر و فریب جعلسازی اور دھوکہ بازی کو ہمیشہ حرام

؎۱ اس زمانہ کے جدید تعلیم یافتہ اور نکتہ سنج مورخین کا بھی اس پر اتفاق ہے کہ حضرت عمر کو اپنی خلافت مین جو کامیابی ہوئی وہ زیادہ تر حضرت علی ہی کے مفید مشورون اور موثر تدبیرون سے چنانچہ مسٹر سید امیر علی صاحب اپنی تاریخ اسلام مین لکھتے ہین کہ "حضرت عمر کے عہد حکومت مین جتنے کام رفاہ عام کے ہوئے وہ سب حضرت علی کی صلاح و مشورہ سے عمل مین آئے تھے"

جانتے اور ان باتوں سے برابر بچتے رہتے تھے اگرچہ اہل عرب ان چیزوں کے برتنے والوں کو دہاۃ (ہوشیار اور چالاک) سمجھتے اور ان اوصاف میں معویہ کو استاد قرار دیتے تھے چنانچہ لوگوں نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت علی علیہ السلام کو یہ خبر پہونچی کہ آپ کے لشکر سے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ معویہ بڑا چالاک شخص ہے اور حضرت علی ایسے نہیں ہیں تو حضرت نے اون لوگوں سے فرمایا لولا الدین لکنت من ادھی العرب یعنی اگر خدا کا خوف اور دین و ایمان کا پاس نہ ہوتا تو میں تمام عرب سے زیادہ ہوشیار اور چالاک ثابت ہوتا[1]۔ اور دوسری شق اختیار کر کے فاضل مخاطب نے جو کہا ہے "اگر افضل سے آپ کی مراد یہ ہے کہ اوس کا ثواب خدا کے یہاں زیادہ ہو الخ" تو یہ بھی بے جوڑ سی بات ہے کیونکہ ایسا کوئی شخص عقل میں آتا ہی نہیں ہے جو اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ ثواب کا مستحق تو ہو مگر قوانین امامت اور اصول حکومت کے علم سے خالی ہو اور اس صفت میں دوسروں سے پست تر ہو۔ اور تیسری شق میں جو یہ فرمایا ہے "اگر پست تر شخص سے حفاظت سلطنت کا کام انجام پا جائے الخ" تو یہ صاف صاف بلا وجہ مفضول کو فاضل پر مقدم کرنا اور ترجیح دینا ہے

[1] زمانہ حال میں ایک بہت بڑا عیسائی علامہ اور وسیع النظر و محقق مورخ ملک مصر میں گزرا ہے جسکا نام تھا (علامہ) جرجی زیدان۔ جو عربی۔ فارسی۔ انگریزی۔ جرمنی۔ فرانسیسی۔ لاطینی زبانوں کا بڑا ادیب تھا اور اسلامی تاریخ کی اطلاع جیسی اس زمانہ میں اوس کو تھی بہت کم لوگوں کو ہوگی اوس نے اسلامی تاریخ کے متعلق متعدد کتابیں نہایت تحقیق اور کمال جامعیت سے لکھی ہیں۔ اوس کا ایک قابل قدر علمی رسالہ بھی الہلال نامے عربی زبان میں مصر سے شائع ہوتا تھا جو یورپ۔ مصر عرب۔ عراق۔ ایران۔ روس و ہندوستان وغیرہ ممالک کے تمام عربی دان مسلمانوں اور علمی ذوق رکھنے والے عیسائیوں میں بھی نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اس شخص کو اسلامی تاریخ پر جو بے مثل اور بے نظیر عبور حاصل تھا اوسکی شہادت کے لئے یہی امر کافی ہے کہ حال میں مصر میں جو قومی یونیورسٹی قایم ہوئی اور اوس میں اسلامی تاریخ پر اعلے درجہ کا لکچر دینے کے لئے ایک وسیع النظر پروفیسر علم تاریخ کی جستجو ہوئی تو مصر۔ ٹرکی۔ شام۔ عراق۔ عرب وغیرہ میں کوئی شخص ایسا نہیں ملا جو اس عیسائی علامہ کے برابر اس کام کو انجام دیسکتا۔ مجبوراً مسلمانوں نے اسی علامہ کو مقرر کیا۔ اس نے اپنی بے مثل مؤلفات میں ایک کتاب تاریخ التمدن الاسلامی لکھی ہے جو پانچ جلدوں میں ہے اور جسکی مدح میں اکثر علمائے یورپ بھی رطب اللسان ہیں۔ اس کتاب کا ترجمہ دنیا کے تقریباً تمام مسلمانوں کی زبانوں میں ہوگیا ہے۔ علامہ ممدوح نے اپنی اسی کتاب میں حضرت علیؑ کے متعلق جو لکھا ہے وہ ثابت کرتا ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ کا مکر و فریب اور خلاف صدق و حق باتوں سے علیحدہ بلکہ متنفر رہنا اس درجہ واضح ہے کہ مخالفین اسلام بھی اعتراف

جس پر عقل اور نقل دونوں ہی کا اعتراض ہے اور اسی کو جناب علامہ علیہ الرحمہ نے قابل شناعت سمجھا ہے تو پھر فاضل مخاطب کو اس درجہ طویل تقریر کرنے کی کیا ضرورت تھی مختصر طور پر کہہ دیتے کہ جب مفضول سے ملک کا انتظام درست ہو تو اس کو افضل پر ترجیح دینا جائز ہے تاکہ آپ نے اور جو کچھ مہمل لغو اور بھرتی کی باتوں کیلئے خامہ فرسائی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲)

کرے مگر اس کی وجہ سے آپ کی مدح کرتے ہیں چنانچہ صفحہ ۲۰ جلد چہارم میں لکھتا ہے اما علی فحکایاته فی الزهد والتقوی کثیرة وکان شدید التمسك بالاسلام حر القول والفعل لا یعرف الدهاء ولا یرکن الی الحیلة فی شان من الشؤون۔ وانما همه الدین وعمدته فی اعماله الصدق والحق۔ فمن امثلة تقشفه وزهده انه تزوج فاطمة بنت النبی ولیس له فراش الاجلد کبش کانا ینامان علیه باللیل ویعلفان علیه ناضحهما بالنهار ولم یکن عنده خادم یخدمه وجائه مال من اصبهان فی ایام خلافته فقسمه علی سبعة اسهم۔ فوجد فیه رغیفا فقسمه علی سبعة۔ وکان یلبس قطیفة لا تقیه البرد وراٰه بعضهم یحمل تمرا فی ملحفته قد اشتراه بدرهم فقال له یا امیر المومنین الا نحمله عنك۔ فقال "ابو العیال احق بحمله"۔ ومن اقواله فی کیف یجب ان یکون المسلمون قوله "خمص البطون من الطوی یبس الشفاه من الظماء۔ عمش العیون من البکاء" (ابن اثیر صفحہ ۲۰ جلد ۳)۔ ومن امثلة عدله انه رای درعاله عند رجل فتقاضیا الی شریح القاضی فوقف علی بجانب خصمه احتراما للعدل۔ وکان اذا بعث رجاله فی حرب اوصاهم ان یرفقوا بالناس وان یکفوا الاذی عن النساء وکان شدیدا فی محاسبة رجاله حرصا علی العدل والحق کما کان یفعل عمر۔ ولو تولی امور المسلمین فی زمن عمر والناس فی دهشة النبوة وصدق الدین لکان نصیبه من الحکم اطول ولما بدا فی تدبیره ضعف ولکنه تولاها وقد فسدت النیات وطمع العمال فی الاحکام واطمعهم وادهاهم معویة بن ابی سفیان فانه جمع الرجال حوله بالدهاء والحیلة والبذل وعلی یضیع الاحزاب بتدقیقه فی محاسبة عماله وقواده والمبالغة فی المحافظة علی الدین واسباب التقوی ففارقه جلة الصحابة حتی ابن عمه عبد الله بن عباس

کی ہے اوس کی ضرورت نہ ہوتی۔ فاضل مخاطب نے آگے تصریح کی ہے
کہ اونھون نے یہ جواب ہمارے اس اصول کو تسلیم کر کے دیا ہے کہ حسن و قبیح
اشیا عقلی ہین چنانچہ لکھتے ہین" یہ تو ہم نے صرف علامہ حلی کی اوس تقریر کا جواب
دیا ہے الخ" حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اس تیسری شق مین اونھون نے جو تقریر کی ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۳)

وکان عاملاً له علی البصرۃ فوشی به ابوالاسود الدؤلی الی علی فکتب علیؑ الی ابن عباس بذلك ولم یذکر اسم الواشی۔ فاجابه اما بعد فان الذی بلغك باطل وانی لما تحت یدی لضابط وله حافظ فلاتصدق الظنین والسلام" فکتب الیه علیؑ" اما بعد فاعلمنی ما اخذت من الجزیۃ۔ ومن این اخذت وفیما وضعت" فکتب الیه ابن عباس" اما بعد فقد فهمت تعظیمك مرزاۃ ما بلغك انی رزئته من اهل هذه البلاد فابعث الی عملك من احببت فانی ظاعن عنه والسلام"۔ واستدعی اخواله من بنی هلال بن عامر فاجتمعت معه قیس کلها فحمل مالا وقال" هذه ارزاقنا اجتمعت" فتبعه اهل البصرۃ الی مکۃ ولم یشفع علیؑ به ولا باحزابه۔ فلم یفعل علیؑ بابن عمه غیر ما کان عما یفعله بعماله۔ ولکن الاحوال کانت قد تغیرت وقام معویۃ یبتاع الاحزاب بالعطاء ویجتذب القواد بالدهاء یعنی رہے حضرت علی (علیہ السلام) تو زہد و تقوی (وغیرہ اوصاف) مین آپ کے واقعات بہت کثرت سے ہین (جنکا حصر اور شمار نہین ہو سکتا) آپ (قوانین و شریعت) اسلام کی سختی سے پابندی کرتے۔ اپنے ہر کام اور ہر کلام مین نہایت آزاد اور پابند حق رہتے تھے۔ مکروفریب اور چالاکی دھوکہ بازی کے قریب تک نہین جاتے اور ان باتون کو (گویا) جانتے تک نہین تھے۔ آپنے اپنی زندگی کی کسی حالت مین حیلہ سازی کی طرف رخ تک نہین کیا۔ بلکہ آپ کی تمام تر ہمت اور کوشش صرف دین (کی پابندی اور اسی پر خود قائم رہنا اور دوسرون کو بھی باقی رکھنا) تھا اور آپ اپنے تمام افعال اور جمیع حرکات و سکنات مین جو کچھ اعتماد کرتے اور جس چیز کا لحاظ رکھتے وہ صرف سچائی اور حق کی پابندی ہوتی۔ چنانچہ آپ کے زہد اور دنیا کی نفرت کے واقعات سے ایک (قابل ذکر اور عبرت خیز) امر یہ بھی ہے کہ آپ کی شادی

وہ عقلی اصول کے مطابق ہونے کے عوض بالکل مخالف عقل ہے اور حکماء و عقلاء نے جو رائے قائم کی ہے اوسکے بھی خلاف ہے چنانچہ اعقل الحکماء شیخ الرئیس بو علی سینا نے اپنی کتاب شفاء کی الہیات مین خلیفہ کے یہ شرائط کہ اوسکو خدا و رسول کیطرف سے منصوص (مقرر کیا ہوا) اور (تمام مسلمانون سے) افضل ہونا چاہیے اسی طرح اوسکی دوسری صفات لکھنے کے بعد کہا ہے والمعول الاعظم العقل وحسن

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴)

جب حضرت رسالتمآب صلعم کی صاحبزادی جناب فاطمہ زہرا سے ہوئی تو آپ کے پاس ایک دنبہ کی کھال کے سوا کوئی چیز فرش کیلئے نہین تھی۔ تو دونون میان بی بی شب کے وقت اوس کھال پر سو رہتے اور دن کو آپ کا اونٹ اوسی کھال پر دانہ کھلایا جاتا۔ آپ کے خدمت کیلئے کوئی خادم اعلو تک نہین تھا (بلکہ کل کام خود ہی کرتے یا جناب سیدہ انجام دیا کرتین) آپ مال خدا کو ہر شخص کے حق کے مطابق فوراً تقسیم کر دینے کا اسدرجہ خیال رکھتے تھے کہ ایک دفعہ اصفہان (ایران) سے کچھ مال آپ کے عہد خلافت مین آیا تو اوس کے مستحقین کے مطابق اوس مال کو سات برابر برابر حصون مین تقسیم کیا۔ جب کل مال کے حصے ہو گئے تو ایک روٹی بھی ملی۔ حضرت نے اوس کے بھی سات ٹکڑے کرائے اور مال کے ہر حصہ پر روٹی کا ایک ٹکڑا بھی رکھدیا گیا اور اس طرح وہ مال تقسیم کیا گیا۔ لباس مین بھی آپ کا زہد اعلے درجہ پر پہونچا ہوا تھا چنانچہ) آپ ایسی چادر استعمال کرتے تھے جو آپ کو سردی کی اذیت سے بچا نہین سکتی تھی۔ (ایک دفعہ) کسی شخص نے آپ کو دیکھا کہ اپنی چادر مین کھجورین باندھ کر اور اپنے اوپر رکھ کر لیجا رہے ہین جسکو ایک درہم مین خرید فرمایا تھا۔ تو اوس شخص نے حضرت کی خدمتین عرض کی کہ "اے امیر المومنین یہ مجھے دیدیجئے پہونچادون" آپ نے جواب دیا "وہ بھائی جو صاحب عیال ہے اوسی کا کام اسکو پہونچانا بھی ہے" (چنانچہ اوس شخص کو وہ بوجھ نہین دیا اور خود ہی لے گئے)۔ آپ کے حکمت آموز اقوال سے ایک یہ بھی ہے کہ جب کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ مسلمانون کو کیسا ہونا چاہیئے تو فرمایا (زہد اس قدر اختیار کرین کہ) بھوک کیوجہ سے اون کے پیٹ دبے ہوئے ہون اور پیاس کیوجہ سے ہونٹ خشک ہو گئے ہون اور (خوف خدا مین) روتے روتے اون کی آنکھین زخمی اور کمزور ہو گئی ہون" (دیکھو تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۲۰۴) آپ کے عدل اور مساوات کے واقعات سے یہ بھی یادگار اور نہایت درجہ سبق آموز واقعہ ہے کہ آپ نے اپنی ایک زرہ کسی شخص کے پاس پائی اوسکا مطالبہ کیا اوس شخص نے دینے سے انکار کیا تو دونون نے شریح قاضی کے یہان اس مقدمہ کو پیش کیا۔ وہان حضرت علی نے عدل و انصاف کا احترام باقی رکھنے کی غرض سے یہ تدبیر کی کہ آپ کچہری مین بیٹھے نہین بلکہ اپنے خصم کے پہلو مین (اوسی کی طرح) کھڑے رہے اچھا نتیجہ یہ ہوا کہ نفس دیکھکر وہ شخص جو نصرانی تھا فوراً مسلمان ہو گیا اور اقرار کیا کہ بیشک یہ زرہ آپ ہی کی ہے مین نے فلان موقع پر لیلی تھی۔ حضرت نے وہ زرہ اوسی کو بخشدی) حضرت علی جب کوئی لشکر کسی جہاد مین روانہ کرتے تھے تو اون سب کو بطور وصیت تاکید فرماتے تھے کہ دیکھو راستے وقت اٹھنے اونکے ساتھ نرمی کرنا اور بغیر توشہ زرہ ذرا بھی تعرض نہ کرنا انھین کوئی اذیت نہ پہونچنے پائے۔ آپ کو عدل پھیلانے اور حق قائم کرنے کی اسدرجہ فکر رہتی تھی کہ اپنے ماتحتون اور عاملون سے (مسلمانون کے مال کا) حساب لینے مین آپ بڑی جانچ کرتے تھے جیسا کہ حضرت عمر کے بارے مین کہا جاتا ہے کہ) کرتے تھے۔ اگر حضرت عمر کا زمانہ آپکو ملتا (یعنی جس زمانہ مین حضرت عمر مسلمانون کے خلیفہ تھے اسوقت حضرت علی ہی خلیفہ ہوتے) جبکہ مسلمانون مین عام طور پر نبوت کی دہشت باقی تھی اور

الایالة ممن کان متوسطا فی الباقی بعد ان لا یکون غریبا فی البواقی ولا یکون بمنزلة فی ھذین فیلزم اعلمھا ان یشارک اعقلھما ویلزم اعقلھما ان یعتضد بہ و یرجع الیہ مثل ما فعل عمر و علی انتھے۔ یعنی جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۵)

ان کا صدق تدین بالکل زائل نہین ہوا تھا تو یقیناً حضرت علی کی حکومت اور انتظام سلطنت کی کامیابی کل خلفاء سے بہتر ثابت ہوتی اور آپ کی تدبیرون مین کسی قسم کی کمزوری پیدا نہین ہوتی لیکن (افسوس) آپ ایسے زمانہ مین مسلمانون کے سردار بنائے گئے جب سب کی نیتین بگڑگئی تھین اور اسلامی حکومت مین جسقدر عامل۔ والی اور کارپرداز تھے اونکی طمع بہت زیادہ ہوگئی تھی اور احکام مین وہ بہت لالچی ہو گئے تھے۔ اور اس طمع نیز حیل و فریب اور کر و دھوکہ بازی مین معویہ بن ابی سفیان کا نمبر سب سے بڑھا ہوا تھا چنانچہ وہ اپنے گرد ذی اثر۔ صاحب اقتدار اور مفسد لوگون کو دھوکہ بازی حیلہ سازی۔ اور بکثرت صرف مال و عطا و جائزہ سے جمع کرتا رہتا تھا۔ برخلاف اوسکے حضرت علی بکمال اصول عدل اور شدت تقوی کی پابندی کرکے اپنے عاملون۔ والیون اور سرداران لشکر وغیرہ سے باقاعدہ حساب فہمی کرتے اور مال خدا کے ذرہ ذرہ کی جانچ پڑتال کرتے نیز دین شریعت کی حفاظت اور اوصاف ورع و تقوی کی رعایت اسدرجہ فرماتے کہ جو لوگ پہلے سے طماع حریص اور دنیا پرست ہوگئے تھے وہ آپکے اس پابندی حق و انصاف کی برداشت نہ کرسکتے اور آپکا ساتھ چھوڑ دینے پر بہت جلد آمادہ ہوجایا کرتے چنانچہ بہت سے صحابہ نے آپ سے علیحدگی اختیار کرلی تھی یہانتک کہ آپ کے چچازاد بھائی عبد اللہ بن عباس بھی جو آپکی طرف سے بصرہ کے حاکم تھے (سنہ ۳۹ھ مین ابو الاسود دئلی اور انھین حضرت عبد اللہ بن عباس مین کسیوجہ سے اختلاف پیدا ہوگیا تو) ابو الاسود دئلی نے حضرت علی کے یہان عبد اللہ بن عباس کی شکائتین لکھ بھیجین (کہ یہ بیت المال مین ناجائز تصرف اور غبن کرتے رہتے ہین جو عام مسلمانون کا مال ہے) حضرت علی کو یہ خبر ملی تو آپ نے عبد اللہ بن عباس کو تحریر فرمایا کہ ہمین تمھارے متعلق اس قسم کی شکایت پہونچی ہے تم حقیقت حال سے مطلع کرو مگر آپ نے عبد اللہ بن عباس کو ابو الاسود دئلی کے نام سے مطلع نہین فرمایا عبد اللہ بن عباس نے حضرت کے یہان جواب مین لکھا کہ "آپ کے پاس میری جو شکایت پہونچی ہے وہ قطعاً غلط ہے۔ مین بیت المال کی پوری حفاظت کررہا ہون اور اوسکے ایک ایک درہم کا حساب موجود ہے۔ آپ متہم شخصون کے بیان اور اس قسم کی بیہودہ خبرون کا کچھ بھی خیال نہ فرمایئے والسلام"

وسلم کی جانشینی اور خلافت کا دارومدار سب سے زیادہ دو صفتون پر ہے ایک علم وعقل دوسرے حسن انتظام اوس شخص مین جس مین باقی صفات اور دوسرے شرائط خلافت بھی اوسط درجہ کے پائے جاتے ہون۔ اور وہ دوسری صفات سے بالکل عاری اور خالی نہ ہو اور اون دونون صفتون (علم وعقل اور حسن انتظام) مین بھی بمنزلہ اسی (عاری اور خالی) کے نہ ہو پس (اگر دو شخص فرض کئے جائین کہ ایک مین علم زیادہ ہے اور دوسرے مین عقل زیادہ تو) جس شخص مین علم زیادہ ہو اوسے لازم ہے کہ اوس شخص کا شریک ہو جائے جسمین عقل زیادہ ہے اور جس شخص مین عقل زیادہ ہو اوسکو لازم ہے کہ برابر اوس شخص سے مدد حاصل کرتا رہے جسمین علم زیادہ ہے اور اپنے ہر امر مین اوسکی

لیکن حضرت علی کو عبداللہ بن عباس کے اس جواب سے اطمینان نہین ہوا اور آپ نے پھر اونکے پاس یہ تحریر روانہ فرمائی "تم مجھے تفصیل سے مطلع کرو کہ جزیہ کی کس قدر رقم تم نے لوگون سے وصول کی ہے۔ اور کس کس مقام اور کن صورتون سے حاصل کی ہے اور کن کامون مین خرچ کیا اور کسطرح رکھا ہے" جب حضرت عبداللہ بن عباس کے پاس آپ کی یہ تحریر پہونچی تو اونھون نے حضرت علی کو جواب مین لکھا کہ "مین سمجھ گیا کہ آپ تک جو میری شکایت اس امر کی پہونچی ہے کہ مین نے ان ملکون کے مال مین کمی کردی ہے اور غبن کا مرتکب ہوگیا ہون اس شکایت کو آپ سچ سمجھتے ہین اور ان چیزون کو آپ بہت وزن دیتے ہین لہذا اب مجھ سے یہ خدمت انجام نہین پاسکتی اور آپ مجھے معاف فرمائیے اور جس شخص کو آپ پسند کرین یہان کا حاکم بنا کر روانہ کردین مین اب اس مقام سے روانہ ہو رہا ہون والسلام"۔ حضرت علی کو یہ جواب لکھ کر عبداللہ بن عباس نے بنی ہلال بن عامر کے قبیلہ سے اپنے ننھیالی رشتہ دارون کو طلب کیا جسپر پورا قبیلہ قیس اونکے پاس جمع ہوگیا اور عبداللہ بن عباس بصرہ کے بیت المال سے بہت کچھ مال لیکر روانہ ہوگئے اور کہا "یہ سب وہ مال ہے جو میرے وظیفہ اور جائز حق سے میرے مصارف کے بعد بچا رہا تھا" اہل بصرہ مکہ معظمہ تک آپ کے ساتھ آئے اور یہان پہونچا کر واپس گئے اور حضرت علی کو نہ عبداللہ بن عباس کے مالون سے کچھ نفع پہونچا نہ اونکے طرفدارون نے"۔ تو مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ حضرت علی کا برتاؤ اور نظم خلافت کچھ انوکھا اور خلاف معمول نہین تھا بلکہ عمر بھی آپکے پہلے اپنے والیون اور عاملون کے ساتھ یہی برتاؤ کرتے تھے جو آپنے اپنے چچازاد بھائی عبداللہ بن عباس سے کیا لیکن اثر کے فرق اور نتیجہ کے اختلاف کیوجہ صرف یہ ہوئی کہ حضرت علی کے زمانہ تک مسلمانون کے حالات اعمال خیالات بہت کچھ بدل گئے تھے اور دوسری جانب (حضرت کا دشمن) معویہ مسلمانون کی جماعتون اور عرب کے قبائل کو کثرت مال و دولت بخشکر اور جود و عطا کرکے اپنا غلام بنا تا جاتا تھا اور سردار ان قبائل نیز ارکان سلطنت کو اپنے گرد فریب کر اپنی طرف کھینچتا

طرف رجوع کرتا رہے جیسا حضرت عمر و حضرت علی کرتے رہے ہیں انتہی۔ شیخ الرئیس کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص علم سے عاری اور خالی ہو اجسکا مطلب یہ ہے کہ گویا جاہل ہو وہ اگرچہ حسن انتظام اور قانون عدالت سے واقف ہو پھر بھی خلافت کیلئے موزون اور مناسب نہین ہوگا۔ اور یہ کہ جو شخص اصول سیاست اور تدابیر انتظام کا اچھا ماہر ہو وہ خلافت کے لئے اوسی وقت زیادہ مناسب ہوگا جب وہ شخص جو علم مین سب سے زیادہ ہو عدالت اور حسن انتظام مین اوسکے برابر نہ ہو۔ لہذا اگر ہم فرض بھی کرلین کہ حضرت عمر بہت اچھی سیاست جانتے تھے پھر بھی وہ خلافت کے لئے حضرت علی سے زیادہ مناسب نہین تھے کیونکہ حضرت علی دونون امرون (علم اور حسن انتظام) مین بڑا درجہ رکھتے تھے جس کا اقرار فاضل مخاطب نے بھی کیا ہے۔ اور شیخ الرئیس نے اپنے اس بیان کی مثال حضرت علی و عمر سے جو ذکر کی ہے اسمین ایک بڑا نکتہ ہے جس کو ہم نے اپنی کتاب مجالس المومنین[1] مین ذکر کیا ہے۔ اور غالبًا فاضل مخاطب کا خیال یہ ہے کہ اس شق کا مضمون اونکے خلفائے ثلثہ کے حال کے مطابق ہے کہ وہ حضرات اگرچہ اصول سلطنت اور حفاظت ملک و ملت کا علم بھی حضرت علی سے کم ہی رکھتے اور اس صفت مین بھی آپ سے مفضول ہی تھے لیکن اس صفت مین فاضل کے رہتے ہوئے بھی اوس شخص کو خلیفہ بنانا جائز ہے جو مفضول (پست تر) ہو (یعنی باوجودیکہ اصول سلطنت اور حفاظت ملک و ملت کا علم بھی خلفائے ثلثہ کو حضرت علی سے کم تھا پھر بھی حضرت علی کے رہتے ہوئے خلفائے ثلثہ کو خلیفہ مقرر کرنا جائز تھا) لیکن اس خیال کا غلط اور مہمل ہونا اس درجہ واضح ہے کہ بیان کرنے کی ضرورت نہین ہے کیونکہ اگر خلفائے ثلثہ کو (اصول سلطنت اور حفاظت ملک و ملت کا علم ہونا کیسا) ایک چھوٹے لشکر کی سرداری اور حکومت کا علم بھی حاصل رہتا تو حضرت رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (جن سے بہتر کوئی شخص کسی کے علم اور تدبیر کا امتحان نہین کرسکتا تھا) ایک مرتبہ عمرو بن العاص کو۔ دوسری مرتبہ زید بن حارثہ کو اور تیسری مرتبہ

[1] جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ نے اسکی تصریح نہین فرمائی کہ مجالس المومنین کے کس باب اور کس مقام پر آپ نے اس نکتہ کو ذکر کیا ہے مگر مجالس المومنین مطبوعہ طہران مجلس ہفتم صفحہ ۳۳۱ حالات الشیخ الرئیس ابو علی سینا قدس سرہ مین یہ عبارت تحریر فرمائی ہے وبالجملہ تولد شیخ در فطرت تشیع و انقطاع و بازگشت او از میان سلاطین عصر بسلاطین شیعہ واحدًا بعد واحد و اختلاط او و افضلیت

اسامہ بن زید کو ان لوگون کا سردار اور حاکم بنا کر اور ان خلفا کو صحابیون کے ماتحت میں لشکر مین رکھ کر جہاد کے لئے نہ روانہ فرماتے - یہان اگر کوئی یہ شبہہ کرے کہ اگر خلفائے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸)

ونص و اجماع را برفان خلیفہ پیغمبر صلعم چنانکہ در مبحث امامت از الہیات شفا بآن تصریح نمودہ دلیل قوی است برانکہ او از اہل ایمان بودہ و ایضا در ہمین مبحث گفتہ کہ ومن اجتمعت لہ الحکمۃ النظریۃ وقد فاز مع ذلک بالخواص النبویۃ کاد ان یصیر ربا انسانیا فکاد ان یحل عبادتہ بعد اللہ وھو سلطان العالم الارضی خلیفۃ اللہ - وشک نیست کہ این اوصاف صادق نیست الا بر امیر المومنین علیہ السلام کہ باتفاق جامع جمیع اقسام حکمت نظری کشفا و شہودا بودہ و مصدر معجزات ظاہرہ وکرامات باہرہ آنحضرت متواتر و مشہور است و آنکہ در آخر این مبحث از کتاب مذکور گفتہ کہ می تواند بود کہ خلیفہ جاہل باشد در احکام شریعت رجوع بعالمے نماید چنانکہ در زمان عمر و علی معمول بودہ مراد خلافت مجازیست کہ نظام ظاہری بہ آن انتظام می یابد نہ خلافت حقیقی چنانکہ بعضے از قاصران توہم کردہ اند زیرا کہ اگرچہ سیاق کلام او موہم ارادۂ خلافت حقیقی است اما بعد از تامل در اطراف کلام ظاہر میشود کہ شیخ در نزد تحریر این مرام در مقام تمویہ و فریب مستولیان زمان او از اہل سنت و جماعت بودہ لاجرم چنانکہ رسم مولفان است گاہے استعمال لفظ در معنے حقیقی و گاہے در معنے مجازی نمودہ و مؤید ارادۂ خلافت مجازی است آنکہ اگر مراد شیخ نہ آن بودے اولی چنان نمودے کہ تمثیل بحال ابوبکر نمودے کہ نزد اہل سنت اول خلفا و افضل و اکبر بود و در اکثر احکام استعانت برائے وزیر خود عمر و صحابہ دیگر می نمود و التماس ان عوجت فاستقیمونی از ایشان می کرد لیکن تمثیل بحال ابوبکر نمود بنابر آنکہ انتظام عرفی ظاہری کہ شیخ قصد تمثیل بہ آن نمودہ در زمان خلافت او متحقق نشد چہ جمعے کثیر از بیعت او تخلف نمودند و اکثر قبائل عرب در زمان او مرتد شدند و فتنہائے عظیم در زمان قصیر خلافت او ظاہر گشت و ہم چنین در زمان خلافت عثمان انتظام امور وے در تنزل داشت تا آنکہ مسلمانان از ظلم او و خویشان او بہ تنگ آمدہ بر او خروج نمودند و او را بقتل رسانیدند بخلاف عمر کہ ہمیشہ خلافت او در میان قوم منتظم بود - و مخفی نماند کہ نزاع در آن نیست کہ انتظام ظاہری کہ مشتمل بر دفع ہرج و مرج و رفع تطاول بعضے آحاد الناس بر بعضے باشد بوجود خلفائے مجازی و ملوک جابرہ کوتوال و عسس ہر شہر حاصل میشود تا آنکہ حضرت زین المجتہدین رحمہ اللہ در رسالۂ نماز جمعہ گفتہ کہ بسیار باشد

نشہ کو انتظام سلطنت اور تدبیر حکومت کا علم نہ ہوتا تو وہ اپنے زمانہ خلافت میں ناکیوں کامیاب ہو جاتے تو اس کا جواب یہ دیا جائیگا کہ (آنحضرت صلعم کے انتقال کے بعد مسلمانو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۹)

کہ این قسم انتظام بوجود خلیفہ حقیقی منتظم نگردد و بوجود ملوک جابر انتظام یابد چہ ایشان بموجب سیاست عرفی کہ بجائے یک کس صد کس را مواخذہ کنند و امثال آن از قوانین جور رفع تطاول احاد الناس از ہم دیگر می کنند۔ اما خود و اولیائے دولت ایشان با بندگان خدا ہر جور و ستم کہ می خواہند بفعل می آورند و اگر خللے در احکام دین واقع شود استعداد و صلاح و راست کردن آن ندارند بنا بر آنکہ عبداللہ بن الحر در این چند بیت بآن اشارہ نمودہ و گفتہ شعر۔ تبیت النشادی من امیہ نوما وبالطف قتلی ما ینام جمیعھا + وما ضیع الاسلام الا قبیلۃ۔ تامر نوکاھا ودام نعیمھا + واضحت قناۃ الدین فی کف ظالم۔ اذا اعوج منھا جانب لا یقیمھا و چگونہ خدمت شیخ خلافت عمر جا... را خلافت حقیقی داند و حال آنکہ سیاق کلام او مساعد این معنی نیست از دو وجہ۔ اول آنکہ شرط نمودہ کہ خلیفہ منصوص باشد از جانب پیغمبر یا اجماع جمیع اہل حل و عقد بر خلافت او واقع شدہ باشد بلکہ در آخر حکم بر رجحان وجوب طریق تنصیص نمودہ چنانکہ موافق مذہب امامیہ است و گفتہ کہ والاستحقاق بالنص اصوب فان ذلک لا یؤدی الی الشعب والتشغب والاختلاف۔ و بہر تقدیر ظاہر است کہ محققان اہل سنت و جماعت دعوے وقوع ہیچ یک از این دو امر درباره ہیچ یک از خلفا و نمی کنند۔ و لہذا لولا المعاندین قاضی عضد ایجی مضطرب شدہ بالتزام آنکہ در صحت خلافت اختیار یک شخص کافی است چنانکہ خلافت ابوبکر بہ بیعت عمر ثابت شد۔ و بالجملہ بعد از تمہید شرط مذکور چون تواند بود کہ حکیمے دانا مانند شیخ خلافت عمر را مثل خلافت حقیقی داند مگر آنکہ گویند لا مناقشۃ فی المثال۔ با آنکہ شیخ حسین بن عبدالصمد رحمہ اللہ در رسالہ شوارق آوردہ کہ شیخ رئیس تصریح نمودہ و فرمودہ کہ اگر نصے در شان حضرت امیرؑ نمی بود مع ہذا تقدیم او بسبب مزایا و فضائل واجب می بود۔ دیگر شرط نمودہ کہ خلیفہ می باید کہ عاقل و عارف بہ شریعت باشد بحیثیتے کہ اعرف از او نباشد و صاحب اخلاق شریفہ مانند شجاعت و عفت، و حسن تدبیر باشد و باتفاق ارباب سیر عمر فظ غلیظ... دل۔ جا... بودہ کہ در غزوات حضرت پیغمبرؐ مانند بدر و خیبر ہمیشہ طریق فرار از زحف پیمودہ و در ہفتاد مسئلہ لولا علی لہلک عمر تکلم نمودہ۔ اگر گویند کہ شیخ در ہمین مبحث گفتہ کہ معول اعظم

مین دنیا پرستی کا مادہ پیدا ہو گیا اور وہ سب اصول اسلام و اغراض بعثت جناب رسالتمآب صلعم کو پس پشت ڈال کر دنیا کے دوسرے ظالم بادشاہون کی طرح ملکون کے فتح کرنے اور اسلام کو بزور شمشیر پھیلانے یا اس کے عوض کفار سے جزیہ وصول کرنے مین مشغول

(بقیہ صفحہ ۴۰)

عقل وحسن ایالت است وچون عمر متصف بعقل وحسن ایالت بود اگر متصف بعلم وشجاعت ونظایر آن نباشد قدحے در خلافت او بہم نمی رسد۔ گویم کہ شیخ متصل باین کلام گفتہ آنچہ مضمونش این است کہ گاہے معقول کمال عقل وحسن ایالت است کہ صاحب آنہا در فضائل باقیہ غریب وبیگانہ نباشد یعنی آن کس کہ از علم غریب وبخیل قریب باشد با آنکہ عارف بحسن ایالت وقانون عدالت باشد لایق خلافت نیست وآن کسے کہ اعرف بہ سیاست باشد گاہے از اعلم اولی است کہ اعلم مثل او نباشد در عدالت وایالت۔ پس بر تقدیرے کہ عمر اعرف بہ سیاست باشد اولے نخواہد بود از حضرت امیرؑ زیرا کہ آنحضرت صاحب مرتبۂ عالی از عدالت وایالت بودہ چنانکہ خصم نیز بآن اعتراف نمودہ وبتواتر رسیدہ کہ در مسائل بسیار خبطہائے رسوا نمودہ چندین بار لولا علی لہلک عمر گفتہ وزبان بمضمون کل الناس افقہ من عمر حتی المخدرات فی الحجال کشودہ ومانند مادہ شغالان فرار از زحف نمودہ وظاہر است کہ چنین کسے را نہایت بیگانگی از علم وشجاعت بودہ با آنکہ اتصاف او بعقل نیز محل بحث است ناسے مکر وحیلہ او مسلم است وآنچہ در تدبیر فتح امصار در زمان او واقع شدہ ہمگی باشارہ رائے منیر حضرت امیرؑ بود چنانکہ در کتب سیر مسطور است وایضا این کلام بر تقدیر تسلیم وابہام معارض است بآنچہ شیخ قدس سرہ در جواب ابو الحسن عامری در نیشاپور تصریح بآن فرمودہ چہ بعد از ذکر دلیل بر وجوب نصب خلیفہ گفتہ واما الشروط المختصۃ بہا فہو ان یعلم انہ لم یصلح ان یکون سایس البہایم واحدا من البہایم بل وجب ان یکون اعقل من الصبیۃ ولم یجز ان یکون سایس الفساق واحدا من الفساق فکذا لا یجوز ان یکون سایس الاہما واحدا من عرض الدہما ثم القول واحد واحد لہذہ الرتبۃ السنیۃ امر قد اکثر المتکلمون واللہ الموفق للرشاد۔ وہم چنین از شیخ منقول است کہ علی ابن ابیطالبؑ چون معقول است درمیان محسوس یعنی چنانکہ معقول بنا بر تجرد از مادہ اشرف از محسوس است کہ مقارن بہ کثافت مادہ است آنحضرت افضل واشرف است از دیگر مردم ومی تواند بود کہ مراد آن باشد کہ حکما وعقلا بحث نمی کنند الا از حال او ودیگران مانند محسوسات

ہو گئے اور) انھین جو کچھ کامیابی ہوئی وہ صرف اسوجہ سے کہ اون کے شریک اور معین بہت سے شریر اور دنیوی اقتدار کے حضرات ہو گئے تھے چنانچہ جو لوگ تاریخ اور حدیث کے ماہر ہین اون سے یہ امر پوشیدہ نہین ہے۔ پھر فاضل مخاطب

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۱)

جزئیہ اند کہ ازبحث خارجند و چون حکماء در وجہ اعتنائے خود بحث از معقولات آن گفتہ اند کہ غرض از علوم حکمیہ این است کہ نفس انسانی را کمالے حاصل شود کہ ببقائے نفس باقی ماند و جزئیات محسوس بنا بر تغیر و تبدیل از این قبیل نیستند پس آن کلمہ جامعہ شیخ اشارت میشود بہ آنکہ مجرد معرفت حضرت امیرع تحصیل کمال و سرمایہ حصول امانی و آمال است و این رباعی لطافت آثار کہ نسیم محبت از فضائے قلوب احباب میرسد از اشعار بلاغت شعار شیخ بزرگوار است۔ رباعی

صفحہ چہرا خط لم یزلی۔ معکوس نوشتہ است نام دو علی + یک لام دو عین با دو یائے معکوس۔ از حاجب و انف و عین با خط جلی + آخری۔ تا بادۂ عشق در گلو ریختہ اند۔ واندر پے عشق عاشق انگیختہ اند + در جان و روان بوعلی مہر علی چون شیر و شکر بہم بر آمیختہ اند۔

در مکاتیب مولانا قطب الدین شیرازی مذکور است کہ خواجہ عین القضاۃ ہمدانی در مدح شیخ ابو علی اطراء و مبالغہ نمودہ۔ و در فصل انخطاب آوردہ کہ شیخ در آخر عمر توبہ کردہ مال بسیار بفقراء تصدق کرد و رد مظالم بجای آورد و در ہر سہ روز یکبار قرآن را ختم می نمود تا در جمعہ اول رمضان سنہ ثمان و عشرین و اربعماۃ وفات یافت و در ہمدان مدفون گردید۔ و در آخر بعضے از فصول از مکاتیب شیخ ابوسعید بن ابی الخیر جناب شیخ را کلامے است کہ دلالت تمام دارد بر آنکہ او بفروع شریعت نیز معترف بودہ و توبہ و استغفار از تقصیرات خود می نمودہ و آن کلام این است و لیعلم ان افضل الحرکات الصلوۃ و افضل السکنات الصوم و افضل البر العطا و ازکی السیر الاحتمال و افضل السعی المراعات و خیر العمل ما صدر عن خالص النیۃ و خیر النیۃ من فرح عن جناب علم و الحکمۃ ام الفضائل و معرفۃ اللہ تعالی اول الاوائل الیہ یصعد الکلم الطیب و العمل الصالح یرفعہ اقول ھذا و استغفر اللہ و استھدیہ و اتوب الیہ و استکفیہ و استلہ ان یقربنی الیہ انہ سمیع مجیب و الحمد للہ رب العالمین و الصلوۃ و السلام علی خیر خلقہ محمد و الہ اجمعین انتہی کلامہ و در تاریخ یافعی نیز حسن خاتمہ شیخ مذکور است حیث قال و قد ذکر انہ تاب و اشتغل بالنسک و ادرکہ اللہ تعالی لسابق عنایتہ و واسع

نے یہ جو ارشاد فرمایا ہے کہ "یہ توہم نے صرف علامہ حلی کی اوس تقریر کا جواب دیا ہے جو انھوں نے فاضل پر مفضول کے مقدم کرنے میں عقلی خرابی کے طور پر ذکر کی تھی ورنہ

رحمتہ رحمہ اللہ۔ تاریخ وفات شیخ بر وجہے است کہ از کتاب فصل الخطاب منقول شد و ولادت او در سال سیصد و ہفتاد بودہ تمام عمر او پنجاہ و ہشت سال بود۔ یعنی مختصر یہ ہے کہ جناب الشیخ الرئیس ابو علی سینا قدس سرہ کا مذہب شیعہ میں پیدا ہونا اور اوس زمانہ کے سلاطین سے علیحدہ ہو کر اور اون سبھون سے منھ موڑ کر شیعہ بادشاہون کے یہان یکے بعد دیگرے آتے رہنا اور انھین لوگون سے وابستہ رہنا اور جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ برحق کے خان میں تمام مسلمانون سے افضل ہونے اور اوسکے متعلق خدا و رسول کی نص اور مسلمانون کے اجماع ہونے کو شرط قرار دینا جیسا کہ اونھون نے اپنی مشہور کتاب شفا کے حصہ الہیات مبحث امامت میں بتصریح ذکر کیا ہے اس امر کی قوی اور ناقابل رد دلیل ہے کہ شیخ موصوف فرقہ اہلسنت سے نہین تھے بلکہ مذہب حق شیعہ سے ہونے کا شرف اونکو حاصل تھا۔ نیز اسی مبحث امامت میں اونھون نے یہ بھی لکھا ہے کہ "جو بزرگوار ایسا ہو جسکی ذات مین حکمت نظریہ مجتمع ہو گئی ہو اور علاوہ برین وہ خواص نبوت و اوصاف رسالت پر بھی فائز ہو گیا ہو وہ قریب ہے کہ رب انسانی ہو جائے اور خداوند عالم (معبود حقیقی) کے بعد اوس کی عبادت (یعنی انتہائے اطاعت) بھی حلال ہو گئے ہو جائے اور وہی عالم ارضی کا شہنشاہ اور خدا کا خلیفہ ہے"۔ اور کسی شخص کو اسمین شک اور تردد نہین ہوسکتا کہ جناب شیخ موصوف نے خلیفہ کے جو اوصاف اس جملہ مین ذکر کئے وہ سوائے ذات بابرکات حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے اور کسی مین بھی پائے نہین گئے کہ حضرت ہی جمیع اقسام حکمت نظری کے مجمع اور مخزن تھے جسکو سب جانتے ہین اور حضرت علیہ السلام سے جو معجزات ظاہرہ اور کرامات باہرہ صادر ہوتے رہے ہین اونکی دلیل اور شاہد پیش کرنے کی ضرورت نہین ہے کیونکہ وہ نہایت درجہ مشہور اور حد تواتر پر پہونچے ہوئے ہین۔ اور جناب شیخ موصوف نے اس کتاب شفا کے مبحث امامت کے آخر مین یہ جو کہا ہے کہ "یہ ہو سکتا ہے کہ خلیفہ رسول خدا صلعم جاہل ہو اور احکام شریعت مین کسی عالم دین کی طرف رجوع کر لیا کرے جیسا کہ زمانہ حضرت عمر مین آپ کا اور حضرت علی علیہ السلام کا معمول تھا کہ حضرت عمر کو جن مسائل شریعت کے جاننے کی ضرورت ہوتی اونمین حضرت علی علیہ السلام کیطرف رجوع کر کے حاصل کر لیا کرتے تھے" تو یہان جناب

بلکہ آپ نے اوس حسن و قبح عقلی سے استدلال کیا ہے جس کو اشاعرہ بھی عقلاً تسلیم کرتے ہین
یعنی دل کا کسی چیز کی طرف مائل ہونا یا کسی چیز سے نفرت کرنا یا کسی چیز کا بادی النظر مین حرج

آجاتا ہے تو بغلین جھانکنے لگتے اور دوسرون کا منہ تکتے رہجاتے ہین اور اوس خرابی کے رفع کرنے یا اوس
مشکل کو ہٹانے یا اوس فتنہ و فساد کی اصلاح کرنے کی کچھ بھی صلاحیت نہین رکھتے اور ہمیشہ ایسے مواقع
پر اونھین لوگون کی طرف رجوع کرتے ہین جو دین و ایمان کا کچھ پاس و لحاظ کرتے یا علم و دین و عقل
کے احکام سے واقف ہوتے ہین۔ اور اگر اتفاقاً ایسے لوگون سے دریافت کرنا خلاف مصلحت
ہوا تو پھر وہ خرابی اسلام مین باقی ہی رہجاتی ہے اور کبھی بھی اوسکا علاج نہین ہوسکتا ہے۔ چنانچہ
عبد اللہ بن الحر نے اپنے چند شعرون مین اسی مضمون کی طرف اشارہ کیا ہے جسکا ترجمہ یہ ہے کہ
بنی امیہ کے نشہ مین سرشار خلفاء تو شب بھر آرام کی نیند سویا کرتے ہین حالانکہ (خدا کے محبوب اور
حقیقی خلفاء رسول کے اعضاء) زمین کربلا پر نہر فرات کے کنارے قتل ہو کر پڑے ہین اور کوئی
بھی نیند کی لذت نہین اٹھاتا۔ دین اسلام کو سوا اس قبیلہ کے اور کسی نے ضائع و برباد نہین کیا
جسکے جاہل اور احمق تو مسلمانون کے حاکم اور سردار بن بیٹھے اور وہ ہمیشہ نعمت و عیش مین بسر کرتے
رہے اور (نتیجہ یہ ہوا کہ) دین کی لگام ایسے ظالم (اور جاہل) کے ہاتھ مین پڑ گئی کہ اوس دین مین کوئی
خرابی پیدا ہو تو وہ اوس کو درست تک نہین کرسکتا ہے۔ اور کیونکر عقل اسکو قبول کرسکتی ہے کہ جناب
شیخ بو علی سینا ایسا حکیم اور فلسفی حضرت عمر کی خلافت کو حقیقی اور جائز و صحیح خلافت تسلیم کرے حالانکہ
شیخ موصوف کے کلام کا سیاق بھی کسیطرح اس مطلب کی تائید نہین کرتا ہے جسکی دو وجہین ہین (۱)
ایک یہ کہ موصوف نے خلافت کا ذکر کرتے ہوئے شرط کر دی ہے کہ چاہیئے حقیقی خلیفہ وہ ہو جس پر
جناب رسالتمآب صلعم نے نص فرما دی ہو اور اپنی زندگی مین خود ہی معین کر دیا ہو لیکن کوئی مدعی
نہین کہ آنحضرت صلعم نے خلفائے ثلثہ سے کسی کو منصوص فرما دیا تھا) (۲) دوسرے یہ کہ کل اہل حل
و عقد کا اجماع اوسکی خلافت پر ہوا ہو۔ بلکہ اس قدر لکھنے کے بعد بھی آخر مین ترجیح اسی کو دی ہے کہ
خلیفہ کو خود جناب رسالتمآب صلعم ہی نے معین کیا ہو بلکہ اسکو واجب کہا ہے۔ اور یہی شیعون کا مذہب
بھی ہے کہ خلیفہ رسول کو منصوص ہونا چاہئے پھر جناب شیخ نے فرمایا ہے کہ الاستحقاق بالنص
اصوب فان ذلک لایودی الی التشعب والاختلاف یعنی نص (خدا اور رسول
کے معین کر دینے) کے ذریعہ سے خلافت کا استحقاق زیادہ مناسب اور صحیح ہے کیونکہ اسکے بعد

اور ناقص یا عمدہ اور کامل ہونا جیسا کہ اسکے قبل کتاب النبوۃ مین انبیاء کے عدم عفت امہات کی بحث کرتے ہوئے خود فاضل مخاطب نے بھی اسی عقلی حسن و قبح سے استدلال

مسلمانون مین فرقہ بندی۔ اختلاف اور فتنہ و فساد نہین ہوگا۔ غرض جناب شیخ نے حقیقی خلیفہ کے لئے یہی دو شرطین ذکر کی ہین اور بہر تقدیر یہ مسلم ہے کہ محققین اہل سنت و جماعت سے کوئی شخص بھی اسکا دعوے نہین کرتا کہ حضرات خلفائے اہلسنت سے کسی شخص مین بھی ان دونون شرطون میں سے کوئی شرط پائی گئی ہو (یعنی نہ تو کسی خلیفہ پر خدا یا رسولخدا صلعم نے نص فرمائی تھی اور نہ ہی کسی کے خلیفہ ہونے پر جمیع اہل حل و عقد نے اجماع اور اتفاق کیا تھا۔ حتی کہ حضرت ابوبکر کو بھی سقیفہ بنی ساعدہ مین حضرت عمر ہی نے خلیفہ مقرر کردیا اور اونھین کے چند اور ساتھیون نے وہان اونکے ہاتھ پر بیعت کرلی پس مدینہ ہی کے جمیع اہل حل و عقد کا اجماع آپ کی خلافت پر نہین ہوا جمیع عالم اسلام کے اہل حل و عقد کے اجماع کرنے کا کیا ذکر کیا جائے) یہی وجہ تو ہے کہ رئیس المعاندین قاضی عضد ایجی نے اس مقع پر بہت کچھ ہاتھ پاؤن مارا کہ حضرت ابوبکر کی خلافت کس اصول پر صحیح ثابت کیجائے (نص موجود نہین ہے اور سوائے چند مخصوص حضرات کے اور کسی نے اپنی رائے اور خواہش سے آپکو خلیفہ مقرر نہین کیا بلکہ جب شور و غل کر دیا گیا کہ حضرت ابوبکر خلیفہ مقرر کر دیئے گئے اوسوقت لوگ مجبوراً خاموش رہگئے) آخر اونھون نے مضطرب ہو کر کہدیا کہ کسی خلیفہ کی صحت خلافت کیلئے صرف ایک شخص کا بھی اپنی خواہش سے اوسکو خلیفہ تسلیم کر لینا کافی ہے جیسے حضرت ابوبکر کی خلافت کہ صرف حضرت عمر کے اختیار کر لینے سے صحیح ہو جائیگی اور آپ خلیفہ برحق مانے جائینگے۔ بہرکیف جب اوپر کی تمہید سے یہ بات پایہ تحقیق کو پہونچ گئی کہ جناب شیخ بو علی سینا خلیفہ حقیقی مین ادن دونون شرطون کے قائل ہین تو کیونکر ہوسکتا ہے کہ اونکے ایسا حکیم دانا اور عالم دقیق النظر حضرت عمر کی خلافت کو حقیقی خلافت تسلیم کرے مگر یہ کہ کہا جائے لامناقشۃ فی المثال یعنی مثال دینے مین کوئی نقص نہین ہے جسکا نام ذکر کردیا جائے۔ علاوہ برین جناب شیخ حسین بن عبد الصمد رحمہ اللہ نے اپنی کتاب رسالہ شوارق مین تحریر فرمایا ہے کہ جناب شیخ الرئیس بو علی سینا نے تصریح کردی ہے اور فرمایا ہے کہ (بالفرض محال) اگر حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالبؑ کی شان والاشان مین خدا و رسولؐ کی کوئی نص خلافت اور امامت کے متعلق نہین ہوتی جب بھی حضرت ممدوح کے فضائل و مناقب اس درجہ کے تھے کہ تمام مسلمانون پر واجب تھا کہ آپ ہی کو خلیفہ رسول اور سردار مسلمین بناتے اور آپ ہی

ہم دل سے اسکے قائل نہین ہین" تو اس کا جواب یہ ہے کہ فاضل مخاطب نے جناب علامہ علیہ الرحمہ کا مطلب سمجھنے کی زحمت گوارا نہین فرمائی کیونکہ جناب علامہ علیہ الرحمہ نے اسپنے

شیخ موصوف کی مراد خلافت سے حقیقی خلافت جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہین ہے بلکہ خلافت مجازی مراد ہے جس سے دنیا کا ظاہری انتظام درست ہو سکے کیونکہ اگرچہ جناب شیخ موصوف کی عبارت کا ظاہر اور اوسکا سیاق کلام یہی شبہ پیدا کرتا ہے کہ ممدوح کی مراد حقیقی خلافت ہے چنانچہ بعض نادانون اور قاصرون کو یہی توہم ہوا ہے لیکن جناب ممدوح کی کل عبارت کو سمجھنے اور تمام اطراف کلام مین غور و تامل کرنیسے ظاہر ہوتا ہے کہ چونکہ اوس زمانہ مین حضرات اہلسنت وجماعت کا بڑا زور شور اور غلبہ واقتدار تھا اور اون کے ظلم وعدوان سے بچنا ہر شخص کیلئے آسان نہین تھا اسوجہ سے ممدوح نے اپنے مقصود کو ایسے پیچیدہ عنوان اور تمویہ و فریب کے طرز سے ادا کیا کہ آپ کی گرفت ظاہر نظام نہ ہو سکے اسیوجہ سے آپ مولفین ومصنفین کی رسم وعادت کے مطابق اپنی عبارت مین ایک لفظ کا استعمال کبھی معنے حقیقی مین اور کبھی معنے مجازی مین کرتے ہین۔ اگر یہان کوئی یہ شبہہ کرے کہ آپ کے اس دعوی کی کیا دلیل ہے کہ جناب شیخ نے یہان خلیفہ سے مراد حقیقی خلیفہ کو نہین لیا ہے بلکہ مجازی خلیفہ کو لیا ہے تو ہم اوسکے اطمینان کے لئے کہیں گے کہ جناب شیخ کی مراد اگر مجازی خلافت نہین ہوتی بلکہ حقیقی خلافت ہوتی تو اون کے لئے بہتر یہ تھا کہ مثال دیتے وقت حضرت عمر خلیفہ ثانی کا نام نہین لیتے بلکہ حضرت ابوبکر خلیفہ اول کا نام ذکر کرتے جو حضرات اہلسنت کے یہان اول خلفاء اور افضل واکبر خلفاء تھے اور اکثر احکام مین اپنے وزیر پر تدبیر حضرت عمر نیز دوسرے صحابہ کی رائے اور مشورہ سے مدد لیا کرتے تھے اور ان سبھون سے برابر ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ ان حدت فاستقیمونی۔ یعنی جب مین بہک جایا کرون اور ٹیڑھی چال چلنے لگون تو تم لوگ مجھے سیدھا کر دیا کرو۔ لیکن کتاب کی عبارت کہتی ہے کہ جناب شیخ موصوف نے مثال مین حضرت ابوبکر کا نام نہین لیا کیونکہ جس ظاہری انتظام امور دنیوی تدبیر امن وامان کو شیخ موصوف ذکر کرنا چاہتے ہین اور جس کی مثال دینا اونھین مقصود ہے وہ حضرت ابوبکر کی خلافت مین حاصل نہین ہو سکی اس لئے کہ بکثرت مسلمانون نے اونکی بیعت کرنے سے منھ موڑ لیا اور انکو خلیفہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اور اکثر قبائل عرب اونکے خلافت کے زمانہ مین مرتد ہو گئے تھے اور اونکی مختصر مدت خلافت مین بکثرت فتنہ اور فسادات اسلامی عالم مین رونما ہو گئے تھے۔ اسیطرح حضرت عثمان

بیان پر اوس اصطلاحی حسن و قبح عقلی سے استدلال نہین کیا ہے جسمین اشاعرہ اور معتزلہ کے درمیان نزاع واقع ہے اور جس کے عقلی یا شرعی ہونے مین اختلاف ہے

خلیفہ ثالث کی خلافت کے زمانہ مین بھی اسلامی دنیا کا انتظام درہم و برہم ہو گیا تھا یہانتک کہ تمام مسلمان اون کے اور اون کے اعزہ و اقربہ کے ظلم و تعدی سے چیخ اٹھے تھے اور مجبور ہو کر اون پر خروج کر دیا اور انھین قتل کر ڈالا تھا۔ برخلاف حضرت عمر کے کہ اونکی خلافت کا زمانہ ان فتنوں اور فسادون سے بظاہر محفوظ معلوم ہوتا تھا۔

یہ امر بھی پوشیدہ نہین رہنا چاہیئے کہ ہمارے اور حضرات اہلسنت کے درمیان نزاع دنیا کے ظاہری انتظام اور سلطنت و حکومت کے عرفی تدبیر امن و امان کے متعلق نہین ہے جس سے جھگڑا فساد موقوف رہے اور ایک شخص دوسرے پر ظلم نہ کر سکے نہ اوسکے حقوق کو پامال کر سکے کہ یہ اور اس قسم کے دوسرے ظاہری فوائد اور دنیوی منافع تو یقیناً مجازی خلفار سے حاصل ہوتے ہین بلکہ انکا حاصل ہونا خلفا ہی پر موقوف نہین ہے دنیا کے ہر جیدار مغز بادشاہ۔ سلاطین جور یہان تک کہ کوتوال اور چوکیداران شہر وغیرہ تک سے یہ اغراض پورے ہوتے رہتے ہین حتی کہ حضرت زین المجتہدین رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ نماز مین فرمایا ہے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس قسم کے دینوی انتظامات اور سیاسی فوائد و اغراض حقیقی اور برحق خلیفہ سے اچھی طرح انجام نہین پاتے اور بے ایمان و ظالم بادشاہان جور نہایت خوبی سے ان امور مین کامیاب ہو جاتے ہین اسلئے کہ حقیقی خلیفہ تو ہمیشہ حق کا پابند اور شریعت و ایمان کا تابع ہوتا ہے خواہ اس سے سیاست حاصل ہو سکے یا نہ ہو سکے برخلاف حکام جور کے کہ حق و باطل اور ایمان وغیر ایمان کسی امر کا لحاظ نہین کرتے بلکہ اپنی حکومت اور سلطنت کی حفاظت جس طرح بھی ہو اوسی کو ضروری سمجھتے ہین خواہ اسکے لئے اونھین ظلم کرنا پڑے۔ خونریزی کرنی پڑے لوگون کے حقوق زائل کرنے ہون ملک کو ویران کر دیا جائے مکانون مین آگ لگا دی جائے گھر دن کو منہدم کر دیا جائے اور ایک کے عوض سو یا ہزار بے قصورون کو قتل کرنا پڑے بچون اور عورتون تک کو ہلاک کرنے کی نوبت آئے کہ اپنی سلطنت اور حکومت کو برقرار رکھنے اور مستحکم کرنے کیلئے یہ لوگ ذرہ برابر کسی برائی کا خیال نہین کرتے حتی کہ باپ بیٹے تک کو قتل کر دیتا ہے اور بیٹا باپ تک کا خون بہا دیتا ہے۔ لیکن جب دینی امر اور ایمانی معاملہ مین کوئی خفیف دقت بھی پیدا ہو جاتی ہے اور ذرہ برابر بھی مشکل مسئلہ سامنے

گیا ہے اور اس مین کسی شخص کو بھی شبہہ نہین ہوسکتا کہ فاضلیتہ اور مفضولیت (یعنی ایک شخص کا عمدہ صفات مین دوسرون سے زیادہ ہونا اور دوسرون کا اوس سے کم ہونا) کامل یا

سے ہدایت پاتے۔ دوسرے یہ کہ اونھون نے شرط کی ہے کہ چاہیئے خلیفہ جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم وہ شخص ہو جو عاقل۔ عالم۔ اور شریعت و ایمان سے اسطرح واقف ہو کہ اوسکے زمانہ مین اوس سے زیادہ شریعت و دین کا جاننے والا کوئی دوسرا شخص نہ ہوا ور وہ ان صفات کے علاوہ صاحب اخلاق شریفہ بھی مانند شجاعت و عفت و حسن تدبیر وغیرہ کے ہو۔ مگر تمام مورخین اور جمیع اہل سیر کا اس امر پر اتفاق ہے کہ حضرت عمر فظ۔ غلیظ۔۔۔ دل۔۔۔ ہل تھے کہ غزوات جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مثل بدر و احد و خیبر و خندق و حنین وغیرہ مین ہمیشہ فرار ہی کی راہ اختیار کرتے رہے اور سیکڑون مسئلہ مین فرمایا کئے کہ لولا علی لھلک عمر اگر حضرت علی ابن ابیطالب نہ ہوتے تو عمر ہلاک اور برباد ہوگیا تھا۔

اس مقام پر اگر کوئی شخص یہ شبہہ پیش کرے کہ جناب شیخ الرئیس نے اپنی کتاب کے اسی مبحث مین یہ بھی تو فرمایا ہے کہ معول اعظم عقل و حسن ایالت است یعنی سب سے بڑی صفت قابل بلحاظ عقل اور حسن انتظام و سیاست ہے اور چونکہ حضرت عمر ان دونون صفتون یعنی عقل اور حسن انتظام کے مادہ سے متصف تھے لہذا اگر دوسری صفات مثلاً شجاعت۔ علم عفت وغیرہ سے متصف نہ ہون جب بھی اونکی خلافت پر کوئی اعتراض نہین ہوسکتا۔ تو اسکس شبہہ کے جواب مین ہم عرض کرینگے کہ جناب شیخ موصوف نے اپنے اسی کلام سے متصل ایک اور بات بھی کہی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سب سے بڑی صفت قابل بلحاظ کمال عقل اور حسن انتظام و خوبی تدبیر اُسوقت ہوگی جب ان خوبیون کے ساتھ دوسرے فضائل و صفات بھی اوس مین پائے جائین یعنی جس شخص مین کمال عقل اور حسن ایالت پائی جائے اوسکو دوسری کمالات اور اوصاف ضروریہ سے بھی عاری نہین ہونا چاہیئے۔ جس کا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ جو بزرگوار صفت علم و فضل سے خالی اور صفت جہل سے آراستہ ہون وہ اگرچہ حسن انتظام و تدبیر مملکت کے عارف اور قانون حکومت و سلطنت کے ماہر ہون پھر بھی خلافت کے لائق نہین ہوسکتے۔ اور جو شخص سیاست مین زیادہ ماہر اور تدابیر حکومت سے زیادہ واقف ہو وہ اوسوقت خلافت کے لئے صاحب علم و معرفت سے زیادہ مستحق ہوگا جبکہ وہ شخص جو علم و معرفت مین اس شخص سے بہتر اور افضل ہو

ناقص اور طبیعت کے مناسب یا غیر مناسب ہونے کے طور پر ہے جسکو عقل خود بھی طرح سمجھ لیتی اور ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کا فیصلہ کر دیتی ہے اور جو کہا ہے کہ "اس کے بعد انھون نے قرآن مجید

سیاست اور تدبیر حکومت و اصول عدالت مین اس شخص کے مثل نہ ہو۔ پس اگر ہم تسلیم بھی کر لین کہ حضرت عمر فن سیاست اور اصول حکومت و سلطنت مین جناب امیر المومنین علیہ السلام سے زیادہ ماہر تھے جب بھی وہ خلافت کیلئے حضرت علی سے زیادہ مستحق نہین قرار پا سکتے کیونکہ حضرت امیر المومنین صفات شجاعت و علم و معرفت مین بے مثل ہونے کے علاوہ سیاست و عدالت اور حسن نظام و تدبیر جہان رانی مین بھی ید طولیٰ رکھتے اور درجہ عالی پر فائز تھے چنانچہ مخالفین بھی برابر اسکا اعتراف کرتے آئے ہین۔ اور حد تواتر پر یہ امر پہونچا ہوا ہے کہ بہت سے مسائل مین حضرت عمر ایسی فاش اور شرمناک غلطیان کرتے تھے کہ وہ حضرت علیؑ ہی سے درست ہوتی تھین اسی وجہ سے حضرت عمر بار بار فرمایا کرتے تھے لولا علی لہلک عمر یعنی اگر حضرت علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک و برباد ہی ہو گیا تھا بلکہ کہہ سکتے ہین کہ مسائل شرعیہ و انتظامیہ مین یہ جملہ آپ کا زبان زد ہو گیا تھا اور اپنی علم و معرفت کی حقیقت آشکارا کرنے کے لئے یہ بھی ہمیشہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ کل الناس افقہ من عمر حتی المخدرات فی الحجال یعنی علم فقہ (شرائع اسلام) مین ہر شخص کا علم عمر سے زیادہ ہی ہے "مردون کا کیا ذکر ہے پردہ کی بیٹھنے والی عورتین تک مجھ سے زیادہ علم فقہ کی جاننے والی ہوتی ہین انتہے"۔ یہ تو علمی فضیلت تھی رہی شجاعت کی صفت تو وہ اظہر من الشمس ہے اور غزوہ احد۔ خندق۔ خیبر و حنین وغیرہ کی زمینین آپ کے کارنامون کو یاد کر رہی ہین پس ظاہر ہے کہ ایسے بزرگوار کو صفات کمالیہ علم و شجاعت سے کسقدر حصہ ملا تھا۔ علاوہ برین آپ کا صفات عقل و حسن تدبیر سے آراستہ ہونا بھی محل کلام ہے ہان اور تدابیر و حیل مراد لی جائین تو ممکن ہے۔ رہا آپ کے زمانہ مین ملکون کا کثرت سے مفتوح ہونا اور سلطنت اسلام کی وسعت و شوکت تو اگرچہ ان امور کو حقیقی اسلام سے کوئی تعلق نہین کیونکہ لا اکراہ فی الدین کے مطابق اسلام بزور شمشیر پھیلنے کے لئے نہین آیا تھا) ان فتوحات مین بھی کامیابی آپ کے وجہ سے نہین ہوئی بلکہ جب آپ کوئی کام اپنی رائے سے کرتے اور اومین مشکل آن پڑتی تو حضرت علی سے مشورہ طلب کرتے اور حضرت علی اسلام کو بچانے اور مسلمانون کو مشکلات و مصائب سے نجات دلانے کیلئے ایسی صائب رائے دیدیتے تھے جس سے کل دقتین رفع ہو جاتین اور حضرت عمر کے سر کامیابی کا سہرا بندھ جاتا تھا۔ غرض آپ کی

سے جو دلیل ذکر کی ہے تو اوس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ عالم اور جاہل یا ہدایت کرنے والا اور گمراہ کرنے والا یا ہدایت یافتہ اور گمراہ شخص برابر نہیں ہین تو اس بیان

جو کچھ کامیابی تھی وہ سب صرف حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی قیمتی رایون اور بیش بہا مشورون سے جیسا کہ تمام کتب تواریخ وحدیث وسیر مین تفصیل سے مرقوم ہے۔

نیز یہ کلام بر تقدیر تسلیم وابہام معارض ہے اوس کلام کے جسکو جناب شیخ ممدوح نے بمقام شہر نیشاپور ابو الحسن عامری کے جواب مین تصریح سے ذکر فرمایا ہے کیونکہ اوسمین اوںھون نے خلیفہ مقرر کرنیکے وجوب پر دلیل ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرمایا ہے کہ خلافت کی مخصوص شرطون سے یہ امر بھی ہے کہ وہ اس امر کو اچھی طرح سمجھتا ہو کہ جانورون اور بہائم تک کے لئے کبھی یہ مناسب نہیں سمجھا گیا کہ اونکا نگہبان اور چرواہا اونھیں میں سے کوئی جانور مقرر کیا جائے بلکہ واجب ہے کہ وہ چرواہا ایسا مقرر کیا جائے جو بچوں سے بھی زیادہ عقل رکھتا ہو۔ اور یہ بھی کسی مقام پہ جایز نہیں سمجھا گیا کہ فاسقوں اور بدمعاشوں کی نگرانی اور اون پر سیاست کرنے والا اونھیں میں سے کوئی فاسق ہو تو اسی طرح یہ بھی جایز نہیں ہو سکتا کہ عوام کا انعام کا حاکم اور سردار بھی اونھیں ایسا کوئی معمولی اور حقیر شخص ہو بلکہ ضرور ی ہے کہ وہ ایسا شخص ہو جو اپنے صفات اور کمالات میں اون سب لوگوں سے ممتاز اور اون پر دنیوی حکومت اور اونکی دینی پیشوائی کرنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہو۔ پھر اس بلند مرتبہ اور عالی درجہ کے بارے مین گفتگو اور بحث کرنا ایسا کام ہے جسکے متعلق علمائے علم مناظرہ اور متکلمین نے بڑی بڑی کتابین لکھی ہین لیکن سیدھے راہ کی توفیق دینے والا خداوند عالم ہی ہے انتہے۔

اسی طرح جناب شیخ موصوف سے منقول ہے کہ وہ برابر کہا کرتے تھے کہ حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی ذات مجمع صفات دوسرے لوگون کے درمیان ایسی ہے جیسے معقول ہوناہی محسوسات کے درمیان یعنی جسطرح معقول (صرف عقل مین آنیوالی اور اسی کے ذریعہ سے معلوم ہونے والی چیز) مادہ سے مجرد اور خالی ہونے کی وجہ سے محسوس (حواس خمسہ کے ذریعہ معلوم ہونے والی چیزون) سے اشرف اور افضل ہوتی ہے کیونکہ محسوس چیزین تو کثافت مادہ سے لوث ہوتی رہتی ہین اسیطرح حضرت امیر المومنین جناب رسالتمآب صلعم کے بعد تمام دنیا کے لوگون سے اشرف وافضل تھے کہ اور لوگون مین تو مختلف قسم کی کثافتین اور آلودگیان پائی جاتی تھین لیکن حضرت کی ذات

مین بھی فاضل مخاطب چالاکی کر گئے کہ آپ نے تتمہ آیہ سے تجاہل کیا اور چشم پوشی کی جو خداوند عالم کا یہ قول ہے افمن یھدی الی الحق احق ان یتبع امن لا یھدی الا

طاہر و مطہر اور نور ہی نور تھی (اسیوجہ سے توجناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ برابر ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ خلقت انا و علی من نور واحد یعنی مین اور علی ایک ہی نور سے پیدا کیے گئے ہین) جناب شیخ کی عبارت کا ایک دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جس طرح علم حکمت وفلسفہ مین علماء وحکماء جو کچھ بحث کرتے ہین وہ معقولات سے اور محسوسات سے گویا کوئی تعلق ہی نہین رکھتے اسی طرح صاحبان عقل وفہم وارباب علم وحکمت کی بحث اور غور وتامل کے لائق حضرت امیرالمومنین ہی کی ذات ہے اور آپ کے علاوہ لوگ مثل محسوسات جزئیہ کے ہین کہ اون سے بحث یا اونکا تذکرہ کرنے کی اہل علم حضرات کو ضرورت نہین ہوتی ہے اور وہ مبحث سے بالکل خارج ہوتے ہین۔ اور چونکہ معقولات ہی سے بحث کرنے اور ادوھر ہی متوجہ رہنے کی وجہ حکماء نے یہ ذکر کی ہے کہ علوم حکمیہ کی تحصیل اور تدوین وترتیب سے غرض یہ ہے کہ نفس انسانی کو کوئی ایسا کمال حاصل ہوجائے جو نفس کے ساتھ باقی رہے اور جزئیات محسوس دن رات متغیر اور متبدل ہوتے رہنے کی وجہ سے اس قبیل کے نہین ہوتے ہین لہذا ہوسکتا ہے کہ جناب شیخ نے عبارت مذکورہ بالا سے اس امر کی طرف بھی اشارہ کیا ہو کہ حضرت امیرالمومنین علی ابن ابیطالب علیہ الصلوۃ والسلام کی معرفت حاصل کرلینا ہی جمیع کمالات کا حاصل کرلینا اور تمام ارزوؤن اور کل فضائل ومناقب کے سرمایہ پر قبضہ کرلینا ہے (کیونکہ جس نے حضرت کی معرفت حاصل کرلی وہ اور کسی شرف عرفان وفضل یقین سے محروم رہ ہی نہین سکتا ہے)۔ اور یہ رباعی لطافت آثار جس سے محبت ومودت کی نسیم مومنین صادقین اور موالین آل طہ ویسین کے دلون مین پہونچکر اون کو زندہ کردیتی ہے جناب شیخ بزرگوار ہی کے اشعار بلاغت شعار سے ہے جسکا حاصل مفہوم یہ ہے کہ لوگون کے چہرون پر خداوند عالم نے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ ہی رہیگا اپنے قلم قدرت سے گویا خط لم یزلی مین حضرت کا نام دو مرتبہ معکوس طور پر لکھدیا ہے جسکی توضیح یہ ہے کہ ایک لام اور دو عین اور دو یائے معکوس سے دو علی لکھ جائیگا (اور اسکی مثال یہ ہے علی) بس اسکے لئے خدا نے ہر انسان کے چہرہ پر ایک ناک (جو بجائے علی کے لام کے ہے) اور دو آنکھ (جو بجائے علی کے عین کے ہین) اور دو ابرو (جو بجائے دونون علی کے حرف یا کے ہین) پیدا کر رکھا ہے۔ دوسری رباعی بھی تقریبا اسی

ون یھدی الیٰ کیا جو دین حق کی راہ دکھائے وہ اس کا زیادہ حق رکھتا ہے کہ اوس کے
حکم کی پیروی کیجائے یا جو ایسا عاجز ہے کہ جب تک دوسرا اوسکو راہ نہ دکھائے وہ خود بھی

مضمون کی ہے جسمین کہتے ہین کہ جب تک عشق کی شراب حلق مین ڈالے ہوئے ہین اور رگون مین عاشق کا عشق ملائے ہوئے ہین اوسوقت تک بو علی سینا کے دل وجان مین حضرت علی کی محبت مثل شیر وشکر کے ملی ہوئی ہے۔

اور جناب مولانا قطب الدین شیرازی علیہ الرحمہ کے مکاتیب مین مذکور ہے کہ خواجہ عین القضاۃ ہمدانی نے جناب شیخ ابو علی سینا علیہ الرحمہ کی مدح وستایش مین بہت کچھ اطراء اور مبالغہ کیا ہے اور کتاب فصل الخطاب مین اوسکے مصنف نے لکھا ہے کہ شیخ بو علی سینا نے اپنی عمر کے آخر مین (اپنے فلسفی عقائد اور حکیمانہ خیالات سے) توبہ کرکے بہت سا مال فقراء اور مساکین پر تصدق کیا اور رد مظالم کو بجا لائے اور ہر تین روز مین ایک مرتبہ قرآن مجید کی تلاوت کرکے ختم کر دیتے تھے یہانتک کہ بروز جمعہ تاریخ اول ماہ رمضان المبارک ۴۲۸ھ ہجری کو دنیائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف انتقال فرمایا اور مقام ہمدان مین دفن کئے گئے۔ اور شیخ ابو سعید بن ابی الخیر کی کتاب مکاتیب کی بعض فصلون کے آخری حصہ مین جناب شیخ بو علی سینا کا ایک ایسا قول نقل کیا گیا ہے جو اس امر پر پوری طرح دلالت کرتا ہے کہ شیخ موصوف (اصول مذہب شیعہ کا اعتقاد رکھنے کے علاوہ) فروع دین وشریعت کے بھی پورے معترف اور پابند تھے اور اپنی گذشتہ تقصیرون اور خطاؤن سے برابر توبہ واستغفار کیا کرتے تھے چنانچہ اوس کلام کا ملخص یہ ہے کہ فرماتے ہین اور ہر عاقل عارف کو یہ بھی جاننا چاہئے کہ افضل حرکات (یعنی جن کامون مین انسان کو حرکت کرنا پڑتی ہے اون سب سے بہتر) نماز ہے اور جن کامون مین انسان کو رکنا اور سکون اختیار کرنا پڑتا ہے اون سب مین افضل صوم (روزہ رکھنا) ہے اور بہترین چیز جود وبخشش کرنا ہے اور پاکیزہ ترین خصلت حلم وبردباری ہے اور افضل سعی مرابات ہے اور بہترین عمل وہ ہے جو انسان کی خالص نیت سے صادر ہو اور بہترین نیت وہ ارادہ ہے جو کسی کام کا علم حاصل کرکے خوشی سے کیا جائے اور حکمت اصل ہے جمیع فضائل ومناقب کی اور خداوند عالم کی معرفت اول اوائل (یعنی تمام فرائض وتعلقات کی جڑ) ہے کیونکہ اچھی اچھی باتین اوسی کی جناب تک پہونچتی ہین اور وہی نیک عمل کے بجا لانے والون کے درجون

راہ نہیں پا سکتا) پس یہ آیت صاف صاف اس امر کو بتاتی ہے کہ جو شخص کسی چیز میں راہ پانے کیلئے دوسروں کا محتاج ہو وہ کسی طرح اس قابل نہیں ہو سکتا کہ اوسکے حکم کی پیروی کیجائے[1]

کو لبند کرتا ہے۔ میں یہ قول (اپنے سچے دل سے) کہتا ہوں اور اللہ ہی سے اپنی خطاؤں کی مغفرت کی درخواست کرتا ہوں اور اوسی سے ہر حالت میں ہدایت اور ارشاد کا طلبگار ہوں اور اوسی کو اپنی تمام حاجات اور ضروریات کے پورا کرنے کے لئے کافی سمجھتا اور اوسی سے کفایت کی خواہش کرتا ہوں اور اوس سے سوال کرتا ہوں کہ وہ مجھے اپنی درگاہ میں مقرب کرے کیونکہ وہی سب کی درخواستوں کو سننے والا اور سب کی دعاؤں کو قبولیت کا درجہ بخشنے والا ہے اور کل حمد اللہ ہی کے لئے ثابت ہے جو تمام عالمین کا پروردگار ہے۔ اور درود و سلام ہو اوسکے بہترین مخلوق حضرت محمد مصطفےٰ اور آپ کی آل طاہرین پر انتہےٰ کلامہ۔ اور تاریخ یافعی میں مذکور ہے کہ جناب شیخ بوعلی سینا کا خاتمہ اچھے انجام اور مذہب حق پر ہوا کیونکہ صاحب تاریخ یافعی نے لکھا ہے کہ شیخ مذکور نے آخر میں توبہ کیا اور عبادات خدا میں مشغول ہو گئے تھے اور خدا کی طرف ہی ہوئی عنایت اور اوسکی وسیع رحمت تک پہونچگئے۔ خداوند عالم اون پر رحم فرمائے۔ اور شیخ موصوف کی تاریخ وفات اوس قول کے مطابق جو کتاب فصل الخطاب سے اوپر مذکور ہوا ۴۲۸ھ ہجری ہے اور اونکی ولادت ۳۷۰ھ ہجری میں ہوئی تھی پس اونکی تمام عمر ۵۸ سال ہوئی ۱۲ مترجم

[1] یہ آیہ مبارکہ سورہ یونس رکوع ۴ میں مذکور ہے جس کا مطلب واضح ہے مگر حضرات اہلسنت اسکو بھی سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اور صرف ظاہری عبارت کو اختیار کرتے ہیں جس سے عجیب عجیب دقتوں میں مبتلا ہوتے ہیں چنانچہ ان کے امام المفسرین فخر الدین رازی صاحب تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۴۰۰ میں اس آیہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں وکل ذلک یدل علی ان حصول الهدایة والعلم والمعرفة لیس الا من الله تعالی اذا عرفت هذا فنقول الهدایة اما ان تکون عبارة عن الدعوة الی الحق واما ان تکون عبارة عن تحصیل تلک المعرفة وعلی التقدیرین فقد دللنا علی انها اشرف المراتب البشریة واعلی السعادات الحقیقیة ودللنا علی انها لیست الا من الله تعالی واما الاصنام فانها جمادات لا تاثیر لها فی الدعوة الی الحق ولا فی الارشاد الی الصدق فثبت انه تعالی هو الموصل الی جمیع الخیرات فی الدنیا والآخرة والمرشد الی کل الکمالات

اور جناب علامہ علیہ الرحمہ کا اصل استدلال یہی ہے۔ لہذا فاضل مخاطب نے اس سے بچنے کے لئے جو دوسرا پہلو اختیار کیا اور اس کے تحت میں جو لغو تقریر کی ہے اوسکا بیفائدہ ہونا کسی سے مخفی نہین رہ سکتا اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ خدا کا مقصود صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ جاہل اور عالم برابر نہین ہوسکتے جب بھی خدا نے یہان کسی خاص چیز کا نام نہین لیا کہ فلان چیز (مثلاً علم مین یا شرف مین یا تقرب خدا مین یا ثواب آخرت) مین برابر نہین ہوسکتے بلکہ عام رکھکر فرمایا کہ برابر نہین ہوسکتے پس مساوات سے انکار کرنا عموم کو مقتضی ہے جیسا کہ علم اصول فقہ مین طے ہوچکا ہے لہذا ہر قسم کی برابری سے نفی ہوجائے گی کہ جاہل عالم کے برابر نہ تو عزت مین ہوسکتا ہے نہ علم مین نہ دنیا مین نہ دین مین نہ ریاست مین غرض کسی امر مین نہین ہوگا لہذا خلافت مین بھی نہین ہوسکتا اور یہی شیعون کا دعوی ہے کہ خلافت کے بارے مین جو حضرات اہلسنت عالم اور جاہل کو برابر کر دیتے ہین بلکہ عالم کو چھوڑکر جاہل کو مانتے ہین یہ قول خداوند عالم کے خلاف ہے۔ یہان کوئی شخص اگر یہ اعتراض کرے کہ فن اصول فقہ مین جو مسئلہ طے ہوا ہے وہ یہ ہے کہ برابری سے انکار اوس مقام پر عموم کو مقتضی ہوتا ہے جہان حرف نفی استعمال کیا گیا ہو جیسے قول خدا لایستوی اصحاب النار واصحاب الجنۃ وغیرہ مین لیکن جو آیت زیر بحث

فی النفس والجسد وان الاصنام لا تاثیر لها فی شیٔ من ذلک واذا کان کذالک کان الاشتغال بعبادتها جهلا محضا وسفها صرفا فهذا احاصل الکلام فی هذا الاستدلال یعنی یہ سب امر یہ دلالت کرتا ہے کہ ہدایت۔ علم اور معرفت نہین حاصل ہوسکتی مگر اللہ تعالی ہی سے جب تم نے اسکو سمجھ لیا تو ہم کہتے ہین کہ ہدایت کا مطلب یا کسی کو حق کی طرف بلانا ہوگا یا اوس کو معرفت کا حاصل کرا دینا ہوگا۔ اور دونون صورتون مین یہ مسلم ہے کہ خدا کی معرفت ہی اشرف مراتب انسانی اور اعلی سعادات حقیقی ہے اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ وہ خدا ہی کے بتانے یا ارشاد کرنے سے حاصل ہوسکتی ہے رہے بُت تو وہ جمادات اور بے حس و حرکت پتھر وغیرہ ہین جنکو نہ توحق کی طرف رہنمائی کرنے مین کوئی تاثیر ہے اور نہ صدق کی طرف ہدایت کرنے مین کوئی حصہ ہے۔ پس ثابت ہوگیا کہ وہی خداوند عالم دنیا اور آخرت کے کل خوبیون کی طرف پہونچانے والا اور نفس اور بدن کے کل کمالون کی جانب راستہ بتانے والا ہے اور ان خوبیون

ہے (یعنی هل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون انما یتذکر اولوا الباب) اسمین حرف نفی نہین ہے لہذا ایسان عموم بھی نہین ہو سکتا اور اسی وجہ سے آپ کا دعوی بھی ثابت نہین ہوگا تو اوس کے جواب مین کہا جائیگا کہ نفی سے مراد صرف وہی نہین ہے جس پر حرف نفی مثلا لا - ما - لیس وغیرہ داخل ہو بلکہ ہر وہ کلام ہے جو کلمۂ لا یا اس کے ہم معنے دوسرے کلمہ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہو اور خداوند عالم کے قول هل یستوی الذین یعلمون الآیہ مین گو حرف نفی بظاہر نہین ہے لیکن حرف هل ہے جس کا معنی "کیا" ہے اور یہ استفہام انکاری ہے جو نفی مین مبالغہ اور انکار مین زیادتی پر دلالت کرتا ہے چہ جائیکہ نفس نفی (یعنی اگر خدا یہ فرماتا کہ جاہل اور عالم برابر نہین ہو سکتے تو اسمین صرف معمولی انکار رہتا لیکن جب اسکو بدل کر سوال کی صورت مین فرمایا کہ کیا جاہل اور عالم برابر ہو سکتے ہین؟

اور کمالات مین بتون کا کوئی اثر اور کسی قسم کا اختیار نہین ہے اور جب ایسا ہے تو ان بتون کی عبادت مین مشغول رہنا محض جہالت اور صرف حماقت ہے اس استدلال کا حاصل کلام یہی ہے انتہی - اس عبارت سے معلوم ہوا کہ امام رازی صاحب بھی خدا کا مقصود حقیقی یہی قرار دیتے ہین کہ خدا نے اپنا اور بتون کا مقابلہ کر کے یہ بتایا ہے کہ مین سیدھے راستہ کی طرف ہدایت کرتا ہون اور یہ بت جنکی تم لوگ پرستش کرتے ہو کسی کو ہدایت نہین کر سکتے لہذا تم لوگ ان کی پرستش کیون کرتے ہو - مگر آیہ مبارکہ کا یہ مطلب لینے سے جو خرابی پیدا ہوتی ہے اوس کو بھی انھین امام صاحب کی زبان سے سن لینا چاہیئے موصوف صفحہ ۲۴۴ مین تحریر فرماتے ہین فی لفظ الآیۃ اشکال وهو ان المراد من الشرکاء فی هذه الآیۃ الاصنام و انها جمادات لا تقبل الهدایۃ فقوله ام من لا یهدی الا ان یهدی لا یلیق بها یعنی اس آیہ مبارکہ پر ایک اعتراض ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس آیہ مین شرکا سے مراد اصنام (بت) ہین اور معلوم ہے کہ وہ جمادات (پتھر وغیرہ کے بے حس و حرکت) ہوتے ہین جو کسیطرح ہدایت کو قبول نہین کر سکتے تو خدا نے یہ جو فرمایا ہے کہ یا وہ جسکو خود راستہ نہین ملتا جبتک کہ کوئی اوس کو راستہ نہ بتلائے یہ کسی طرح مناسب نہین ہو سکتا (کیونکہ پتھرون کو کوئی راستہ بتائے جب بھی وہ راستہ نہین پا سکتے) اس آیہ مبارکہ پر ایک یہی اعتراض کو فخر الدین رازی صاحب نے ذکر کیا ہے اور اس کے جواب ایسے رکیک اور مہمل دیئے ہین کہ اہل علم کا کیا ذکر

توگو اس مین خدانے صاف۔ صاف انکار نہین کیا مگر یہ کلام (انکار سے بھی بڑھ گیا) اسے اچھی طرح سمجھنا چاہیئے۔ اور آخر مین فاضل مخاطب نے یہ جو ذکر کیا ہے کہ فرقہ اشاعرہ نے اس مسئلہ مین تفصیل کی ہے تو بظاہر اس سے اونھون نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام اگرچہ خلفائے ثلثہ سے افضل اور اکمل تو تھے لیکن قریش سے کم لشکر جو اوس وقت کے صحابہ ہی تھے حضرت کی اطاعت اور فرمانبرداری گوارا نہین کرتے تھے کیونکہ اون کے دلون مین آپ سے زمانہ جاہلیتہ کے کینہ اور غزوہ بدر و احد وغیرہ کے انتقامی مادے بھرے ہوئے تھے اس لئے کہ اون کے سردار اور اولاد و اعزہ و اقربہ حضرت علی ہی کی تلوار سے درجہ ہلاکت پر پہونچے تھے۔ تو اس کلام کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ باوجودیکہ خلافت کا استحقاق حضرت علی ہی کا تھا پھر بھی صحابہ نے حضرت کو اس سے علیحدہ کردیا کیونکہ اگر وہ آپ کو خلیفہ ہونے دیتے تو آپ کی اطاعت کر نہین سکتے تھے لہذا فتنہ و فساد برپا کردیتے جیسا کہ تینون کے بعد جب حضرت علی تک خلافت پہونچی تو اونلوگون نے غدر اور فتنہ پھیلا ہی دیا اور اسکا فساد ظاہر

ہے جاہل اور اطفال بھی ہنس پڑین گے اون کے نقل کرنے مین طول ہوگا اسوجہ سے ترک کئے گئے ان ایک ادعا اعتراض زبان عربی کے قواعد کے اصول سے ہوتا ہے جسکی تصریح ممدوح نے نہین کی وہ یہ کہ ذوی العقول (صاحبان عقل جیسے انسان، جن، فرشتون) کیلئے عربی زبان مین لفظ من (معنے کون شخص۔ جو شخص) آتا ہے اور غیر ذوی العقول (یعنی جن چیزون کو عقل نہین ہے جیسے پتھر لوہا۔ درخت۔ حیوان غیر ناطق) کیلئے لفظ ما (کون چیز۔ جو چیز) آتا ہے۔ پس من کا استعمال غیر ذوی العقول کیلئے صحیح نہین ہوسکتا اور یہان خداوند عالم قرآن مجید مین جو فصاحت و بلاغت مین حد اعجاز پر پہونچا ہوا ہے من ہی کا لفظ استعمال فرماتا ہے جو غیر ذوی العقول کیلئے استعمال نہین کیا جاسکتا۔ لہذا تسلیم کرنا پڑیگا کہ یہان خدا کا مقصود بتون کا ذکر کرنا نہین ہے بلکہ کچھ اور ہی ہے جو خود تو ہدایت نہ پاسکے لیکن دوسرون کے ہدایت کرنے سے ہدایت پاجائے جیسے وہ کفار عرب جنکو جناب رسالتمآب صلعم نے اسلام کی ہدایت کی تو وہ اس دین کی ہدایت پاگئے یا بعض اوقات خلفائے ثلثہ کہ جب وہ مسائل شرعیہ مین غلطی کرتے اور دین اسلام مین رخنہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا تو وہ حضرت جناب امیرالمومنین علیہ السلام کی طرف رجوع کرتے اور حضرت اون لوگونکو صحیح مسئلہ بتاکر اور اوس دینی اشکال کو رفع کرکے اون مسائل شرعیہ مین ہدایت فرمادیتے تو وہ لوگ اوس وقت

قول علامہ اعلی اللہ مقامہ

تیسری بحث اس امر کے بیان مین کہ امام کے مقرر ہونے کا کیا طریقہ ہے۔ واضح ہو کہ بالاتفاق فرقہ حقہ شیعہ کے نزدیک امام کے تعیین کا طریقہ دو امر ہین (یا تو) اوس پر نص موجود ہو خدا یا اوس کے رسول ، یا اوس امام (سابق) کی طرف سے جسکی امامت بذریعہ نص ثابت ہوچکی ہو۔ یا اوس کے ہاتھ پر معجزہ ظاہر ہو (یعنی ان دونون امرون مین سے کسی ایک کا امام مین پایا جانا لازم ہے۔ اس لئے کہ امام کیلئے عصمت شرط ہے اور وہ ایک امر خفی باطنی ہے جس کا علم فقط خدا کو ہوتا ہے (انسان کو معلوم نہین ہوسکتی مگر جب کہ نص یا اظہار معجزہ کے ذریعے ظاہر کردی جائے) مگر حضرات اہلسنت نے اس معاملہ مین بھی (شیعون کی) مخالفت کی ہے اور حضرت ابوبکر کی اطاعت کو شرق و غرب کے جمیع خلق پر واجب بتایا ہے (محض) اس امر کا اعتبار کر کے کہ حضرت عمر نے چار شخصون (یعنی) ابوعبیدہ و سالم موئے حذیفہ و بشر بن سعد اور اسید ابن حصین کی رضامندی سے اون کی بیعت کرلی تھی اور بس۔ پھر بھلا اوس شخص کی تبعیت کو جس پر نہ خدا و رسول نے نص کی ہو اور نہ تمام امت نے اجماع ہی کیا ہو محض چار شخصون کے بیعت کرلینے کے سبب تمام خلق پر واجب بتانا کسی ایسے شخص کیلئے کیونکر جائز ہوسکتا ہے جو خدا اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے بلکہ جوینی (جنکو اہل سنت امام الحرمین کہتے ہین اور) جو ان مین سب سے زیادہ عالم اور دشمنی اہلبیت مین سب سے زیادہ سخت تھے اون کی تو یہ بھی رائے ہے کہ بنی ہاشم مین سے کسی ایک شخص سے بھی بیعت منعقد (اور امامت ثابت) ہوجاتی ہے جبکہ اوس کی بیعت ایک ہی شخص کرے اور کوئی بھی دوسرا نہ ہو۔ پس کیا کوئی عاقل اپنے نفس کو ایسے مذہب کا حلقہ بگوش بنانے کے لئے راضی ہوسکتا ہے؟ اور ایسے شخص کی اطاعت و پیروی کو اپنے اوپر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۶)

اون مسائل مین ہدایت پاجاتے تھے۔ چنانچہ صحیح تفسیر مین یہی مضمون وارد ہے تفسیر قمی مین جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت نے فرمایا جو لوگ حق کی طرف ہدایت کرتے ہین وہ تو جناب محمد مصطفے صلی اللہ علیہ و آلہ اور حضرت کے بعد آل محمد ہین اور وہ جو خود ہدایت نہین پاتے جبتک کہ اونکو ہدایت نہ کیجائے وہ قریش اور غیر قریش سب مین جو ہوئے بعد جناب محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اونکے اہلبیت سے مخالفت کی ہو

واجب قرار دیسکتا ہے جبکا عادل ہونا بھی اونکو معلوم نہ ہو اور اوس کے مومن ہونے اور نہ ہونے کی حالت بھی نہ جانتا ہو اور کبھی اوس (امام) کے ساتھ معاشرت کی نوبت بھی اوس شخص کو نہ آئی ہو جس سے وہ اوس کے اچھے برے اور حق و باطل (اعمال و عقائد) کو جان سکے اور وہ بھی محض اس سبب سے کہ ایک ایسے شخص نے اوس کی بیعت کر لی ہے کہ اوسکی بھی عدالت (مثل اس امام کے) نامعلوم ہے۔ بھلا یہ محض جہل و ضلالت و حماقت نہین تو اور کیا ہے؟ خدا ہم سب کو نفس پرستی اور دنیا کی فریفتگی سے محفوظ رکھے۔

اور سب سے عجیب و غریب امر تو یہ ہے کہ اشاعرہ مسئلہ امامت اور اوسکے فروع اور فقہ اور اوس کی تفصیلات سے بحث کرتے ہین حالانکہ وہ یہ بھی اعتقاد رکھتے ہین کہ (ہوسکتا ہے کہ) تمام خلق خطا و گمراہی مین مبتلا ہو (اور تمام مذاہب اور شریعتین غلط اور باطل ہون) اور خدا کا مقصود ان شرائع و ادیان سے محض یہ ہو کہ بندون کو گمراہ کرے پس (اونکے اس اعتقاد سے ظاہر ہے کہ) وہ اون شرائع و ادیان کی سچائی کا یقین تو کیا گمان تک بھی نہین رکھتے کیونکہ اس صورت مین کہ (حضرات اہلسنت کے اعتقاد کے مطابق عالم مین) ضلالت و کفر اور خدا ہی کیطرف سے صادر ہونیوالے گناہون کو غلبہ (اور کثرت) حاصل ہے کوئی عاقل بھلا کس طرح یہ ظن یا شک بھی کرسکتا ہے کہ وہ مذاہب اور شریعتین صحیح ہین بلکہ غالب پہلو پر حمل کرتے ہوئے اون کے بھی باطل ہونے کا اوسکو ظن ہو جائیگا (یعنی جس طرح دوسرے طریقون سے خدا نے بندون کو بہ کثرت طرح طرح کے کفر و معصیت مین مبتلا کر رکھا ہے اوسی طرح ان ادیان و شرائع سے بھی اوس کا مقصود اُن لوگونکو گمراہ ہی کرنا ہوگا اور وہ بھی سراسر راہ ضلالت اور باطل ہونگے اور چونکہ انسان کا خیال اوسی جانب زیادہ مائل ہوتا ہے جدھر اوسکو غلبہ و کثرت نظر آئے لہذا اون کے حق و صحیح ہونے کا گمان بمشکل ہوسکتا ہے) کیونکہ عالم مین خیر و صلاح بہت ہی کم ہے۔

اور اون کے اس اعتقاد کو دیکھتے ہوئے کہ (جائز ہے کہ) خدا ہم پر ہوا مین سانس لینا حرام کردے باوجود اس کے کہ اوسکی ضرورت و حاجت موجود ہو اور اس مین کسیطرح کی کوئی خرابی بھی نہ ہو اور (اسی طرح) پانی پینا ہم پر حرام کردے در آنحالیکہ ہم شدت سے پیاسے ہون اور اوسکے روکنے سے خدا کو کوئی نفع بھی نہ ہو اور اوس کے پینے سے ہمین

کوئی نقصان بھی نہ پہونچے اور دوسری کوئی خرابی بھی کسی قسم کی نہ ہو
کس طرح یہ یقین حاصل ہوسکتا ہے کہ اس امام کی (جس کی وہ بیعت کرنا چاہتے ہین) اطاعت اور پیروی کو واجب کرکے خدا بندہ کے حق مین نیکی اور بھلائی ہی کرتا ہے (بلکہ جائز ہوگا کہ وہ اوس کی اطاعت کو بندہ پر حرام کردے خواہ وہ اوسکی کتنی ہی حاجت کیون نہ رکھتا ہو اور اوس سے کیسا ہی نفع کیون نہ حاصل ہوسکتا ہو)

قول ابطال جاننا چاہیے کہ کوئی شخص محض اس سبب سے امام نہین ہوسکتا کہ اوس مین امامت کی صلاحیت موجود ہے اور اوس کے شرائط اوس کی ذات مین جمع ہین بلکہ اس لئے ایک اور امر بھی ضروری ہے (اور وہ یہ ہے) کہ اوسکی امامت کا ثبوت رسول یا امام سابق کے نص کردینے سے ہوتا ہے اس پر تو (تمام امت کا) اجماع ہے اور اہل سنت و معتزلہ و صالحیہ کے نزدیک اہل حل و عقد کے بیعت کرلینے سے بھی امامت ثابت ہوجاتی ہے مگر شیعہ امامیہ اس کی خلاف ہین اور وہ اس کے قائل ہین کہ نص کے سوا (ثبوت امامت کا) اور کوئی طریقہ نہین ہے ہماری حجت (اس امر پر کہ بیعت اہل حل و عقد بھی ثبوت امامت کا ایک طریقہ ہے) یہ ہی کہ حضرت ابوبکر کی امامت اہل حل و عقد کے بیعت کرلینے سے ثابت ہوگئی تھی جیسا کہ اپنے مواقع مین آئندہ مفصلاً مذکور ہوگا۔ رہا مصنف (علامہ) کا یہ قول کہ "حضرت ابوبکر کی خلافت محض حضرت عمر کی بیعت اور چار شخصون کی رضامندی سے منعقد ہوئی تھی اور بس" تو وہ باطل ہے اور اوس کی تکذیب کیلئے اخبار متواترہ و اجماع امت موجود ہین کیونکہ حضرت ابوبکر کی خلافت بروز سقیفہ ارباب حل و عقد کے مجمع مین منعقد ہوئی تھی اور وہ (ارباب حل و عقد) اوس دن جماعت انصار خصوصاً قبیلہ خزرج والے تھے اس لئے کہ اہل حل و عقد سے مراد سرداران لشکر اور وہ لوگ ہین جنکی رضامندی کے بغیر امر امامت اور خلافت کا مسئلہ طے نہ ہوسکا اور جماعت انصار اوس وقت اس معنی سے اہل حل و عقد تھی (یعنی حل و عقد کا اختیار اوسکو حاصل تھا) اور صحابہ کے زمانے سے لیکر آج کے دن تک مورخین مین سے ایک شخص نے بھی اس سے اختلاف نہین کیا ہے کہ جب تک تمام انصار نے بیعت نہ کرلی حضرت ابوبکر سقیفہ سے ہٹے ہی نہین البتہ سعد بن عبادہ (نے بیعت نہین کی تھی) اور وہ اوس دن بیمار تھے اور سات ہی دن کے بعد مر گئے پس علامہ حلی کا یہ کہنا کیسا کہ حضرت ابوبکر کی خلافت فقط حضرت عمر

کی بیعت اور چار شخصون کی رضا سے منعقد ہو گئی تھی یہ تو ایسا افترا ہے باطل ہے جسکی تکذیب
تمام تواریخ اسلام کر رہی ہین - ہان (اتنا ضرور ہوا تھا کہ) حضرت عمرؓ ہی نے حضرت ابوبکر کی بیعت
مین ابتدا کی تھی اور انصار جیص بیص اور تردد مباحثہ کے بعد اونکی بیعت کیطرف بڑھے تھے
اور اگر انصار نے رسول خدا صلعم کی زبان سے حضرت علیؑ کی خلافت پر نص سنی تھی تو اونھون
نے اوسکو حضرت ابوبکر کے برخلاف حجت کیون نہ بنایا اور اس حجت سے اون کی خلافت
روک کیون نہ دی ؟ کیا وہ حضرت ابوبکر و عمر سے ڈرتے تھے حالانکہ وہ اپنے گھر ون (یعنی
وطن) مین موجود تھے اور اپنے قوم مین - بے امام معین کرنے کیلئے جمع ہوئے تھے اور انکی
تعداد بھی اکثر ان سے زیادہ تھی - اونھون نے (تکرار و) مباحثہ کے بعد آخر یہی کہا کہ ایک امیر ہم
سے معین ہو اور ایک تم (مہاجرین) مین سے آخر اونھون نے یہ کیون نہ کہا کہ اے ابوبکر!
اے عمر!! (اے جماعت مہاجرین!!) ابھی کچھ زیادہ دن نہین گذرے ہین کہ رسول خدا صلعم
نے غدیر خم مین حضرت علیؑ کی خلافت پر نص کر دی تھی پھر تم قول رسول کو باطل کرنے کے
درپے کیون ہو اوس کی پیروی کیون نہین کرتے ؟ اس بحث کو درمیان مین لانے کا کم
سے کم اتنا فائدہ تو ضرور ہوتا کہ اون انصار کو اپنے نفوس سے حضرت ابوبکر کی بیعت ٹالدینے
کا موقع ہاتھ آجاتا اگر کبھی کسی شیعہ کو یہ دعوے کرنے کی جرأت نہین ہوئی کہ انصار نے یہ
بات بروز سقیفہ کہی تھی پس اے اہل عقل! سوچو تو سہی کہ بھلا یہ ہو سکتا ہے کہ ایک نص (تمام
اصحاب اور) عامہ ناس کے مجمع مین عالم وجود مین آئے اور پھر انصار وہان حاضر نہ ہون
(اور ناواقف رہ جائین) اور آیا یہ ممکن ہے کہ جن انصار نے خدا و رسول کی مدد کی تھی اور
رسول خدا صلعم نیز صحابہ کے گھرون بلکہ خود ایمان کی حفاظت کی تھی اور رسول خداؐ کی نصرت
کے پیچھے تمام عرب سے عداوت قائم کر بیٹھے تھے اور (اون کے) اشراف کو قتل کیا تھا وہ
محض زبانی (معارضہ کے وقت (ڈر کے مارے یا فتور ایمان کے سبب بالکل) خاموش
رہ جاتے اور اوس نص کو اصلا زبان پر نہ لاتے حالانکہ حضرت عمر و ابو عبیدہ نے حدیث
رسول ص "الائمة من قریش" پیش کر کے اون پر حجت بھی قائم کر دی تھی پھر آخر اونھون نے
کیون نہ کہا کہ امامت حضرت علی کا حق ہے کیونکہ رسول خدا صلعم نے بروز غدیر خم اون پر نص
کر دی تھی پس یہ تمام باتین جو ہم نے کہین کہ انصار نے اوس موقع پر خاموشی سے کام
لیا اور حضرت علی کی بابت نص رسول پیش کر کے حضرت ابوبکر کی بیعت کو روکنے کیلئے

استدلال نہین کیا (ایسی باتین ہین کہ) اگر عاقل مسلم و منصف ان مین غور کرے تو یقین کریگا کہ کسی شخص کی خلافت کے متعلق رسول خدا کی کوئی نص موجود تھی اور وہ یہ بھی جان لے گا کہ حضرت ابوبکر کی خلافت (جملہ) ارباب حل وعقد کی بیعت سے ثابت ہوتی ہے۔

اور مصنف (علامہ علیہ الرحمہ) نے اس کا ذکر جو چھیڑا ہے کہ اشاعرہ اس بحث (مسئلہ امامت) پر قادر نہین ہوسکتے اور اون کیطرف سے امامت کے مباحث ذکر کئے جانے پر تعجب جو ظاہر کیا ہے اس لئے کہ وہ اس کے قائل ہین کہ خدا ہی ہر شئے کا خالق ہے تو وہ اس کا ذکر بار بار کرچکے ہین اور وہ اس کے اور محالات کی تصویر اپنی باطل رائے کے مطابق کھینچنے کے سوا اور کچھ جانتے ہی نہین اور ہم یہ ظاہر کرچکے ہین کہ ان تمام امور مذکورہ مین سے کچھ بھی اشاعرہ کے ذمے لازم نہین آتا۔

قول احقاق فاضل مخاطب کے مذکورہ بالا کلام مین کئی وجہین ایسی موجود ہین جو انکی جہل اور تجاہل کو ظاہر کررہی ہین پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اون کا یہ کلام کوئی شخص محض اس سبب سے امام نہین ہوسکتا کہ اوسمین امامت کی صلاحیت موجود ہے الخ۔ ان کو اثبات مطلوب مین کچھ فائدہ نہین دیسکتا کیونکہ (ہم نے مانا کہ) محض جامع الشرائط ہونا کسی کے امام ہوجانے کا موجب نہین ہوجاتا لیکن یہ بھی تو کھلی ہوئی بات ہے کہ جب تک کسی شخص مین امامت کے کل شرائط نہین پائے جائینگے اوسوقت تک وہ خدا کی جانب سے امام منصوص نہین ہوسکتا۔ اور ہمارے اور حضرات اہلسنت کے درمیان بحث اسی مین ہے کہ حضرت امیرالمومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے سوا جو حضرات خلیفہ رسول اللہ بنگئے اوںمین امامت کے شرائط کبھی پائے گئے یا نہین۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ مصنف علامہ علیہ الرحمہ کے اس کلام کو "حضرت ابوبکر کی امامت محض حضرت عمر کی بیعت اور چار شخصون کی رضامندی سے منعقد ہوئی تھی" باطل کہنا یا تو ان کے جہل کا نتیجہ ہے یا اونھون نے کھلم کھلا تجاہل سے کام لیا ہے کیونکہ یہ کلام علامہ سراسر حق ہے اور فاضل مخاطب کے علما، اور پیشوایان دین کی زبان پر بھی جاری ہوچکا ہے اور وہ صاحب مواقف و شارح مواقف ہین چنانچہ وہ کہتے ہین "واذا ثبت حصول الامامۃ بالاختیار والبیعۃ فاعلم ان ذالک الحصول لا یفتقر الی الاجماع من جمیع اھل الحل والعقد اذ لم یقم علیہ ای علی ھذا الافتقار دلیل من العقل

الی الجمیع بل الواحد والاثنان من اهل الحل والعقد کاف فی ثبوت الامامة ووجوب اتباع الامام علی اهل الاسلام وذلک لعلمنا بان الصحابة مع صلابتهم فی الدین وشدة محافظتهم علی امور الشرع کما هو حقها اکتفوا فی عقد الامامة بذلک المذکور من الواحد والاثنین کعقد عمر لابی بکر وعقد عبد الرحمان بن عوف لعثمان ولم یشترطوا فی عقدها اجتماع من فی المدینة من اهل الحل والعقد فضلا عن اجماع الامة من علماء امصار الاسلام ومجتهدی جمیع اقطارها هذا کما مضی ولم ینکر علیهم احد وعلیه ای وعلی الاکتفاء بالواحد والاثنین فی عقد الامامة انطوت الاعصار بعدهم الی وقتنا هذا انتهی۔ یعنی جبکہ امامت کا حاصل ہونا بیعت واختیار سے ثابت ہوا تو (یہ بھی) معلوم کرو کہ یہ حصول امامت تمام اہل حل وعقد کے اجماع کر لینے کا محتاج نہین ہے کیونکہ اوسکے محتاج (اجماع تمام اہل حل وعقد) ہونے پر کوئی عقلی یا نقلی دلیل قائم نہین ہوئی ہے بلکہ ثبوت امامت اور تمام اہل اسلام پر امام کی پیروی واجب ہوجانے کیلئے اہل حل وعقد مین سے فقط ایک یا دو شخصون کا بیعت کر لینا کافی ہوتا ہے اور یہ اس لئے کہ ہم کو معلوم ہوچکا ہے کہ صحابہ نے باوجود اس کے کہ وہ دین کے معاملہ مین نہایت سخت اور امور شرعیہ کا سختی کے ساتھ تحفظ کرنے والے تھے امامت کے منعقد کرنے کے معاملہ مین اسی (تعداد) مذکور یعنی ایک یا دو شخصون کی بیعت پر اکتفا کرلی تھی مثلاً حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کو اور عبدالرحمان بن عوف نے حضرت عثمان کو (اپنی بیعت سے) امامت کے منصب پر پہونچا دیا اور ان لوگون کی امامت قائم ہونے کیلئے اون اہل حل وعقد کا اجماع بھی شرط قرار نہین دیا جو مدینہ ہی مین موجود تھے چہ جائیکہ تمام بلاد اسلام واقطار عالم کے علماء ومجتہدین امت کے اجماع کی شرط لگاتے۔ اور اس طرز عمل پر (کہ تمام اہل حل وعقد کی بیعت واجماع کو شرط نہین قرار دیا) کسی نے اپنے ناپسندیدگی ظاہر نہین کی اور اسی امر پر کہ محض ایک یا دو شخصون کی بیعت پر امامت قائم کردینے کے معاملہ مین اکتفا کرلیجائے صحابہ کے بعد سے اس وقت (یعنی ہمارے زمانہ) تک بہت سی مدت گذر گئی (اور آجتک اسی طرح امامت قائم ہوتی چلی آئی ہے) انتہی۔ پس تعجب ہے کہ فاضل مخاطب نے اکثر باتین اپنی کتاب کے اس حصہ مین مواقف اور اوس کی شرح سے لیکر ذکر کی ہین پھر بھی یہ کلام

جو ہم نے نقل کیا ہے اون کی نظر تک نہ پہونچ سکا۔ اچھا اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ بیعت کرنیوالے بہت سے لوگ تھے تب بھی ہم یہ کہین گے کہ جو تصرف شرع کو اون لوگون کے نفوس مین حاصل ہے آخر وہ اوس کے تابع ہی تو ہین اون کو دیگر افراد امت کے نفوس مین تصرف کرنیکا حق تو حاصل ہی نہین خواہ وہ (تصرف) اون افراد امت کے کیسے ہی چھوٹے سے چھوٹے امر مین کیون نہ ہو پھر بھلا یہ اختیار اون کو کہان سے حاصل ہوگیا کہ وہ کسی کو خلائق کے نفوس پر حاکم بنا دین آخر جس کو کسی ادنے شخص کے معمولی سے معمولی امر مین بھی حق تصرف کا حاصل ہونا قرین عقل نہ ہو وہ کسی غیر کو تمام اہل شرق و غرب کے نفوس اموال و فروج پر متصرف (و حاکم) کیونکر بنا سکتا ہے۔ (جب تک کہ یہ بھی تسلیم نہ کر لیا جائے کہ بیعت کرنیوالون کو ساری دنیا کے لوگون کے جان و مال و عزت پر تصرف حاصل ہے وسوقت تک یہ کہنا بے عقلی ہوگا کہ وہ کسی شخص کو تمام خلائق شرق و غرب پر متصرف حاکم بنا سکتے ہین اور جب کہ خود اون کا تابع ہونا خلق پر لازم نہ ہوگا تو اون کے بنائے ہوئے امیر و حاکم کی پیروی کب اہل عالم پر فرض ہو سکتی ہے لہذا جس ذات نے شرع کو اون بیعت کرنیوالون پر متصرف بنایا ہے وہی کسی کو اون پر اور دیگر اہل عالم پر متصرف و حاکم بنا سکتا ہے اور بس)۔

علاوہ ان باتون کے فاضل مخاطب کا اپنے دعوی پر اخبار متواترہ کے موجود ہونیکا دعا کرنا اوس انکار کے منافی ہے جو آگے چلکر مناقب امیر المومنین علیہ السلام کے ذکر مین کیا ہے کہ عالم مین ایک کے سوا نقل متواتر کا وجود ہی نہین (یعنی یہ جو لوگ بہت سی چیزون کے متعلق کہدیتے ہین کہ متواتر ہے تو غلط ہے کیونکہ دنیا مین سوا ایک کے اور کوئی خبر متواتر ہی نہین ہے لہذا فاضل مخاطب کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ "اوسکی تکذیب کیلئے اخبار متواترہ و اجماع امت موجود ہین")

تیسری وجہ یہ ہے کہ فاضل مخاطب کا یہ کلام "اوس وقت اہل حل و عقد جماعت انصار ہی تھی" اوس حصر کے سبب جو بظاہر اوس سے سمجھ مین آتا ہے اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت عمر اور ابو عبیدہ جو حضرت ابوبکر کی بیعت کرنیوالون کے رکن اعلی تھے اہل حل و عقد کے زمرہ سے خارج تھے اور صفت اجتہاد سے بالکل خالی۔ اور اس سے اون دونون صاحبون کی جلالت قدر مین جو داغ لگتا ہے وہ پوشیدہ نہین رہ سکتا

پھر فاضل مخاطب کا یہ قول کہ "اہل حل وعقد سے مراد سرداران لشکر ہین الخ" دو وجہون سے غلط
ہے ایک تو یہ کہ اہل حل وعقد" کی تفسیر "سرداران لشکر" سے کرنی خود اونھین کی ایجاد ہے جو دیگر
اہل سنت کی کتابون مین کہین موجود نہین بلکہ ابن حاجب نے مختصر الاصول مین اور عضد الدین
نے اوسکی شرح مین اور دیگر علما نے اپنی کتابون مین جس امر کی تصریح کی ہے وہ یہ ہے کہ
"الاجماع اتفاق المجتہدین من امۃ محمد صلعم فی عصر علی امر دینی او دنیوی" یعنی کسی
زمانے مین کسی دینی یا دنیوی امر پر امت محمدیہ صلعم کے مجتہدین کا اتفاق کر لینا اجماع کہا
جاتا ہے (پس اجماع کی اس تعریف سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اہل حل وعقد مجتہدین
امت ہین نہ کہ سرداران فوج) اور دوسری وجہ یہ کہ (اہل حل وعقد کی) تفسیر "امراء العسکر
سرداران لشکر" سے کرنے اور پھر اون کو انصار مین منحصر بتانے سے یہ خرابی پیدا ہوتی ہے
کہ حضرت امیر المومنین اور ابوبکر وعمر وعثمان اور اسامہ بن زید وہی اسامہ جو بوقت وفات
رسول حضرات ثلاثہ اور دیگر اصحاب پر امیر مقرر کئے گئے تھے یہ سب سرداران لشکر سے
خارج ٹھیرین حالانکہ یہ سب لوگ بھی سرداران لشکر تھے اور مہاجرین سے بھی تھے (یعنی
انصار سے نہین تھے۔ جیسا کہ فاضل مخاطب نے عجیب وغریب دعوے کر دیا ہے) اور
یہ کسی پر مخفی نہین (بالجملہ فاضل مخاطب کا کلام تو سراسر باطل ہے) ہان علماء اہل سنت
سے بعض با این ہمہ ہوا خواہ حضرات نے یہ البتہ کہا ہے کہ اگرچہ سقیفہ کے دن خلافت ابوبکر
پر اجماع متحقق نہین ہوا تھا مگر بعد اوس کے چھ مہینے کی مدت مین اون کی خلافت پر
اتفاق کلی متحقق ہو گیا تھا اور سب لوگ اون کی امامت پر رضامند ہو گئے تھے لہذا
اوس وقت پورا اجماع حاصل ہو گیا تھا" لیکن اس کلام کا باطل ہونا بھی بالکل واضح
ہے اس لئے کہ چھ مہینے کے بعد ہی سہی مگر امیر المومنین اور اون کے اصحاب کی بیعت
تو عالم وجود مین نہین آئی تھی اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ان حضرات نے بھی بظاہر حضرت
ابوبکر کے ہاتھ پر ہاتھ دھر دیا تھا جیسا کہ بیعت کرنیوالے کیا کرتے ہین (اور اس طرح ایک
ظاہری صورت بیعت کی موجود ہو چکی تھی اگرچہ وہ حقیقۃً بیعت نہین قرار پا سکتی کیونکہ
اوس کا تعلق دلی رضامندی سے ہے جو ان لوگون مین ہرگز موجود نہ تھی) تو اس مین تو
کسی شبہہ کی گنجائش ہی نہین کہ سعد بن عبادہ اور اون کی اولاد نے حضرت عمر وغیرہ سے
کسیطرح اتفاق نہین کیا اور اونھون نے نہ ابوبکر کی بیعت کی اور نہ عمر کی جیسا کہ ہم عنقریب

بیان کرین گے (پھر چھ مہینے کے بعد بھی اجماع کہان پورا ہوا تھا) اور اگر آپ کی خاطر سے اسکو بھی تسلیم کرلیا جائے تو ہم کہین گے کہ اجماع کی تعریف مین یہ شرط ہے کہ اجماع کرنے والون کا اتفاق ایک امر پر ایک ہی وقت مین حاصل ہو (جیساکہ اوس تعریف سے جو سابقا مذکور ہوئی معلوم ہوتا ہے) کیونکہ اگر وہ اتفاق ایک ہی وقت مین واقع نہو (بلکہ مختلف اوقات مین رفتہ رفتہ اتفاق حاصل ہونے کا بھی اعتبار کیا جائے) تو یہ احتمال ہوسکے گا کہ پہلا شخص قبل اسکے کہ بعد والا شخص اوس سے موافقت کرے اپنی رائے سے پلٹ گیا ہو (کیونکہ یہ ممکن ہے کہ کسی شخص کی ایک وقت مین کوئی رائے ہو اور دوسرے وقت مین وہ بدل جائے لہذا اس صورت مین فقط اتنا معلوم ہوجانا کہ اوس نے کسی وقت مین کسی امر سے اتفاق کیا تھا حصول اجماع کے لئے کافی نہین ہوگا) پس حضرت ابو بکر کی خلافت پر تدریجا اجماع حاصل ہونے کا بھی کوئی معنے نہین ہے۔ مختصر یہ کہ اگر اہلسنت کا دعوی یہ ہے کہ خلافت حضرت ابو بکر پر اتفاق کلی ایک ہی وقت مین حاصل ہو گیا تھا تو وہ بالکل خلاف واقع اور بالاتفاق غلط ہے اور اگر وہ اس کے مدعی ہین کہ مختلف اوقات مین اتفاق حاصل ہو گیا تھا تو اس کا ثابت کرنا اُنھین نہایت دشوار ہے (کیونکہ جب تک یہ ثابت نہوجائے کہ پہلے اتفاق کرنیوالون مین سے کسی نے اپنی رائے سے عدول نہین کیا اوس وقت تک اجماع ثابت نہین ہوسکتا اور اس کا ثابت ہوجانا کہ ایک جم غفیر مین سے ایک شخص کی رائے مین بھی تغیر واقع نہین ہوا نہایت دشوار ہے خصوصاً جبکہ وہ مختلف بلاد و امصار مین متفرق ہوگئے ہون) فاضل مخاطب نہایت بیباکی کے ساتھ قرآن مجید اور کتب احادیث و تواریخ پر بہ کثرت کذب و افترا کے مرتکب ہوتے رہتے ہین تو بظاہر اون کو اس خیال پر بھروسہ ہے کہ اون کی اس کتاب کا علمائے امامیہ اور دیگر اہل علم و بصیرۃ کے ہاتھون مین پہونچنا ممکن نہین اور اون کو اس خیال کا پیدا ہوجانا کچھ بعید بھی نہین تھا کیونکہ یہ کتاب اونھون نے ملک ماوراءالنہر کے شہر قاسان مین لکھی ہے جبکہ وہ سلطان اعظم شاہ اسماعیل حسینی صفوی رحمہ اللہ کے خوف سے بھاگ آئے تھے جیساکہ اونھون نے اپنی اس کتاب کے شروع مین جہان اسکو شاہ بیگ خان والی ماوراءالنہر کے پاس بطور تحفہ پیش کرنے کا ذکر کیا ہے اسکو بھی بیان کیا ہے اور اونھون نے اپنے نزدیک یہ طے کرلیا تھا کہ علمائے امامیہ مین سے کسی کا وہان پہونچنا

خوف ہلاکت کیوجہ سے ممکن نہین اور ماوراالنہر کے سفہا سوائے فقہ واصول ابو حنیفہ اور کچھ ظواہر علوم عربیہ (صرف ونحو) کے کچھ جانتے ہی نہین لہذا اونھون نے جسقدر جھوٹ کا ذخیرہ اپنی اس کتاب مین بھر رکھا ہے اوس پر کسی کو اطلاع حاصل ہی نہ ہو گی اور حق یہ ہے کہ ایک حد تک یہ خیال اون کا درست بھی نکلا کیونکہ مین نے اس کتاب کے ایک نسخہ کی پشت پر ماوراالنہر کے بعض قاضیون کی لکھی ہوئی چند سطرین دیکھین جن مین اس کتاب اور اسکے مولف کی بیحد وحساب مدح وثنا کی ہے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ فاضل مخاطب کا یہ کہنا کہ "جب تک سعد بن عبادہ کے سوا تمام انصار نے بیعت نہ کر لی حضرت ابو بکر سقیفہ سے ہٹے ہی نہین" کذب صریح ہے جیسا کہ ابن عبد البر کی کتاب استیعاب فی معرفۃ الاصحاب سے معلوم ہوتا ہے چنانچہ اونھون نے حضرت ابو بکر کے حالات مین کہا ہے انہ بویع لہ بالخلافۃ فی الیوم الذی قبض فیہ رسول اللہ صلعم فی سقیفہ بنی ساعدہ ثم بویع البیعۃ العامۃ یوم الثلثاء من غد ذلک الیوم وتخلف عن بیعتہ سعد بن عبادہ وطائفۃ من الخزرج وفرقۃ من قریش[1] یعنی سقیفہ مین حضرت ابو بکر کے ہاتھون پر بیعت اوسی دن کی گئی جس روز رسول اللہ کی وفات ہوئی پھر عام بیعت دوسرے دن منگل کو واقع ہوئی مگر سعد بن عبادہ اور قبیلہ خزرج مین سے ایک جماعت اور قریش کے بھی ایک گروہ نے اون کی بیعت سے انکار کیا اور اس سے علیحدہ ہی رہے۔

اور اسی طرح فاضل مخاطب نے یہ جو کہا ہے کہ "سعد بن عبادہ خلافت ابو بکر کے ساتوین دن مر گئے" تو سفید جھوٹ ہے جو استیعاب ابن عبد البر اور اصابہ ابن حجر سے بے نقاب ہو جاتا ہے چنانچہ ان دونو حضرات نے کہا ہے "ان سعدا لم یبایع احدا من ابی بکر وعمر ولم یقدروا علی الزامہ کالزامہم لغیرہ لکثرۃ اقوامہ من الخزرج فاحترزوا عن فتنتہم ولما وصل حکومۃ اھل الاسلام الی عمر مر ذات یوم سعد علی سوق المدینہ فوقع علیہ نظر عمر وقال لہ ادخل یا سعد فی بیعتنا او اخرج من ھذا البلد فقال سعد حرام علی ان اکون فی بلد انت امیرہ ثم خرج من المدینۃ الی الشام وکان لہ

---

[1] ملاحظہ ہو استیعاب مطبوعہ حیدرآباد دکن جلد اول صفحہ ۲۴۳ – ۱۲

قبیلۃ کثیرۃ فی نواحی دمشق کان یعیش فی کل اسبوع عند طائفۃ منھم ففی ثلاث الایام کان یذھب یوما من قریۃ الی اخری فرموہ من وراء بستان کان علی طریقہ بسھم فقتلؓ[1] یعنی سعد بن عبادہ نے ابوبکر و عمر میں سے کسی کی بیعت نہین کی اور ان کی قوام خزرج کی کثرت کے سبب سے یہ لوگ ان کو دوسرون کیطرح مجبور بھی نہ کر سکے بلکہ اون کے فتنون سے خائف ہی رہے پھر جب حکومت اہل اسلام حضرت عمر تک پہونچی تو سعد کا گذر مدینہ کے بازار مین ہوا (عمر بھی وہان موجود تھے) اونکی نظر سعد پر پڑی تو ان سے یہ کہا کہ اے سعد تم یا تو ہماری بیعت مین داخل ہوجاؤ یا اس شہر سے نکل جاؤ سعد نے جواب دیا کہ مجھ پر اوس شہر مین رہنا حرام جس کے حاکم تم ہو پھر وہ مدینہ سے شام کی طرف چلے گئے وہان دمشق کے نواح مین اون کے قبیلہ کے بہت لوگ تھے وہ اون مین سے ہر گروہ کے پاس ایک ایک ہفتہ بسر کرتے رہے اونھین ایام مین ایکدن ایک گاؤن سے دوسرے گاؤن کیطرف جارہے تھے راستے مین کچھ لوگون نے ایک باغ کی آڑ سے اون کو تیر مارا اور وہ مقتول ہو گئے۔ نیز صاحب روضۃ الصفا نے کہا ہے مہاجران و قبیلہ اوس برغبتے تمام باصدیق بیعت کردند و خزرج راانجا لتے تمام روئے نمود داعیہ ایشان چنان بود کہ مہم خلافت بر مقتدائے خزرج سعد بن عبادہ قرار گیرد در روایتے آنکہ ازدحام خلائق در آنروز بمرتبہ رسید کہ سعد بن عبادہ پائمال شدہ دست از زندگانی باز داشتہ بعضے گفتہ اند کہ اورا زندہ برداشتند و بخانہ بردند و زمرۂ از اہل اخبار بر آنند کہ سعد مخالفت جمہور کردہ باصدیق بیعت نکرد و از مدینہ بیرون آمدہ بجانب شام رفت بعد از مدتے بتحریک یکے از عظمارلت مقتول شد جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قبیلہ خزرج کو بیعت ابوبکر سے شدید ناکامیابی حاصل ہوئی کیونکہ اون کی کوشش یہ تھی کہ اونکے مقتدا سعد بن عبادہ خلیفہ مقرر کئے جائین۔ ایک روایت مین ہے کہ اوس روز لوگون کا ہجوم اس قدر ہوا کہ سعد بن عبادہ پائمال ہو گئے اور زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے بعضون نے کہا ہے کہ اون کو زندہ اٹھالے گئے اور مورخین و محدثین کا ایک طبقہ کہتا ہے کہ سعد نے جمہور کی مخالفت کی اور ابوبکر کی بیعت نہ کی اور شام کی جانب نکل گئے اور وہان ایک مدت کے بعد بڑے لوگون مین سے بعض کی تحریک

[1] ملاحظہ ہو استیعاب مطبوعہ حیدرآباد جلد ۲ صفحہ ۵۶۴ و اصابہ مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۸۰۔ ۱۲

سے قتل کردیے گئے۔ اور بلاذری نے اپنی تاریخ مین کہا ہے کہ ان عمر بن الخطاب بعث الی خالد بن الولید و محمد بن مسلمة الانصاری بقتل سعد فرماہ کل واحد بسہم فقتل ثم اوقعوا اوہام الناس ان الجن قتلوہ لاجل خاطر عمر ووضعوا ہذا الشعر علی لسانہم۔ قد قتلنا سید الخزرج سعد بن عبادہ۔ فرمیناہ بسہمین فلم یخط فوادہ یعنی عمر بن الخطاب نے خالد بن الولید اور محمد بن مسلمہ الانصاری کو سعد کے قتل کا حکم دیا پس ہر ایک نے اون مین سے سعد کو تیر مارا اور وہ مقتول ہوگئے پھر اون لوگون نے عوام ناس مین یہ مشہور کردیا کہ سعد کو جنون نے عمر کی خاطر سے قتل کردیا ہے اور جنون کی زبانی یہ شعر بھی تصنیف کرکے مشہور کردیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم نے قبیلہ خزرج کے سردار سعد بن عبادہ کو قتل کرڈالا اس طرح کہ ہم نے اوسکی طرف دو تیر پھینکے تو اوسکا دل نہ بچ سکا۔ (سعد بن عبادہ کا حضرت عمر کے اشارہ سے قتل کیا جانا مخصوص تاریخ بلاذری ہی مین مذکور نہین بلکہ دیگر علماے اسلام کی کتابون مین بھی موجود ہے چنانچہ عقد فرید ابن عبد ربہ جلد دوم صفحہ مطبوعہ مصر مین ہے "ابو محمد عن الکلبی قال بعث عمر رجلا الی الشام فقال ادعہ الی البیعة واحمل لہ بکل ما قدرت علیہ فان ابی فاستعن اللہ علیہ فقدم الرجل الشام فلقیہ بحوران فی حائط فدعاہ الی البیعة فقال لا ابایع قرشیا ابدا قال فانی اقاتلک قال وان قاتلتنی قال افخارج انت مما دخلت فیہ الامة قال اما من البیعة فانا خارج فرماہ بسہم فقتلہ۔" یعنی ابو محمد نے کلبی سے روایت کی ہے کہ عمر نے ایک شخص کو شام کی طرف بھیجا اور اوس سے یہ کہا کہ سعد کو بیعت کیطرف بلاؤ اور ہر ممکن کوشش سے اس پر آمادہ کرو اور اگر وہ نہ مانین تو اون سے برخلاف خدا سے مدد طلب کرو (یعنی قتل کردو) پس وہ شخص شام مین آیا اور سعد سے مقام حوران مین ملا اور اون کو بیعت کی دعوت دی اونھون نے جواب دیا کہ مین کبھی کسی قرشی کی بیعت نہین کرونگا اوس شخص نے کہا کہ پھر مین تم سے لڑونگا کہا اگرچہ تم مجھ سے لڑو اگر مین بیعت نہ کرونگا وہ بولا کیا تم اوس امر سے خارج ہی رہوگے جس مین تمام امت داخل ہوچکی ہے سعد نے کہا کہ اگر اوس امر سے بیعت مراد ہے تو مین خارج ہی رہونگا تب اوس نے ایک تیر مار کر سعد کو قتل کردیا۔ بالجملہ معلوم ہوا کہ سعد کا قتل حضرت عمر کے اشارہ سے واقع ہوا اور روایت بلاذری کے بنا پر جن کے ہاتھون سے واقع ہوا وہ بھی صحابی تھے اور

نہایت ممتاز صحابی سے تھے اور خود سعد کا رئیس الانصار و جلیل الشان صحابی ہونا محتاج بیان نہین لہذا اس مقام پر فقط اتنا ہی قابل توجہ ناظرین نہین ہے کہ اونھون نے شیخین کی بیعت کبھی نہین کی اور اس سبب سے بنیاد اجماع مین ناقابل انسداد رخنہ پیدا ہو گیا تھا بلکہ اون کے واقعہ قتل کو بھی حدیث "اصحابی کالنجوم" کی روشنی مین بنگاہ عبرت دیکھنا نہایت ضروری ہے قاتل و مقتول دونون کا صحابہ عدول کی فرد کامل ہونا عقل کو متحیر کر دیتا ہے کہ آخر کس کا فعل زیادہ قابل اقتدا اور باعث اہتدا سمجھا جائے۔

اگرچہ حضرت نے ایک گران وزن پتھر اور تیز زبان کانٹے کو ہٹا کر راہ خلافت بالکل صاف کر لی مگر سعد جیسے عادل صحابی کا خون ایسا نہین جس کا دھبہ خود اون کے دامن عدالت سے قیامت تک بھی مٹ سکے علمائے اسلام خواہ کتنی ہی سعی فرمائین سعد بن عبادہ کے معاملہ کی گتھی اون کے ناخن تدبیر سے سلجھ نہین سکتی جس پہلو کو دیکھا جائے دامن خلافت مین وہ نمایان چاک نظر آتا ہے جسکی بخیہ گری دشوار ہے۔ مترجم)

پانچوین وجہ یہ ہے کہ فاضل مخاطب کا یہ کہنا کہ "اگر انصار نے رسول کی زبان سے علی کی خلافت پر نص سنی ہوتی الخ" قابل سماعت نہین اس لئے کہ اونھون نے ضرور اوس نص کو سنا اور آپس مین اوس کا چرچا بھی کرتے رہے لیکن اونھون نے اوس دن اوس کو ابوبکر کے مقابلہ مین اس سبب سے حجت نہ بنایا کہ حضرت ابوبکر کے طرفدارون نے لوگون کے دلون مین یہ (غلط) خیال ڈالدیا تھا کہ علی خلافت کے بارے علیحدہ ہو گئے ہین اور خانہ نشین ہو کر اس مردہ کے زندہ کرنے سے دست بردار ہو چکے ہین کیونکہ سیر و تواریخ کی معتبر کتابون مین یہ مذکور ہے کہ جب رسول خدا صلعم کی وفات ہوئی اور علی مع اپنے اصحاب بنی ہاشم وغیرہم کے رسول کی تجہیز و تعزیت مین مشغول ہوئے اور اون کے دلون مین یہ خیال جما ہوا تھا کہ حضرت کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا شخص امر خلافت کی طمع ہی نہ کرے گا پس اون بعض لوگون کو جو امیر المومنین سے منحرف تھے (موقع مل گیا اور) اونھون نے لوگون کے دلون مین یہ وہم ڈالدیا کہ چونکہ علی کو وفات رسول سے سخت صدمہ پہونچا ہے لہذا آپ خلافت کا خیال چھوڑ بیٹھے ہین اور حزن و غم مین پڑ کر خانہ نشین ہو گئے ہین پس خزیمہ بن ثابت انصاری آئے اور امیر المومنین

کے اس حال کی بابت جو خبر سنی تھی اپنے قوم یعنی انصار سے بیان کی اور کہا کہ یہ ضروری
ہے کہ کوئی شخص خلافت کا بار اوٹھائے اور اب علی کے سوا کوئی دوسرا قریشی ایسا نظر آتا
ہی نہین جو اس منصب کا اہل ہو پس (یہ سنکر) انصار ڈر گئے کہ کہین ایسا نہ ہو کہ اون
پر شدید بلا نازل ہو جائے اور کوئی دوسرا بدمزاج سخت دل قریشی خلافت کی مسند
پر پہونچ جائے اور وہ ان لوگون سے ایام جاہلیت کے مناقشون اور روز بدر کی عداوتون کا
انتقام لینے لگے پس وہ سید الانصار سعد بن عبادہ کیطرف متوجہ ہوئے اور سقیفہ بنی ساعدہ
مین آکر اون سے خلافت قبول کر لینے کی التماس کی لیکن سعد نے امیر المومنین کی منزلت
اور خدا و رسول کی طرف سے آپ کے منصوص بالخلافۃ ہونے کے خیال سے انکار
کیا پس جب یہ خبر قریش نے سنی تو چونکہ وہ لوگ موقع فرصت کے منتظر ہی تھے لہذا
اونھون نے اوس معاملہ خلافت مین مکر و فریب سے کام لیا اور بیعت ابوبکر مین تعجیل
کی اور انصار کی بھڑکائی ہوئی آگ کو فرو کرنے کے لئے سقیفہ کی طرف دوڑ پڑے
اور وہان پہونچکر انصار سے طوعاً و کرہاً ابوبکر کی بیعت کر لینے کی استدعا کی پس انصار نے
اون کو یہ جواب دیا کہ جب تم خدا و رسول کی نص سے ہاتھ اوٹھا ہی چکے تو پھر علی ابن ابیطالب
کے بعد ہم مین اور تم مین سے کوئی بھی ایسا نہین ہے جو بہ نسبت دوسرے کے خلافت
کا زیادہ اہل ہو لہذا ایک امیر ہماری جماعت مین سے منتخب ہونا چاہیئے اور ایک تمھاری
جماعت مین سے۔ لیکن ابوبکر اور اون کے رفقا نے اس سے انکار کیا اور حدیث "الائمۃ
من قریش" سے اس کی بابت احتجاج کیا مگر سعد نے اون لوگون کی خلافت قبول
کرنے سے انکار کر دیا یہ عذر پیش کر کے کہ وہ اور لوگ ہین جو امامت و خلافت کے لئے
منصوص ہین (یعنی یہ نص جن لوگون کے خلافت و امامت پر کی گئی ہے وہ ان لوگون
کے علاوہ قریش کے کچھ دوسرے لوگ ہین) اوس وقت (معاملہ کے یکسو نہ ہو سکنے
کے سبب) حالت مین اضطراب نمایان ہو گیا اتنے مین سعد بن عبادہ کی مخالفت (وحسد)
مین اوسکے چچازاد بھائی بشر بن سعد بن ثعلبہ انصاری کا دل قریش کو ترجیح دینے اور
اونھین سے موافقت کرنے کی طرف مائل ہو گیا جس سے قریش کا پہلو قوی ہو گیا اور
عمر نے آگے بڑھ کر ابوبکر کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دے ہی مارا اور اونھون نے اور اونھین
جیسے کچھ دوسرے لوگون نے خلیفہ اول صاحب کی بیعت ناگہانی کر ہی لی جس کا تذکرہ

حضرت عمر نے بعد مین خود کیا اپنے اس قول مین "کانت بیعة ابی بکر فلتة وقی الله شرها عن المسلمین" یعنی حضرت ابو بکر کی بیعت بالکل ناگہانی واقع ہو گئی جس کے شر سے خدا نے مسلمانون کو محفوظ رکھا - اور محمد بن جریر طبری شافعی کی کتاب مواہب مین ابو علقمہ سے مروی ہے وہ کہتے ہین "قلت لابن عبادة وقد مال الناس الی بیعة ابی بکر الا تدخل فی ما دخل فیہ المسلمون قال الیک عنی فواللہ لقد سمعت رسول اللہ صلعم یقول اذا انا مت تضل الاهواء ویرجع الناس علی اعقابهم فالحق یومئذ مع علی و کتاب اللہ بیدہ لا تبایع احدا غیرہ فقلت لہ هل سمع هذا الخبر احد غیرک من رسول اللہ فقال اناس فی قلوبهم احقاد وضغائن قلت بل نازعتک نفسک ان یکون هذا الامر لک دون الناس کلهم فحلف انہ لم یهم بها ولم یردها وانهم لو بایعوا علیا کان اول من بایع سعد انتہے" یعنی ابو علقمہ کہتے ہین جب کہ لوگ ابو بکر کی بیعت کی طرف مائل ہو چکے تھے اوسوقت مین نے سعد بن عبادہ سے یہ کہا کہ آخر تم اوس امر مین کیون داخل نہین ہو جاتے جس مین تمام اہل اسلام داخل ہو گئے ہین؟ وہ بولے کہ جاؤ بھی (مین بھلا ایسا کبھی کر سکتا ہون حالانکہ) قسم خدا کی مین رسولخدا صلعم کو یہ کہتے سن چکا ہون کہ میرے مرنے کے بعد نفسانی خواہشون کے سبب لوگ گمراہی مین پڑ جائینگے اور اپنے پچھلے پاؤن (کفر کی طرف) پلٹ جائینگے. پس حق اوسدن علی کے ساتھ ہو گا اور کتاب خدا اونھین کے ہاتھ مین ہو گی پس (دیکھنا) تم اون کے سوا کسی دوسرے کی بیعت نہ کرنا - مین نے سعد سے کہا کہ آیا تمھارے سوا کسی اور نے بھی یہ حدیث رسول خدا صلعم سے سنی تھی؟ کہا ہان کچھ ایسے لوگون نے سنی تھی جن کے دل بغض وکینہ سے بھرے ہوے ہین مین نے کہا کہ (یہ سب غلط باتین ہین) اصل تو یہ ہے کہ تمھارے نفس نے تم سے اس بارے مین کشمکش کی کہ خلافت تمھیں کو ملجائے دوسرون کو نہ ملے پس اونھون نے قسم کھا کر کہا کہ (ایسا ہرگز نہین ہوا) اونھون نے کبھی بھی اوس کا ارادہ نہین کیا اور اگر لوگ علی کے ہاتھ پر بیعت کرتے تو پہلا بیعت کرنے والا سعد ہی ہوتا - اور شیخ فاضل ابو السعادات حلی رحمة اللہ علیہ نے شرح دعائے صنمے قریش مین روایت کی ہے کہ" انہ اجتمع ابو بکر وعمر وابو عبیدة واخوانهم فی سقیفة بنی ساعدة یطلبون الحکم والبیعة من غیر اکتراث باهل البیت ونبوها ثم

وکل واحد من ھولاء الثلثة یرجو الامر والحکم لنفسه ویعطفه علی صاحبه فانکر علیھم الانصار واصروا علی الدفاع والامتناع واحتجوا علیھم بما قال رسول اللہ فی علی من التوکید فی امامته فی مواطن شتی وامرہ ایاھم بالتسلیم علیه بامرة المومنین فقال ابوبکر قد کان ذلک لکن نسخه النبی بقوله انا اھل بیت کرمنا اللہ واصطفانا بالنبوۃ ولو یرض لنا بالدنیا وان اللہ لا یجمع لنا النبوۃ والخلافة فصدقه عمر وابو عبیدۃ فی ذلک وعللا قعود علی فی بیته والاشتغال بتجھیز النبی دون تصدی امر الخلافة بعلمه بتحویل الامر عنه فقالت الانصار اذا لا نرضی واللہ بامارة غیرنا علینا منا امیر ومنکم امیر فذکروا عن رسول اللہ الائمة من قریش وشبھوا الامر علی الانصار وسائر الامة وقطعوا بذلک حجتھم واخذوا بیعتھم ولما فرغ علی واصحابه عن تجھیز النبی ودفنه وتکلموا فی ذلک اعتذروا تارۃ بان الناس بایعوا ولم یکن لھم علم بانک تنازعھم فی الامر ونکث البیعة الواقعة یورث مفاسد بین المسلمین وخللا فی ارکان الدین وتارۃ بانھم ظنوا انک لشدۃ مصیبة النبی طرحت الخلافة والامارۃ فاتفق اصحاب رسول اللہ علی تفویض الامر الی ابی بکر الی غیر ذلک من الاعذار التی سیجئی مع جوابھا فی الموضع اللائق بھا ومما یقلع عرق انکارھم ویوضح رجوعھم علی ادبارھم ما ذکرہ ابن قتیبة وھو من اکبر شیوخ اھل السنة وله عدۃ مصنفات فی امامة ابی بکر وغیرھا من الکتب قال فی کتاب السیاسة فی باب امامة ابی بکر وابا علی عن بیعته ما ھذہ صورته وذکروا ان علیا اتی به ابوبکر وھو یقول انا عبد اللہ واخو رسوله فقیل له بایع ابا بکر فقال انا احق بھذا الامر منکم لا ابایعکم وانتم اولی بالبیعة لی اخذتم ھذا الامر من الانصار احتججتم علیھم بالقرابة من النبی وتاخذونه منا اھل البیت غصبا الستم زعمتم للانصار انکم اولی بھذا الامر لما کان محمد منکم فاعطوکم المقادۃ وسلموا الیکم الامارۃ فانا احتج علیکم بمثل ما احتججتم به علی الانصار نحن اولی برسول اللہ حیا ومیتا فانصفونا ان کنتم تخافون من انفسکم والا فبوؤا بالظلم وانتم تعلمون فقال له عمر انک لست متروکا حتی تبایع فقال له علی احلب حلبا لک شطرہ اشددہ له الیوم

لیردہ علیک غداً ثم قال لا واللہ یا عمر لا اقبل قولک ولا ابایعہ فقال لہ ابوبکر فان لم تبایعنی فلا اکرھک فقال علی یا معشر المہاجرین اللہ اللہ لا تخرجوا سلطان محمد فی العرب من دارہ وقعر بیتہ الی دورکم وقعور بیوتکم وتدفعوا اھلہ عن مقامہ فی الناس وحقہ فواللہ یا معشر المہاجرین لنحن اھل البیت احق بھذا الامر منکم ما کان فینا القاری لکتاب اللہ الفقیہ فی دین اللہ العالم بسنن رسول اللہ المضطلع لامر الرعیۃ المدافع عنھا الامور السیئۃ القاسم بینھم بالسویۃ واللہ انہ لفینا فلا تتبعوا الھوی فتضلوا عن سبیل اللہ فتزدادوا من الحق بعداً۔ وقال بشیر بن سعد الانصاری لو کان ھذا الکلام سمعتہ الانصار منک یا علی قبل بیعتھا لابی بکر ما اختلفت علیک انتہی[1]

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ ابوبکر و عمر و ابوعبیدہ اور اون کے دیگر برادران قوم سقیفہ مین جمع ہوئے اور اہلبیت و بنی ہاشم کی طرف سے بے پروائی کر کے حکومت و بیعت کا مطالبہ کرنے لگے ان تینوں شخصوں مین سے ہر ایک اپنے لئے امارت و حکومت کا امیدوار تھا اور اپنے رفیق کی طرف اوسکو پھیرنا چاہتا تھا پس انصار نے اس سے انکار کیا اور اوسکے دفع پر اصرار کرنے لگے اور اون پر یہ حجت پیش کی کہ رسول خدا صلعم نے متعدد مواقع مین علی ابن ابیطالب کی امامت پر بتاکید نص فرمائی تھی لہذا ان کو حکم دیا تھا کہ حضرت پر سلام بھی کیا کرین تو امیر المومنین کہکر اس پر ابوبکر بولے کہ ہان ایسا ہوا تھا مگر بعد مین خود رسول خدا ہی نے اپنے اس حکم کو یہ فرما کر منسوخ کر دیا تھا کہ "ہم اہلبیت کو خدا نے نقط نبوت کے ساتھ کرم و برگزیدہ فرمایا ہے دنیا کو ہمارے لئے پسند نہین کیا ہے لہذا نبوت و خلافت دونون کو ہم میں جمع نہ کرے گا" عمر اور ابوعبیدہ نے ابوبکر کے اس کلام کی تصدیق کی اور کہا کہ علی ابن ابیطالب جو اپنے گھر مین بیٹھے رہے ہیں اور تجہیز رسول کے سوا خلافت حاصل کرنے کی کوشش نہیں کر رہے ہیں تو اوس کا سبب یہی ہے کہ وہ ارشاد رسول سے یہ معلوم کر چکے ہین کہ امر خلافت اون کی ذات سے ہٹا لیا گیا ہے یہ سنکر انصار نے کہا کہ ایسی صورت مین ہم اس پر رضامند نہ ہونگے کہ کوئی غیر شخص ہم پر حاکم ہو جائے لہذا ایک امیر تم میں سے ہو اور ایک ہم میں سے۔ اس پر ابوبکر وغیرہ نے رسول خدا صلعم کی زبانی

[1] کتاب الامامۃ والسیاسۃ مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۱۱ تا ۲۰ لاحظہ ہو۔

حدیث الائمۃ من قریش یعنی امام تو صرف قریش ہی سے ہوا کرینگے نقل کی اور انصار اور تمام امت پر صورت معاملہ کو مشتبہ کر دیا اور اس طرح اپنی حجت تمام کر دی اور اون سے بیعت لے لی۔ پھر جب امیر المومنین اور آپ کے رفقا رسول خدا کی تجہیز و تکفین و دفن سے فارغ ہوئے اور اون سے اس معاملہ میں گفتگو کی تو اونھوں نے کبھی تو یہ عذر پیش کیا کہ اب تو لوگوں نے بیعت کر لی ہے اور اون کو اس کا علم نہ تھا کہ آپ خلافت کے بارے میں اون سے نزاع کھڑے کر دینگے اور اب واقع شدہ بیعت کا توڑ دینا مسلمانوں میں فسادات اور ارکان دین میں خلل پیدا کر دیگا اور کبھی یہ کہا کہ چونکہ اصحاب رسول کو یہ خیال ہو گیا تھا کہ شدت مصیبت رسول کیوجہ سے آپ نے خلافت و امارت کا بار اپنے سر سے اوتار پھینکا ہے لہذا اونھوں نے یہ طے کر لیا ہے کہ اب اس منصب کو ابو بکر کے سپرد کر دیں اون لوگوں نے اس کے علاوہ اور بھی بہت سے اعذار پیش کئے جو مع جواب کے کسی دوسرے مناسب مقام میں آئندہ مذکور ہونگے۔ اور ان حضرات کے انکار کی اصل کو جڑ سے کاٹ دینے اور ان کے رائے کو رد اور دعوے کو باطل کرنے کے لئے وہی قول کافی ہے جو علامہ ابن قتیبہ نے ذکر کیا ہے۔ علامہ موصوف حضرات اہلسنت کے علمائے جلیل الشان اور مستند آئمہ دین سے ہیں اور مسئلہ خلافت حضرت ابو بکر میں انھوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں وہ اپنی بےمثل و نظیر اور کمال تحقیق کی مخزن کتاب الامامۃ والسیاسۃ میں حضرت ابو بکر کی خلافت اور حضرت علی علیہ السلام کے اون کی بیعت سے انکار کرنے کا حال لکھتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ لوگوں نے ذکر کیا ہے کہ (جب حضرت ابو بکر کی بیعت ہو گئی اور حضرت علیؑ نے اون کی بیعت سے انکار کیا تو) لوگ حضرت علیؑ کو حضرت ابو بکر کے پاس لائے اور آپ اوسوقت فرما رہے تھے کہ میں خدا کا بندہ اور حضرت رسول اللہ کا بھائی ہوں۔ تو حضرت سے کہا گیا کہ ابو بکر کی بیعت آپ بھی کیجئے! اس پر حضرت نے فرمایا کہ (اس خلافت کا تم لوگوں سے زیادہ مستحق میں ہوں (یعنی تملوگوں پر فرض ہے کہ حکم خدا و رسول کے مطابق مجھ ہی کو اپنا خلیفہ حسب معمول مانتے رہو) اور تم ہی سب کو یہی مناسب ہے کہ میرے ہی ہاتھ پر (آج پھر) بیعت (کر کے تجدید عہد سابق) کرو۔ تملوگوں نے اس امر خلافت کو انصار سے یہی دلیل پیش کر کے تو نکالا ہے کہ انصار سے زیادہ تم ہی حضرت رسول خدا صلعم کے زیادہ قرابتدار ہو؟ پھر اوسی دلیل سے یہ کیوں نہیں سمجھتے

کہ چونکہ میں تم لوگوں سے زیادہ آنحضرت صلعم کا قرابت دار ہوں لہذا میں ہی تم سب سے زیادہ خلافت کا حقدار بھی ہوں۔ اب تم سب مل کر چاہتے ہو کہ آنحضرت صلعم کی جانشینی اور معاملہ خلافت کو ہم اہلبیت سے غصب کر کے نکال لیجاؤ؟ تم ہی بتاؤ کیا تم نے انصار کے مقابلہ میں یہ حجت نہیں پیش کی تھی کہ چونکہ تم کو حضرت محمد مصطفےٰ صلعم سے زیادہ قرابت ہے لہذا تم ہی خلافت کے مستحق بھی زیادہ ہو جسے انصار نے تسلیم کر لیا اور تمہارے آگے سر اطاعت جھکا دیا اور حکومت و خلافت کو تمہارے حوالہ کر دیا۔ پس جس دلیل سے تم نے انصار پر حجت پیش کی اوسی دلیل سے میں بھی تم سب پر حجت پیش کرتا ہوں کہ ہم اہلبیت آنحضرت صلعم کی زندگی میں اور آپ کی وفات کے بعد بھی تم لوگوں سے زیادہ حضرت سے قریب ہیں بلکہ ہم اور رسول خدا صلعم ایک ہیں اور تم حضرت رسولخدا صلعم سے بہت دور اور مغایر ہو پس اگر تمہیں کچھ بھی اپنی جانوں کا (عذاب آخرت سے) خوف ہو تو ہمارے ساتھ انصاف کرو۔ نہ جو چاہو ظلم کرتے رہو!! اس پر حضرت عمر بول پڑے کہ اے علی جب تک تم بیعت نہ کروگے اوسوقت تک چھوڑے نہیں جاؤگے۔ تو حضرت علیؑ نے حضرت عمر سے کہا ہاں ہاں اس خلافت (کے تھن) کو اچھی طرح دوہ لو کیونکہ تمہیں بھی تو اس میں حصہ لینا ہے۔ آج اس امر خلافت کو ابو بکر کیلئے خوب مضبوط کردو کیونکہ تم سے تو طے ہی ہو چکا ہے کہ ابو بکر کل (اپنے مرتے وقت) اسے تمہارے حوالہ کر جائینگے (اور وہ بوڑھے ہو بھی گئے ہیں کب تک زندہ رہینگے) پھر حضرت نے عمر سے فرمایا خدا کی قسم اے عمر میں تمہارا قول کبھی بھی نہیں مانونگا اور ابو بکر کی بیعت کسی طرح نہیں کرسکتا۔ اس پر حضرت ابو بکر نے جناب امیر علیہ السلام سے کہا کہ اگر آپ میری بیعت نہیں کرینگے تو میں آپ کو مجبور نہیں کرسکتا۔ پس حضرت علیؑ نے فرمایا اے گروہ مہاجرین دیکھو تم کیا کر رہے ہو خدا سے ڈرو۔ اللہ کو یاد کرو اور عرب میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کی شریعت اور حکومت و اقتدار کو حضرت کے خاندان اور آپ کے اصلی گھر سے اپنے خاندان کی طرف اور اپنے گھروں میں نہ نکال لیجاؤ۔ اور آنحضرت صلعم کو لوگوں میں جو منزلت تھی اوس منزلت اور اوس حق سے حضرت کے اہلبیت کو علیحدہ نہ کرو کیونکہ اے گروہ مہاجرین بخدا جب تک دنیا میں خدا و رسول کا نام لینے والے کتاب خدا کے پڑھنے والے دین خدا کے سمجھنے والے سنتہائے رسول خدا صلعم کے جاننے والے امر رعیت کے لئے آگے نکلنے

والے اور برائیوں کو ان سے دفع کرنیوالے اور اون (مسلمانوں) میں اونکا حق برابر تقسیم کرنیوالے رہیں گے اور سب جانتے ہیں کہ خدا کی قسم ایسے لوگ ہم ہی ہیں اور اوسوقت تک ہم اہلبیت تم سے زیادہ اس امر خلافت کے مستحق اور سزاوار ہیں تو تم سب اپنے نفس امارہ کی پرستش نہ کرو ورنہ راہ خدا سے شدید گمراہی میں پڑ جاؤ گے اور تمھیں حق سے دوری بڑھتی ہی جائیگی۔ اس پر بشیر بن سعد انصاری نے عرض کی کہ یا حضرت اگر انصار ابوبکر کی بیعت کرنے سے پہلے آپ سے یہ باتیں سنے ہوئے تو آپ کے بارے میں کسی ایک شخص کو بھی اختلاف نہیں ہوتا اور کوئی بھی آپ کے سوا کسی کی بیعت نہیں کرتا مگر کیا کیا جائے کہ ان لوگوں نے آپ کے صدمہ و ملال اور امر خلافت سے علیحدہ ہو جانے کا قول مشہور کرکے ہم لوگوں سے پہلے ہی بیعت لے لی) انتہے۔ ہمیں علامہ ابن قتیبہ کی کتاب سے اس مقام پر اسی قدر عبارت نقل کرنی مقصود تھی مگر جیسا کہ بعض علماء نے ارشاد فرمایا ہے۔ علامہ ممدوح کی اسی عبارت میں شیعوں کے دعوے کے موافق بہت سی باتیں موجود ہیں اور اون کے مذہب کی حقیت پر بکثرت شواہد پائے جا رہے ہیں چنانچہ حضرت کا قول "میں اس خلافت کا تم لوگوں سے زیادہ مستحق ہوں" پھر آپکا یہ قول "تم سب ملکر چاہتے ہو کہ آنحضرت صلعم کی جانشینی اور معاملہ خلافت کو ہم اہلبیت سے غصب کرکے نکال لیجاؤ"۔ پھر یہ قول "ہم اہلبیت آنحضرت صلعم کی زندگی میں اور آپ کے وفات کے بعد بھی تم لوگوں سے زیادہ حضرت کے قریب ہیں" پھر یہ قول "حضرت محمد کی شریعت اور حکومت و اقتدار کو حضرت کے خاندان اور آپ کے اصلی گھر سے اپنے خاندان کی طرف اور اپنے گھروں میں نہ نکال لیجاؤ"۔ پھر یہ قول "اوس منزلت اور اوس حق سے حضرت کے اہلبیت کو علیحدہ نہ کرو" پھر یہ قول "بخدا ہم اہلبیت تم سے زیادہ اس امر خلافت کے مستحق اور سزاوار ہیں"۔ سب مذہب شیعہ کی حقیت اور خلفائے ثلثہ کی خلافت کے باطل ہونے کا اعلان کر رہے ہیں۔ ہمیں ہم گروہ مذہب حق یعنی شیعہ کہتے ہیں کہ علامہ ابن قتیبہ نے جو کچھ لکھا یہ سب صحیح اور حق ہے لیکن حضرات اہلسنت ان باتوں کو صحیح تسلیم نہیں کر سکتے بلکہ اونھیں اپنا مذہب بچانے کے لیے ان باتوں کو غلط ہی کہنا پڑے گا۔ کاش یہ حضرات مجھے بتاتے کہ حضرات اہلبیت کے بارے میں یہ کون راہ اختیار کرینگے (یعنی حضرات اہلبیت کے رہتے ہوئے جو

دوسروں کو خلیفہ بنا لیا تو اُن حضرات کے چھوڑنے کا کیا عذر پیش کرینگے) اور علامہ ابن قتیبہ نے جو حضرت علی کا یہ سب کلام نقل کیا اسمیں علامہ ممدوح کو یہ حضرات کاذب کیوں قرار دینگے۔ حالانکہ وہ ان سبکے مذہب کے بہت بڑے امام اور رکن دین ہیں اور یہ بھی ان حضرات کے اختیار میں نہیں معلوم ہوتا کہ علامہ ممدوح کو صادق اور اونکی اس عبارت کو صحیح مانیں کیونکہ پھر اونھیں اپنے خلیفہ اول حضرت ابوبکر کو جھوٹا ماننا پڑیگا اور کاش علامہ ابن قتیبہ خود اپنے متعلق بھی جواب دیتے کہ جب وہ حضرت علی کا اس قدر کلام نقل کر رہے ہیں تو اس قول اور اپنے مذہب کی اس حدیث اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اهتدیتم (یعنی آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں تم لوگ جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاجاوگے) کو جمع کیونکر کرسکتے ہیں (یعنی دونوں کو کیونکر تسلیم کرسکتے ہیں کیونکہ آنحضرت صلعم کی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر یا اور کسی صحابی کی بھی پیروی کیجائے تو ہدایت ملجائے گی لیکن حضرت علی کے اوس کلام سے جو علامہ مذکور نے اپنی کتاب میں لکھا ہے اور جو ابھی نقل کیا گیا ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر نے خلافت کو خاندان رسول سے غصب کرلیا تو خود غاصب خلیفہ ہوئے اور غاصب خلیفہ کی پیروی کسیطرح جائز نہیں ہے۔ نیز حدیث اصحابی

سلہ علامہ ابن قتیبہ دینوری کی مذکورہ بالا عبارت جو صفحہ ۲ و ۳ میں نقل کی گئی اور جسکا ترجمہ صفحہ ۴ سے شروع ہوا ہے اوس امر کا بھی قطعی فیصلہ کردیتی ہے جو حضرات اہلسنت کے بڑے بڑے محدثین اور علماء اعلام نے بالکل غلط مشہور کر رکھا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے اوسوقت تو حضرت ابوبکر کی بیعت نہیں کی لیکن چند مہینوں کے بعد کرلی۔ اس جگہ حضرت خدا کی قسم کھا کر ارشاد فرماتے ہیں کہ اے عمر تم جو کہتے ہو وہ میں کبھی نہیں مانونگا اور ابوبکر کی بیعت کسیطرح نہیں کرسکتا اور حضرت نے اس سختی اور استقلال سے اپنے اس قول کو ارشاد فرمایا کہ حضرت ابوبکر کو یقین ہوگیا کہ حضرت علی مرتے وقت تک اونکی بیعت نہیں کرینگے ہیں لہذا آپ سے مایوس ہوکر کہدیا کہ اگر آپ میری بیعت نہیں کرینگے تو میں بھی آپ کو مجبور نہیں کرسکتا جس سے طرفین کا اطمینان واضح ہوگیا کہ نہ حضرت ابوبکر پھر کبھی خواہش کرسکتے تھے نہ حضرت علی اپنی قسم کے خلاف بیعت کرسکتے تھے اور چونکہ یہ مصنف بہت قدیم زمانہ کے ہیں کہ ۲۱۳ ہجری میں پیدا ہوئے تھے اور اوس زمانہ تک ہر شخص کے زبان پر یہی تھا کہ حضرت علی نے حضرت ابوبکر کی بیعت کبھی بھی نہیں کی اسوجہ سے اونھیں حضرت کا کلام صاف صاف لکھدینا پڑا جو الحمدللہ اسوقت تک ان کی اس کتاب میں بھی موجود ہے اور کتابوں میں تحریف کرلوانے حضرات سے محفوظ رہ گیا۔ ۱۲

کالنجوم کے مطابق جو لوگ حضرت علی ہی کی پیروی خلافت ابوبکر کے بارے میں بھی کریں کہ جس طرح حضرت علی نے ابوبکر کی بیعت نہیں کی اوسی طرح یہ لوگ بھی ابوبکر کی بیعت نہ کریں تو چونکہ یہ لوگ ابوبکر کی بیعت سے انکار حضرت علی کی پیروی میں کرینگے لہذا یہ لوگ بھی ہدایت یافتہ ہی ہو نگے پس اسطرح حدیث اصحابی کالنجوم سے تو مذہب اہلسنت ہی دنیا سے رخصت ہوا جاتا ہے) غرض خدا ہی جسکو چاہے اپنے نور کیطرف ہدایت پانے کی توفیق دے اور خدا تو اپنے نور کو تمام پھیلا کر ہی رہیگا اگرچہ کافرون پر یہ بہلت جبر ہو۔

چھٹی وجہ یہ ہے کہ فاضل مخاطب نے یہ جو کہا کہ "حضرت عمر و ابوعبیدہ نے حدیث رسول الائمۃ من قریش پیش کرکے اون پر حجت بھی قائم کردی تھی" تو بیشک یہ حدیث صحیح ہے اور اسکی تائید آنحضرت صلعم کے اوس قول سے بھی ہوتی ہے جو بکثرت صحیح حدیثون میں اس مضمون کا وارد ہے کہ ان الاسلام لا یزال عزیزا ما مضی فیھم اثنا عشر خلیفۃ کلھم من قریش یعنی اسلام ہمیشہ اوسوقت تک غالب رہیگا جب تک اسمیں بارہ خلیفہ نہ ہو جائیں گے جو سب کے سب قریش ہی سے ہونگے[۱] پس اس حدیث میں پہلے قریشی امام سے مراد حضرت علی علیہ السلام ہی لیکن چونکہ اون حضرات نے وفات رسول صلعم پر مسلمانون کے دلوں میں یہ مضمون راسخ کر دیا کہ حضرت علی خانہ نشین ہو گئے اور خلافت کا بار چھوڑ دیا جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے لہذا اون سادہ لوح مسلمانوں نے دوسرے قریشی شخص (یعنی حضرت ابوبکر) کی بیعت کر لی۔ ساتویں وجہ یہ ہے کہ فاضل مخاطب کا یہ کہنا "آخر اونھوں نے کیوں نہ کہا کہ امامت حضرت علیؑ کا حق ہے" ہمارے سابق تقریر سے مردود ہو چکا ہے اور آگے بھی آتا ہے کہ اون لوگوں نے یقیناً یہ بات کہی تھی لیکن اس کا کیا علاج کہ بعض مخصوص صحابہ نے تمام مسلمانوں کو دھوکہ میں ڈالکر یہ مشہور کر دیا کہ با وجودیکہ حضرت علی کے لئے نص ہو چکی تھی مگر اب حضرت علی نے خود ہی خلافت سے علیحدہ ہو کر کنارہ کشی اختیار کر لی ہے۔ باوجود اسکے بھی سقیفہ میں بہت سے اصحاب بیعت حضرت ابوبکر سے انکار ہی کرتے رہے اور آخر وقت تک یہی کہتے رہے کہ لا نبایع احدا

---

[۱] دیکھو تاریخ الخلفاء و صحیح بخاری وغیرہ۔

غیر علی ابن ابیطالب یعنی ہم حضرت علی ابن ابیطالب کے سوا کسی کی بیعت کبھی بھی نہیں کرینگے جیسا کہ پہلے ہی یہ مضمون بھی گزرچکا اور سید المحدثین جمال الدین نے بھی اپنی تاریخ روضۃ الاحباب میں تصریح کردی ہے [1] پس ہمارے بیان سے فاضل مخاطب کا یہ قول بھی باطل ہوگیا کہ "انصار نے اوس موقع پر خاموشی سے کام لیا" کیونکہ انصار نے خاموشی سے کہاں کام لیا اونھوں نے توصاف کہدیا کہ ہم حضرت علی کے سوا کسی کی بیعت نہیں کرینگے۔ آٹھویں وجہ یہ ہے کہ آخر میں فاضل مخاطب کا یہ کہنا کہ "امور مذکورہ میں سے کچھ بھی اشاعرہ کے ذمہ لازم نہیں آتا" حق اور سچ ہے لیکن اس حیثیت سے کہ اون کا مذہب ہی یہ ہے کہ جو کچھ کرتا ہے وہ خدا ہی۔ اور اشاعرہ بالکل مجبور محض ہیں لہذا واقعا اونکے ذمہ کچھ لازم نہیں اسما بلکہ جو خرابیاں بھی لازم آتی ہیں وہ سب اونکے مذہب کے مطابق اخدا ہی کے ذمہ لازم آتی ہیں۔ یہ نکتہ بھی بہت لطیف اور سمجھنے اور وجد کرنے کے قابل ہے۔

قول علامہ علیہ الرحمہ چوتھی بحث تعیین امام میں یعنی اس امر میں کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ کا خلیفہ اور مسلمانوں کا امام درحقیقت کون ہے۔ تمام فرقہ شیعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت رسولخدا صلی اللہ

---

[1] چنانچہ روضۃ الاحباب مطبوعہ لکھنؤ جلد ۲ صفحہ ۳۲ میں ہے گفتند کہ ما بیعت با ہیچ کس نکنیم الا بعلی ابن ابیطالب رضؓ وگویا شیخ فریدالدین عطار قدس اللہ تعالے سرہ از زبان آں جماعت گفتہ ز مشرق تا بمغرب گر امام است + علی وآل او ما را تمام است یعنی مسلمانوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت ہوتے وقت شور کیا کہ ہم حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے سوا کسی کی بیعت نہیں کریں گے اور غالبًا شیخ فریدالدین عطار قدس اللہ تعالے سرہ نے اونھیں مسلمانوں کی زبان سے یہ شعر کہا ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ مشرق سے مغرب تک اگر کوئی امام ہوسکتا ہے تو وہ صرف حضرت علیؑ اور آپ کی اولاد ہی ہیں دوسرا کوئی نہیں اور تاریخ روضۃ الاحباب اس درجہ مستند کتاب ہے کہ جناب مولوی شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی مصنف تحفہ اثنا عشریہ ایسے بزرگ تک اوس کے نہایت درجہ مداح اور اوس کے مضامین کو بہت معتبر سمجھتے ہیں۔ ۱۲ مترجم

علیہ وآلہ کے بعد امام اور خلیفہ بلا فصل حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام ہیں اور حضرات اہلسنت کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر بن ابی قحافہ اور دوسرے خلیفہ حضرت عمر بن الخطاب تیسرے خلیفہ حضرت عثمان اور چوتھے خلیفہ حضرت علی ابن ابیطالبؑ ہیں لیکن ان حضرات نے اپنے اس اعتقاد سے عقل کی بھی مخالفت کی ہے اور نقل (قرآن وحدیث حضرت نبوی) کی مخالفت بھی کی مخالفت، تو ان دلیلوں سے واضح ہے جو حضرت امیرالمومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی خلافت بلا فصل پر عقلی حیثیت سے ثابت ہیں چنانچہ وہ عقلی دلیلین چند وجوہ پر ہیں اول یہ کہ امام کا معصوم ہونا ضروری اور واجب ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا اور اجماع اس امر پر قائم ہے کہ ان چاروں حضرات سے معصوم صرف حضرت علی علیہ السلام ہیں باقی تینوں حضرات یعنی حضرت ابوبکر و عمر و عثمان غیر معصوم تھے تو وہ امام نہیں ہو سکتے کیونکہ عقل ہی کا یہ حکم ہے کہ جو معصوم نہ ہووے امام نہیں ہونا چاہیئے۔ دوسرے یہ کہ امام کی شرط یہ ہے کہ اوس سے قبل خلافت بھی کوئی گناہ نہیں ہوا ہو (چنانچہ اسکی بحث بھی پہلے گزر چکی) اور حضرات خلفائے ثلاثہ کے بارے میں سب جانتے ہیں اور کل کتب احادیث و تفاسیر و سیر و تواریخ گواہ ہیں کہ وہ اسلام لانے سے قبل بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے لہذا وہ کسی طرح خلیفہ اور امام نہیں ہو سکتے ہیں پس آنحضرت صلعم کے حقیقی خلیفہ حضرت علی ہی ہوئے۔ تیسرے یہ کہ ضروری اور واجب ہے کہ امام منصوص علیہ (یعنی خدا اور حضرت رسالتماب صلعم ہی نے اوسکو مسلمانوں کا امام مقرر کر کے لوگوں کو بتا دیا) ہو اور معلوم ہے کہ سوا حضرت علی کے کوئی بزرگ ایسے نہیں تھے جن کی خلافت خدا اور رسول خدا صلعم کے معین کرنے سے واقع ہوئی ہو لہذا اس اصول سے بھی حقیقی خلیفہ رسولؐ جناب امیرؑ ہی ہوئے نہ کہ خلفائے ثلثہ۔ چوتھے یہ کہ واجب ہے کہ امام اپنی رعیت (یعنی باقی کل مسلمانوں) سے افضل ہو اور معلوم ہے کہ خلفائے ثلثہ ایسے نہیں تھے اور جناب امیرؑ سب سے افضل تھے لہذا حضرت ہی حقیقی خلیفہ بھی ہوئے۔ پانچویں یہ کہ خلافت اور امامت ایک بات عامہ ہے (یعنی ہر مسلمان کی ہر قسم کی سرداری ہے خواہ دین کی ہو یا دنیا کی) اور اسکا مستحق وہی شخص ہو سکتا ہے جس میں زہد۔ علم۔ عبادۃ۔ شجاعت۔ ایمان وغیرہ اوصاف بدرجہ اتم پائے جائیں۔ اور عنقریب ان امور کی تفصیل آئیگی کہ حضرت علی علیہ السلام

ہی کامل بلکہ اکمل درجہ پر ان تمام اوصاف کے جامع تھے کہ آپ تک کوئی شخص بھی ان صفات میں پہونچ نہیں سکتا تھا لہذا ضروری ہے کہ حضرت ہی جناب رسولخدا صلعم کے حقیقی خلیفہ بلافصل ہوں۔

قول ابطال اہلسنت والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم کے بعد حقیقی امام حضرت ابوبکر الصدیق تھے اور شیعہ حضرات کا اعتقاد ہے کہ حقیقی امام حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام تھے۔ تو فرقہ اہلسنت والجماعت کا اعتقاد صحیح ہونے کی دو دلیلیں ہیں اول یہ کہ کسی شخص کی امامت یا نص (خدا اور رسول کے فرمانے اور معین کر دینے) سے ثابت ہوتی ہے یا اوس کی بیعت پر تمام مسلمانوں کے اجماع کر لینے سے ہوتی ہے۔ پس نص تو کسی شخص کے بارے میں ہوئی ہی نہیں جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے اور آئندہ بھی ذکر کرینگے بلکہ اسکے بعد انشاءاللہ اس امر کو تفصیل سے لکھیں گے۔ رہا مسلمانوں کا اجماع تو تمام امت کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت ابوبکر کے سوا کسی شخص کی بیعت پر مسلمانوں کا اجماع نہیں ہوا تو آپ ہی آنحضرت صلعم کے بعد مسلمانوں کے امام اور آنحضرتؐ کے حقیقی خلیفہ ہوئے۔ دوسری دلیل یہ کہ اس امر پر بھی اجماع قائم ہے کہ تین بزرگ حضرت ابوبکر و حضرت علی و حضرت عباس (عم رسول خدا صلعم) سے کوئی ایک شخص آنحضرت صلعم کا حقیقی خلیفہ اور مسلمانوں کا صحیح امام ضرور تھا۔ پھر یہ بھی معلوم ہے کہ جب حضرت ابوبکر خلیفہ بن گئے تو حضرت علی اور حضرت عباس نے اون سے نزاع نہیں کی اور ان پر یہ اعتراض نہیں کیا کہ تم نے خلافت پر قبضہ کیوں کر لیا اور یہ مسلم ہی کہ اگر حضرت ابوبکر حق پر نہیں ہوتے تو وہ دونوں حضرات (علی اور عباس) اون سے ضرور نزاع کرتے۔ جیسے حضرت علی نے معویہ سے نزاع کی کیونکہ عادت اسی کو مقتضی ہے کہ ایسے مواقع میں نزاع اور اختلاف کیا جائے بلکہ قدرت رہتے ہوے ان موارد میں نزاع نہ کرنا عصمت میں خلل پیدا کرتا ہے کیونکہ یہ سکوت اور ترک نزاع ایسا گناہ کبیرہ ہے جو صفت عصمت کو زائل کر دیتا ہے حالانکہ شیعہ حضرات کہتے ہیں کہ امامت کے لیے عصمت شرط ہے اسی وجہ سے وہ حضرت ابوبکر کی خلافت نہیں مانتے اور حضرت علی کو خلیفہ بلافصل تسلیم کرتے

ہیں۔ پس جب قدرت رہتے ہوئے حضرت علی بھی ابوبکر کی خلافت دیکھتے رہے اور اون سے اس پر جنگ نہیں کی تو پھر حضرت علی نے گناہ کبیرہ کیا اور معصوم نہیں رہے لیکن ایسا عقیدہ کوئی شیعہ نہیں رکھ سکتا لہذا ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر کی خلافت حق اور درست تھی اسی وجہ سے حضرت علی اوس پر خاموش رہے اور اون سے جنگ کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی - یہاں اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ حضرت علی اور حضرت عباس کو حضرت ابوبکر سے نزاع کرنے کی قدرت اوسوقت حاصل تھی۔ تو اوسکے جواب میں ہم کہینگے کہ تم لوگ (یعنی شیعیان حضرت علی) خود کہتے ہو اور تسلیم کرتے ہو کہ حضرت علی جناب ابوبکر سے زیادہ شجاع امور دینیہ کے زیادہ پابند اور حق و شریعت میں زیادہ سخت تھے اور آپکا قبیلہ (بنی ہاشم) بھی ابوبکر کے قبیلہ سے بڑا اور بڑھ کر تھا اور آپ کے اعوان و انصار بھی زیادہ تھے اور آپ ابوبکر سے نسب میں اشرف اور حسب میں اکمل بھی تھے۔ اور تم (شیعہ) جس نص کا دعوی کرتے ہو کہ خدا کے حکم سے حضرت رسالتمآب صلعم نے حضرت علی کو اپنی زندگی ہی میں اپنا خلیفہ مقرر کردیا تھا) کوئی شک نہیں کہ وہ تمام لوگوں کے مجمع میں ہوئی تھی جسکو سب نے دیکھا اور ہر شخص نے سنا تھا۔ اور مدینہ کے رہنے والے مسلمان یعنی) انصار حضرت ابوبکر کو حضرت علی پر ترجیح بھی نہیں دیتے تھے اور جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخر عمر میں منبر پر یہ بھی فرمادیا تھا کہ الا انصار کرشی وعیبتی یعنی انصار میرے رازدار اور معتمد علیہ ہیں[1] اور وہی انصار مسلمانوں کے غالب لشکر اور فوج بھی تھے (یعنی مسلمانوں کے لشکر میں زیادہ تر انصار اور بہت کم مہاجریں تھے) اور مناسب ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے انصار سے یہ وصیت بھی کردی ہو کہ "تم لوگ خلافت کے معاملہ میں حضرت علی کی مدد کرنا اور میں نے اونکی خلافت پر جو نص کردی ہے اس کا مخالف

---

[1] انوار اللغات پارہ ۲۲ صفحہ ۳۰ میں ہے الا انصار کرشی وعیبتی انصار میرے پیٹ اور گٹھری ہیں (جیسے پیٹ میں چارہ جاکر جمع ہوتا ہے اسی طرح گٹھری میں کپڑے) ویسے ہی میری راز کی باتیں اور امانتیں انصار کے پاس رہتی ہیں مطلب یہ ہے کہ وہ میرے محرم اسرار اور معتمد علیہ اور رازدار ہیں بعضوں نے کہا کرش سے جماعت مراد ہے یعنی میری جماعت اور میرے اصحاب ہیں ۱۲ مترجم

جو شخص ہو اوس سے جنگ کرنا" علاوہ بریں حضرت فاطمہ جنکا بلند منصب اور اعلیٰ پایہ سب کو معلوم ہے حضرت علی کی زوجہ تھیں اور حضرت حسن وحسین جو جناب رسولخدا صلعم کے نواسے تھے وہ حضرت علی کے فرزند تھے۔ اور حضرت عباس ایسے ذی اثر اور صاحب اقتدار بزرگ بھی حضرت علی ہی کے طرفدار تھے چنانچہ اس مضمون کی روایت بھی موجود ہے کہ انھوں نے حضرت علی سے کہا امدد یدک ابایعک حتی یقول الناس بایع عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابن عمہ فلا یختلف فیک اثنان یعنی اپنا ہاتھ پھیلاؤ میں تمھاری بیعت کروں تاکہ سب دیکھ لیں اور کہیں کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا نے اپنے بھتیجے (حضرت علی) کی بیعت کر لی پھر تمھارے معاملہ میں دو شخص بھی اختلاف نہ کریں۔ اور حضرت زبیر بھی جنکی شجاعت مشہور ہے حضرت علی ہی کی طرف سے تھے۔ چنانچہ کہا گیا ہے کہ (جب حضرت ابوبکر کی بیعت کر لی گئی تو) انھوں (یعنی زبیر) نے اپنی تلوار کھینچ لی اور کہتے تھے میں تو کسی طرح ابوبکر کی خلافت پر راضی نہیں ہو سکتا۔ اور ابوسفیان نے کہا ارضیتم یا بنی عبد مناف ان یلی علیکم تیمی واللہ لاملان الوادی خیلا ورجلا یعنی اے بنی عبد مناف کیا تم اسپر راضی ہو کہ تمھارا حاکم ایسا شخص بنجائے جو قبیلہ تیم کا ہے؟ خدا کی قسم میں اوس وادی کو سوار اور پیدل کے لشکر سے بھر دونگا۔ اور انصار کا پورا قبیلہ بھی حضرت ابوبکر کی خلافت کو ناپسند کرتا تھا چنانچہ انھوں نے کہہ ہی دیا کہ منا امیر ومنکم امیر یعنی ایک حاکم تم سے مقرر ہو اور ایک حاکم ہم میں سے مقرر ہو جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔ پس جب اس قدر اسباب حضرت علی کے موافق اور تائید میں موجود تھے اگر آپ کی خلافت پر واقعا خدا و رسول کی کوئی واضح نص ہوتی تو لوگ اوسکو یقیناً ظاہر کر دیتے اور حتماً وجزماً اون کو حضرت ابوبکر سے جنگ کرنے کی قدرت ہوتی کیف لا وابوبکر عندہم شیخ ضعیف جبان لا مال لہ ولا رجال ولا شوکۃ یعنی حضرت علی اور آپ کے طرفداروں کو حضرت ابوبکر سے جنگ کرنے پر قدرت کیوں نہیں تھی حالانکہ حضرت ابوبکر تو ان کے یہاں ایک کمزور بڈھے۔ بزدل آدمی تھے جنکے پاس نہ کوئی مال تھا اور نہ اعوان وانصار تھے نہ اونکو کوئی اقتدار اور شوکت حاصل تھی پس باوجود ان امور کے کس کے دماغ میں یہ بات آسکتی ہے کہ وہ حضرات ان سے جنگ کرنے کی قدرت نہیں رکھتے تھے۔ لہذا یہ کل

امور اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر کی خلافت پر اجماع قائم ہو گیا تھا اور آپ کے علاوہ کسی شخص (یعنی حضرت علی) کی خلافت پر کسی قسم کی نص نہیں ہوئی تھی اور چونکہ حضرت علی نے حضرت ابوبکر کو خلافت کیلئے اہل- عاقل، صبور، لوگوں کی خاطر و مدارات کرنے والا اور اسلام کا شیخ و بزرگ پایا لہذا آپ نے بھی ابوبکر کی بیعت کر لی اور صحابہ کرام کچھ سلطنت حاصل کرنے اور مسلمانوں کے بادشاہ یا سردار بننے کی غرض سے خلافت حاصل کرنا نہیں چاہتے تھے- اسکی تو کسی کو بھی خواہش نہیں تھی بلکہ ان حضرات کی جو کچھ غرض تھی وہ صرف حق کو قائم کرنا اور شریعت کو درست اور محفوظ رکھنا تا کہ سب آدمی دین اسلام میں داخل ہو سکے جائیں اور چونکہ یہ مقصود حضرت ابوبکر کی خلافت سے حاصل ہو رہا تھا اس سبب سے سب نے اس کو انہیں کے حوالہ کر دیا اور حق کے قائم رکھنے میں وہ خود سب کے سب حضرت ابوبکر کے مددگار بنے رہے- یہی مذہب صحیح اور حق صریح ہے جس پر امت اسلام کا سواد اعظم اسوقت تک قائم ہے اور حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو سواد اعظم ہی کی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے چنانچہ فرمایا ہے علیکم بالسواد الاعظم یعنی تم لوگوں پر فرض ہے کہ سواد اعظم کو جس رستہ پر چلتے دیکھو اسکی پیروی کرو-

رہیں وہ عقلی دلیلیں جو فاضل (علامہ حلی علیہ الرحمہ) نے حضرت علی کی خلافت پر ذکر کی ہیں تو پہلے یہ ہے کہ (انکے خیال میں) امام کا معصوم ہونا ضروری ہے لیکن میں قبل ہی اسکو بیان کر چکا ہوں کہ امام کا معصوم ہونا واجب نہیں ہے نہ تو کسی عقلی دلیل سے اور نہ ہی شرعی وجہ سے- دوسری دلیل یہ ذکر کی ہے کہ امام اور خلیفہ سے (خلیفہ ہونے کے پہلے) کوئی گناہ کبھی بھی نہیں ہوا ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ میں اس کو بھی بیان کر چکا کہ یہ بھی اوسکے لئے شرط نہیں ہے- تیسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ امام یا خلیفہ پر خدا اور رسول کی نص ہونا ضروری نہیں ہے نہ اس کے واجب ہونے پر کوئی دلیل ہے کیونکہ خلافت کے متعلق مسلمانوں کا کسی شخص پر اجماع کر لینا ہی اوس کے لئے نص ہے- چوتھی دلیل کا جواب یہ ہے کہ اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا خلفائے ثلثہ سے افضل ہونا ثابت بھی ہو جائے جب بھی یہ واجب نہیں ہے کہ امام یا خلیفہ اوسوقت کے تمام مسلمانوں سے افضل ہو جیسا کہ علامہ حلی نے ذکر

کیا ہے (بلکہ ہو سکتا ہے کہ افضل شخص پر اوس سے پست تر آدمی حاکم اور خلیفہ و امام بنا دیا جائے) اور پانچویں دلیل کا جواب یہ ہے کہ زہد۔ علم۔ عبادت۔ شجاعت۔ اور ایمان وغیرہ اوصاف۔ خلفائے ثلثہ میں بھی موجود تھے۔ رہا ان صفات میں خلیفہ کا دوسرے مسلمانوں سے افضل و اعلیٰ اور اکمل ہونا تو یہ ضروری نہیں ہے جبکہ وہ دین اسلام کی حفاظت اچھی طرح کر سکتے تھے (یعنی چونکہ خلفائے ثلثہ سے حفاظت اسلام و مسلمین کا کام اچھی طرح انجام پایا لہذا اگر وہ اوصاف مذکورہ میں دوسرے مسلمانوں سے کم تھے جب بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے)

قول احقاق

فاضل مخاطب کے کلام میں بہت سے امور قابل اعتراض ہیں جن کا شمار تک دشوار ہے۔ مثلاً صرف چند امور کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے اول یہ کہ آپ نے خلافت جناب رسالتماب صلعم کے متعلق کسی شخص پر نص ہونے سے جو انکار کیا ہے تو صریح حق پوشی اور واقعات پر پردہ ڈالنا ہے جیسا کہ ہم پہلے بھی ذکر کر چکے اور آئندہ تو انشاء اللہ تفصیل سے بیان کرینگے۔ دوسرے یہ کہ حضرت ابو بکر کی خلافت پر مسلمانوں کا اجماع ہونا ایسا غلط دعوے ہے جس پر کوئی دلیل نہیں، اور جس کی تکذیب تمام کتب احادیث، و تاریخ سے ہوتی ہے بلکہ تحقیق یہ ہے کہ آپ، کی خلافت پر صرف حضرت عمر اور آپ کے دباؤ کے چند شخص راضی ہوئے تھے اور اجماع ہرگز نہیں ہوا تھا جیسا کہ سابقاً گزر چکا اور یہاں ہم اسکی اور زیادہ توضیح کر دیتے ہیں اور ہمارے بعض علمائے اعلام نے جو کچھ اس اجماع کے متعلق ارشاد فرمایا ہے اوس کا خلاصہ ذکر کرتے ہیں۔ وہ حضرات فرماتے ہیں کہ اجماع کا مطلب یہ ہے جیسا کہ علامہ بیضاوی نے اپنی کتاب منہاج میں اور ابن حاجب نے اپنی کتاب مختصر الاصول میں اور اسکے شارحوں نے اپنی شرحوں میں نقل کیا ہے کہ کل اہل حل و عقد یعنی مجتہدین اور علماء مسلمین ایک ہی وقت میں کسی امر یا کام پر اتفاق کر لیں۔ رہے حضرات اہلسنت اور ان کے علماء، تو انھوں نے بھی اجماع کے متحقق ہونے اور اسکی شرطوں کے متعلق جو کچھ کلام کیا ہے اوس کا خلاصہ یہ ہے جیسا کہ شرح عضدی وغیرہ میں ذکر کیا ہے کہ اجماع یا کوئی امر ممکن ہے یا محال ہے۔ اگر وہ ممکن ہے اور ہو سکتا ہے تو آیا یہ کبھی واقع بھی ہوا ہے یا نہیں۔ اور یہ سب صورتیں تسلیم کر بھی لیجائیں

تو آیا وہ کسی چیز کے لئے حجت اور دلیل بھی ہو سکتا ہے یا نہیں اور اگر یہ بھی فرض کریں کہ وہ کسی چیز کے لئے حجت اور دلیل ہو سکتا ہے تو جب تک اوس کا ثبوت حد تواتر تک نہ پہونچ جائے اوسوقت تک وہ حجت اور دلیل سمجھا جا سکتا ہے یا نہیں۔ تو ان کل صورتوں اور ہر شق میں علمائے اہلسنت کے درمیان بڑے بڑے اختلافات اور شدید نزاعیں ہیں۔ غرض جو حضرات بے غور و فکر کئے ہوئے کہدیا کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر کی خلافت پر اجماع ہوا ان کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ان کل امور کو ثابت کریں اسکے بعد حضرت ابوبکر کی خلافت کو اجماع کے ذریعہ سے ثابت کرنے کی کوشش کریں۔ کاش کوئی بزرگ ایسے ارشاد فرماتے کہ علمائے اہلسنت سے جو لوگ اجماع کے متعلق ان شقوق کو تسلیم نہیں کرتے وہ حضرت ابوبکر کی خلافت کے حق ہونے کا ادعائے باطل کس منہ سے کرتے ہیں اور اسکے ثابت کرنے کے درپے کیوں رہتے ہیں؟ جب یہ مراحل طے ہو جائیں اور اجماع کی اصولی بحث ختم ہو جائے تو پھر دوسرا اختلاف سامنے آئیگا اور وہ یہ کہ کیا اجماع کے حق ہونے میں یہ بھی شرط ہے یا نہیں کہ جن لوگوں نے کسی مسئلہ پر اجماع کر لیا ہے اونمیں سے کوئی شخص مرتے وقت تک اس رائے سے پھر نہ جائے اور اوس امر کی مخالفت نہ کرے یہاں تک کہ سب اجماع کرنے والے اوسیکے موافقت ہی میں دنیا سے انتقال کریں (مثلاً حضرت ابوبکر کی خلافت پر بقول حضرات اہلسنت کے اوس وقت کے کل مسلمانوں نے اجماع کر لیا تھا تو کیا وہ سب مسلمان مرتے وقت تک اسی خیال پر باقی رہے یا اونمیں سے کوئی شخص اپنی رائے کو غلط سمجھکر اس خیال اور اجماع سے علیحدہ بھی ہو گیا اور دوسرے مسلمانوں کی مخالفت بھی کر لی تھی)۔ پھر تیسرا امر آتا ہے کہ انہیں حضرات نے اس میں بھی اختلاف کیا ہے کہ آیا اجماع تنہا حجت ہے یا اوس کے لئے کسی سند کا ہونا بھی ضروری اور لازمی ہے کہ درحقیقت وہی سند اوس امر کی حجت ہے۔ اور حضرات اہلسنت جو اپنا دعوےٰ پیش کرتے ہیں کہ خلافت ابوبکر پر اجماع ہو گیا تھا تو اس اجماع کی سند جو ذکر کرتے ہیں وہ ایک قیاس فقہی (یعنی علم فقہ کا قیاس) ہے جسکو خود ان لوگوں نے گڑھا ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الموت کی حالت میں حضرت ابوبکر کو حکم دیا کہ مسلمانوں کو نماز باجماعت پڑھا دیں پس جب آنحضرت صلعم نے ابوبکر کو ایک دینی امر (یعنی نماز جماعت) میں مسلمانوں کا امام بنا دیا اور اس پر

راضی ہوسگے تو حضرت صلعم دنیوی امر میں حضرت ابوبکر کی امامت پر اور زیادہ راضی ہونگے اور وہ دنیوی امر یہی خلافت ہے۔ تو ان حضرات اہلسنت نے حضرت ابوبکر کی خلافت کو اونکے نماز جماعت کی پیش نمازی پر قیاس کر لیا اور اسی کو اپنے اجماع کی سند قرار دلیا جس کو بہت سے عبارتوں میں ادا کرتے ہیں اور وہ سب عبارتیں ملتی جلتی ہی ہوئی ہیں جو شرح تجرید۔ شرح مواقف۔ طوالع۔ کفایہ از علامہ صابونی حنفی۔ صواعق محرقہ از ابن حجر مکی شافعی اور علامہ احمد الجندی الحنفی کے ایک فارسی رسالۂ عقائد میں مذکور ہیں اور ان سب کا محصل یہ ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض میں حضرت ابوبکر کو حکم دیا کہ مسلمانوں کو نماز جماعت پڑھا دیں یعنی خود امام بنیں اور دوسروں کو ماموم بنائیں پس جب آنحضرت صلعم (ان کو ایک دینی امر یعنی نماز جماعت) میں پیشوا بنا دیا اور آپ کی پیش نمازی پر خوش ہوسے تو ایک امر دنیا میں جو خلافت ہے کیوں نہ ان کی سرداری پر راضی ہوسنگے بلکہ امر دنیا میں آپ کا پیشوا بننا حضرت صلعم کو اور زیادہ پسندیدہ ہوگا۔ ان حضرات نے اسی امر کو مسلمانوں کے اجماع کی سند قرار دی ہے (پس نتیجہ یہ نکلا کہ کسی امر پر اجماع جس وجہ سے ہو اوسی وجہ کو اوس اجماع کی سند کہینگے مثلاً تاڑی اسکو کہتے ہیں جو تاڑ اور کھجور کے درخت کا عرق ہوتا ہے اور اوسکے پینے سے نشہ پیدا ہوتا ہے یہ حرام اور نجس ہونے پر اجماع ہوا اس وجہ سے کہ آنحضرت صلعم نے فرمادیا ہے کہ جو چیز نشہ پیدا کرے وہ حرام اور نجس ہے اور تاڑی بھی نشہ پیدا کرتی ہے لہذا یہ بھی باجماع نجس اور حرام ہے تو تاڑی کے حرام ہونے پر جو اجماع ہوا اوس اجماع کی وجہ وہی حدیث جناب رسالتمآب صلعم ہے جو اس اجماع کی سند کہی جائے گی۔ اسی طرح حضرت ابوبکر کی خلافت پر مسلمانوں کا اجماع اسوجہ سے ہوا کہ آنحضرت صلعم نے خود اپنی زندگی میں اون کو مسلمانوں کا پیش نماز بنایا تھا تو ابوبکر کی خلافت پر مسلمانوں کا اتفاق اجماع کہا جائے گا اور آنحضرت صلعم کا ان کو مسلمانوں کا پیش نماز بنانا اجماع خلافت کی سند قرار پائیگا) پس ان علمائے اہلسنت نے سند اجماع کو جن عبارتوں میں ذکر کیا ہے ان سے مشہور ترین عبارت وہی ہے جسکو ہم نے ذکر کیا[1] مگر جس شخص کو علم اصول فقہ سے کچھ بھی

---

[1] اس مقام پر کتاب احقاق الحق مطبوعہ ایران کے حاشیہ پر بھی کچھ عبارتیں ہیں جو غالبا جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ مصنف کتاب مذکور ہی کی ہونگی لہذا ان کو نقل کرکے ترجمہ کر دینا بھی مناسب

تعلق ہوگا اور اس فن کے معمولی مسائل بھی جانتا ہوگا اوس پر اس امر (یعنی قصہ پیشنمازی حضرت ابوبکر کے سند اجماع ہونے) کا فاسد اور باطل ہونا کسیطرح بھی پوشیدہ نہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۰۸) معلوم ہوتا ہے کیونکہ اسمیں جناب ممدوح نے قول علمائے اہلسنت کی رد کی ہے فرماتے ہیں ھذا عبارۃ شرح التجرید ومن وافقہ واما عبارۃ المواقف وشرحہ فھی قولہ الثامن انہ علیہ السلام استخلف ابابکر فی الصلوۃ حال مرضہ واقتدی بہ وما عزلہ کمام لتقریرہ فیبقی بعدہ اماما فیہا فکذا فی غیرھا اذلا قائل بالفصل یعنی یہ عبارت جو اوپر مذکور ہوئی شرح تجرید کی تھی اور ان علماء کی جو شارح تجرید کے موافق ہیں۔ رہی عبارت مواقف اور اسکے شرح کی تو وہ ان کا یہ قول ہے آٹھویں یہ کہ آنحضرت علیہ السلام نے اپنے مرض کی حالت میں ابوبکر کو نماز پڑھانے کے لیے اپنا خلیفہ مقرر کیا اور انکی اقتدا کی اور انکو اس شرف سے معزول نہیں کیا جیسا کہ اسکی تقریر اوپر گزر چکی تو حضرت ابوبکر آنحضرت صلعم کے بعد بھی نماز پڑھانے کیلئے حضرت کے خلیفہ ہوئے اور اسی طرح دوسرے کاموں میں بھی وہی آنحضرت صلعم کے خلیفہ رہے کیونکہ کوئی شخص فصل کا یعنی اس کا قائل نہیں ہے کہ جو آنحضرت کی زندگی میں آپ کی نیابت کرے وہ آپ کے بعد آپ کی نیابت نہ کرے انتہے (دیکھو شرح مواقف، مرصد رابع کا مقصد رابع) مگر مصنف مواقف اور شرح مواقف اسقدر ہی پر راضی نہیں ہوئے بلکہ حضرت علی علیہ السلام پر بھی اتہام قائم کر دیا چنانچہ لکھتے ہیں ولذالک قال علیؑ قدمک رسول اللہ فی امر دیننا افلا نقدمک فی امر دنیانا یعنی اسیوجہ سے حضرت علی علیہ السلام نے بھی حضرت ابوبکر کو خطاب کرکے ارشاد فرمایا کہ آپ کو حضرت رسول خدا صلعم نے ہمارے دینی امر میں مقدم کیا تو کیا ہم آپ کو اپنے دنیوی امر میں بھی مقدم نہ کریں انتہے۔ ہم کہتے ہیں کہ شرح مواقف کی اس عبارت کی لغویت ظاہر ہے اول اس وجہ سے کہ عنقریب معلوم ہوگا کہ ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے کہ آنحضرت صلعم نے ابوبکر کو نماز پڑھانے کا حکم دیا ہو۔ دوسرے یہ کہ یہ کہنا بھی کہ ابوبکر کو اس شرف پیشنمازی سے معزول نہیں کیا ایسے امر کا دعوی کرتا ہے جو سچائی سے کوسوں دور ہے جس پر شارح مواقف کی وہ عبارت دلالت کرتی ہے جو صحیح بخاری سے نقل کی گئی ہے (وہ عبارت اصل متن کتاب احقاق الحق میں آئندہ آتی ہے) تیسرے اسوجہ سے کہ اس جگہ

رہ سکتا کیونکہ قیاس کی حجیت ثابت کرنا (یعنی یہ امر ثابت کرنا کہ قیاس فی نفسہ حجت اور اس قابل ہے کہ اس پر عمل کیا جائے) نہایت مشکل ہے۔ اور علمائے اہلبیت علیہم السلام

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) فصل کے قائل موجود ہیں (یعنی اس امر کے کہ جو شخص آنحضرت صلعم کی زندگی میں آپ کی نیابت کرے تو آپ کے بعد بھی آپ کی نیابت کرنا ضروری نہیں ہے) چنانچہ وہ شیعہ امامیہ ہیں جو کہتے ہیں کہ اگر جناب رسالتمآب صلعم نے اپنی زندگی میں کسی اتفاقی کام کے لئے کسی شخص کو اپنا نائب بنا دیا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہی آنحضرت صلعم کے بعد آپ کا مستقل خلیفہ بھی بن جائے) جو تھے اس وجہ سے کہ فصل کا قائل نہ ہونا دوسرا امر ہے اور عدم فرق کا قائل ہونا دوسری چیز ہے لہذا فصل کے قائل نہ ہونے سے عدم فرق کا قائل ہونا ثابت نہیں ہوتا تاکہ فصل کے قائل ہونے سے خرق اجماع لازم آئے۔ اور ابن حجر مکی نے کتاب صواعق محرقہ (مطبوعہ مصر صفحہ ۱۳) میں لکھتے ہیں وجہ ما تقرر من ان الامر بتقدیمہ للصلوٰۃ کما ذکر فیہ الاشارۃ او التصریح باحقیتہ بالخلافۃ ان القصد الذاتی من نصب الامام انما ہو اقامۃ شعائر الدین علی الوجہ المامور بہ من اداء الواجبات وترک المحرمات واحیاء السنن واماتۃ البدع واما الامور الدنیویۃ وتدبیرہا کاستیفاء الاموال من وجوہہا وایصالہا لمستحقہا ودفع الظلم ونحو ذلک فلیس مقصودا بالذات بل لیتفرغ الناس لامور دینہم اذ لا یتم تفرغہم لہ الا اذا انتظمت امور معاشہم بنحو الامن علی الانفس والاموال ووصول کل ذی حق الی حقہ فلذلک رضی النبی صلی اللہ علیہ وسلم لامر الدین وہو الامامۃ العظمی ابابکر بتقدیمہ للامامۃ فی الصلوٰۃ کما ذکرناہ ومن ثم اجمعوا علی ذلک کما مر انتہی۔ یعنی احادیث میں جو یہ امر ثابت ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تو اس سے حضرت ابوبکر کے تمام صحابہ موجودین سے زیادہ مستحق خلافت ہونے کی طرف اشارہ بلکہ تصریح کرنا اس وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ اور امام عالم کے مقرر کرنے کی اصلی غرض اور ذاتی مقصود یہ ہے کہ وہ شعائر دین کو اسی صورت پر قایم رکھے جس کا خدا و رسول نے حکم دیا ہے یعنی واجب کاموں کو ادا کرائے۔ حرام کاموں سے لوگوں کو روکے۔ سنتوں کو زندہ رکھے اور بدعت کی باتوں کو مٹا دے رہے دنیوی امور اور ان کی تدبیر و انتظام مثلاً مال حاصل کرنے کی جو صورتیں ہیں ان سے مال وصول کیا جائے اور اسے مستحقین تک پہونچایا جائے۔ ظلم و جور دفع کیا جائے یا اسی قسم کے دنیا کے اور کام تو یہ کام خلیفہ مقرر کرنے سے مقصود بالذات نہیں ہیں (یعنی در اصل انھیں اغراض کیلئے خلیفہ کا مقرر کرنا منظور

بلکہ حضرات اہلسنت کے جماعت ظاہریہ کے علماء نیز فرقہ معتزلہ کے علماء سب قیاس کی حجیت سے انکار کرتے ہیں اور اپنے دعوی (یعنی قیاس کے حجت نہ ہونے) پر عقلی اور نقلی دونوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) نہیں ہے) بلکہ ان امور کا خلیفہ سے انجام پانا تو صرف اسوجہ سے مطلوب ہوتا ہے کہ لوگ اپنے دینی امور میں بالکل مطمئن رہیں اور دنیا کے افکار و ترددات ان کے دینی کاموں میں کوئی حرج نہ پیدا کریں کیونکہ یہ واضح ہے کہ جب تک لوگوں کی معاش کے امور اسطرح درست اور منتظم نہ ہونگے جس سے ان کی جانوں کا خطرہ جاتا ہے ان کے نفس حالت امن میں رہیں ان کے مال اور جائداد محفوظ رہے اور ہر شخص کا حق اس تک بغیر کسی دقت کے پہونچتا رہے۔ اسوقت تک وہ اپنے دینی امور میں کسی طرح فارغ البال اور مطمئن نہیں ہو سکتے۔ پس اسی وجہ سے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے امر دین یعنی امامت عظمی اور اپنی خلافت کیلئے حضرت ابوبکر کو پسند کیا اس طرح کہ اپنی زندگی میں ان کو نماز پڑھانے کا حکم دیا جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے اور اسی وجہ سے لوگوں نے ان کی خلافت پر اجماع کر لیا۔ صاحب صواعق محرقہ کی عبارت تمام ہوئی۔ ہم کہتے ہیں کہ ان کی یہ تقریر کئی وجہوں سے باطل ہے اول یہ کہ حضرت ابوبکر کی خلافت کی طرف اشارہ یا تصریح کا جو ذکر کیا تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان کی خلافت پر جلی (واضح) یا خفی (پوشیدہ) نص ہونیکا دعوی کرتے ہیں حالانکہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت ابوبکر کی خلافت پر خدا یا رسول نے کبھی کسی قسم کی نص نہیں کی بلکہ تمام اہلسنت کا تو یہ اتفاقی قول ہے کہ حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کی خلافت پر کوئی بھی نص نہیں فرمائی۔ پھر علامہ ابن حجر نے خلیفہ اول صاحب کی خلافت کی طرف اشارہ یا تصریح کہاں سے نکالی۔ دوسری وجہ یہ کہ آپ نے یہ جو فرمایا کہ خلیفہ مقرر کرنے کی اصلی غرض یہ ہے کہ وہ شعائر دین کو اسی صورت پر قایم رکھے الخ تو اگر اس سے آپ کی مراد یہ ہے کہ خلیفہ مقرر کرنے کی اصلی غرض صرف یہی ہے اور وہ دنیوی امور جنکا آپنے ذکر کیا ہے بالتبع مقصود ہوتے ہیں پس اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو آپ کو آپ کے مطلب میں کچھ مفید نہیں ہو سکتا بلکہ اسوقت مفید ہوتا جب یہ امور دینی حیثیت سے مقصود بالذات نہیں ہوتے اور یہ اس سے لازم نہیں آتا۔ اور کیونکر ہو سکتا ہے کہ دنیوی امور مثلا حدود شرعیہ کا قائم کرنا۔ سرحد اسلام کی حفاظت کرنی جہاد کیلئے لشکروں کو طیار اور روانہ کرنا اور اسیطرح بہت سے امور جو نظام عالم کی حفاظت۔ بیضہ اسلام کی حمایت۔ اچھے کاموں کے جاری کرنے۔ بری باتوں کے مٹانے معاش و معاد کی اصلاح کرنے وغیرہ امور سے متعلق ہیں وہ دینی حیثیت سے خلیفہ کے مقصود اصلی نہوں اور اگر آپ کی مراد یہ ہے

قسم کی دلیلیں قایم کرتے ہیں چنانچہ اس کتاب (احقاق الحق) میں بھی جس جگہ علم اصول فقہ کے مسائل کا ذکر آئے گا وہاں قیاس کی بحث بھی لکھی جائیگی اور اس میں ان علماء کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کہ دینی حیثیت سے خلیفہ مقرر کرنے کی اصلی غرض یہی ہے اور اسکے سوا جو امور ہیں وہ بھی دینی حیثیت سے تو مقصود ہیں مگر مقصود اصلی نہیں بلکہ مقصود بالتبع ہیں تو ہم اسکو بھی تسلیم نہیں کرتے کیونکہ یہ کل باتیں دینی ہی حیثیت سے مقصود بالذات ہیں جیسا کہ ہم نے توضیح سے ذکر کر دیا ہے۔ یہ بھی پوشیدہ نہ رہے کہ علامہ ابن حجر کا آخری قول "اس وجہ سے لوگوں نے اون کی خلافت پر اجماع کر لیا" بھی صاف صاف ہمارے بیان کی تصدیق کرتا ہے کہ ان حضرات نے اس قیاس فقہی کو اپنے اجماع کی سند قرار دی ہے پس اس بات کو خوب یاد رکھنا چاہیئے۔ اور علامہ صابونی حنفی نے کتاب کفایہ میں لکھا ہے اجماع الصحابۃ حجۃ واستدلوا بتقدیم النبی علیہ السلام ابابکر فی آخر عمرہ فی اھم الامور الدینیۃ وھو الصلوٰۃ فعلم انہ اولی بالخلافۃ منھم کما قال عمر رضیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لدیننا افلا نرضیک لدنیانا یعنی صحابہ کا کسی امر پر اجماع کر لینا دوسروں کیلئے شرعی حجت ہے اور اس پر لوگوں نے اس طرح استدلال قایم کیا ہے کہ حضرت رسولخدا علیہ السلام نے اپنی آخری عمر میں حضرت ابو بکر کو دوسرے لوگوں پر اس کام میں مقدم کیا جو کل دینی امور سے اہم اور افضل ہے یعنی نماز میں۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ وہی ابو بکر کل صحابہ سے زیادہ خلافت کے بھی مستحق اور سزاوار تھے جیسا کہ حضرت عمر نے حضرت ابو بکر سے کہہ بھی دیا کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تو آپ کو ہمارے دین کیلئے پسند کر لیا پھر کیا ہم آپ کو اپنی دنیا کیلئے بھی پسند نہ کریں انتہی اور علامہ ابن ہمام حنفی نے اپنی کتاب تحریر اصول الفقہ میں اور ملک ماوراء النہر کے بعض علماء نے اس کتاب کی شرح میں لکھا ہے کہ وقع قیاس امامۃ الکبریٰ للصدیق علی امامۃ الصلوٰۃ منہ اجماع الصحابۃ علیھا فانہ عین ابابکر لامامۃ الصلوٰۃ کما فی الصحیحین وغیرھما وقال ابن مسعود لما قبض النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالت الانصار منا امیر ومنکم امیر فاتاھم عمر فقال الستم تعلمون ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر ابابکر ان یصلی بالناس فایکم تطیب نفسہ ان یتقدم ابابکر حدیث حسن اخرجہ احمد والدارقطنی عن النزال بن سبرہ یعنی حضرت ابو بکر کی نماز میں امامت کرنے سے اون کی خلافت پر جو قیاس واقع ہوا تو وہ صحابہ کا اجماع ہے انکی خلافت پر کیونکہ حضرت رسولخدا صلعم نے ابو بکر کو نماز پڑھانے کے لئے معین کیا تھا جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم

بعض دلیلیں نقل کیجائینگی اور ان علماء کے علاوہ جو حضرات قیاس کو حجت کہتے ہیں (اور ان میں بھی اس کی قسمیں اور شرائط کے متعلق اختلاف کثیر ہے اور اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ قیاس کا حجت ہونا ثابت ہے جو فی الحقیقت گویا محال ہے جب بھی قیاس اُس جگہ ہوتا ہے جہاں اصل مسئلہ کی کوئی علت موجود ہو اور جس مسئلہ کو اس اصل مسئلہ پر قیاس کریں وہ اس علت میں اصل مسئلہ کے برابر ہو (مثلاً حضرت ابوبکر کا نماز پڑھانا اصل مسئلہ ہے اُس پر اُنکے خلیفہ ہونے کا قیاس کیا جو دوسرا مسئلہ ہے تو فرض مذکور کے مطابق یہ قیاس اسوقت صحیح ہوگا جب خلیفہ ہونیکی علت برابر ہو اُس علت کے جو نماز پڑھانے کی تھی حالانکہ معمولی شخص بھی سمجھتا ہے کہ دونوں مسئلوں کی علتیں برابر نہیں ہوسکتیں) اور یہاں (خلافت حضرت ابوبکر میں) علت مفقود ہے کیونکہ دونوں صورتوں میں فرق ظاہر ہے اسلئے کہ ان حضرات اہلسنت کا یہ اتفاقی اور مشہور مسئلہ ہے کہ الصلوٰۃ خلف کل بر و فاجر جائز یعنی ہر اچھے اور برے شخص کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے اور وہ صحیح ہوجائیگی اسکے بالکل برخلاف خلافت کی حالت ہے کہ خود یہی حضرات اہلسنت اسکے لئے عدالت شجاعت قریشی ہونے وغیرہ امور کو شرط قرار دیتے ہیں (کہ خلیفہ میں ان صفتوں کا ہونا ضروری اور شرط ہے) نیز نماز میں امامت کر لینا ایک ایسا امر ہے جسمیں زیادہ علم کی ضرورت نہیں ہے اور نہ شجاعت کی اور نہ حسن انتظام و خوبی تدبیر وغیرہ اوصاف کی جو ان حضرات کے نزدیک بھی خلافت کی شرطیں ہیں۔ اسلئے کہ خلافت چونکہ کل امور دنیا و دین میں سلطنت اور حکومت کا نام ہے لہذا اس میں بہت سے ان علوم اور شرائط کی احتیاج ہے جن سے کوئی بھی حضرت ابوبکر یا حضرت عمر یا حضرت عثمان میں پائی نہیں جاتی تھی پس خلافت کو نماز کی امامت پر کسی طرح قیاس نہیں کر سکتے۔ اور یہ جو بعض حضرات اہلسنت کہتے ہیں کہ نماز امور دین کی ہے

وغیرہ میں مذکور ہے اور ابن مسعود نے کہا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوگیا تو انصار نے مہاجرین سے کہا کہ ایک خلیفہ ہم لوگوں سے مقرر ہو اور ایک خلیفہ تم لوگوں سے رہے۔ وہ یہ کہتے ہی تھے کہ حضرت عمر اس موقع پر آپہونچے اور ان لوگوں سے کہا کیا تم یہ بات نہیں جانتے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر کو حکم دیا تھا کہ لوگوں کو نماز جماعت پڑھائیں ، تو تم لوگوں میں کون شخص اپنے کو ابوبکر سے آگے کریگا۔ یہ حدیث حسن ہے جس کو امام احمد اور دار قطنی نے اخراج کیا ہے۔ ابن ہمام کا قول تمام ہوا اگرچہ جیسی مہمل تقریر ہے واضح ہے۔ ۱۲

اور خلافت امور دنیا سے۔ تو محض غلط اور بالکل باطل ہے اسلئے کہ انھیں حضرات کے علماء محققین
نے خلافت کی تعریف اسکے خلاف کی ہے چنانچہ مشہور محقق و علامہ اہلسنت قوشجی نے شرح
تجرید میں خلافت کی تعریف اس طرح کی ہے الامامۃ ھی الحکومۃ العامۃ فی الدین والدنیا
یعنی دین اور دنیا دونوں ہی کی عام حکومت کا نام خلافت اور امامت ہے اور ظاہر ہے کہ امامت
خلافت کی تعریف یہی ہے۔ رہا حضرت ابوبکر کے نماز پڑھانے کا قصہ تو درحقیقت یہ بھی قصہ
ہی قصہ ہے واقعیت سے اسکو کوئی تعلق نہیں کیونکہ شیعہ اس واقعہ کو بالکل غلط سمجھتے
ہیں اور کہتے ہیں کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مرض کی حالت میں لوگوں
کو حکم دیا کہ خود ہی نماز پڑھ لیں مگر حضرت ابوبکر کی صاحبزادی جناب عائشہ نے خود بلال
موذن سے کہدیا کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ حضرت ابوبکر مسلمانوں
کو نماز جماعت پڑھاویں چنانچہ حضرت ابوبکر پڑھانے لگے۔ مگر جب جناب رسالتمآب صلی اللہ
علیہ وآلہ کو اس کی خبر ہوئی تو (آپ کو اس درجہ ناگوار ہوا کہ) اس واقعہ سے جو فساد ہونیوالا
تھا اوسے رد کرنے کیلئے حضرت اپنے اس شدت مرض میں اپنے ایک دست مبارک کو
حضرت علی کے شانے پر اور دوسرے ہاتھ کو حضرت عباس کے شانے پر رکھ کر دولت خانہ
سے مسجد میں نکل آئے اور ابوبکر کو محراب مسجد سے ہٹا دیا اور خود وہاں مسلمانوں کو نماز جماعت
پڑھا دی اس خیال سے کہ اگر ابوبکر نماز پڑھاوینگے تو ان کے ہوا خواہ اسی پیش نمازی سے
اسلام میں بڑے بڑے فساد و خطرے کرینگے اور دین و ایمان میں بہت سے خلل پیدا ہو جائینگے
چنانچہ شیعوں کے اس دعوی کی تائید صحیح بخاری کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو
عروہ سے اسمیں اسطرح منقول ہے[1] فوجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من نفسہ خفتہ فخرج

---

[1] اس مضمون کی اور روایتیں بھی اسی صحیح بخاری میں موجود ہیں چنانچہ ایک روایت یہ ہے جو کتاب الاذان
باب من قام الی جنب الامام لعلۃ (صحیح بخاری مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۸۰) میں مرقوم ہے اخبرنا ھشام بن
عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ رضی اللہ عنہما قالت امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابابکر ان
یصلی بالناس فی مرضہ فکان یصلی بھم قال عروۃ فوجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی نفسہ
خفۃ فخرج فاذا ابوبکر یؤم الناس فلما راہ ابوبکر استاخر فاشار الیہ ان کما انت فجلس رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم حذاء ابی بکر الی جنبہ فکان ابوبکر یصلی بصلاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الی المحراب فکان ابوبکر یصلی بصلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والناس یصلون بصلوۃ ابی بکر انتھے یعنی حضرت ابوبکر نماز پڑھاتے تھے کہ حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مزاج میں کچھ افاقہ پایا تو نکلکر مسجد کے محراب کے پاس تشریف لائے (اور ابوبکر کے آگے کھڑے ہو کر نماز پڑھانے لگے) تو ابوبکر حضرت رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھتے تھے اور دوسرے کل مسلمان حضرت ابوبکر کی اقتدا میں نماز پڑھتے تھے۔ اور فاضل محقق ومتکلم مدقق علامہ سید شریف جرجانی بھی اپنی کتاب شرح مواقف میں حضرات اہلسنت

والناس یصلون بصلاۃ ابی بکر یعنی ہم سے ہشام نے حدیث بیان کی اس نے اپنے باپ عروہ سے روایت کی اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا کہ انھوں نے فرمایا کہ حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر کو حکم دیا کہ آپ کی بیماری کے زمانہ میں مسلمانوں کو نماز جماعت پڑھادیں۔ پس ابوبکر لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مزاج میں کچھ افاقہ پایا تو خانہ مبارک سے باہر تشریف لائے مسجد میں آئے تو ناگاہ کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر لوگوں کو نماز پڑھا رہے ہیں جب حضرت ابوبکر نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو تشریف لاتے دیکھا تو پیچھے ہٹے مگر حضرت رسول خداؐ نے اشارے سے فرمایا کہ تم اپنی جگہ پر قایم رہو پھر حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر کے مقابل ان کے بغل میں بیٹھ گئے (اور نماز پڑھنے لگے) تو حضرت ابوبکر جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھتے تھے اور باقی سب لوگ حضرت ابوبکر کی اقتدا میں نماز پڑھتے تھے انتھے۔ اگر اسی روایت کے الفاظ غور اور انصاف سے دیکھے جائیں تو حضرت ابوبکر کی پیشنمازی کا واقعہ بالکل من گھڑت اور سرتاپا غلط اور باطل ثابت ہوجاتا ہے کیونکہ حضرت عائشہ شروع میں تو یہ فرماتی ہیں کہ حضرت رسولؐ صلعم نے حضرت ابوبکر کو حکم دیا کہ مسلمانوں کو نماز پڑھائیں پھر آپ کو افاقہ ہوا تو مسجد میں تشریف لائے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرتؐ خود ہی ابوبکر کو نماز پڑھانے کا حکم دیچکے تھے تو ذرہ برابر افاقہ ہوتے ہی آپ نے یہ زحمت شاقہ کیوں اختیار کی کہ بستر علالت کو چھوڑا۔ کمرے سے نکلے۔ گھر سے باہر تشریف لائے اور مسجد میں پہونچے۔ آخر حضرت کو کس امر نے اسقدر بے چین کردیا کہ آپ اپنی علالت میں صبر نہ کرسکے اور مسجد میں چلے آئے۔ اگر حضرت کو خود نماز پڑھنی تھی تو وہیں حجرہ میں پڑھلی ہوتی یا اسقدر انتظار کرتے کہ ابوبکر نماز سے فارغ ہوجائیں۔ اور حضرت مسجد میں تشریف لیگئے تو اس میں بھی کسی گوشہ میں بیٹھ کر نماز نہیں پڑھی۔ کسی کنارے نہیں بیٹھے بلکہ مسلمانوں کے آگے پہونچگئے اور ابوبکر کے بغل میں بیٹھ کر

کی عقل مندی اور فہم و ادراک پر خوب ہنسے اور ان کا اچھا مضحکہ اڑایا ہے چنانچہ انھوں نے بھی پیشنمازی حضرت ابوبکر کی اس روایت کو ذکر کیا ہے مگر جب دیکھا کہ یہ روایت تو اس اصل کے خلاف ہے جسکو علمائے اہلسنت نے حضرت ابوبکر کی خلافت کیلئے وضع کیا ہے

نماز پڑھی آخر اس اہتمام پر حضرت کیوں مجبور ہوئے - بلکہ عام قاعدہ ہے کہ جس جگہ نماز جماعت ہوتی ہو وہاں آخری صف میں کھڑے ہو جانا چاہیئے اور صف کے آگے سے گزرنا مناسب نہیں ہے مگر جناب رسالتمآب صلعم ان سب باتوں کا خیال ترک کر کے مسلمانوں کے آگے جاتے اور وہیں بیٹھ کر نماز پڑھتے ہیں - اس سے زیادہ شبہہ پیدا کرنے والا جملہ یہ ہے کہ حضرت مسجد میں تشریف لائے تو فاذا ابو بکر یوم الناس یعنی ناگاہ کیا دیکھتے ہیں کہ ابوبکر لوگوں کو نماز پڑھا رہے ہیں - یہ لفظ اذا فلاں اس مقام پر استعمال کرتے ہیں جہاں پہلے سے اس امر کا خیال نہ ہو اور دفعتہ وہ بات پیدا ہو جائے جیسے کہیں خرجت فاذا حیۃ علی الباب یعنی میں مکان سے نکلا تو ناگاہ کیا دیکھتا ہوں کہ دروازے پر سانپ موجود ہے - اسیطرح اس حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے ناگاہ ابوبکر کو نماز پڑھاتے دیکھا یعنی پہلے سے آپ کو نہ اس کا علم تھا نہ اس کا خیال تھا کہ ابوبکر ایسا کرینگے - پس حضرت عائشہ کے قول کے مطابق اگر خود جناب رسالتمآب صلعم ہی نے حضرت ابوبکر کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا تو انھیں نماز پڑھاتے دیکھ کر آنحضرت صلعم کو تعجب کیوں ہوا جسکو فاذا ابو بکر یوم الناس سے تعبیر کیا گیا ؟ پھر یہ بھی بے جوڑ سی بات ہے کہ ابوبکر تو حضرت رسولخدا صلعم کی اقتدا میں نماز پڑھتے تھے اور تمام مسلمان حضرت ابوبکر کی اقتدا میں پڑھتے تھے جب آنحضرت صلعم مسلمانوں کے آگے آ کر بیٹھ گئے - اور نماز پڑھنے لگے تو مسلمانوں نے بھی آنحضرت ہی کی اقتدا کیوں نہیں کی - کیا یہ حیرت خیز امر نہیں ہے کہ آنحضرت صلعم کے رہتے ہوئے ابوبکر تو آنحضرت صلعم کی ہی اقتدا کریں مگر مسلمان حضرت ابوبکر کی اقتدا کریں - غرض تمام امور کو ملانے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے حضرت ابوبکر کو نماز پڑھانے کا حکم ہرگز نہیں دیا تھا بلکہ یا حضرت عائشہ نے یہ تدبیر کی یا خود حضرت ابوبکر مسجد میں آ کر لوگوں کو نماز پڑھانے لگے اور جب آنحضرت صلعم کو اس کا شبہہ ہوا کہ مسجد میں کوئی شخص مسلمانوں کو نماز پڑھا رہا ہے تو حضرت گھبرائے ہوئے اسی مرض میں باہر نکلے اور مسجد میں تشریف لائے کہ دیکھیں کون شخص ایسی جرأت کر رہا ہے وہاں ناگاہ کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر ہیں جو اپنے کو اس درجہ فرمانبردار و مطیع جناب رسالتمآب صلعم ظاہر کرتے تھے - یہ دیکھ کر جناب رسالتمآب صلعم نے مسلمانوں کی نماز خراب نہیں ہونے دی بلکہ صفوں کے آگے تشریف لائے

اور اس قصہ کے خلاف ہے جسکو اپنے مذہب کی حقیت کیلئے اختراع کیا ہے کہ حضرت ابوبکر نے لوگوں کو نماز جماعت پڑھائی پھر اس روایت کا کیا کہنا جسمیں یہ تک افترا کردیا گیا ہے

اور چونکہ حضرت ابوبکر بالکل محراب سے ملے ہوئے کھڑے تھے اسوجہ سے جناب رسالتماب صلعم کو ان سے بھی آگے بیٹھنے کی جگہ نہیں ملی پس حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکر کے بغل ہی میں بیٹھ گئے اور خود مسلمانوں کو نماز پڑھائی اور اس طرح ان سب کی نماز خراب ہونے سے بچا دی۔ حضرت رسالتماب صلعم کی دور اندیشی کی کوئی حد بیان نہیں ہوسکتی کہ ایک خفیف امر جس سے بعد میں بکثرت فسادات پیدا ہونیوالے تھے اپنی زندگی میں حضرت نے نہ ہونے دیا اور آپ مسجد میں خود تشریف لاکر اور مسلمانوں کو نماز پڑھا کر تاریخ اسلام کے عظیم الشان اختلاف خلافت کا فیصلہ کرکے تمام مسلمانوں کو گویا یہ اطلاع دے گئے کہ اے میری امت کے لوگو! ذرہ برابر تو غور کرو جب میں نے اپنی جگہ ایک وقت کی نماز پڑھانے کے لائق بھی ابوبکر کو نہیں سمجھا تو اپنے بعد ان کو خلافت کے قابل کیونکر سمجھ سکتا ہوں، اور جب ان کی اقتدا میں مسلمانوں کی ایک وقت کی نماز تک کو بھی میں نے صحیح نہیں قرار دی تو پھر اتنے مسلمانوں کی عمر بھر کی بیعت کیونکر جائز رکھ سکتا ہوں۔

پس بہرصورت یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ جناب رسالتماب صلعم نے حضرت ابوبکر کو نماز پڑھانے کا حکم نہیں دیا بلکہ یا حضرت عائشہ نے حکم دیا اور لوگوں نے غلطی سے اسے آنحضرت صلعم کا حکم سمجھا یا خود حضرت ابوبکر بغیر استمزاج جناب رسالتماب صلعم کے مسجد میں چلے آئے اور نماز پڑھانے کو کھڑے ہوگئے کیونکہ احادیث سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ آپ اکثر بغیر اجازت آنحضرت صلعم کے نماز پڑھانے کو کھڑے ہو جاتے تھے چنانچہ صحیح بخاری (مع فتح الباری) مطبوعہ دہلی جلد اول صفحہ ۲۰۳ میں ہے عن سہل بن سعد الساعدی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذهب الی بنی عمرو بن عوف لیصلح بینہم فحانت الصلوۃ فجاء المؤذن الی ابی بکر فقال اتصلی للناس فاقیم قال نعم فصلی ابوبکر فجاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والناس فی الصلوۃ فتخلص حتی وقف فی الصف فصفق الناس وکان ابوبکر لا یلتفت فی صلوتہ فلما اکثر الناس التصفیق التفت فرای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی سہل بن سعد ساعدی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی عمرو بن عوف میں ان لوگوں کے درمیان صلح کرانے تشریف لیگئے اتنے میں نماز کا وقت آگیا تو موذن نے حضرت ابوبکر سے آکر دریافت کیا کہ کیا آپ نماز پڑھائیگا تو میں اقامت کہوں انھوں نے کہا ہاں پس حضرت ابوبکر نماز پڑھانے کو کھڑے ہوگئے اس اثناء

کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد میں آکر حضرت ابوبکر ہی کے پیچھے نماز پڑھ لی کہ یہ روایت تو عروہ والی روایت سے اور بھی زیادہ مخالف ہے۔ پس میر سید شریف جرجانی نے اس روایت کی یہ تاویل کی کہ وہ کسی دوسرے وقت کا واقعہ ہے (یعنی آنحضرت صلعم نے مسجد میں آکر جو خود نماز پڑھائی وہ بیماری کے زمانہ کا واقعہ نہیں ہوگا بلکہ کسی اور وقت کا ہوگا) مگر اس تاویل میں جو خرابیاں ہیں وہ واضح ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۶) میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم بھی پہونچ گئے اور دیکھا کہ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں تو حضرت صف میں آکر کھڑے ہوگئے۔ یہ دیکھکر مسلمانوں نے تالی بجا بجا کر حضرت ابوبکر کو متوجہ کرنا چاہا مگر وہ نماز پڑھاتے ہی چلے جاتے اور متوجہ ہی نہیں ہوتے تھے۔ جب لوگوں نے بہت زیادہ تالیاں بجائیں تو متوجہ ہوئے دیکھا کہ جناب رسالتمآب صلعم تشریف فرما ہیں۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ موذن اور حضرت ابوبکر میں کوئی خاص انتظام تھا جس سے اُس نے بغیر اجازت آنحضرت صلعم کے حضرت ابوبکر سے آکر صلاح کرلیا اور آپ کو نماز پڑھانے کی ایسی خواہش تھی کہ بغیر آنحضرت صلعم سے دریافت کیے اور اجازت لیے ہوئے امامت کرنے کھڑے ہوگئے۔ مگر اس دفعہ بھی انجام یہی ہوا کہ حضرت کو خلل دینا پڑا اور جناب ابوبکر پیش نمازی کی حالت میں نماز تمام کرنے سے محروم ہی رہے چنانچہ روایت کا آخری حصہ یہ ہے۔ ثم استاخر ابوبکر حتی استوی فی الصف و تقدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصلی۔ یعنی آخر حضرت ابوبکر کو پیچھے ہٹنا پڑا یہاں تک کہ ماموین کی صف میں آگئے اور جناب رسالتمآب صلعم آگے بڑھے اور مسلمانوں کو نماز پڑھائی نیز اسی جلد کے صفحہ ۶۲۳ میں یہ روایت ہے۔ ان بنی عمرو بن عوف کان بینہم شئ فخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلح بینہم فی اناس معہ فحبس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحانت الصلوٰۃ فجاء بلال الی ابی بکر رضی اللہ عنہ فقال یا ابابکر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد حبس و قد حانت الصلوٰۃ فھل لک ان تؤم الناس۔ فقال نعم ان شئت۔ فاقام بلال و تقدم ابوبکر فکبر للناس وجاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمشی فی الصفوف حتی قام فی الصف فاخذ الناس فی التصفیق وکان ابوبکر لا یلتفت فی صلاتہ فلما اکثر الناس التفت فاذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس کا بھی تقریباً وہی مطلب ہے جو سابق حدیث کا بیان ہوا کہ حضرت ابوبکر بغیر جناب رسالتمآب صلعم کی اجازت کے نماز پڑھانے کھڑے ہوگئے۔ آخر آنحضرت صلعم تشریف لائے اور حضرت ابوبکر کو پیچھے ہٹنا پڑا اور جناب رسالتمآب صلعم ہی نے مسلمانوں کو نماز پڑھائی ۱۲ مترجم

سا۔ یہ حضرت ابوبکر کو نماز پڑھانے کے لیے مقرر کرنے کی حدیث اگر صحیح ہوتی جیسا کہ ان لوگوں کا زعم فاسد ہے اور پھر وہ حضرت ابوبکر کی امامت اور خلافت کی دلیل ہوتی تو چاہیے

(ا) مختصر یہ کہ اس امر پر اتفاق ہے کہ بلال موذن کو آنحضرت صلعم کا یہ حکم کہ ابوبکر سے کہدو وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔ خود آنحضرت صلعم کی زبان سے نہیں پہونچا بلکہ کسی اور شخص نے پہونچایا کیونکہ کسی طرح یہ ثابت نہیں ہے کہ جناب رسالتمآب صلعم نے بلال سے بالمشافہ فرمایا ہو کہ اے بلال ابوبکر سے کہدو کہ وہ مسلمانوں کو نماز پڑھا دیں یا لوگوں سے کہدو کہ وہ ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھ لیں بلکہ کسی شخص کے واسطہ ہی سے کہلایا ہوگا اس لیے کہ اُس شدت مرض میں جب آنحضرت صلعم ایسی حالت میں مبتلا تھے اور حضرت عائشہ آپ کے پاس موجود تھیں بلال خود تو آنحضرت صلعم کے پاس آ نہیں سکتے تھے نہ آنحضرتؐ اُن کو اپنے پاس بلا سکتے تھے لا محالہ کسی کے ذریعہ سے وہ حکم پہونچایا ہوگا تو یہ کیونکر ثابت ہو سکتا ہے کہ اس واسطہ یا اس ذریعہ نے بلال سے جھوٹ اور غلط نہیں کہا اور آنحضرت صلعم نے اس شخص سے ضرور ہی فرمایا۔ لہذا ہو سکتا ہے کہ کسی نے اپنے طور پر بلال سے کہدیا ہو کہ آنحضرت صلعم تم سے یہ فرماتے ہیں اور درحقیقت آنحضرتؐ نے اس کے متعلق کچھ بھی نہ فرمایا ہو اور معلوم ہے کہ آنحضرت کے پاس جو لوگ جمع تھے وہ سب معصوم نہیں تھے تو اُن کا جھوٹ بولنا اور آنحضرت کی جانب سے غلط پیغام پہونچا دینا ممکن تھا۔ پس جب اُس شخص کے جھوٹ کا احتمال موجود ہے تو اس روایت سے شیعوں پر کوئی حجت نہیں قائم ہو سکتی اس لیے کہ بلال سے جو کہا گیا تو نہ اس کا حکم ہی آنحضرت صلعم نے بلال کو دیا اور نہ اس کا علم ہی آپ کو ہوا چنانچہ آنحضرت صلعم کے اس واقعہ سے بالکل ناواقف ہونے پر یہ واضح دلیل ہے کہ آپ خود اُسی وقت دولت سرا سے نکل کر مسجد میں تشریف لائے اور ابوبکر کو اس جگہ سے ہٹا دیا۔ اور خود نماز پڑھانے لگے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ نیز اگر حضرت رسالتمآب صلعم ہی نے ابوبکر کو نماز پڑھانے کا حکم دیا ہوتا (جیسا کہ ان لوگوں کا زعم فاسد ہے) تو آنحضرت صلعم کا اُسی وقت اپنے اس شدت ضعف و کمال مرض میں مکان سے نکل کر مسجد میں چلا آنا اور ابوبکر کو مصلے پر سے ہٹا دینا اور خود ہی نماز پڑھانے لگنا۔ باوجودیکہ اس کے قبل خود ہی ان کو نماز پڑھانے کا حکم دے چکے تھے)۔ صاف صاف مناقضہ ہے۔ (یعنی جو حکم دیا ہے فوراً ہی اُس کے خلاف کرنا)۔ جو ایسی ذات کے شایان کسی طرح نہیں ہو سکتا جس کے بارے میں خدا نے فرمایا ہے وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی یعنی یہ رسول اپنی خواہش سے کوئی کلام نہیں کرتے ہیں بلکہ جو کچھ فرماتے ہیں وہ صرف وحی ہوتی ہے

کہ یہ حدیث خلافت حضرت ابوبکر جناب رسالتماب صلعم کی نص ہو۔ اور جب اُن کی خلافت پر آنحضرت صلعم نے نص ہی فرما دی تھی تو پھر آپ کی خلافت ثابت کرنے کے لیے دوسری دلیلوں کی

(بقیہ صفحہ ۹۸) جو ہماری طرف سے اُن پر اقامہ کی جاتی ہے۔ اور اگر حضرات اہلسنت ان اعتراضات کو نہ تسلیم کریں تو خیر ہم اُن کے دعووں کو تسلیم کیے لیتے ہیں۔ مگر اب دوسری خرابی پیدا ہوتی ہے کہ آنحضرت صلعم کا اسی حالت میں نکل آنا اور مسجد کے اندر جا کر حضرت ابوبکر کو اس پیشنمازی سے معزول کر دینا ثابت کرتا ہے کہ وہ پیشنمازی کے لائق نہیں تھے یعنی اگر آنحضرت صلعم نے ابوبکر کو نماز پڑھانے کا حکم دیا بھی تھا تو پھر خود آ کر اور انھیں اس جگہ سے ہٹا کر اپنے حکم کو منسوخ فرما دیا (جس طرح خدا نے بھی قرآن مجید میں کئی حکم دیئے تھے، اور پھر ان کو منسوخ کر دیا) تو جس امر کو خود آنحضرت صلعم نے اپنی ذات سے منسوخ فرما دیا ہو وہ اُس کے ثبوت پر دلیل کیونکر ہو سکتا ہے۔ بلکہ ہم کہیں گے کہ آپ کے دعوے کے مطابق اگر آنحضرت صلعم نے حضرت ابوبکر کو پیش نمازی کے لیے کہا بھی تو پھر فوراً ہی اس سے معزول کر دینا اس امر کو بتاتا ہے کہ حضرت نے اس سے مسلمانوں کو عملی طریقہ پر سمجھا دیا اور ان پر واضح کر دیا کہ ابوبکر اس قابل بھی نہیں ہیں کہ کوئی اُن کے پیچھے نماز پڑھے۔ ورنہ اجازت دے کر ہٹا دینے کا معنی کیا ہے؟ اور آنحضرت صلعم نے اپنی اس خوش تدبیر سے یہ بھی واضح کر دیا کہ حضرت ابوبکر کسی کام میں بھی مسلمانوں کے آگے رہنے اور اُن کے پیشوا بننے کے قابل نہیں ہیں کیونکہ حضرات اہلسنت تو فاسق و فاجر تک کو پیش نمازی کے لائق سمجھتے ہیں باوجود اس کے آنحضرت صلعم نے ابوبکر کو اس سے روک دیا تو ثابت ہو گیا کہ حضرت ابوبکر، مسلمان فاسق و فاجر کے برابر بھی نہیں تھے۔ تو جو شخص پیش نمازی تک کے لائق نہ سمجھا جائے اس کا مسلمانوں کا امام اور خلیفہ بن جانا کیسے صحیح ہو سکتا ہے اور کیونکر جائز ہے کہ وہ دنیا بھر کا سردار اور حاکم سمجھ لیا جائے۔ پس اگر آنحضرت صلعم نے حضرت ابوبکر کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا تو اسکی غرض صرف یہ تھی کہ تمام مسلمانوں کے سامنے ان کو اس فضیلت سے روک کر دکھا دیں کہ وہ اس قابل بھی نہیں ہیں تاکہ مسلمانوں پر اتمام حجت فرما دیں اور آخرت میں پھر اُن سے مواخذہ فرما سکیں کہ جس شخص کو میں نے تم لوگوں کی پیش نمازی تک کے قابل نہیں سمجھا اس کو تم نے اپنا امام اور خلیفہ کس دلیل سے بنا لیا تھا۔ بہرکیف آنحضرت صلعم کا ابوبکر کو نماز کا حکم دے کر پھر اُس سے روک دینا ایسا ہی ہے جیسا سورہ برأت پہونچانے کے لیے ان کو پہلے بھیجا اور پھر معزول کر دیا تاکہ سب جان لیں یہ اس قابل نہیں ہیں یا جیسے جنگ خیبر میں پہلے ان کو علم دے کر بھیجا جو صرف یہ دکھانے کیلیے تھا کہ یہ اسکے فتح کرنے سے عاجز ہیں [illegible]

آخر کیون بگڑی جاتی ہے اور جب سقیفہ بنی ساعدہ مین خلافت کا جھگڑا قائم ہوا تھا تو حضرت ابوبکر یا صاحبان سقیفہ نے آنحضرتؐ کے اسی فعل یا اسی نص کو خلافت و امامت ابوبکر کی دلیل مین کیون نہ پیش کیا اور کیون نہ اس واضح دلیل سے انصار کو خاموش کر دیا کہ تم جس خلافت کے متعلق نزاع کر رہے ہو اس کے متعلق تو جناب رسولخدا صلعم کی نص ابوبکر کے لیے موجود ہے؟ اور ان کی خلافت کو بیعت سے کیون ثابت کرنا چاہتے ہین جس مین مسلمانون نے شدت سے اختلاف بھی کیا اور تلوارین تک کھنچ گئین اور نص مذکور سے حجت پیش کرنے کی جرأت کسی کو بھی نہین ہو سکی حالانکہ یہ واضح ہے کہ آسان اور قوی دلیل کے رہتے ہوئے انسان دشوار اور مشکل امر کو نہین اختیار کرتا ہے مگر اُسی وقت جب وہ دلیل بے جان ہو اور اس کا پیش کرنا بیکار سمجھا جائے تو معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر کے نماز پڑھانے کی حدیث یقیناً غلط ہے اور انکی خلافت پر کسی طرح حجت اور دلیل نہین ہو سکتی ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ امامت اور خلافت اصول دین سے ہے۔ اسی وجہ سے اسکا ذکر اصول دین ہی مین کیا جاتا ہے چنانچہ اس کے اصول دین سے ہونے کی بحث پوری تفصیل سے اوپر گذر چکی تو اگر ہم قیاس صحیح کے تحقق کو مان بھی لین جب بھی اس کو قیاس سے ثابت کرنا صحیح نہین ہو سکتا اس لیے کہ قیاس فقہی صرف فروع دین مین جاری ہوتا ہے نہ اصول دین مین جیسا کہ پوشیدہ نہین ہے۔ اور یہ جو کتاب مواقف مین لکھا ہے کہ امامت اور خلافت اصول دین سے نہین ہے تو اس کا باطل ہونا ظاہر ہے۔ ایسا کیونکر ہو سکتا ہے حالانکہ وہ (امامت) نبوت کے ہم پلہ ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا۔ اور جس طرح فروع دین اور مسائل فقہیہ مین مجتہد کا گمان کافی ہوتا ہے اگر اسیطرح مسئلہ امامت مین بھی کافی ہو تو جو مجتہد اپنے اجتہاد سے یہ گمان کرے کہ حضرت ابوبکر خلیفہ نہین تھے چاہیے کہ اس کے اس گمان کو بھی غلط نہ کہا جائے۔ اور اس کے اس اجتہاد کو باطل نہ سمجھا جائے اور اس مجتہد کی تقلید دوسرے مسلمانون کے لیے جائز ہو۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بھی یہ کہے کہ "میرا گمان یہ ہے کہ حضرت ابوبکر خلیفہ اول نہین تھے بلکہ حضرت علی تھے" یا یہ کہے "کہ فلان مجتہد کی تقلید کر کے ہم یہ اعتقاد رکھتے ہین کہ حضرت ابوبکر کی خلافت باطل تھی اور خلافت کا حق حضرت علی ہی کا تھا" تو سب حضرات اہلسنت اس شخص کی عداوت پر کمربستہ ہو جائین گے بلکہ اس کے قتل و غارت کی کوشش کرین گے۔

نیز استخلاف (کسی شخص کا کسی کو اپنی جگہ خلیفہ مقرر کرنا) ہمیشگی کو مقتضی نہین ہوتا اسلیے کہ وہ (خلافت) اگر فعل سے ثابت ہوئی ہے تو فعل کسی طرح تکرار اور ہمیشگی پر دلالت نہین کرتا اور اگر وہ (خلافت) قول سے ثابت ہوئی ہے جب بھی یہی بات ہے۔ ایسا کیون نہ ہو

حالانکہ عادت یون ہی جاری ہوئی ہے کہ جس شخص نے کسی کو خلیفہ کیا ہے جب تک وہ شخص غائب رہے گا اس وقت تک تو یہ خلیفہ اس کا قائم مقام سمجھا جائے گا اور جب وہ آجائے گا۔ اس وقت یہ معزول اور خود بخود اس جانشینی اور قائم مقامی سے ساقط ہو جائے گا (پس اگر فرض بھی کر لین کہ جناب رسالتمآب صلعم نے اپنے مرض کی حالت مین ابوبکر کو اپنا قائم مقام بنا کر نماز پڑھانے کا حکم دیا تو جب آنحضرت صلعم مسجد مین آگئے اس وقت حضرت ابوبکر کی قائم مقامی رخصت ہو گئی۔ لہذا اس سے آنحضرت صلعم کے انتقال کے بعد بھی ان کو حضرت کا خلیفہ ماننا کس عقل سے ہے) علاوہ برین حضرت ابوبکر کا جناب رسالتمآب صلعم کی زندگی مین آپ کا خلیفہ مقرر ہونا اس وجہ سے بھی غلط ہے کہ یہ معارض (گویا مخالف) ہے جناب امیرالمومنین کی خلافت سے کیونکہ جناب رسالتمآب صلعم نے اپنی وفات سے بہت پہلے غزوۂ تبوک مین تشریف لیجاتے وقت حضرت علیؑ کو اپنا خلیفہ مدینہ مین مقرر کر دیا تھا (جناب رسالتمآب صلعم کا مرض الموت صفر سنہ ۱۱ھ مین تھا اور غزوۂ تبوک رجب سنہ ۹ ہجری مین ہوا) اور پھر حضرت کو معزول بھی نہین کیا پس جب حضرت علیؑ جناب رسالتمآب صلعم کے خلیفہ شہر مدینہ مین ہوئے تو امت اسلام کے بقیہ کل کامون مین بھی ہو گئے کیونکہ اس کا کوئی بھی قائل نہین ہے کہ جو شخص آنحضرت کا خلیفہ مدینہ مین ہو گا وہ باقی امور مین نہین ہو گا تو اس مقام پر بھی ترجیح شیعون ہی کے دعوے کو ہے اس لیے کہ آنحضرت صلعم کا حضرت علیؑ کو مدینہ مین اپنا خلیفہ مقرر کر جانا امامت کبری اور (آنحضرت صلعم کے انتقال کے بعد آپ کی) خلافت سے زیادہ قریب ہے کیونکہ حضرت علیؑ کا مدینہ مین آنحضرت کی قائم مقامی کرنا امور دین و دنیا دونون کو شامل تھا۔ برخلاف نماز پڑھا دینے کی قائم مقامی کے کہ اس مین نماز کے سوا کسی بات کی بھی قائم مقامی نہین ہے حالانکہ نماز پڑھا دینا تو (ان حضرات کے یہان) ہر فاجر و فاسق کے لیے جائز ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔

اور اگر ان تمام خرابیون سے چشم پوشی کرکے حضرات اہلسنت کے دعوون کو تسلیم کر لیا جائے جب بھی ہم کہین گے کہ حضرت ابوبکر کی خلافت پر کل کی کل امت کا اجماع تو کسی وقت بھی منعقد نہین ہوا اور یہ بالکل واضح ہے کسی دلیل کا محتاج نہین۔ قطع نظر اس سے کہ اہلبیت بلکہ تمام بنی ہاشم اور طبقہ انصار کے سردار سعد بن عبادہ اور ان کی اولاد و اصحاب تو انکی بیعت کے وقت موجود تک نہین تھے۔ اسی وجہ سے تو صاحب کتاب المواقف نے حضرت ابوبکر کی خلافت کو اجماع سے ثابت کرنے کی کوشش ہی ترک کر دی اور اس کو صرف لوگون کی بیعت

سے ثابت کر لینا کافی سمجھ لیا جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ خلاصہ یہ کہ فاضل مخاطب اور ان کے ہم مذہب یہ جو بار بار کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر کی خلافت پر اجماع واقع ہوا تھا اگر ان کی مراد اس سے یہ ہے کہ جناب رسالتمآب صلعم کے بعد فوراً ہی بغیر کسی ایک منٹ کے توقف کے بھی یا تھوڑی دیر میں حضرت ابوبکر کی خلافت پر مسلمانوں کا اجماع اور اتفاق ہو گیا تھا تو کل مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ دعوے یقیناً غلط اور باطل ہے۔ اور اگر ان کی مراد یہ ہے کہ طولانی مدت کے بعد یہ اجماع ہوا تھا تو اولاً یہ اس اصول کے مخالف ہے جو حقیقۃً اجماع میں معتبر ہے کہ اس اجماع کو ایک ہی وقت میں منعقد ہونا چاہیے جیسا کہ اوپر گزرا اور ثانیاً اس پر کوئی دلیل بھی نہیں ہے کہ کچھ مدت کے بعد بھی ان کی بیعت پر اجماع ہو گیا تھا ثالثاً یہ کہ اس سے حضرت ابوبکر کی خلافت اس وقت تک حق نہیں ثابت ہو سکتی جب تک طے نہ ہو جائے کہ باقی مسلمانوں نے بھی خوشی سے انکی بیعت کر لی تھی۔ مگر جب حالت یہ ہو کہ کچھ لوگوں نے تو زبردستی کی ہو اور کچھ لوگ ڈرے ہوں اور اس بیعت میں اکثر حضرات خوف اور مجبوری سے شریک ہوئے ہوں تو وہ خلافت نہ ہمارے لیے حجت قرار پا سکتی ہے نہ فی نفسہ صحیح اور جائز ہوگی۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہو سکتا کہ حضرت ابوبکر کی بیعت ایسی ہی تھی کیونکہ خاندان بنی ہاشم نے جو عرب کا بہت بڑا اور معزز قبیلہ تھا شروع میں عرصہ تک حضرت ابوبکر کی بیعت کی ہی نہیں پھر جب اس کو بہت مجبور کیا گیا تو چھ مہینہ کے بعد (حضرات اہلسنت کے قول کے مطابق) بکراہت بیعت کر لی مگر حضرت علی علیہ السلام اپنے انکار پر قائم رہے اور اپنے دولت خانہ میں گوشہ نشین ہو گئے اور ان لوگوں کے یہاں نہ تو نماز جمعہ میں تشریف لیجاتے تھے نہ نماز جماعت یومیہ میں۔

یہاں تک کہ آپ پر وہ مظالم واقع کیے گئے جن کو علمائے علم حدیث وفن تاریخ نے تفصیل سے ذکر کیا ہے اور جو مثل آفتاب کے روشن ہیں۔ یہاں تک کہ معویہ نے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے پاس ایک خط بھیجا جس میں حضرت کو انھیں مظالم اور بے رحمیوں کا طعنہ دیتے ہوئے لکھا کہ انک تقاد کما یقاد الجمل المخشوش حتی تبایع۔ یعنی تم ابوبکر کی بیعت کرنے کے لیے اس طرح کھینچے جاتے تھے جس طرح وہ اونٹ کھینچا جاتا ہے جس کی ناک میں نکیل ڈال دی گئی ہو جس سے اس نے حضرت پر طعن وتشنیع کی ہے کہ اے علی تم نے ابوبکر کی خوشی سے بیعت نہیں کی اور ان کی بیعت پر راضی نہیں ہوئے یہاں تک کہ انھوں نے تمکو اس پر مجبور کیا اور تم نے ذلیل وحقیر ہو کر ان کی بیعت کی جیسے وہ اونٹ جو بل وغیرہ کو عبور

بیعت نہیں کرتا وہ مجبور کیا جاتا اور اذیت پہونچایا جاتا ہے اور نیزے سے کونچا جاتا ہے تاکہ اس پل یا اس مقام سے عبور کر جائے۔ تو حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے معویہ کے اس طعن و تشنیع آمیز خط کا جو جواب لکھا وہ کتاب مستطاب نہج البلاغہ میں مذکور ہے اور حضرت علیہ السلام سے اس خط کی نقل متواتر طور پر پہونچی ہے اس میں حضرت تحریر فرماتے ہیں " وقلت انی کنت اقاد کما یقاد الجمل المخشوش حتی ابایع ولعمر اللہ لقد اردت ان تذم فمدحت۔ وان تفضح فافتضحت وما علی المسلم من غضاضۃ فی ان یکون مظلوما مالم یکن شاکا فی دینہ ولا مرتابا بیقینہ وھذہ حجتی الی غیرک قصدھا ولکنی اطلقت لک منہا بقدر ما سنح من ذکرھا[1]" یعنی اے معویہ تو مجھ سے از راہ طعن و تشنیع کہتا ہے کہ میں ابوبکر کی بیعت کے لیے اس طرح کھینچا جاتا تھا جس طرح وہ اونٹ کھینچا جاتا ہے جس کی ناک میں نکیل ڈالدی گئی ہو تاکہ میں ان کی بیعت کرلوں تو قسم خدا کی تو نے جس بات سے میری مذمت کرنی چاہی ہے اس سے درحقیقت میری مدح اور فضیلت ثابت ہو گئی۔ اور تو نے کوشش کی کہ مجھے فضیحت کرے لیکن درحقیقت تیری ہی فضیحت ہو گئی کیونکہ کسی مسلمان شخص پر ظلم و ستم کیا جائے اور وہ مظلوم ہو تو اس سے نہ اس کی ذلت ہے نہ یہ اس کا کسی قسم کا عیب قرار پا سکتا ہے جب تک کہ وہ خود اپنے دین میں شک کرنے والا اور اپنے یقین میں شبہہ کرنے والا نہ ہو اور یہ میری (حقیت کی) دلیل اور حجت ہے جس سے اصلی مقصود تو وہ (خلفاء) ہیں جو تیرے سوا ہیں مگر میں نے اپنی اس حجت اور برہان کا تھوڑا حصہ تیرے لیے بھی بیان کر دیا اس قدر جو اس وقت ذہن میں آگیا انتہی۔ اور اس سے بھی واضح تر اور حضرت کی مظلومیت اور مجبوری کی پوری تصویر حضرت کا وہ کلام ہے جو خطبہ شقشقیہ کے نام سے مشہور ہے اور وہ بھی اسی کتاب نہج البلاغہ میں مذکور ہے اور یہ وہ خطبہ ہے جسے حضرت نے اس وقت ارشاد فرمایا جب خلیفہ عثمان کے انتقال پر مسلمانوں نے مجبور کر کے حضرت کو خلیفہ بنایا اور آپکی بیعت کی اور یہ خطبہ نہایت درجہ مشہور ہے جس کو مصنف (علامہ حلی) علیہ الرحمہ عنقریب اسی کتاب میں خود نقل کریں گے۔ اور علامہ ابن ابی الحدید معتزلی نے اپنی کتاب شرح نہج البلاغہ میں حضرت عمر کے فضائل و مناقب ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے ان عمر ھو الذی

[1] کتاب نہج البلاغہ مطبوعہ بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۹-۱۲

وطی الامر لابی بکر و قام فیہ حتی انہ دفع فی صدر المقداد وکسر سیف الزبیر کان قد شہرہ علیہم یعنی یہ حضرت عمر وہی ہیں جنھوں نے حضرت ابوبکر کے لیے امر خلافت کو طے کر دیا اور اس میں گھٹنے ٹیک دیے یہاں تک کہ مقداد کے سینہ میں دھکا مارا اور زبیر کی اس تلوار کو توڑ کر پھینک دیا جسے انھوں نے ان لوگوں (ابوبکر و عمر وغیرہ) پر کھینچا تھا انتہیٰ

سلہ تو یہ عبارتیں ان حضرات کی انتہا درجہ کے قہر و جبر اور ظلم و زبردستی کو ثابت کرتی ہیں جو طرفداران حضرت ابوبکر کی طرف سے ممدوح کی خلافت سے انکار کرنے والوں کے ساتھ برتی گئی اور ان امور سے بھی واضح تر اور مخالفین پر باب انکار کو بالکل بند کر دینے والی اور اس دعوے پر کہ حضرت علی علیہ السلام کو بالکل مجبور کر کے آپ سے بیعت لی گئی) مہر کر دینے والی وہ روایت ہے جس کو امام المحدثین الحمیدی نے صحیح بخاری و صحیح مسلم کی متفق علیہ حدیثوں سے چھٹی حدیث میں مسند ابوبکر سے ذکر کیا ہے جس میں وہ خود فرماتے ہیں کہ ومکثت فاطمۃ بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ستۃ اشہر ثم توفیت قالت عایشۃ وکانت لعلی وجہ بین الناس فی حیوۃ فاطمۃ فلما توفیت فاطمۃ انصرفت وجوہ الناس عن علی یعنی حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے انتقال کے بعد حضرت فاطمہ صرف چھ مہینہ تک زندہ رہیں پھر وفات پاگئیں اور حضرت عایشہ فرماتی تھیں کہ حضرت فاطمہ کی زندگی میں علی کی بڑی قدر و منزلت لوگوں کے درمیان تھی پھر جب فاطمہ انتقال کر گئیں تو لوگوں کے رخ علی کی جانب سے پھر گئے۔ انتہیٰ۔

اور کتاب جامع الاصول میں ہے۔ قالت یعنی عایشۃ فکانت لعلی وجہ بین الناس فی حیوۃ فاطمہ فلما توفیت فاطمۃ انصرفت وجوہ الناس عن علی علیہ السلام ومکثت فاطمہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ستۃ اشہر ثم توفیت فاطمہ فلما رای علی انصراف وجوہ الناس عنہ ضرع الی مصالحۃ ابی بکر وارسل الیہ ائتنا ولا تاتنا معک باحد وکرہ ان یاتیہ

سلہ شرح ابن ابی الحدید مطبوعہ ایران جلد اول صفحہ ۲۲ میں یہ عبارت کچھ تغیر الفاظ کے ساتھ اس طرح چھپی ہے وعمر ھو الذی شید بیعۃ ابی بکر ووقم المخالفین فیہا فکسر سیف الزبیر لما جردہ ودفع فی صدر المقداد ووطی فی السقیفۃ سعد بن عبادۃ مگر مطلب دونوں کا تقریباً ایک ہی ہے ۱۲ مترجم عفی عنہ چنانچہ تاریخ ابوالفداء مطبوعہ مصر جلد اول میں بھی ہے وتخلف جماعۃ من بنی ہاشم والزبیر والمقداد بن عمرو وسلمان الفارسی وابی ذر وعمار بن یاسر والبراء بن عازب وغیرہم مالوا مع علی ابن ابیطالب یعنی بنی ہاشم کی ایک جماعت اور نیز زبیر اور مقداد بن عمرو اور سلمان فارسی اور ابوذر اور عمار بن یاسر اور براء بن عازب وغیرہم نے حضرت علی کے ساتھ میلان کر کے حضرت ابوبکر کی بیعت سے کنارہ کشی کی

عمر لما علم من شدۃ عمر فقال عمر لا تاتہم وحدک فقال ابو بکر واللہ لا تینہم وحدی ما عسے ان تصنعوا الی فانطلق ابو بکر فدخل علی علی وقد جمع بنی ھاشم عندہ الحدیث۔ یعنی حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ فاطمہ کی زندگی میں علیؑ کی بڑی قدر و منزلت لوگوں کے درمیان تھی پھر جب فاطمہؑ کا انتقال ہوگیا اور علیؑ نے لوگوں کا رخ اپنے سے بالکل پھرا ہوا پایا تو حضرت ابو بکر سے صلح کرنے کی طرف مجبور اور پریشان ہوئے[1] لہذا ان کے یہاں پیغام بھیجا کہ اے ابو بکر میرے یہاں آؤ مگر اپنے ساتھ اور کسی کو نہ لانا۔ آپ کو برا معلوم ہوا کہ ابو بکر کے ساتھ عمر بھی وہاں پہونچ جائیں کیونکہ آپ کو عمر کی سخت مزاجی کا حال اچھی طرح معلوم تھا۔ تو عمر نے ابو بکر سے کہا کر خبردار وہاں تنہا نہ جانا۔ مگر ابو بکر نے جواب دیا خدا کی قسم میں تو تنہا ہی جاؤں گا تم لوگ میرے لیے کیا بنا لوگے۔ تو ابو بکر تنہا گئے اور حضرت علی کے پاس پہونچے جہاں بنی ہاشم بھی جمع تھے۔

---

[1] اس مضمون کی حدیثیں حضرات اہلسنت کی اکثر معتمد کتابوں میں ہیں چنانچہ تاریخ طبری میں ہے کہ عن الزھری عن عروۃ عن عائشۃ انھا قالت کان لعلی وجہ من الناس حیاۃ فاطمۃ فلما توفیت فاطمۃ انصرفت وجوہ الناس عن علی۔ یعنی زہری نے عروہ سے اس نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتی تھیں حضرت فاطمہ کی زندگی میں لوگوں کے درمیان حضرت علی کی بڑی قدر و منزلت تھی پھر جب آپ کا انتقال ہوگیا تو لوگوں کے رخ حضرت علیؑ کی جانب سے پھر گئے۔ اور صحیح بخاری میں ہے عن عائشۃ انھا قالت کان لعلی من الناس وجہ حیاۃ فاطمۃ فلما توفیت استنکر علی وجوہ الناس یعنی حضرت عائشہ سے روایت کی گئی ہے کہ حضرت فاطمہ کی زندگی میں علیؑ کی بڑی عزت لوگوں کے درمیان تھی پھر جب ان کا انتقال ہوگیا تو علیؑ نے لوگوں کے چہروں کو اپنی جانب سے بالکل نا آشنا پایا۔ اور تاریخ ابوالفدا و عقد فرید میں ہے عن عائشۃ قالت لم یبایع علی ابا بکر حتی ماتت فاطمۃ۔ یعنی حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ تا وقت وفات فاطمہ علیؑ نے ابو بکر کی بیعت نہیں کی اور مروج الذہب مسعودی میں ہے لم یبایعہ احد من بنی ھاشم حتی ماتت فاطمۃ رضی اللہ عنہا یعنی حضرت فاطمہ کی وفات تک بنی ہاشم سے کسی نے بھی ابو بکر کی بیعت نہیں کی اور تاریخ کامل میں ہے قال الزھری بقی علی و بنو ھاشم ستۃ اشھر لم یبایعوا ابا بکر حتی ماتت فاطمۃ یعنی زہری کا قول ہے کہ علی اور بنی ہاشم نے چھ ماہ تک ابو بکر کی بیعت نہیں کی یہاں تک کہ فاطمہ نے انتقال کیا اور تاریخ طبری میں ہے قال رجل للزھری فلم یبایع علی ابا بکر ستۃ اشھر قال لا ولا احد من بنی ھاشم یعنی کسی نے زہری سے پوچھا کیا حضرت علی نے چھ مہینے تک حضرت ابو بکر کی بیعت نہیں کی زہری نے کہا حضرت علی پر کیا موقوف ہے بنی ہاشم سے کسی نے بھی چھ ماہ تک ابو بکر کی بیعت نہیں کی۔ ۱۲۔ مترجم

تا آخر حدیث۔ تو ہم نے جو اوپر بیان کیا کہ حضرت علی پر ان لوگون نے ظلم وستم کیا اور انھین بیعت کیلیے مقہور ومجبور کیا اس کا بکثرت ثبوت مذکورہ بالا روایتون مین موجود ہے جیسا غور وفکر کرنے والے پر مخفی نہین رہ سکتا۔ اور واقدی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر ایک جماعت کے ساتھ جس میں اسید بن الحضین اور سلمہ بن اسلم الاشہلی وغیرہ بھی تھے حضرت علی کے یہان آئے اور حضرت سے کہا۔ اخرجوا او لنحرقنها علیکم کہ تم سب اس گھر سے نکل آؤ ورنہ مین اسے تم لوگون پر جلا دون گا اور ابن خزابہ نے اپنے غرر مین ذکر کیا ہے کہ زید بن اسلم کا قول ہے کہ مین بھی اُن لوگون مین تھا جو عمر کے ساتھ لکڑی لیکر فاطمہ کے دروازہ پر گئے تھے جب علی اور اُن کے ساتھیون نے ابوبکر کی بیعت کرنے سے انکار کیا تھا تو عمر نے فاطمہ سے کہا گھر سے باہر نکل آ اور ان لوگون کو بھی نکال دے جو اس میں ہین ورنہ مین اس کو جلا دون گا اور جو اس مین ہین انھین بھی جلا ڈالون گا اور اسوقت اس گھر مین علی اور حسن اور حسین اور جناب رسالتماب صلعم کے صحابہ کی ایک جماعت موجود تھی۔ تو فاطمہ نے عمر سے کہا تحرق علی ولدی ارے کیا میرے بچون کے ساتھ مجھے جلا دوگے؟ فقال ای واللہ اولیخرجن ولیبایعن تو عمر نے کہا ہان خدا کی قسم ایسا ہی کرونگا ورنہ سب اس مین سے باہر نکل آئین اور ابوبکر کی بیعت کرلین لہ تو اس قدر جو امور بیان کیے گئے ان سے ہمارا دعویٰ اچھی طرح ثابت

لہ اس مضمون کی روایات بھی کتب اہلسنت مین کثرت سے ہین العقد الفرید مین ابن عبد ربہ لکھتے ہین کہ جن لوگون نے حضرت ابوبکر کی بیعت سے انکار کیا تھا وہ علی اور عباس اور زبیر اور سعد بن عبادہ تھے جن مین سے حضرت علی اور عباس اور زبیر دولتسرائے جناب فاطمہ مین اقامت پذیر ہوے حتیٰ کہ حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو بھیجا کہ جو لوگ خانۂ حضرت سیدہ میں ہین ان کو وہان رہنے نہ دین اور اگر وہ نکلنے سے انکار کرین توان کو بضرب شمشیر نکالین۔ پس حضرت عمر آگ بھی گھر پھونکنے کے ارادے سے اپنے ہمراہ لے گئے۔ اسی اثنا مین حضرت فاطمہ ان کو راستہ مین مل گئین تو آپ نے پوچھا کہ اے خطاب کے صاحبزادے کیا ہمارا گھر پھونک دینے کو آئے ہو؟ حضرت عمر نے کہا کہ بیشک اسی ارادے سے آیا ہون ورنہ جو لوگ اس گھر مین ہین وہ چل کر ابوبکر کی بیعت کرلین۔ اور تاریخ ابو الفدا مین ہے کہ حضرت عمر آگ لیکر اس قصد سے آئے کہ حضرت فاطمہ کا گھر جلا دین۔ یہ معلوم کرکے جناب سیدہ نے کہا کہ اے پسر خطاب کیا اس غرض سے تم آئے ہو کہ میرے گھر مین آگ لگا دو؟ حضرت عمر نے کہا ہان ورنہ یہ لوگ جو اس گھر مین ہین ابوبکر کی بیعت کرنے والون مین داخل ہون۔ اور تاریخ طبری مین ہے کہ حضرت عمر نے دولتسرائے حضرت علی پر (جہان طلحہ وزبیر اور بعض اصحاب مہاجرین بھی تھے) پہونچکر ان

ہوگیا اور یہ کافی ہے۔ اور علامہ شہرستانی نے اپنی کتاب ملل ونحل میں اسی کے قریب نظام سے نقل کرکے ایک مضمون ذکر کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ" علم منطق وعلم کلام وفلسفہ میں یہ بات طے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سے کہا کہ خدا کی قسم میں تمہارے اس گھر میں آگ لگا دوں گا ورنہ تم لوگ بیعت کے لیے باہر نکلو۔ اور کتاب الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ دینوری کی عبارت اصل کا نقل کرنا بھی مناسب ہے لکھتے ہیں مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۱۲ میں ان ابابکر رضی اللہ عنہ تفقد قوما تخلفوا عن بیعتہ عند علی کرم اللہ وجہہ فبعث الیہم عمر فجاء فناداھم وھم فی دار علی فابوا ان یخرجوا فدعا عمر بالحطب وقال والذی نفس عمر بیدہ لتخرجن اولاحرقنہا علی من فیہا فقیل لہ یا ابا حفص ان فیہا فاطمۃ فقال وان فخرجوا فبایعوا الا علی (وفیہ) وقال علی انا احق بھذا الامر منکم لا ابایعکم وانتم اولی بالبیعۃ لی اخذتم ھذا الامر من الانصار واحتججتم علیہم بالقرابۃ من النبی وتاخذونہ منا اھل البیت غصبا الستم زعمتم للانصار انکم اولی بھذا الامر منہم لما کان محمد صلعم منکم فاما احتج علیکم بمثل ما احتججتم علی الانصار نحن اولی برسول اللہ حیا ومیتا فانصفونا ان کنتم تؤمنون باللہ وتخافون (الی ان قال) وقال علی یا معشر المہاجرین اللہ اللہ لا تخرجوا سلطان محمد صلعم فی العرب من دارہ وقعر بیتہ الی دورکم وقعور بیوتکم ثم خرجت فاطمۃ رضی اللہ عنہا علی بابہا وقالت ترکتم رسول اللہ صلعم جنازۃ بین ایدینا وقطعتم امرکم بینکم ولم تردوا لنا حقا۔ یعنی جب حضرت ابوبکر نے اُن لوگوں کو جو حضرت علیؑ کے پاس تھے ان لوگوں میں نہ پایا جنھوں نے ان کی بیعت کر لی تھی تو حضرت عمر کو انکے بلانے کے لیے روانہ کیا۔ وہ سب حضرت علیؑ کے مکان میں موجود تھے اور ان سب نے باہر نکلنے سے انکار کیا۔ حضرت عمر نے آگ بھڑکنے کی لکڑیاں منگا کر کہا کہ باہر نکلو ورنہ خدا کی قسم جو لوگ اس گھر میں ہیں ان سب کو آگ لگا کر جلا دونگا۔ لوگوں نے حضرت عمر سے کہا تم کیا کہتے ہو یہ بھی خبر ہے کہ اس گھر میں حضرت رسولخدا صلعم کی صاحبزادی فاطمہ بھی ہیں۔ حضرت عمر نے کہا ہاں ہاں جانتا ہوں وہ بھی ہیں میں اسے جلا دوں گا وہ ہوا کریں۔ یہ سنتے لوگ خانہ جناب سیدہ میں تھے باہر نکل آئے اور سوا حضرت علیؑ کے (کہ وہ نہیں گئے اور لوگ) حضرت ابوبکر سے بیعت کو روانہ ہوئے۔ حضرت علیؑ نے اُن لوگوں سے مخاطب ہو کر جو آپ کے طلب کرنے کی غرض سے آئے تھے ارشاد فرمایا کہ اے گروہ مہاجرین میں معاملہ خلافت میں تم لوگوں سے ہر طرح زیادہ حق رکھتا ہوں اور تمہارے لیے مناسب ہے کہ میری بیعت کرو۔ ذرا انصاف کرو اور دیکھو تم نے انصار سے امر خلافت کو یہی دلیل پیش کرکے حاصل کیا ہے کہ بہ نسبت ان (انصار) کے تم لوگ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قرابت رکھتے ہو اور اسی

ہو گئی ہے کہ اذا قام الاحتمال بطل الاستدلال یعنی جس مضمون یا دعوی مین کوئی احتمال ہوجائے گا اس سے حجت اور استدلال کرنا باطل ہوجائے گا۔ پس حضرت ابوبکر کی بیعت مین بھی جو اجماع کا دعوی کیا جاتا ہے تو (اول یہ اجماع ناقص ہے دوم یہ کہ) اس امر کا احتمال پیدا ہوگیا ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر وغیرہما نے مسلمانون کو ابوبکر کی بیعت پر مجبور کیا اور اس مین زور و قوت سے کام لیا۔ یہ احتمال ہی نہین ہے بلکہ ایسا واقع بھی ہوا لہذا یہ اجماع یقیناً باطل ہے اور تم اُس امر کے متعلق سوا باطل ہونے

(بقیہ صفحہ گذشتہ) دلیل کی بنا پر تم نے حق خلافت کو غصب کیا ہے۔ پس جو حجت تم نے انصار پر پیش کی ہے کہ رسول اللہ تمھارے ہی قوم سے تھے اس وجہ سے تم اُن سے قرابت رکھتے ہو۔ وہی حجت مین تمھارے آگے پیش کرکے کہتا ہون کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے میری قرابت ہر طرح تم لوگون سے اولی اور نزدیک تر ہے۔ آنحضرت صلعم کی زندگی مین بھی اور اُن کی وفات کے بعد بھی۔ اب تم ہی انصاف سے فیصلہ کرو اگر خدا پر ایمان رکھتے اور اس سے ڈرتے ہو۔ اے گروہ مہاجرین خدا کو یاد کرو اور جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ کی حجت کو اُن کے گھر سے خارج کرکے اپنے گھر بن مین نہ لیجاؤ۔ اس کے بعد حضرت فاطمہ نے گھر کے دروازے پر کھڑے ہوکر فرمایا کہ اے قوم تم نے رسول اللہ صلعم کی نعش مقدس کو ہمارے آگے بے غسل و کفن چھوڑ کر معاملہ خلافت کو اپنی سازش سے طے کرلیا اور ہمارے حق پر کچھ بھی نظر نہین کی انتہے۔ غرض حضرت عمر کی آگ لکڑی کو جناب سیدہ فاطمہ الزہرا صلوات اللہ وسلامہ علیہا کے دولت خانہ پر لانے کی روایت بکثرت علمائے محققین اہلسنت نے اپنی کتابون مین لکھی ہے۔ جن مین مورخ طبری۔ مسعودی۔ علامہ شہرستانی صاحب کتاب الملل والنحل۔ شاہ ولی اللہ الدہلوی صاحب کتاب ازالۃ الخفا۔ علامہ ابن عبد البر صاحب کتاب استیعاب۔ شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی۔ صاحب کتاب تحفہ اثنا عشریہ۔ صاحب کتاب حد تحقیق۔ حافظ عبد الرحمٰن صاحب امرتسری، صاحب کتاب المرتضیٰ۔ شمس العلما مولوی شبلی صاحب نعمانی صاحب کتاب الفاروق۔ وغیرہم خصوصیت سے قابل ذکر ہین۔ بلکہ علمائے نصاریٰ اور محققین یورپ نے بھی اس اہتمام بالشان واقعہ کو اپنی کتابون مین تفصیل سے لکھا ہے۔ جن مین مسٹر ڈیون پورٹ صاحب کتاب اپالوجی فار محمد اینڈ قرآن۔ مسٹر گبن صاحب کتاب ڈاؤن اینڈ فال آف دی رومن ایمپایر۔ ایرونگ۔ صاحب کتاب لائف آف محمد۔ اوکلی صاحب کتاب ہسٹری آف سیراسنز وغیرہم ممتاز اصحاب ہین ۱۲۔ مترجم۔

کے دوسرا گمان ہی کیا کر سکتے ہو جس مین مہاجرین کے سینون مین دھکے دیئے جائین اور ان کی تلوارین توڑ دی جائین - اور تلوارون کی دھارین مسلمانون کے سرون پر کھینچ لی جائین اور سادات وشرفاء کے گھرون مین آگ لگانے کا ارادہ اور کوشش کی جائے اور اسی طرح دوسرے بکثرت ظلم وجور کیے جائین اور کیونکر یہ حرکتین ظلم اور جبر نہ کہی جائینگی - ہان جن کے دل اندھے ہو گئے ہون وہ خواہ کچھ کہین۔ فانھا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور یعنی خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ درحقیقت آنکھین اندھی نہین ہوتی ہین بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہین جو سینون کے اندر ہین۔

فاضل مخاطب کے جواب مین تیسری خرابی یہ ہے کہ اجماع کی تباہی اسی طرح باطل ہے جس طرح تثلیث کا عقیدہ باطل ہے چنانچہ آگے جو آیت اولی الارحام سے مضمون آئے گا وہ اس امر پر نص ہے کہ خلافت حضرت عباس وخلافت حضرت ابوبکر دونون باطل ہے جیسا کہ ہم انشاء اللہ اُسی مقام پر تفصیل سے بیان کرین گے - نیز فاضل مخاطب نے اپنے جواب مین حضرت عباس (عم رسولخدا صلعم) کے مستحق خلافت ہونے کا جو مضمون ایجاد کیا ہے اور کہا ہے کہ "اجماع منعقد ہے اس امر پر کہ آنحضرت صلعم کی خلافت کا حق تین شخصون سے کسی ایک کو تھا جو ابوبکر علی اور عباس تھے" تو اس کی ایجاد اور اختراع کا سہرا علامہ جاحظ کے سر ہے جس نے خلفائے بنی عباس کے زمانہ مین اسے اس غرض سے حادث کیا تھا کہ اس مضمون سے خلفائے بنی عباس جاحظ سے خوش ہو جائین اور اس کا درجہ ان کی نظر مین بلند ہو جائے اور دنیوی مال ودولت بے حساب قبضہ مین آ جائے - جیسا کہ حضرات اہلسنت کے علمائے محققین نے اس امر کی تصریح بھی کر دی ہے [۱] چوتھا

---

[۱] علامہ ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغہ مطبوعہ ایران جلد اول صفحہ ۴۴ مین حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے مشہور خطبہ ایھا الناس شقوا امواج الفتن بسفن النجاۃ کی شرح کرتے ہوئے جناب رسالتماب صلعم کی وفات کے دوسرے دن حضرت ابوبکر وعمر کا حضرت عباس سے ملنا ایک صحابی براء بن عازب کی زبانی نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے خود ہی حضرت عباس کو خلافت کی طمع دی تھی اور اس کی غرض صرف یہ تھی کہ حضرت علی بالکل محروم ہو جائین چنانچہ براء بن عازب کہتے ہین کہ "مین ہمیشہ بنی ہاشم کو دوست رکھتا تھا - پھر جب جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا تو مجھے خوف پیدا ہوا کہ تمام قریش تو نہین مگر بنی تیم خلافت کو بنی ہاشم سے چھین لین گے - تو مین نے علی کو زور و فکر مین پایا

اعتراض یہ ہے کہ فاضل مخاطب نے یہ جو فرمایا ہے کہ "حضرت عباس اور حضرت علی نے حضرت ابوبکر سے معاملہ خلافت میں نزاع نہیں کی" تو یہ بداہت کا انکار اور ان واقعات سے چشم پوشی کرنا ہے جو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کہ دیکھوں والی خلافت کون شخص ہوتا ہے ناگاہ میرا گذر ایک مقام پر ہوا جہاں مقداد ابن اسود اور عبادہ بن صامت اور سلمان فارسی اور ابوذر غفاری اور حذیفہ اور ابو الہیثم بن التیہان چپکے چپکے باتیں کر رہے تھے۔ پس حذیفہ نے کہا کہ واللہ میں کبھی جھوٹ نہیں بولا اور نہ اب جھوٹ کہتا ہے۔ جو کچھ میں نے تم کو خبر دی ہے وہ ضرور ہوگا اور حال یہ ہے کہ یہ قوم ارادہ رکھتی ہے کہ امر خلافت کو مہاجرین کے شورے میں حائل کریں۔ اور نہیں تو ابی بن کعب کے پاس جاکر پوچھ لو کیونکہ ان کو بھی معلوم ہے جو مجھے معلوم ہے۔ پس یہ یہ سب ابی کے مکان پر آئے مگر انھوں نے دروازہ نہیں کھولا اور کہا میں جانتا ہوں تم جس غرض سے آئے ہو تم معاملہ خلافت پر نظر کرنے کا ارادہ رکھتے ہو۔ ہم سب نے جواب دیا کہ ہاں یہی مقصود ہے۔ تو ابی نے جواب دیا کہ بات وہی ہے جو حذیفہ نے کہی ہے اور واللہ میں دروازہ نہیں کھولوں گا جب تک وہ امر ہو نہ جائے گا جو ہو رہا ہے اور خدا ہی کی طرف اس ظلم و اندھیر کی شکایت ہے۔ یہ خبر ابوبکر و عمر کو پہنچی تو انھوں نے ابوعبیدہ اور مغیرہ کو بلایا۔ اور دونوں سے رائے لی (یہ مغیرہ بن شعبہ وہی ہے جس نے بعد میں بھی لوگوں کے خلیفہ مقرر کرنے میں بڑے بڑے حصے لیے ہیں اسی نے یزید کی بیعت میں بھی بڑی کوشش کی تھی) مغیرہ نے کہا میری رائے یہ ہے کہ تم لوگ حضرت رسولخدا صلعم کے چچا حضرت عباس سے لم فتجعلوا له ولولده فی هذا الامر نصیبا لیقطعوا بذلك ناحیة علی بن ابیطالب یعنی حضرت عباس کا نیز انکی اولاد کا بھی حصہ اس خلافت میں مقرر کر دو اس تدبیر سے علی کی طرف سے بے فکر ہو جاؤ گے اور لوگوں کے سامنے تمہیں علی پر حجت مل جائے گی جب کہ عباس تمہاری طرف مائل ہو جائیں گے۔ تو ابوبکر و عمر و ابوعبیدہ و مغیرہ حضرت عباس کے پاس آئے جو وفات حضرت رسولخدا صلعم سے دوسری رات کا واقعہ ہے۔ اور ابوبکر نے تقریر شروع کی پہلے خدا کی حمد و ثنا بجالا کے پھر کہا "اے عباس خداوند عالم نے حضرت رسولخدا صلعم کو رسول مقرر کرکے ہم لوگوں میں بھیجا اور بعد تبلیغ ان کو اپنے پاس بلا لیا۔ پس چھوڑ دیا ان حضرت نے آدمیوں پر ان کے امر خلافت کو کہ اپنی مصلحت کے موافق اپنے نفسوں کے لیے اتفاق کرکے اختیار کر لیں نہ اختلاف کی صورت میں۔ تو مسلمانوں نے مجھ کو انتخاب کرکے حکومت کا والی اور اپنے امور کا نگہبان بنا لیا۔ اور میں بحمد اللہ نہ ضعف اور گھبراہٹ سے خائف ہوں اور نہ جبن و نامردی سے ڈرتا ہوں۔ اور میری توفیق خدائے برتر ہی کی طرف سے ہے۔ میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ اور ہمیشہ مجھے ان لوگوں کی خبریں پہنچی ہیں جو مسلمانوں کی رائے سے مخالفت کرکے ہماری خلافت پر اعتراض

مثل آفتاب روشن ہین کیونکہ حضرت علیؑ اور حضرت ہی کی طرف سے عباس بھی ہمیشہ ابوبکر سے اس امر مین نزاع اور شکایت کرتے رہے (ہان تلوار نہین اُٹھائی) چنانچہ اس نزاع اور مخالفت کی کیفیت کو مین

(بقیہ صفحہ گذشتہ) کرتے ہین وہ لوگ تم کو اپنی آڑ بناتے ہین۔ پس تم اس اعتراض کرنے والون کے مستحکم قلعہ اور عجیب وغریب ستون ہو۔ تو یا تم بھی اس امر مین داخل ہو جاؤ جس مین اور لوگ داخل ہوئے ہین (یعنی میری بیعت کرلو) یا ان لوگون کو اس معاملہ سے دفع کرو اور ان کو اس میلان سے روکو فقد جئناک ونحن نریدان نجعل لک فی ھذا الامر نصیبا ولمن بعدک من عقبک اذ کنت عم رسول اللہ یعنی ہم لوگ اس وقت تمھارے پاس اس ارادہ سے آئے ہین کہ اس معاملہ خلافت مین تمھارے لیے اور تمھاری اولاد کے لیے بھی ایک حصہ معین کردین کیونکہ تم حضرت رسولخدا صلعم کے چچا ہو۔ اگرچہ مسلمانون نے تمھاری اور تمھارے اہل وعیال کی وہ قدرومنزلت دیکھی ہے جو جناب رسالتماب صلعم کے یہان بتحقیق حاصل تھی مگر اس پر بھی امر خلافت کو تم سے پھیر دیا ہے۔ تو اے بنی ہاشم اپنے اعتراض کو دور کرو اور ہم لوگون کو نشانہ ملامت نہ بناؤ کیونکہ جناب رسالتماب صلعم تم سے بھی تھے اور ہم سے بھی ابوبکر یہ تقریر کرتے ہی تھے کہ عمر بیچ مین بول اٹھے اور اپنی معمولی راہ خشونت وسخت مزاجی اختیار کرلی اور خوف ودھمکی پر آمادہ ہوگئے اور اختلاف کی گتھی کو بدترین اور مشکل ترین صورت سے سلجھانے پر آمادہ ہوگئے چنانچہ ارشاد فرمایا، ہان خدا کی قسم (اور ساتھ ہی یہ بھی سمجھ رکھنا کہ ہم کچھ اس وجہ سے تمھارے پاس نہین آئے ہین کہ کسی امر مین تمھارے محتاج ہون لیکن یہ بہت برا معلوم ہوتا ہے کہ جس بات پر مسلمانون نے اجتماع کرلیا تھا اس پر تم لوگون کی طرف سے طعن اور اعتراض ہو جس سے تمھارے لیے بھی خطرات اور مصائب کا ہجوم ہے اور ان لوگون کے لیے بھی۔ تو اپنے نفسون کے متعلق غوروفکر کرو اور عام مسلمانون کی بہبودی کے لیے بھی۔ یہ کہکر حضرت عمر خاموش ہوگئے۔ تو حضرت عباس تقریر پر آمادہ ہوئے پہلے خدا کی حمد وثنا بجالائے پھر کہا بیشک خدا نے حضرت محمد صلعم کو رسول بناکر بھیجا جیساکہ تم نے بیان کیا ہے اور مومنین کا ولی بھی بناکر بھیجا تھا۔ تو خدا نے حضرت کے وجود سے اس امت پر احسان عظیم کیا یہان تک کہ حضرت کو اپنے یہان طلب فرمالیا۔ اس کے بعد تم لوگون نے حضرت کی خلافت کو طے کرنا چاہا تو اے ابوبکر اگر تم نے حضرت رسولخدا صلعم کی قرابت کے دعوے سے اس خلافت کو لیا ہے تو بنی ہاشم کا حق غصب کرلیا۔ اور اگر مسلمان ہونے کی جہت سے تم نے اس پر قبضہ کیا ہے تب بھی بنی ہاشم نہ تو تم سے کسی طرح کم ہین نہ تم لوگون مین اوسط درجہ کے ہین نہ دور ہین بلکہ تم سب سے مقدم اور افضل ہین اور اگر مسلمانون نے تم کو یہ خلافت دیدی ہے تو کیونکر تم نے اسے لیا حالانکہ تمام بنی ہاشم اس کو ناپسند کر رہے ہین اور تم کو باطل پر سمجھتے ہین تمھارے کلام مین کس قدر تناقض اور تخالف ہے کہ ایک دفعہ تو کہتے ہو کہ مسلمانون نے ہمکو انتخاب کرکے حکومت کا

تفصیل سے پہلے بیان کرچکا ہون لہٰذا تکرار کرنے کی کوئی ضرورت نہین ہے۔ اور پانچوان اعتراض یہ ہے کہ فاضل مخاطب نے یہ جو کہا کہ "قدرت رکھتے ہوئے امرِ حق کے لیے نزاع کا ترک کردینا عصمت کے منافی ہے" تو بیشک یہ صحیح ہے لیکن جنگ وجدال اور نیزے تلوار سے لڑائی کا تو وہ محل ہی نہین تھا کیونکہ اول تو اس مین مسلمانون کے ضررِ عظیم کا خوف تھا۔ دوسرے یہ کہ اکثر قریش جو مدینہ مین تھے وہ ابوبکر کے طرفدار بنا لیے گئے تھے اور اکثر انصار کو بھی رفتہ رفتہ ان لوگون نے اپنے ساتھ کرلیا تھا۔ لہٰذا حضرت علی کو ان لوگون سے نیزہ وتلوار کی جنگ کرنا ممکن کب تھا؟ چھٹا اعتراض یہ کہ فاضل مخاطب نے

(بقیہ صفحہ گذشتہ) والی بنالیا۔ اور پھر چند ہی جملون کے بعد کہتے ہو کہ "ہمیشہ مجھے ان لوگون کی خبرین پہونچتی ہین جو مسلمانون کی رائے سے مخالفت کرکے ہماری خلافت پر اعتراض کرتے ہین" تو بتاؤ جب مسلمان تمھاری خلافت پر اعتراض ہی کرتے ہین تو انھون نے تم کو انتخاب کرکے خلیفہ کیونکر بنالیا؟ رہا وہ حصہ جو مجھے اور میری اولاد کو تم خلافت مین دینے کا وعدہ کرتے ہو۔ بس اگر درحقیقت وہ تمھارا حق ہے اور اس سے ہمین دیتے ہو تو اپنے ہی پاس رکھو ہمین اس کی ضرورت نہین ہے۔ اور اگر وہ مومنین کا حق ہے تو تمھین اس مین حکم کرنے اور اسکے تقسیم کرنے کا اختیار کہان سے حاصل ہوگیا۔ اور اگر وہ حق ہم بنی ہاشم کا ہے تو ہم اس پر راضی نہین ہوسکتے کہ اس کا کچھ حصہ تو لین اور سب تم لوگون کے لیے چھوڑ دین۔ اور یہ جو مین کہہ رہا ہون تو اس سے مجھے یہ امید نہین ہے کہ تم بنی ہاشم کا حق چھوڑ ہی دوگے یہ اب کہان ہوتا ہے بلکہ مین صرف اپنی دلیل بیان کردیتا اور تم پر حجت قائم کیئے دے رہا ہون۔ اور یہ جو کہا کہ رسول اللہ صلعم ہم سے بھی ہین اور تم سے بھی تو بیشک وہ حضرت ایسے درخت سے ہین جس کی شاخین تو ہم اور جس کے (صرف) ہمسایہ تم لوگ ہو۔ پھر آپ حضرت عمر کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا اے عمر رہا تمھارا یہ قول کہ تمھین ہمارے مقابلہ مین لوگون کا خوف ہے تو یہ سب تم لوگون نے اسی کا سامان مہیا کیا ہے اور خدا ہی مددگار ہے۔" علامہ ابن ابی الحدید کی اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عباس کی خلافت کا خیال نہ مسلمانون کو کبھی پیدا ہوا اور نہ خود جناب موصوف کو بلکہ حضرت ابوبکر وعمر وغیرہما ہی نے یہ تدبیر کی کہ اس طرح سوتے کو لالچ دلاکر حضرت علی کے خلاف کردین گے تاکہ ان لوگون کے آپس ہی مین خانہ جنگی شروع ہوجائے اور جب ہم لوگون کا تسلط قائم ہوجائیگا تو پھر اپنے وعدے کو مٹا دینا تو آسان کام ہے۔ دوسری روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عباس صرف حضرت علی ہی کو خلیفہ بلافصل جناب رسالتمآب صلعم سمجھتے تھے اور کسی وقت مین بھی انھین یا کسی کو آپ کی خلافت کا خیال نہین ہوا چنانچہ علامہ ابن قتیبہ دینوری نے اپنی کتاب الامامۃ والسیاسۃ مین لکھا ہے کہ جب جناب رسالتمآب صلعم کا انتقال ہوگیا تو عباس نے حضرت علی سے کہا ہاتھ بڑھاؤ کہ مین تم سے بیعت کرون تاکہ سب جان لین کہ رسولِ خدا صلعم کے چچا نے

یہ جو کہا کہ "ایسے وقت مین نزاع کو ترک کرنا گناہ کبیرہ ہے جو صفت عصمت کو زائل کر دیتا ہے" تو یہ بھی اس تحقیق کے خلاف ہے جس کو ہم نے پہلے تفصیل سے ذکر کر دیا ہے کہ کبھی اتفاقاً کسی معصیت کا ہو جانا ملکہ عصمت کے خلاف نہین ہے تو اسے خوب غور کرو اور یاد رکھو۔ یہ تو عام جواب ہے رہا حضرت علیؑ کے متعلق تو وہ جنگ کرنے پر قادر نہ تھے جس سے یہ کہا جائے کہ انھون نے نزاع نہ کرنے کی وجہ سے خلاف عصمت کیا؟ ساتوان اعتراض یہ ہے کہ فاضل مخاطب نے یہ جو کہا کہ "تمھارا یہ دعویٰ اور بیان ہے کہ حضرت علیؑ ابوبکر سے زیادہ شجاع اور امر دین کی پابندی مین اُن سے زیادہ سخت تھے اور ان کا خاندان بھی ان سے بڑا تھا اور ان کے مددگار بھی زیادہ تھے اور نسب کے اعتبار سے شرف اور حسب کے اعتبار سے اکمل بھی تھے الخ" تو بیشک صحیح ہے مگر موصوف نے اس سے جو نتیجہ نکالا غلط ہے کیونکہ حضرت علیؑ کے حضرت ابوبکر سے اپنی ذات کے اعتبار سے زیادہ شجاع ہونے کا یہ مطلب کہان ہے کہ حضرت علیؑ تمام عرب کے مجموعہ سے بھی زیادہ شجاع تھے یا تمام لوگون کی اتفاقی قوت سے بھی حضرت کی تنہا ذات کی قوت زیادہ تھی۔ اگر آپ اسی طرح مطلب سمجھین گے تو پھر لازم آئے گا کہ حضرت رسالتمآب صلعم کی عصمت زائل ہونے کا بھی اعتقاد کیجیے کیونکہ حضرت نے مکہ معظمہ مین لوگون سے جنگ نہین کی حالانکہ تمام کفار حضرت کے دشمن ہو رہے تھے۔ پھر غزوہ حدیبیہ مین بھی کفار سے دب کر صلح کر لی حالانکہ آپ کے ساتھ بہت سے لوگ اور صحابہ کی بڑی جماعت موجود تھی جیسے حضرت علیؑ وغیرہ اور حضرت کے بڑے شجاع صحابی ابوبکر اور نہایت دلیر صحابی عمر اور ایسے ہی دوسرے نامور بہادران زمانہ۔ باوجود اس کے آنحضرت صلعم نے کفار سے جنگ نہین کی تو کیا اسے آپ گناہ کبیرہ کہین گے۔ اور اس سے آنحضرت صلعم کو صفت عصمت سے محروم کر کے گنہگار اور غیر معصوم قرار دے لین گے؟ اگر ایسا ہی ہے تو جو جواب آپ حضرت رسولخدا صلعم کی عصمت کی طرف سے دینگے وہی ہم حضرت علیؑ کی طرف سے دین گے۔ کیونکہ بالکل یہی حالت حضرت علیؑ کی بھی تھی کہ جب آپ نے اکثر مسلمانون کو ابوبکر و عمر کی طرف پایا تو جہاد کرنا بیکار سمجھے اور اپنی جگہ خاموش ہو رہے بلکہ حضرت علیؑ کا ان ظاہری اسلام رکھنے والون سے جنگ نہ کرنا حضرت رسولخدا صلعم کے جنگ نہ کرنے سے زیادہ قرین ثواب اور حق بجانب معلوم ہوتا ہے جیسا کہ پوشیدہ نہین ہے۔ اسی طرح حضرت علیؑ کے خاندان بنی ہاشم کو ہم یہ کہتے ہین کہ خاندان بنی تیم سے بڑا تھا نہ یہ کہ خاندان بنی ہاشم ان تمام خاندانون کے مجموعہ سے بھی بڑا تھا جو حضرت علیؑ کی عداوت اور دنیا کی طمع مین ابوبکر کی طرف ہو گئے تھے۔ یہان تک کہ روایت کی گئی ہے کہ قریش کو جو عداوت

حضرت علیؑ سے بھی اسی وجہ سے جنگ صفین میں قریش سے حضرت کے ساتھ صرف پانچ شخص تھے محمد بن ابی بکر جو حضرت ہی کی گود میں پلے تھے اور جعدہ بن ہبیرۃ المخزومی جو آپ کے بھانجے تھے اور ابو الربیع جو بیٹا تھا ابو العاص بن ربیعہ کا (اس ابو العاص کو لوگ حضرت رسالتمآب کا داماد کہتے ہیں) اور محمد بن ابی حذیفہ بن عتبہ جو بھانجا تھا معویہ کا اور ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص جو بھتیجا تھا سعد بن ابی وقاص کا۔ برخلاف اس کے انھیں قریش کے تیرہ قبیلے اپنے تمام اہل وعیال کے ساتھ معویہ کے ہمراہ تھے۔ اسی وجہ سے تو حضرت امیر المومنین علیہ السلام اپنے ایک خطبہ میں قریش کی شکایت اور فریاد کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔ اللھم انی استعدیک علی قریش فانھم قد قطعوا رحمی واکفاوا انائی واجمعوا علی منازعتی حقا کنت اولی بہ من غیری وقالوا الا ان فی الحق ان تاخذہ وفی الحق ان تمنعہ فاصبر مغموما ومت متاسفا فنظرت فاذا لیس لی رافد ولا ذاب ولا مساعد الا اھل بیتی فضننت بھم عن المنیۃ فاغضیت علی القذی وجرعت ریقی علی الشجی وصبرت من کظم الغیظ علی امر من العلقم والم للقلب من حز الشفار[۱] یعنی اے پروردگار میں تجھ سے اس جماعت قریش کی فریاد و استغاثہ کرتا ہوں اور تجھ ہی سے مدد چاہتا اور اس کا انتقام طلب کرتا ہوں کیونکہ انھوں نے میرے رشتہ و قرابت کا بالکل لحاظ نہ کرکے قطع رحم کیا اور میرے ظرف کو الٹ دیا اور اس حق پر مجھ سے نزاع کرنے کے لیے سب متفق اور آمادہ ہوگئے جس کا میں اپنے غیر سے کہیں زیادہ مستحق اور اولیٰ ہوں اور انھوں نے میرا جواب دیا کہ اے علیؑ اگر تم اسے حاصل کرو جب بھی حق ہے اور اگر اس سے محروم رہو جب بھی حق ہے تو اب غم و غصہ کھاتے ہوئے صبر کرو یا حزن و اندوہ اور افسوس و حسرت میں مرجاؤ۔ تو اے پروردگار میں نے اس معاملہ میں غور و فکر کی تو اس نتیجہ پر پہونچا کہ میرا کوئی معین و مددگار اور دشمن کو مجھ سے دفع کرنے والا اور میرا ساتھ دینے والا سوا میرے اہلبیت کے نہیں ہے۔ مگر میں نے موت کے خوف سے ان کے بارے میں بخل کیا (یعنی ان کو لیکر اس خوف سے نہیں لڑا کہ یہ . . . . ہلاک ہوجائیں گے) لہذا میں نے خس و خاشاک سے بھری ہوئی آنکھ کو بار بار کھولا اور بند کیا اور ہڈی پھنسی ہوئی حلق میں بار بار اپنے منھ کی رطوبت کو فرو کرنے کی کوشش کی اور خشم و غضب کو فرو کرنے کے لیے ایسی حالت میں صبر کیا جو درخت علقم (ایلوے) سے بھی زیادہ تلخ اور تیز تلواروں کی

---

[۱] نہج البلاغہ مطبوعہ بیروت جلد اول صفحہ ۲۴۸ ملاحظہ ہو ۱۲

دغا رہے بھی زیادہ دل کو الم اور اذیت پہونچانے والی ہے حضرت کا خطبہ تمام ہوا۔ اور فاضل مخاطب نے یہ جو کہا ہے کہ "یہ (شیعہ) حضرت علی کی خلافت پر جس نص کا دعویٰ کرتے ہیں وہ سب لوگوں کے دیکھنے اور سننے میں ہوئی تھی اور انصار بھی ضرور اس پر مطلع ہوئے ہوں گے"۔ تو بیشک شیعہ یہ کہتے ہیں لیکن وہ یہ نہیں کہتے کہ حضرت ابوبکر و عمر وغیرہ اس امر پر قادر بھی نہیں ہو سکے کہ حضرت علی کی خلافت پر جو نص ہوئی تھی اسے لوگوں پر مشتبہ کر دیں غرض ان حضرات نے مہاجرین و انصار کو مغالطہ دے کر (ان اسباب کی وجہ سے جن کی طرف کچھ اشارہ بھی ہو چکا ہے) ابوبکر کی بیعت کرالی (مثلاً یہی کہ علی تو حضرت رسولخدا صلعم کی جدائی کے غم میں اب دنیا سے کنارہ کش ہو گئے اور تم لوگوں کی کوئی فکر ان کو نہیں ہے اور اسلام پر جو مصیبت واقع ہو گی اس کی پروا بھی وہ نہیں کریں گے)۔ اور یہ جو کہا کہ "انصار تو ابوبکر کو حضرت علی پر ترجیح نہیں دیتے تھے" تو اس عبارت میں اس امر کی واضح دلیل موجود ہے کہ جب انصار حضرت ابوبکر کو کسی طرح بھی حضرت علیؑ پر ترجیح نہیں دیتے تھے تو محض جناب امیرؑ کی عداوت اور دشمنی سے انھوں نے ابوبکر کو خلیفہ بنا دیا ورنہ اس کے سوا اور کوئی وجہ معلوم ہی نہیں ہوتی۔ اور یہ جو کہا کہ "انصار ہی مسلمانوں کے غالب لشکر تھے" تو اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور اگر آپ کی خاطر سے اسے تسلیم بھی کر لیں تو جناب رسالتمآب صلعم کو معلوم تھا کہ حضرت کے انتقال کے بعد ان انصار کی کیا حالت ہو جائے گی اور کس طرح یہ لوگ آپس میں ہی ایک دوسرے کے خلاف رہیں گے۔ اور ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑ دیں گے چہ جائیکہ حضرت علی کا ساتھ چھوڑنا جو زیادہ تعجب خیز نہیں ہے۔ اور آٹھواں اعتراض یہ ہے کہ فاضل مخاطب نے یہ جو کہا ہے کہ "حضرت عباس اور زبیر ایسے بہادر حضرت علی کی طرف تھے" تو ظاہر ہے کہ صرف ان دو فردوں یا ایسے ہی دوسرے چند فردوں کا مقابلہ جمہور قریش کے زور کو توڑنے کے لیے کافی نہیں ہو سکتا تھا۔ رہا ابوسفیان تو اس کے اسلام کا بھی کسی کو یقین ہے؟ تو اس کے اس اس قول سے کہ "اے بنی ہاشم کیا تم اس پر راضی ہو گئے کہ قبیلہ بنی تیم والے تم پر حکومت کریں اگر کہو تو خدا کی قسم تمھاری حمایت میں اس وادی کو میں سواروں اور پیادوں سے بھر دوں" اس کی غرض صرف یہ تھی کہ اسلام میں ایک فتنہ اور فساد قائم کر دے اور مسلمانوں کی ابتدا ہی میں ان میں خون ریزی پھیلا دے ورنہ در حقیقت اس کو حضرت علیؑ سے کیا محبت اور کون سی ہمدردی تھی جس سے وہ آپ کی مدد پر آمادہ ہوتا اور اس کلام کو سچے دل سے کہتا۔ اور چونکہ حضرت علی علیہ السلام ابوسفیان کی واقعی حالت اور اس کے کلام کے مقصود اور غرض کو اچھی طرح سمجھتے تھے لہٰذا ادھر متوجہ ہی

نہیں ہوئے اور اس کو ایسا جواب دیا جس کا حاصل یہ تھا کہ تم اہل نفاق سے ہو تمہارے کلام کی طرف توجہ ہی نہیں کرنی چاہیئے۔ اور یہی تو وجہ تھی کہ جب حضرت ابوبکر و عمر نے ابوسفیان کا وہ کلام سُنا جو اس نے حضرت علیؑ کے بارے میں اور خلافت کو ان کے لیے حاصل کرنے کے ارادے سے کہا تھا تو اسے اپنے سے ملا لیا اور اس کی اچھی طرح تالیف قلب کر دی یعنی اس کے بیٹے یزید کو ملک شام کا حاکم بنا دیا جس پر ابوسفیان خاموش ہو کر ان لوگوں کا طرفدار بلکہ مددگار بن گیا۔ علاوہ بریں حضرت علیؑ کی حمایت اور ان کی خلافت کی تائید میں عباس عم رسولخدا صلعم اور زبیر اور ابوسفیان نے جو باتیں کہیں وہ اس وقت ہوئیں جب جمہور قریش یعنی مہاجرین اور انصار حضرت ابوبکر کی خلافت پر دفعۃً اتفاق کر چکے تھے [1] اور اب ان لوگوں سے جنگ کرنے میں سوا فساد اور مسلمانوں کی خون ریزی کے کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ نواں اعتراض یہ ہے کہ فاضل مخاطب نے یہ جو کہا کہ "شیعوں کے خیال میں ابوبکر ایک کمزور نامرد بوڑھے شخص تھے جنکے پاس نہ مال تھا" الخ تو یہ بات صحیح اور مسلم ہے اور حضرات اہلسنت بھی اس میں شیعوں کے متفق ہیں کیونکہ موصوف کے ذاتی حیثیت سے کمزور اور پست مرتبہ اور خاندانی و نسبی حیثیت سے بھی۔۔۔۔ ہونے میں کوئی شبہہ ہی نہیں ہو سکتا اس کا اقرار تو خود موصوف کے پدر بزرگوار ابوقحافہ صاحب نے بھی کیا ہے اور قریش نے جو ابوبکر کی خلافت پر اجماع کر لیا اس سے نہایت درجہ متحیر ہوئے

---

[1] حضرت ابوبکر کی خلافت پر دفعۃً اور اچانک طور پر اتفاق ہو جانا مشہور اور مسلم امر ہے چنانچہ صحیح بخاری صفحہ ۱۰۰۹ اور صواعق محرقہ صفحہ ۷ وغیرہ میں ہے ان عمر رضی اللہ عنہ خطب الناس مرجعہ من الحج فقال فی خطبتہ انہ بلغنی ان قائلا منکم یقول واللہ لو قد مات عمر بایعت فلانا فلا یغترن امرء ان یقول انما کانت بیعۃ ابی بکر فلتۃ و تمت الا وانہا کانت کذلک ولکن اللہ وقی شرہا یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے حج کی واپسی کے وقت لوگوں کو خطبہ دیا جس میں کہا' مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص کہتا ہے کہ خدا کی قسم اگر عمر مر جائیں گے تو ہم فلاں کی بیعت کر لیں گے۔ تو کسی شخص کو اس امر دھوکے میں نہ رکھے کہ وہ کہے ابوبکر کی بیعت تو اچانک ہو گئی اور پوری اتری۔ سُن رکھو بیشک وہ ایسی ہی تھی مگر اللہ نے اسکے شر سے بچا لیا تھا۔ اس خطبہ میں خود حضرت عمر اقرار کرتے ہیں کہ اللہ نے اس بیعت کے شر سے بچا لیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر کی جو بیعت ہوئی تھی اسمیں شر و فساد موجود تھا گو خدا کے بچا لینے کی وجہ سے مسلمانوں پر اس شر و فساد کا کوئی اثر نہیں ہوا اگر انسان غور کرے تو صرف اسی خطبہ حضرت ابوبکر میں اتنے وجوہ موجود ہیں جن سے حضرات خلفائے ثلثہ کی خلافت کی م

چنانچہ علامہ ابن حجر مکی اپنی کتاب صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں کہ "ابو قحافہ نے جب سُنا کہ ان کے صاحبزادے ابوبکر مسلمانوں کے خلیفہ اور بادشاہ بنائے گئے ہیں تو کہا علی رضی بذلک بنو عبد مناف و بنو المغیرۃ قالوا نعم قال لا واضع لما رفعت ولا رافع لما وضعت[1] یعنی کہا کیا ابوبکر کی خلافت پر خاندان بنو عبد مناف اور بنو المغیرۃ راضی ہو گئے ہیں تو لوگوں نے جواب دیا ہاں۔ اس وقت ابو قحافہ خدا کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا اے خدا جس کو تو بلند کرے اسے کوئی پست نہیں کرسکتا۔ اور جسے تو پست کرے اسے کوئی بلند نہیں کرسکتا[2] اور معاملہ خلافت میں حضرت ابوبکر

---

[1] یہ مضمون تاریخ الخلفاء جلال الدین سیوطی میں بھی ہے ۱۲

[2] احقاق الحق مطبوعہ ایران صفحہ ۱۳۶ میں اس عبارت کے مقابل حاشیہ پر بھی ایک عبارت لکھی ہے اس کا ترجمہ اس میں اضافہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں کہ "روایت کی گئی ہے کہ جس وقت جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے انتقال فرمایا اور مدینہ منورہ میں حضرت عمر کی جد و جہد سے حضرت ابوبکر کی خلافت تسلیم کرلی گئی اس وقت حضرت ابوبکر کے پدر بزرگوار ابو قحافہ مدینہ منورہ میں تشریف نہیں رکھتے تھے بلکہ آپ کا قیام شہر طائف میں تھا۔ تو حضرت ابوبکر نے ایک فرمان اپنے والد ماجد کے نام لکھکر روانہ کیا، جس کا عنوان یہ تھا کہ یہ خط یا فرمان ہے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ابوبکر کی جانب سے ابو قحافہ کے نام۔ اے ابو قحافہ بعد حمد و نعت واضح ہو کہ لوگوں نے اپنی بادشاہت کے لیے مجھے پسند کرلیا ہے تو میں آج خدا کا خلیفہ ہوں۔ پس اگر تم میرے ہی پاس چلے آؤ تو تمھارے حق میں یہ بہتر ہوگا۔ جب یہ خط یا مکتوب ابو قحافہ صاحب کے پاس پہونچا تو قاصد سے (جو حضرت ابوبکر کا خط ان کے پاس لے گیا تھا) تعجب اور نہایت حیرت سے دریافت کیا کہ لوگوں نے حضرت علیؑ کو کیوں چھوڑ دیا اور ابوبکر کی بیعت کیوں کرلی؟ اس کا کوئی تو سبب ہوگا۔ قاصد نے جواب دیا کہ حضرت علیؑ ابھی کم سن ہیں اور رسول خدا صلعم کے ساتھ جہادوں میں انھوں نے قریش وغیرہ قبیلوں کے بہت سے لوگوں کو قتل بھی کیا ہے اور حضرت ابوبکر کا سن زیادہ ہے وہ عمر میں بڑے اور بوڑھے ہیں۔ تو ابو قحافہ نے کہا اگر یہی وجہ ہے تو ابوبکر سے بھی بڑا میں ہوں مجھے خلیفہ ہونا چاہیے یہ سب کچھ بھی نہیں ہے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے حضرت علیؑ پر ظلم کیا اور ان کا حق غصب کرلیا۔ کیونکہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنی زندگی ہی میں حضرت کی خلافت پر لوگوں سے بیعت کرا دی تھی اور ہم لوگوں کو آپ کی بیعت پر قائم رہنے کا حکم دیا تھا۔ پھر اپنے فرزند ابوبکر کو جواب لکھا کہ یہ خط ہے ابو قحافہ کا ابوبکر کی جانب۔ اے نور چشم تمھارا خط مجھے ملا مگر میں تو اس کے لکھنے والے کو احمق ہی سمجھتا ہوں

صرف اس وجہ سے کامیاب ہو گئے کہ جمہور قریش نے حضرت علی کی عداوت سے ابوبکر کی اعانت پر اتفاق کر لیا تھا جیسا کہ کئی مرتبہ پہلے ذکر کیا گیا۔ رہا یہ امر کہ ان لوگوں نے حضرت ابوبکر ایسے کمزور اور معمولی اور بوڑھے شخص کو اپنا خلیفہ کیوں بنا لیا تو اس لیے کہ وہ لوگوں پر اس کی اصلی وجہ یعنے حضرت علی کی عداوت اور دوسرے اغراض فاسدہ کو ظاہر نہ ہونے دیں کیونکہ ابوبکر کے خلیفہ بنا لیئے جانے سے اب سب کو یہ کہنے کا موقع ملگیا کہ اگر قریش کی غرض صرف یہ ہوتی کہ حضرت علی کو اوس حق سے محروم کر دیں تو وہ کسی معزز اور شریف شخص کو خلیفہ بناتے یا آپس میں امر، کو تقسیم کر لیتے اور چونکہ ایسا نہیں ہوا لہذا ثابت ہوا کہ ان لوگوں نے حضرت علیؑ کی عداوت سے ایسا نہیں کیا۔ چنانچہ اس مضمون کی حقیقت اور اس معمہ کا حل اس روایت سے واضح ہو جائے گا جو مشکوۃ وغیرہ کتابوں میں بکثرت موجود ہے کہ جناب رسالتمآب صلعم نے اپنے صحابہ سے خطاب کر کے ارشاد فرمایا

وان تامروا علیا ولا اراکم فاعلین تجدوہ ھادیا مھدیا یاخذ بکم الطریق المستقیم۔

یعنی اگر تم لوگ حضرت علیؑ ہی کو اپنا خلیفہ بنائے رہو گے تو انھیں ہدایت کرنے والا اور سیدھی راہ پر قائم رہنے والا پاؤ گے اور وہ تم کو صراط مستقیم پر ہی لے چلیں گے لیکن مجھے (علم نبوت سے) معلوم ہے کہ تم لوگ ایسا کرو گے نہیں۔ اور اس سے بھی واضح تر وہ مضمون ہے جس کو ابن حجر مکی نے اپنی کتاب صواعق محرقہ میں لکھا ہے کہ وصح ان العباس شکی الی رسول اللہ صلعم ما یلقون من قریش من تعبیسہم وجوہہم وقطعہم حدیثہم عند لقائہم فغضب غضبا شدیدا حتی احمر وجہہ ودر عرق بین عینیہ وقال والذی نفسی بیدہ لا یدخل قلب رجل الایمان حتی یحبکم للہ ولرسولہ۔ یعنی صحیح روایت میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ حضرت عباس خدمت رسول اللہ صلعم میں حاضر ہوئے اور آنحضرتؐ سے قریش کے اس برتاؤ کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کیونکہ اس کا ایک مضمون دوسرے کے خلاف ہے کبھی تو تم اپنے کو کہتے ہو کہ میں رسول اللہ صلعم کا خلیفہ ہوں اور کبھی کہتے ہو کہ میں آج خدا کا خلیفہ ہوں اور کبھی کہتے ہو کہ لوگوں نے اپنی بادشاہت کے لیے مجھے پسند کر لیا ہے (گویا تم لوگوں کے خلیفہ ہو) تو خود تمھیں کو نہیں معلوم ہے کہ تم کیا ہو اور یہ امر تم پر بھی مشتبہ ہے۔ پس بھلا ایسے امر میں نہ داخل ہو جس سے نکلنا تمھارے لیے بیمار ہو جائے اور آخر میں تمھیں اس پر افسوس و ندامت کرنی پڑے اور تمھارا نفس امارہ تمھیں بروز قیامت ذلیل اور رسوا کرے کیونکہ لوگوں کیلیے داخل ہونے کی راہیں ہوتی ہیں تو وہاں ان مقامات سے نکلنے کی راہیں بھی ہوتی ہیں (برخلاف تمھارے کہ اس کام میں تم داخل تو ہو گئے مگر اس سے نکلنے کی راہیں تمھارے لیے

شکایت کی جو بنی ہاشم کے ساتھ وہ کرتے ہیں کہ جب ان سے ملتے ہیں تو ان کے چہرے ترش رو ہو جاتے ہیں اور وہ اپنی باتیں (جو کرتے رہتے ہیں) روک دیتے ہیں (تاکہ بنی ہاشم سن نہ لیں) یہ سنتے ہی آنحضرت صلعم کا چہرہ غصہ اور غضب سے سرخ ہو گیا۔ اور آپ کی پیشانی پر عرق آ گیا اور اسی حالت شدت غضب میں حضرت نے فرمایا اس پروردگار عالم کی قسم ہے جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ کسی شخص کے دل میں ایمان نہ داخل ہو گا جب تک وہ تم لوگوں کو خدا اور رسول کی خوشنودی کے لیے دوست نہ رکھے گا [۱] اور اس مضمون کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کو انھیں علامہ ابن حجر نے صواعق محرقہ میں دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ان اهل بيتي سيلقون بعدي من امتي قتلا و تشريدا و تشديدا و ان اشد اقوامنا لنا بغضا بنو امية وبنو المغيرة و بنو المخزوم. یعنی یقیناً میرے اہلبیت کو میرے بعد میری امت قتل کرے گی۔ جلا وطن کرے گی اور ان پر بڑے بڑے ظلم کرے گی اور تمام لوگوں سے زیادہ بنی امیہ اور بنو المغیرہ اور بنو مخزوم کو ہماری عداوت اور ہم سے بغض ہے۔ اس روایت کو امام فن حدیث حاکم نے بھی صحیح کہا ہے اور دوسری جگہ سلفی نے طیوریات میں نقل کیا ہے عن عبد الله بن احمد بن حنبل قال سئلت عن ابي عن علي و معوية فقال اعلم ان عليا كان كثير الاعداء ففتش له اعداؤه شيئا فلم يجدوا فجاؤا الى رجل قد حاربه و قاتله فاطروه كيادا منهم له یعنی عبد اللہ بن احمد بن حنبل سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ احمد بن حنبل سے دریافت کیا کہ معویہ اور حضرت علیؑ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ تو انھوں نے کہا بیٹا بات یہ ہے کہ

---

[۱] علامہ جلال الدین سیوطی کی تفسیر در منثور جلد ۶ صفحہ ۷ میں قل لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة في القربى کی تفسیر میں بھی اس مضمون کی متعدد حدیثیں ہیں جن سے ایک یہ روایت بھی قابل عبرت ہے اخرج الخطيب من طريق ابي الضحى عن مسروق عن عائشة قالت اتى العباس بن عبد المطلب رسول الله صلعم فقال يا رسول الله انا لنعرف الضغائن في اناس من قومنا من وقائع اوقعنا ها فقال اما والله انهم لن يبلغوا خيرا حتى يحبوكم لقرابتي. یعنی خطیب نے ابو الضحی سے اور اس نے مسروق سے اخراج کیا ہے اور اس نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا عباس بن عبد المطلب حضرت رسول خدا کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ ہم ان لوگوں (قریش) میں ان کینوں اور بغض و عداوت کو پاتے ہیں جو ہماری طرف سے ان کے دلوں میں بھرا ہے ان جہادوں کی وجہ سے جو آپ کے ساتھ ہم نے کیے ہیں۔ تو حضرت نے فرمایا خدا کی قسم ان کو کوئی خیر نہیں

حضرت علیؑ کے دشمن بہت کثرت سے تھے تو ان دشمنوں نے حضرت کے عیب کو ڈھونڈھنا شروع کیا
مگر حضرت میں کوئی عیب تھا ہی نہیں ملتا کیا۔ جب وہ اس سے مایوس ہوئے تو ایسے شخص کی طرف متوجہ
ہوئے جو حضرت کا دشمن تھا اور آپ سے جنگ و قتال کیا تھا تو اس کی مدح و ثنا مین مبالغہ کرنے لگے
تاکہ اس طرح حضرت سے اپنا انتقام لین۔ انتہے۔ اور اس روایت سے ہمارے دعوے کی تائید اسطرح
ہوتی ہے کہ حضرت علی علیہ السّلام کے زمانہ مین آپ کے دشمن یہود و نصارے تو تھے نہین کیونکہ وہ تو خود
اسلام اور تمام مسلمانون ہی کے دشمن تھے حضرت علیؑ سے کیا خصوصیت تھی۔ اور نہ حضرت کے دشمن
انصار۔ اور دیہاتون کے رہنے والے بدو عرب تھے بلکہ وہی قریش کے قبائل تھے جو پہلے جناب
رسالتمآب صلعم سے خوب مخالفت کرتے رہے اور جب حضرت علیؑ کی تلوار سے جناب رسالتمآب صلعم کی زندگی
مین زیر ہوگئے تو آنحضرتؐ کے انتقال کے بعد اسی کینہ و بغض کے اثر سے حضرت علیؑ کی عداوت پر بھی
آمادہ ہوگئے لہ اور ان تمام امور کی توضیح ان مضامین سے ہوتی ہے جو خطبہ طالوتیہ مین حضرت امیر المؤمنین

لہ اس مقام پر کتاب احقاق الحق صفحہ ۳۶ مین یہ فارسی حاشیہ بھی ہے۔ وقال بعض قدماء اصحابنا فی بعض
رسائلہ مخفی نماند کہ یوسف صدیق علیہ السلام ہنوز طفل بود و پیشتر ازین خوابے دیدہ بود کہ تعبیرش بزرگی و پادشاہی
می نمود و پدرش یعقوب علیہ السّلام کہ پیغمبر و پیغمبرزادہ بود و ہنوز زندہ بود و ہمہ برادران او کہ بقول مخالف پیغمبر بودند معلوم
است کہ بسبب آن خواب از حسد با یوسف چہ کردند پس عرب کہ عادت ایشان دشمنی کردن و حسد بردن بود چہ عجب
باشد کہ با زندہ با امیر المومنین علیہ السّلام کہ ایشان را بہ کشتن قرابت نشان آزردہ باشند و بکارہائے بزرگ نام
و ذکر انداختہ بودند۔ دیگر بنی اسرائیل کہ خدائے تعالی ایشان را اصحاب موسیٰؑ خواند و از وے چندان آیات و معجزات
دیدند و بسبب وے از فرعون و فرعونیان برستند و پادشاہی و مملکت مصر یافتند وانچہ بدین ماند۔ با این ہمہ چون موسیٰؑ
را از وے غائب دیدند و ہنوز زندہ بود و ہارون را در میان بگذاشتہ بود۔ بیشتر از ایشان بعبادت گوسالہ کہ از وے
ہیچ منفعتے نمی دیدند مشغول شدند و بگفتن ہارون علیہ السلام التفاتے نمی کردند و نزدیک بود کہ وے را بکشند۔ پس
جماعتے کہ بنوی در اسلام در آمدہ بودند چہ پیغمبر خویش را از دنیا رفتہ یافتند و استغنامے یافتند کہ در آن حرمت یابند و
جمع مال کنند چہ عجب کہ نساختند با کسے کہ ہر یک از ایشان را بقدر کردار ایشان حرمت دارد و چیزے بقدر ایمان
بخشد و نصیب چندان دہد کہ در شریعت باشد انتہے منہ۔ یعنی ہمارے مذہب کے بعض علمائے متقدمین نے اپنے
بعض رسائل مین فرمایا ہے کہ پوشیدہ نہین رہنا چاہیئے کہ حضرت یوسف صدیق علیہ السّلام ابھی بچے ہی تھے
کہ اس سے قبل انھون نے ایک خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر یہ تھی کہ انھین بڑی عزت و بزرگی و بادشاہی اہل

سے روایت کیے گئے ہیں جس میں حضرت حمد و صلوٰۃ کے بعد ان لوگوں سے جو وہاں موجود تھے اور جن میں حضرت کے شیعہ بھی تھے اور منافقین و مخالفین بھی تھے اور جو موجود نہیں تھے خطاب کرکے ارشاد فرماتے ہیں کہ ایتھا الامۃ التی خدعت فانخدعت واتبعت ھواھا وضربت فی عشواء غوایتھا وقد استبان لھا الحق فصدعت عنہ والطریق الواضح فتنکبتہ اما والذی فلق الحبۃ وبرء النسمۃ لو اقتبستم العلم من معدنہ وشربتم الماء و منبعہ واخذتم الطریق من واضحہ وسلکتم من الحق نہجہ لنہجت بکم السبیل وبدت لکم الاعلام واضاء لکم فاکلتم رغدا وما عال فیکم عائل ولا ظلم منکم مسلم ولا معاھد ولکن سلکتم سبیل الظلام فاظلمت علیکم دنیاکم برحبہا وسدت علیکم ابواب العلم فقلتم باھوائکم واختلفتم فی دینکم فافتیتم فی دین اللہ بغیر علم واتبعتم الغواۃ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ہوگی اور آپ کے والد ماجد حضرت یعقوب علیہ السّلام جو خود بھی پیغمبر تھے اور پیغمبر حضرت اسحاق ؑ کے صاحبزادے بھی تھے ابھی زندہ تھے اور حضرت یوسف کے کل بھائی جو حضرات اہلسنت کے اعتقاد میں پیغمبر تھے معلوم ہے کہ ان لوگوں نے اس خواب کی وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ کیا کیا۔ پھر عرب قوم جن کی عادت دشمنی کرنا اور حسد رکھنا ہے ان سے کیا تعجب ہو سکتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ وہ کریں جو برادران یوسف ؑ نے حضرت یوسف کے ساتھ کیا حالانکہ حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام نے ان عربوں کے بزرگوں کو ہلاک کیا تھا اور اسلام کی بے مثل و نظیر خدمات انجام دیکر بڑے مرتبہ پر فائز ہوگئے تھے دوسرا امر یہ ہے کہ بنی اسرائیل جن کو خدا نے اصحاب موسیٰ کہا ہے اور جنھوں نے حضرت موسیٰ سے بہت سے معجزات و آیات مشاہدہ کیے تھے اور حضرت ہی کی وجہ سے انہیں فرعون اور اس کی امت والوں سے نجات ملی تھی اور ملک مصر کی حکومت و بادشاہت پر فائز ہوئے تھے اور اسی طرح بہت سے منافع انہیں حضرت موسیٰ سے حاصل ہوئے تھے۔ باوجود ان تمام احسانات و انعامات کے صرف یہ دیکھکر کہ حضرت موسیٰ ان سے چند دنوں کے لیے غائب ہوگئے ہیں حالانکہ حضرت موسیٰ زندہ تھے اور حضرت ہارون کو ان لوگوں کے درمیان اپنا قائم مقام کرگئے تھے ان کے اکثر لوگ گوسالہ پرستی میں مشغول ہوگئے جس سے کوئی نفع نہیں حاصل کیا تھا اور حضرت ہارون کے سمجھانے کی طرف متوجہ تک نہیں ہوئے بلکہ قریب تھا کہ انھیں مار ڈالیں۔ پھر وہ جماعت جو اسلام میں نئی داخل ہوئی ہو اور اپنے پیغمبر کو دنیا سے انتقال کرتے دیکھ رہی ہو اور ایسے لوگوں کو پاتی ہو جن میں اس کی بڑی عزت کیجاتی ہو اور خوب مال جمع کرلینے کا موقع ملتا ہو۔ اس سے کیا تعجب ہے کہ اس شخص کی موافقت نہ کرے جو ہر شخص کی اس کی حیثیت کے مطابق عزت کرے اور اسی کے مطابق مال بھی دے اور وہی حصہ عطا کرے جو شریعت میں مقرر ہے۔ ۱۲ مترجم

فاغویتکم وترکتم الائمة فترکوکم فاصبحتم تحکمون باھوائکم ورویدا انما قلیل تحصدون جمیع ما
زرعتم وتجدون وخیم ما اجترحتم وما اجتلبتم والذی فلق الحبة وبرء النسمة لقد علمتم انی
صاحبکم والذی به امرتم وانی عالمکم والذی بعلمه نجاتکم ووصی نبیکم وخیرة ربکم ولسان نورکم
والعالم بما یصلحکم فعن قلیل رویدا ینزل بکم ما وعدتم وما نزل بالامم قبلکم وسیسألکم الله
عزوجل عن ائمتکم معهم تحشرون والی الله عزوجل غدا تصیرون اما والله لو کان
لی عدة جالوت او عدة اهل بدر وهم اعداؤکم لضربتکم بالسیف حتی تؤلوا الی الحق وتنیبوا
للصدق فکان ارتق للفتق واخذ بالرفق اللهم فاحکم بیننا بالحق وانت احکم الحاکمین ثم خرج

وہ امت جو دھوکا دی گئی تو فریب میں آگئی اور اپنے نفس کی خواہشوں کی پیروی کرنے لگی اور اپنی ضلالت وجہالت کی تاریکی میں ٹھوکریں کھانے لگی حالانکہ تم پر امر حق اچھی طرح واضح تھا مگر تم سب نے اس سے منھ موڑ لیا اور کشادہ راستہ کھلا ہوا تھا لیکن تم لوگوں نے اس سے اعراض کیا۔ سنو قسم ہے اس ذات کی جس نے دانہ کو شگافتہ کیا اور روح کو پیدا کیا اگر تم جواہر علم کو ان کے اصلی مکان سے حاصل کرتے اور پانی کو اس تمام سے پیتے جہاں سے وہ پھوٹ کر نکلتا ہے اور اس مذہب کو اختیار کرتے جو صحیح ہے اور اس دین پر چلتے جو حق ہے تو تمھاری خوشنودی خدا تک پہونچنے کے راستے واضح رہتے اور تمھیں نشانہائے ہدایت نظر آتے رہتے جو تمھاری رہبری کرتے تو تم اطمینان سے کھاتے پیتے اور کوئی ظالم تمھارے حق میں کمی نہیں کرتا اور تم میں سے نہ کسی مسلمان پر ظلم ہوتا نہ کسی صاحب عہد و پیمان کافر پر لیکن تم نے گمراہی کی راہوں کو اختیار کیا تو ان راہوں نے تمھارے پورے دین کو برباد کر کے تمھیں گمراہ کر دیا اور تم پر علم و معرفت کے دروازے بند کر دیئے تو اب تم ہر بات اپنی خواہشوں ہی سے کہتے اور اپنے دین میں اختلاف کرتے ہو جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دین خدا میں تم بغیر علم کے فتوے دیتے ہو اور گمراہوں کی پیروی کرتے ہو تو وہ تمھیں بھی ضلالت میں مبتلا کرتے جاتے ہیں اور تم نے اپنے حقیقی اماموں کو ترک کر دیا تو وہ بھی تم سے مجبوراً الگ ہو گئے ہیں جس کا یہ اثر ہوا کہ تم اپنی خواہشوں کے مطابق حکم کرتے ہو۔ تو ٹھہرو اور صبر کرو بہت جلد مرنے کے بعد اس ظلم و ضلالت کی زراعت کے اس (عذاب) کو حاصل کرو گے جس کی تخم ریزی کی ہے اور جو بے عنوانیاں کی ہیں ان کا مزا چکھو گے اور جن کاموں کو خود غرضی سے کیا ہے ان کا پھل پاؤ گے۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے دانہ کو شگافتہ کیا اور روح کو پیدا کیا تمھیں اچھی طرح معلوم ہے کہ مجھ ہی کو خدا نے رسول خدا صلعم کا خلیفہ اور تمھارا امام بنایا ہے اور رسول خدا صلعم نے بھی تمھیں میری اطاعت کا حکم دیا ہے اور میں ہی تمھارا

عالم ہون اور مین ہی وہ ہون جس کے علم سے تمھین نجات حاصل ہوسکتی ہے اور مین ہی تمھارے رسول کا وصی اور تمھارے رب کا انتخاب کردہ اور تمھارے نور ہدایت کی زبان ناطق ہون جلد خدا تمھارے خلفاء کے بارے مین سوال کرے گا کہ ان کی پیروی کیا سمجھ کر کی تھی۔ انھین کے ساتھ تم محشور بھی ہوگے اور خدا کی درگاہ مین کل حاضر بھی ہوگے۔ سُن رکھو خدا کی قسم اگر میرے پاس جالوت ایسا لشکر ہوتا یا غزوۂ بدر مین جس قدر مسلمان تھے اتنے بھی ساتھی مجھے مل جاتے جو تمھارے قریب مین مبتلا نہ ہوتے تو مین تمھین تلوار کی وہ مار مارتا جس سے تم راہ راست کی طرف لوٹ آتے اور امر حق و صدق کو سمجھ لیتے اور اس سے اس فتنہ کی اصلاح بہترین صورت سے ہوجاتی اور رفق زیادہ حاصل ہوتا (اگر قلت اصحاب کی وجہ سے مجبور ہون) تو اے خدا تو ہی ہمارے درمیان فیصلہ فرما کہ تو بہترین فیصلہ کنندہ ہے۔ اور ایک شاعر نے بھی اسی مضمون مین ایک شعر کیا ہی خوب نظم کیا ہے کہتا ہے شعر ؎

لو سلموا لولاة الامر امرهم ۔ ما سل بينهم فی الارض سيفان۔ یعنی اگر مسلمانون نے اُن اولی الامر کے حوالے اپنے امر حکومت وخلافت کو کردیا ہوتا جنھین خدا نے مسلمانون کی ہدایت کے لیے خود معین کیا تھا تو ان لوگون کے درمیان زمین مین دو تلوارین بھی (جنگ کے لیے) نہ کھنچتین۔ اور فاضل مخاطب کے جواب مین دسوین خرابی یہ ہے کہ انھون نے یہ جو کہا ہے کہ "صحابہ رسول خدا صلعم کے درمیان کوئی غرض سلطنت اور حکومت وسرداری کے لیے نہین تھی" تو اس مین غرض اور تعصب اور مرض کے جو آثار ہین وہ مخفی نہین رہ سکتے۔ اور اُن حضرات کی غرض سلطنت و حکومت و طمع ریاست و دولت کیونکر پوشیدہ رہ سکتی ہے حالانکہ ہم نے پہلے بیان کردیا ہے کہ ان لوگون نے اسی غرض سے خلافت کا مسئلہ طے کرنے مین کس قدر تعجیل کی اور کیسے کیسے حیلہ و تدبیر کو استعمال کیا اور اس پر زبردستی قبضہ کرلینے مین کیا کیا ظلم کیے۔ اور وہ روایت جو بخاری سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآب صلعم نے اپنے اصحاب سے مخاطب ہوکر ارشاد فرمایا کہ انکم ستحرصون علی الامارة وانها ستكون ندامة يوم القيامة فنعم المرضعة وبئست الفاطمة۔ یعنی تم لوگ بہت جلد حکومت اور سلطنت پر حریص ہوجاؤ گے حالانکہ وہ بروز قیامت بڑی ندامت کا سبب ہوگی تو دنیا مین یہ حکومت کیسی لذیذ اور آخرت مین اس کی سزا کیسی شدید ہوگی۔ اس کی تنقید صغانی نے مشارق مین جو کی ہے اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ ان حضرات نے خلافت کو دنیا ہی کے لیے حاصل کیا۔ اور شارح ہروی نے [illegible] اخرجه البخاری فی الاحکام [illegible] السين فی ستحرصون للاستقبال كما فی [illegible] المراد حرصكم عليها بعد ذلك الزمان ويحتمل ان يكون للتاكيد كما فی [illegible] المراد

بیان شدة حرصهم علی ذالك وكرر لفظة ان فی قوله وانها للتاكيد وبيان ان ذالك واقع البتة
یعنی اس روایت کو بخاری نے احکام مین اخراج کیا ہے۔ اور اس حدیث مین لفظ ستحرصون جو واقع
ہوا ہے تو اس مین حرف سین استقبال کے لیے ہے یعنی تم لوگ جلد حرص کرو گے جیسا کہ ستکون (عنقریب
یہ بات ہوگی) مین بھی سین استقبال ہی کے لیے ہے تو مراد آنحضرت صلعم کی یہ ہوگی کہ اس زمانہ کے
بعد تم لوگ دنیا پر حریص ہو جاؤ گے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ سین تاکید کی ہو جیسا کہ قول خدا سنکتب
ما قالوا الایہ مین بھی حرف سین تاکید ہی کے لیے ہے تو مراد آنحضرت صلعم کی یہ ہوگی کہ صحابہ شدت
سے دنیا پر حریص ہو جائیں گے اور لفظ ان کو حضرت صلعم نے مکرر استعمال فرمایا ہے تاکہ اچھی طرح
اس کلام کی تاکید ثابت ہو جائے اور اس امر کو بیان فرما دین کہ یہ امر یقیناً واقع ہو کر رہے گا انتہے۔ اور
صاحب کتاب شرح المقاصد نے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ جناب رسالتمآب صلعم کے بعد صحابہ مین لڑائی
جھگڑے اور تشاجر و اختلاف کثرت سے واقع ہوئے اور لوگون پر ہر قسم کی بلائین اور آفتین نازل
ہوئین۔ لہذا ان فسادات اور خرابیون کی تاویل کرنے کے لیے فاضل مخاطب نے جو مہمل باتین بنائی
ہین وہ درحقیقت کچھ نفع نہین پہونچا سکتی ہین اور نہ ان کی عقلمندی اور خوش فہمی کی اصلاح کر سکتی
ہین۔ مگر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم کتاب شرح المقاصد از علامہ تفتازانی کی عبارت بھی ذکر کر دین تاکہ
ناظرین کو ان صحابہ کے حالات سمجھنے مین سہولت ہو اور کتاب مذکور کی طرف رجوع کرنے کی زحمت سے
وہ بچ جائین اور اشارہ سے انھین جو الجھن ہوگی اس سے نجات پائین تو ہم کہتے ہین کہ خداوند عالم نے
حضرات اہلسنت کے علامہ علی الرغم انھین کے علامہ تفتازانی کی زبان پر کلمہ حق جاری کر دیا اور وہ بات
ان سے کہلا دی جس سے امر خلافت پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ ممدوح اسی کتاب مین لکھتے ہین۔

ان ما وقع بين الصحابة من المحاربات والمشاجرات على الوجه المسطور فی كتب التواريخ
المذكور علی السنة الثقات يدل بظاهره علی ان بعضهم قد حاد عن طريق الحق وبلغ حد الظلم
والفسق وكان الباعث عليه الحقد والعناد والحسد واللداد وطلب الملك والرياسات
والميل الی اللذات والشهوات اذ ليس كل صحابی معصوما ولا كل من لقی النبی بالخير موسوما
الا ان العلماء لحسن ظنهم باصحاب رسول الله ذكروا لها محامل وتاويلات بها يليق وذهبوا
الی انهم محفوظون عما يوجب التضليل والتفسيق صونا لعقائد المسلمين من الزيغ والضلالة
فی حق كبار الصحابة سيما المهاجرين منهم والانصار المبشرين بالثواب فی دار القرار واما ما
جری بعدهم من الظلم علی اهل بيت النبی فمن الظهور بحيث لا مجال للاخفاء والشناعة بحيث

لا اشتباہ علیٰ الآراء ویکاد یشہد بہ الجماد العجماء ویبکی لہ من فی الارض والسماء وینہدم منہ الجبال وینشق منہا الصخور ویبقی سوء عملہ علیٰ کر الشہور والدہور فلعنۃ اللہ علیٰ من باشرہ او رضی او سعی ولعذاب الآخرۃ اشد وابقی انتہی۔ یعنی صحابہ جناب رسالتمآب صلعم کے درمیان جو جنگ وجدال اور اختلافات ونزاعات واقع ہوئیں جیسا کہ پوری تفصیل سے تاریخ کی تمام کتابوں مین مرقوم اور کل معتمد ومعتبر مورخین ومحدثین کی زبانوں پر مذکور ہین توان سب کا ظاہر اس امر کو اچھی طرح ثابت کردیتا ہے کہ بعض صحابہ یقیناً طریق حق سے پھر گئے تھے اور ان سب کا سبب صحابہ کا دلی کینہ وعناد اور حسد وعداوت اور بغض ونفسانیت اور سلطنت وریاست کی طلب اور دنیا کی طمع اور لذتون اور شہوتون کی طرف فریفتگی اور میلان تھا کیونکہ ہر صحابی تو معصوم تھا نہین اور نہ ہر وہ شخص جو آنحضرت صلعم کی خدمت مین پہونچا وہ خوبی اور نیکی ہی کے ساتھ موسوم تھا۔ لیکن علمائے (اہلسنت) کو چونکہ اصحاب جناب رسالتمآب صلعم کے ساتھ حسن ظن ہے۔ لہٰذا ان لوگون نے صحابہ کی ان تمام خرابیون اور عیوب اور دنیا پرستی کے واقعات کی بہت سی تاویلین کی ہین اور مختلف باتین بنائی ہین اور یہ کہا ہے کہ صحابہ ان کامون سے محفوظ تھے جو مسلمانون کو گمراہ کرنے والے اور فاسق وفاجر بنانے والے تھے تاکہ اس طرح بڑے بڑے صحابہ کرام خصوصاً مہاجرین وانصار کے متعلق مسلمانون کے عقاید خراب ہونے سے بچین اور ان پیشوایان دین کے بارے مین وہ گمراہی وضلالت مین مبتلا نہ ہون۔ کیونکہ یہ صحابہ کبار تو وہ ہین جن کو بہشت کی خوشخبری دیدی گئی تھی (لہٰذا ان کی طرف سے مسلمانون کے خیالات کا خراب ہونا خلاف مصلحت ہے) اور ان کے بعد حضرت رسولخدا صلعم کے اہلبیت پر جو ظلم وجور ہوگئے وہ مثل آفتاب تابان روشن ہین اور اس حد تک مشہور ہین کہ کسی کے اختیار مین نہین ہے کہ ان کو مخفی کرسکے اور ان کی شناعت اور رسوائی اس حد پر ہے کہ ممکن ہی نہین ہے ان کا کوئی عذر ہوسکے یا لوگون کو کسی قسم کا مغالطہ دیا جاسکے بلکہ وہ واقعات تو اس طرح واضح ہین کہ قریب ہے جمادات بے زبان تک ان کی گواہی دین اور ان کے لیے زمین وآسمان تک کے رہنے والے ماتم کرین اور ان کے اثر سے پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے اور پتھر شق ہوجائین اور ان مظالم اور سفاکیون کی داستان قیامت تک بیان ہو اور کوئی زمانہ بھی انھین مٹا نہ سکے۔ تو خدا کی لعنت ہو ہر اس شخص پر جس نے ان مظالم کو کیا یا ان مین کسی طرح شریک ہوا یا کسی قسم کی کوشش کی اور پھر ان لوگون کے لیے آخرت کا عذاب تو سخت ترین اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

صاحب شرح مقاصد کی عبارت تمام ہوئی [1] فاضل مخاطب کے جواب میں گیارھواں اعتراض یہ ہے کہ موصوف نے یہ جو کہا ہے کہ حق وہی مذہب ہے جس پر مسلمانوں کا سواد اعظم ہے تو یہ اس طرح

---

[1] جناب رسالتمآب صلعم نے بھی پیشین گوئی کردی تھی کہ آپ کے بعد آپ کے صحابہ کبار دنیا طلبی اور ریاست و حکومت کی طمع میں مبتلا ہوں گے۔ چنانچہ صحیح بخاری باب غزوۂ احد صفحہ ۲۷۲ میں منقول ہے کہ آنحضرت صلعم نے صحابہ سے خطاب کر کے ارشاد فرمایا۔ وانی لست اخشیٰ علیکم ان تشرکوا و لکن اخشیٰ علیکم الدنیا ان تنافسوھا۔ یعنی میں تم لوگوں کے متعلق یہ خوف نہیں کرتا ہوں کہ تم مشرک ہو جاؤ گے بلکہ اس سے ڈرتا ہوں کہ تم دنیا طلبی میں مشغول ہو جاؤ گے۔ اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی مدارج النبوۃ صفحہ ۵۰۵ میں لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے حضرت علی سے فرمایا (اے علی) وبعد از من مکروہات بتو خواہد رسید باید کہ دل تنگ نہ شوی و صبر کنی و چون بہ بینی کہ مردم دنیا را اختیار کنند باید کہ تو آخرت را اختیار کنی۔ اور اسی کتاب کے صفحہ ۱۰۳ میں لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے اپنے صحابہ کو خطاب کیا و فرمود نمی ترسم بر شما کہ مشرک شوید بعد از من ولیکن می ترسم بر شما دنیا را کہ رغبت کنید در آن و در فتنہ افتید و ہلاک شوید چنانکہ ہلاک شوید کسانے کہ پیش از شما بودہ اند۔ اور جب حضرت آخری مرتبہ نماز کے لیے تشریف لائے ہیں تو صحابہ سے فرمایا وصیت میکنم مہاجرین را کہ با یکدیگر نیکی کنند و پس خواند سورۂ والنصر را تا آخر و این آیہ بخواند فھل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم یعنی کس قدر جلد ہے کہ تم حاکم بنو تو زمین میں فساد کرو اور قطع رحم کرو جس میں حضرت نے تمامی واقعات کی خبر دیدی ہے۔ اور حجۃ الاسلام امام غزالی اپنی قابل فخر کتاب سر العالمین میں لکھتے ہیں مطبوعہ بمبئی
لکن اسفرت الحجۃ وجھھا واجمع الجماھیر علی متن الحدیث من خطبتہ یوم عید خم باتفاق الجمیع وھو یقول من کنت مولاہ فعلی مولاہ فقال عمر بخ بخ لک یا ابا الحسن لقد اصبحت مولای ومولا کل مومن ومومنۃ ھذا تسلیم ورضی وتحکیم ثم بعد ھذا غلب الھوی لحب الریاسۃ وحمل عمود الخلافۃ وعقود البنود وخفقان الھوی فی قعقعۃ الرایات واشتباک ازدحام الخیول وفتح الامصار سقاھم کاس الھوی فعادوا الی الخلاف الاول فنبذوہ وراء ظھورھم واشتروا بہ ثمنا قلیلا فبئس ما یشترون ولما مات رسول اللہ ص قال قبل وفاتہ ایتونی بدوات وبیاض لازیل عنکم اشکال الامر واذکر لکم من المستحق لھا بعدی۔ قال عمر دعوا الرجل فانہ لیھجر وقیل یھذی فاذا بطل تعلقکم بتاویل النصوص فعدتم الی الاجماع وھذا منقوص ایضا فان العباس واولادہ وعلیا وزوجتہ واولادہ لم یحضروا

غلط ہے کہ درحقیقت سواد اعظم کے معنی وہ جماعت تو ہو ہی نہیں سکتی جس میں لوگ بہت کثرت سے ہوں جیسا کہ فاضل مخاطب نے سمجھا ہے کیونکہ صرف زیادہ لوگوں کے ہونے سے اس جماعت کے اعتبار کی طرف تو سمجھدار لوگ مائل نہیں ہو سکتے، ہاں سیدھے سادھے لوگ ناسمجھ قلوب اور معرفت حق و یقین سے خالی نفوس البتہ توجہ کر سکتے ہیں۔ اور ان پر اس کا اثر ہو سکتا ہے کہ فلاں طرف زیادہ لوگ ہیں لہذا حق بھی اُدھر ہی ہے تو یہ لوگ درحقیقت رسولخدا کے اس قول سے

(بقیہ صفحہ ۱۲۶) حلقة البيعة وخالفكم اصحاب السقيفة فی مبايعة الخزرجی۔ یعنی لیکن واقعہ یہ ہے کہ حجت نے اپنے چہرہ کو روشن کر دیا اور جمہور مسلمانان نے متن حدیث پر اتفاق کر لیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے بروز غدیر خم اپنا خطبہ ارشاد فرمانے کے بعد فرمایا جس پر سب کا اتفاق ہے کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ یہ سنتے ہی حضرت عمر نے کہا اے ابوالحسن! تحسین مبارک ہو آج سے تو تم ہمارے بھی مولا ہو گئے اور ہر مومن و مومنہ کے بھی مولا ہو گئے۔ تو عمر کا یہ کہنا حضرت علی کی خلافت و امامت کو تسلیم کرنا اور اس پر راضی رہنا اور آپ کی حکومت کو قبول کر لینا ہے۔ مگر اس کے بعد ہی حب ریاست اور طمع خلافت نے غلبہ کیا اور خلافت کے پاؤں کو اکھاڑنے۔ اور لمبے موٹے علموں کو باندھنے اور علم کے پھریروں کے ہلانے اور لشکروں کے ہجوم اور فوجوں کی ریل پیل اور شہروں کے فتح ہونے نے ان کو نفس پرستی اور خود غرضی کے لبریز جام پر جام پلانا شروع کیے جس سے وہ پھر اول اختلاف (اور جاہلیۃ کی جدال و قتال) کی طرف لوٹ پڑے تو ان لوگوں (صحابہ) نے دین خدا کو اپنے پس پشت ڈال دیا اور اس کو بیچ کر بہت تھوڑے دام قبول کر لیے تو کیا ہی بری چیز ان لوگوں نے خریدی اور جب جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم انتقال فرمانے لگے تو وفات سے پہلے ارشاد فرمایا کہ مسلمانو میرے پاس قلم اور دوات اور کاغذ لاؤ تاکہ میں تمہارے لیے خلافت کی مشکل کو زائل کر دوں اور تمہیں پھر یاد دلادوں کہ میں نے تم پر کس کو خلیفہ مقرر کیا تھا اور میرے بعد اسلام کی حکومت اور ریاست کا مستحق کون شخص ہے یہ سنتے ہی حضرت عمر نے ارشاد فرمایا چھوڑو اس شخص (رسولخدا) کو کہ یہ ہذیان بک رہا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا یہ بیہودہ بک رہا ہے۔ پس جب نصوص کی تاویل سے تمہارا تعلق باطل ہو گیا تو تم اجماع کی طرف جھکے حالانکہ اجماع بھی باطل ہے اس لیے کہ ارکان بنی ہاشم خصوصاً حضرت عباس اور ان کی تمام اولاد اور حضرت علی اور ان کی زوجہ (جناب فاطمہ زہرا) اور آپ کی اولاد وغیرہ تو حلقہ بیعت میں داخل ہوئے ہی نہیں اور خود اصحاب سقیفہ نے تمہاری مخالفت کی کیونکہ انہوں نے خاندان خزرج کے ایک شخص (سعد بن عبادہ) کی بیعت کرنی چاہی تھی انتہے۔ یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ یہ امام غزالی کھلا معمولی

غافل ہین کہ ستفترق امتی علی ثلث وسبعین فرقۃ کلھم فی النار الا واحدۃ یعنی بہت جلد میری امت کے ۷۳ فرقے ہوجاوینگے جن مین سے صرف ایک تو بہشت مین جائے گا اور سب جہنم مین داخل ہون گے۔ پس آنحضرت صلعم کی اس حدیث نے واضح کردیا کہ نجات پانے والے اور بہشت مین داخل ہونے والے تھوڑے ہی ہین۔ بلکہ بمقابلہ کثیر کے بالکل نادر ہین۔ اور خداوند عالم نے بھی اس مضمون پر اپنے کتاب مجید مین نص کردی ہے۔ اور فرمادیا ہے کہ جو تھوڑے ہین وہی حق پر ہین اور جو زیادہ ہین وہی باطل پر ہین۔ چنانچہ سورہ ھود رکوع ۴ مین ارشاد فرماتا ہے کہ وما امن معہ الا قلیل۔ یعنی ان کے اوپر بہت ہی کم لوگ ایمان لائے اور سورہ سبا رکوع ۲ مین فرماتا ہے۔ وقلیل من عبادی الشکور۔ یعنی ہمارے شکرگذار بندون سے بہت ہی تھوڑے ہین۔ پھر سورہ ص رکوع ۲ مین فرماتا ہے الا الذین امنوا وعملوا الصالحات وقلیل ماھم۔ یعنی سوا ان لوگون کے جو ایمان لائے اور جنھون نے نیک اعمال کیے اور کس قدر تھوڑے وہ ہین۔ پھر سورہ نسار رکوع ۲۲ مین فرماتا ہے فلا یؤمنون الا قلیلا یعنی بہت تھوڑے لوگ ایمان لائین گے۔ اور سورہ انعام رکوع ۱۴ مین ارشاد فرماتا ہے وان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ یعنی اے رسول اگر تم اکثر لوگون کی اطاعت زمین مین کروگے تو وہ لوگ تمھین خدا کی راہ سے گمراہ کردین گے ولکن اکثر الناس لا یؤمنون لیکن اکثر لوگ ایمان نہین لائین گے اور سورہ مائدہ رکوع ۱۳ مین فرماتا ہے قل لا یستوی الخبیث والطیب ولو اعجبک کثرۃ الخبیث فاتقوا اللہ یا اولی الالباب لعلکم تفلحون یعنی تم کہدو کہ برے اور اچھے برابر نہین ہوسکتے۔ اگرچہ تمھین برے کی کثرت ہی پسند آئے۔ اسی طرح بکثرت آیات مین تو حق ہی ہے کہ جناب رسالتماب صلعم نے مسلمانون کو یہ جو حکم دیا کہ علیکم بالسواد الاعظم۔ یعنی تم پر فرض ہے کہ سواد اعظم کی پیروی کرو۔ تو اس سے حضرت کی مراد کتاب خدا یعنی قرآن مجید

(بقیہ صفحہ گذشتہ) شخص نہین ہین ان کا درجہ حضرات اہلسنت کے یہان بہت بڑا ہے چنانچہ علامہ سیوطی کتاب التنبئہ بمن یبعثہ اللہ علی راس کل مائۃ مین فرماتے ہین قال بعض اکابر العلماء الجامعین بین العلم الظاہر والباطن لو کان بعد النبی نبی لکان الغزالی وانہ یحصل ثبوت معجزاتہ بعض مصنفاتہ یعنی بعض اکابر اہلسنت نے فرمایا ہے جو علم ظاہر و علم باطن کے جامع ہین کہ جناب رسالتماب صلعم کے بعد اگر کوئی شخص نبی ہوتا تو وہ امام غزالی ہی ہوتے۔ اور ان کے معجزات کا ثبوت خود ان کے بعض مصنفات سے ظاہر ہے کسی دوسرے معجزے کی ضرورت نہین

اور آپ کی عترت یعنی اہلبیت طاہرین ہیں جیسا کہ اس کا بیان اوپر گذر گیا۔ بالخصوص حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ذات اقدس مراد ہے جیسا کہ اسکی طرف علامہ زمخشری صاحب تفسیر کشاف اور امام فخر الدین رازی صاحب تفسیر کبیر کا وہ قول اشارہ کرتا ہے جو انھوں نے قول خداوند عالم وتعیہا اذن واعیۃ (یعنی اسکو یاد رکھیں گے وہ کان جو حفاظت کرنے والے ہیں۔ سورۂ حاقہ رکوع ۱) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے جسکو علامہ علیہ الرحمہ عنقریب بحث آیات میں ذکر فرمائیں گے۔ نیز دونوں حضرات نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے فان قیل لم قال اذن واعیۃ علی التوحید والتنکیر قلنا للایذان بان الوعاۃ فیھم قلۃ ولتوبیخ الناس بقلۃ من یعی منھم وللدلالۃ علی ان الاذن الواحدۃ اذا وعت وعقلت عن اللہ فھی السواد الاعظم عند اللہ وان ماسواھا لا یلتفت الیھم وان امتلأ العالم منھم انتھٰی[1] یعنی اگر کوئی شخص اس مقام پر سوال کرے کہ خداوند عالم اس آیہ میں لفظ اذن کو واحد اور نکرہ کیوں لایا۔ تو ہم جواب دینگے کہ اس امر کی خبر کرنے کے لئے کہ جو یاد رکھنے والے ہیں وہ بہت کم ہیں اور لوگوں کو اس امر پر زجر و توبیخ کرنے کے لئے بھی کہ جو لوگ یاد رکھنے والے ہیں وہ ان میں بہت کم ہیں۔ اور اس کو واضح کردینے کی غرض سے بھی کہ ایک ہی کان جب یاد کرے اور محفوظ رکھے اور خدا کی طرف سے سمجھے تو خدا کے نزدیک وہی ایک کان درحقیقت سواد اعظم ہے اور اس کان کے سوا جو لوگ بھی ہونگے انکی طرف کسی قسم کا التفات تک نہیں کیا جائیگا اگرچہ تمام عالم ان سے بھر جائے انتھیٰ۔ اب تو ظاہر ہوگیا کہ آنحضرت صلعم کی حدیث علیکم بالسواد الاعظم[2] ہم شیعوں ہی کے موافق ہے نہ مخالف۔ اور ممکن ہے کہ کہا جائے شاید جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

[1] عبارت مذکورہ تفسیر کشاف مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۲۱۳ میں خفیف تغیر کے ساتھ اس طرح ہے فان قلت لم قیل اذن واعیۃ علی التوحید والتنکیر قلت للایذان بان الوعاۃ فیھم قلۃ ولتوبیخ الناس بقلۃ من یعی منھم وللدلالۃ علی ان الاذن الواحدۃ اذا وعت وعقلت عن اللہ فھی السواد الاعظم عند اللہ وان ماسواھا لا یبالی بھم بالۃ وان ملأوا ما بین الخافقین۔ مگر دونوں عبارتوں کا مطلب ایک ہی ہے ۱۲ مترجم۔

[2] بعض مفسرین نے سورہ انعام رکوع ۱۴ کے آیہ مبارکہ وان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ ان یتبعون الا الظن وان ھم الا یخرصون (یعنی اگر تم ان لوگوں کی پیروی کروگے جو زمین پر تعداد میں زیادہ ہیں تو وہ سب تمھیں خدا کی راہ سے گمراہ کر چھوڑینگے کیونکہ وہ تو یقین کو چھوڑ کر صرف گمان کی پیروی

لے اس حدیث کو اپنے بعض غزوات میں ذکر فرمایا ہو جس سے اپنے لشکر کی کسی جماعت کیطرف اشارہ کیا ہو اور دشمن کے لشکر کی طرف جو بہت کثرت سے جمع تھے قصد اور تعرض کا ارادہ کیا ہو۔ یعنی علیکم بالسواد الاعظم اے مسلمانو! سواد اعظم (یعنی دشمن کا لشکر جو بڑی تعداد میں ہے) اس پر حملہ کرکے فتح حاصل کرو جیسا کہ ابن اعثم کوفی نے کتاب الفتوح میں اسی قسم کی ایک عبارت حضرت علی علیہ السلام سے بھی نقل کی ہے۔ جیسے حضرت نے جنگ صفین میں فرمایا تھا چنانچہ مورخ مذکور لکھتا ہے کہ جس زمانہ میں جنگ صفین ہو رہی تھی ایک روز معویہ نے اپنے لشکر کے قبائل یحصب وکندہ ولخم وجزام سے جو ذی الکلاع الحمیری کے ماتحت تھے کہا کہ تم لوگ اسوقت نکلکر جاؤ اور خاص قبیلہ ہمدان پر حملہ کرکے ان سے لڑ پڑو۔ پس جب حضرت علی علیہ السلام کو معویہ کے اس قول کی خبر ملی تو حضرت نے قبیلہ ہمدان کو مطلع کردیا۔ وقال لهم عليكم بهذه الخيل فان معوية قد قصدكم بها خاصة دون غيركم یعنی اے ہمدان کے بہادرو معویہ کی اس جماعت کو لینا کیونکہ معویہ نے خاص تم لوگوں پر حملہ کرنے کے لئے اسکو روانہ کیا ہے اور تمہارے سوا لوگ معویہ کے مقصود نہیں ہیں۔

بارہواں اعتراض یہ کہ فاضل مخاطب نے یہ جو کہا ہے کہ میں قبل ہی اسکو بیان کرچکا ہوں کہ امام کا معصوم ہونا واجب نہیں ہے۔ تو میں نے بھی اسکا جواب پہلے دیدیا اور ثابت کردیا ہے کہ امام کا معصوم ہونا نہایت ضروری اور واجب ہے۔ اور یہ جو کہا کہ امام کے لئے یہ بھی شرط نہیں ہے کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کرتے رہتے ہیں اور صرف اٹکل سے کلام کرنے کے عادی ہیں) کی تفسیر میں لکھا ہے۔ في هذا دلالة على انه لا عبرة في دين الله ومعرفة الحق بالقلة والكثرة فيجوز ان يكون الحق مع الاقل۔ یعنی یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ خدا کے دین اور حق کی [illegible] میں اہل حق کی قلت وکثرت کا کوئی اثر اور اعتبار نہیں ہے ایسی صورت میں یہ بھی جائز ہے کہ حق وہی ہو جس طرف تھوڑے لوگ ہیں۔ اور علامہ ابن جوزی نے اپنی قابل قدر کتاب تلبیس ابلیس مطبوعہ دہلی صفحہ ۹ میں لکھا ہے۔ عن يوسف بن اسباط قال قال سفيان يا يوسف اذا بلغك عن رجل بالمشرق انه صاحب سنة فابعث اليه بالسلام واذا بلغك عن آخر بالمغرب انه صاحب سنة فابعث اليه بالسلام فقد قل اهل السنة والجماعة۔ اسکا ترجمہ اردو بھی اسی کتاب کے ساتھ چھپ گیا ہے جسمیں عبارت مذکورہ کا ترجمہ یہ لکھا ہے یوسف بن اسباط نے کہا کہ مجھ سے سفیان ثوری نے فرمایا کہ اے یوسف اگر تجھے خبر ملے کہ فلاں شخص سرحد شرق میں سنت کے طریقہ پر مستقیم ہے تو اسکو سلام بھیج اور اگر تجھے خبر ملے کہ ایک دوسرا سرحد مغرب میں طریقہ سنت پر مستقیم ہے تو اسکو بھی سلام بھیج کہ اہل سنت والجماعت بہت کم رہ گئے ہیں۔ یہ جماعت کے معنی میں ایک نکتہ لکھا ہے۔ الجماعة اهل الحق وان قلوا یعنی جماعت نام ہے اہل حق کے جمع ہونے کا

اس سے پہلے کوئی گناہ کبھی بھی نہ ہوا ہو، تو اس شرط کی ضرورت بھی اچھی طرح واضح کر چکا ہوں کہ ایسا ہونا ضروری ہے (ناظرین کتاب ہذا میری تقریر کے شروع میں اس جواب کو دوبارہ ملاحظہ فرمائیں) لیکن اس مقام پر ایک دلیل اور ذکر کرتا ہوں جو اسکو قطعی طور پر طے کر دیگی کہ جس شخص نے عمر بھر میں کبھی بھی کوئی گناہ کیا ہو وہ کسی طرح امام نہیں ہو سکتا ہے۔ خداوند عالم اپنے کلام مجید سورہ بقرہ رکوع ۱۵ میں ذکر فرماتا ہے واذ ابتلیٰ ابراھیم ربہ بکلمات فاتمھن قال انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی قال لاینال عھدی الظالمین یعنی لوگو اس وقت کو بھی یاد کرو جب حضرت ابراہیم کو انکے پروردگار نے چند کلمات میں مبتلا کیا تو ان سب کو تمام کر دیا۔ خدا نے فرمایا اے ابراہیم! میں تمھیں کل لوگوں کا امام اور پیشوا بناتا ہوں۔ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا سے عرض کی کہ بار الہا اور میری ذریت سے بھی کچھ لوگوں کو تو امام بنائیگا؟ تو خداوند عالم نے جواب دیا کہ اے ابراہیم ہاں تمھاری ذریت سے بھی کچھ لوگوں کو بنا دونگا لیکن یہ خوب سمجھ رکھو کہ میرا یہ عہد

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ایک حق بات پر اگرچہ وہ لوگ بہت ہی کم ہوں اور سواد اعظم کے معنے میں ملا علی قاری شرح نخبۃ الفکر میں لکھتے ہیں کہ ان فیھم من الصفات الموجبۃ للقبول ما تقوم مقام العدد الکثیر من غیرھم و لذا سمیت مثل ھذا الامام امۃ قال اللہ تعالیٰ ان ابراھیم کان امۃ لانہ یجتمع فیہ من الصفات ما یوجد متفرقۃ الا فی جماعۃ و لذا قال الشاعر ؎

لیس من اللہ بمستنکر + ان یجمع العالم فی واحد +

وقد قیل فی الحدیث المشھور علیکم بالسواد الاعظم ای الوسع الاسلم یعنی ان لوگوں میں قبول کو واجب کرنے والی صفتوں سے ایسی صفت ہے جو عدد کثیر کے مقام پر قائم ہو سکتی ہے جو انکے غیر سے تھا اسی وجہ سے اس امام کے مثل امت کہی گئی ہے چنانچہ خدا فرماتا ہے یقیناً حضرت ابراہیم ایک امت تھے کیونکہ ان میں وہ صفات جمع تھیں جو متفرق طور سے نہیں پائی جاتی ہیں مگر کسی جماعت ہی میں اور اسی وجہ سے شاعر نے کہا ہے کہ اللہ کے لئے یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے کہ وہ تمام عالم (دنیا) کو کسی ایک ذات میں جمع کر دے اور حدیث مشہور میں کہا گیا ہے کہ علیکم بالسواد الاعظم۔ اسمیں سواد اعظم سے مراد متقی اور گناہوں سے محفوظ رہنے والا شخص ہوا تھے پس جبکہ ایک شخص پر لفظ امت کا اطلاق خدا کے کلام سے ثابت ہوا اس لئے کہ وہ ان باتوں کا جامع تھا جو متفرق گروہوں میں علیحدہ علیحدہ پائی جاتی تھیں اور خدا کا ایک شخص کو بمنزلہ ایک جہان کے بنا دینا عجیب امر نہیں ہے اور سواد اعظم سے مراد زیادہ پرہیزگار اور متقی لیا گیا ہو تو پھر کثرت عوام کو کسی مسئلہ یا مذہب کے حق یا باطل ہونے کے متعلق کسیطرح بھی معیار قرار دینا کیونکر مناسب سمجھا سکتا ہے بلکہ انصاف تو یہ ہے کہ اسکو کسی مذہب۔

(امامت) ظالموں کو کسی طرح بھی نہیں مل سکتا ہے انتہٰی[1] تو اس آیہ کریمہ سے استدلال کرنیکی صورت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم ؑ نے جو خدا سے سوال کیا کہ ومن ذریتی (اے خدا تو مجھے امامت کا شرف مرحمت فرمائیگا لیکن یہ بھی تو ارشاد فرمادے کہ میری ذریت سے بھی) کچھ لوگوں کو اس جلیل الشان عہدہ پر فائز فرمائیگا یا نہیں) اس میں لفظ من تبعیض کے لئے ہے (یعنی اس امر کو ظاہر کرنے کے لئے کہ میں اپنی ذریت اور اولاد کے کل لوگوں کے متعلق عہدہ امامت کو نہیں دریافت کرتا ہوں بلکہ کچھ لوگوں کے لئے دریافت کرتا ہوں) جیسا کہ یہی اس آیت کا ظاہری مطلب ہے۔ اور مفسرین نے بھی اسکی تصریح کی ہے۔ تو اب میں عرض کرتا ہوں کہ حضرت ابراہیم ؑ نے اپنی ذریت سے کن لوگوں کے لئے عہدہ امامت کا خداوند عالم سے سوال کیا تھا؟ تین ہی صورتیں ہو سکتی ہیں (۱) یا تو اپنی ذریت کے اون لوگوں کے لئے سوال کیا ہو جو مسلمان اور عمر بھر عادل رہیں (۲) یا اون لوگوں کے لئے کیا ہو جو تمام عمر ظالم رہیں (۳) یا ان لوگوں کے لئے کیا ہو جو مسلمان ہوں اور اپنی عمر کے کچھ حصہ میں ظالم اور کچھ حصہ میں عادل رہیں۔ اس صورت کی بھی دو شقیں ہیں (الف) حضرت ابراہیم ؑ نے اپنی ذریت کے اسی تیسری صورت والوں کے لئے سوال کیا ہو مگر اسی زمانہ میں جب وہ مسلمان اور عادل ہوں (ب) اسی تیسری صورت والوں کیلئے سوال کیا ہو خواہ وہ مسلمان ہوں یا نہیں اور عادل ہوں یا ظالم۔ غرض چار ہی صورتیں ممکن ہیں۔ تو ان صورتوں سے پہلی صورت تو یہاں مراد ہو نہیں سکتی کیونکہ پھر خدا کا جواب حضرت ابراہیم ؑ کے سوال کے مطابق نہیں رہیگا جو اسنے فرمادیا کہ اے ابراہیم یہ عہدہ ظالموں کو نہیں مل سکتا ہے۔ اسلئے کہ جب حضرت ابراہیم ؑ نے اپنے سوال میں خود ہی ظالموں کا ارادہ نہیں کیا تھا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کی صحت پر دلیل قرار دینا یا اس کثرت کو اپنے فرقہ کی حقیت قرار دینا درحقیقت بچوں کو بہلانا اور عوام کو خوش کرنا ہے وگرنہ ہیچ۔ آج بھی دنیا میں وہ مذاہب اور فرقے تعداد میں بہت زیادہ ہیں جو اسلام کے مخالف ہیں اور مسلمانوں کی تعداد اسکے مقابلہ میں بہت ہی کم ہے تو کیا اس کمی کی وجہ سے اسلام مذہب باطل اور دوسرے مذاہب اپنی کثرت کی وجہ سے حق اور صحیح کہے جائیں گے؟ مترجم۔

[1] اس آیہ مبارکہ سے دو اہم نتیجے حاصل ہوتے ہیں ایک یہ کہ امام خود کوئی شخص نہیں بن سکتا ہے نہ کوئی دوسرا شخص کسی کو امام بنا سکتا ہے نہ کوئی جماعت کسی کو امام بنا سکتی ہے نہ کوئی ملک کسی کو امام مقرر کر سکتا ہے نہ ایک سو دو علماء اپنے مرنے وقت کسی اللہ کو امام بنا سکتا ہے نہ رسول کسی شخص کو امامت کا عہدہ دے سکتا ہے بلکہ صرف خدا ہی کسی کو امام بناتا ہے اور بغیر اسکے بنائے کوئی شخص کسی جماعت یا ملک یا قوم یا کسی فرد کا پیشوا

اور صرف اپنی ذریت کی عادل فردوں کے واسطے دریافت کیا تو پھر خداوند عالم نے خود ہی ظالموں کا ذکر کیوں چھیڑ دیا؟ (کیا یہ سوال از آسمان وجواب از ریسمان نہیں کہا جائیگا) دوسری صورت بھی نہیں ہو سکتی ورنہ لازم آئیگا کہ حضرت ابراہیم ع ایسے پیغمبر اولوالعزم اور خلیل خدا کا لقب پائے ہوئے رسول خداوند عالم سے امامت اور پیشوائی ایسے منصب جلیل اور عہدہ رفیعہ کا سوال ان لوگوں کیلئے کریں جو عمر بھر ظالم رہے ہوں۔ اور جس وقت وہ لوگ امام بنائے جائیں اسوقت بھی ظالم ہوں۔ پس یہ سوال تو حضرت ابراہیم ع کی امت کا کوئی جاہل اور احمق شخص بھی نہیں کر سکتا چہ جائیکہ آپ خود ایسا فرمائیں۔ لہذا تیسری ہی صورت ماننی پڑیگی جس میں دو شقیں ذکر کی گئیں اور یہی ہمارا دعوے ہے کہ حضرت ابراہیم ع نے اپنی ذریت سے ان لوگوں کے متعلق یہ سوال کیا تھا جو مسلمان ہوں اور اپنی عمر کے کچھ حصہ میں عادل اور کچھ میں ظالم رہیں۔ اب خدا کا جواب بھی اس سوال کے مطابق ہو جائیگا کہ اس نے فرمایا اے ابراہیم میرا یہ عہد و امامت تمہاری ذریت سے صرف انہیں لوگوں کو ملیگا جو ہر بر عادل رہے ہوں اور ان لوگوں کو کسی طرح نہیں مل سکتا ہے جو اپنی عمر کے کسی حصہ میں بھی کو ظالم رہے ہوں اگر اس مقام پر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ بعض مفسرین نے اس آیت کے لفظ عہد کا معنے بجائے امامت کے عہدہ نبوت قرار دیا ہے اور یہ مطلب بیان کیا ہے کہ خدا فرماتا ہے اس کا عہدہ نبوت ظالموں کو نہیں پہونچ سکتا ہے تو اب آپ اس آیت سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ امام اور خلیفہ کا عمر بھر عادل ہونا شرط ہے اور وہ اپنی زندگی میں کسی وقت بھی ظلم نہ کرے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اور امام مقرر ہو ہی نہیں سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ امام اور پیشوا ہر شخص نہیں ہو سکتا یعنی خدا بھی ہر شخص کو امام یا پیشوا نہیں بنا دیگا بلکہ صرف اسی کو بناتا ہے جو معصوم ہو اور جس سے عمر بھر کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا ہو۔ کیونکہ جس شخص نے ایک مرتبہ بھی گناہ کیا ہو اس نے اپنے اوپر ظلم کیا اور اس طرح وہ ظالم ہو گیا اور جب ظالم ہو گیا تو پھر خدا اسکو یہ عہدہ نہیں دیگا ورنہ اسکا کلام غلط ہو جائیگا جو محال ہے۔ مترجم

سلہ حضرات اہلسنت کی مشہور تفاسیر قرآن مجید میں ایک تفسیر کشاف علامہ زمخشری کی ہے جو تمام تفاسیر میں نہایت معتمد علیہ اور کمال درجہ صحیح اور مقبول سمجھی جاتی ہے انہیں تو اس لفظ عہد کا معنے امامت ہی لکھا ہے اور نبوت کا کچھ بھی ذکر نہیں کیا ہے چنانچہ مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۲۳۲ میں ہے ای من کان ظالما من ذریتک لا ینالہ استخلافی وعہدی الیہ بالامامۃ وانما ینال من کان عادلا بریئا من الظلم وقالوا فی ھذا دلیل علی ان الفاسق لا یصلح للامامۃ وکیف یصلح لہا

علاوہ بریں آپ نے آیت میں چار صورتیں نکالی ہیں مگر پانچویں صورت بھی نکلتی ہے جس کو آپ نے ذکر نہیں کیا وہ یہ کہ جائز ہے حضرت ابراہیم ؑ نے گمان کیا ہو کہ آپ کی ذریت کے وہ بعض لوگ جنکے لئے آپ نے امامت کا سوال کیا تھا اسلام اور عدالت کے ساتھ متصف ہونگے۔ اور چونکہ حضرت کا یہ گمان ان بعض لوگوں کی کل یا بعض فردوں کے متعلق واقعہ اور فی نفس الامر کے مخالف اور باطل تھا تو خدا نے حضرت ابراہیم ؑ کو جواب دیا کہ یہ عہدہ امامت وہ جلیل المرتبہ منصب ہے جسکو ظالم لوگ کسی طرح بھی پا نہیں سکتے تاکہ حضرت ابراہیم ؑ کو بتا دیا جائے کہ ان سب لوگوں کے یا ان میں سے بعض کے مسلمان ہونے کا جو گمان انھوں نے کیا ہے وہ باطل ہے۔ تو اس صورت میں یہ خرابی نہیں لازم آسکتی ہے کہ حضرت ابراہیم ؑ نے اس امر کا سوال کیا جو شان نبوت کے مناسب نہیں ہے اور نہ خداوند عالم کا جواب حضرت ابراہیم ؑ کے سوال سے غیر مطابق قرار پائیگا لہذا امامت کیلئے عدالت اور عصمت کا شرط ہونا ثابت نہیں ہو سکا۔ تو میں اس اعتراض کے جواب میں کہوں گا کہ آپ نے آیت کے لفظ عہد کا مطلب عہدہ نبوت جو ذکر کیا تو ایسا واقعا نہیں ہے کیونکہ خدا نے تو حضرت ابراہیم ؑ سے فرمایا تھا کہ میں تم کو امام بناتا ہوں اسپر حضرت نے دریافت کیا کہ کیا میری ذریت سے بھی کچھ لوگوں کو تو امام بنائے گا خداوند عالم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اے ابراہیم میرا یہ عہدہ ظالموں کو نہیں پہونچ سکتا ہے پس نبوت کا تو یہاں ذکر بھی نہیں ہے وہ مراد کیونکر ہو سکتی ہے علاوہ بریں) اکثر مفسرین نے جن میں (علامہ زمخشری) صاحب تفسیر کشاف اور انکے امثال بھی ہیں جو اکابر مفسرین سے ہیں اس امر کی تصریح کر دی ہے کہ آیت مذکورہ میں لفظ عہد سے مراد عہد امامت ہی ہے چنانچہ یہی سیاق آیت سے بھی ظاہر ہے۔ علاوہ بریں ہم کہیں گے کہ جب عہدہ نبوت ظالموں کو نہیں مل سکتا تو عہدہ امامت انھیں بدرجہ اولے نہیں ملیگا اس لئے کہ نبیوں پر تو فرشتے آتے ہیں۔ وحی نازل ہوتی ہے جو ظالم نبی کو اسکے ظلم سے روک سکتی ہے برخلاف امام کے کہ اس پر نہ وحی آتی ہے نہ فرشتے آتے ہیں جو اسے اس کے ظلم اور فسق و فجور سے روک سکیں پس

من لا یجوز حکمہ وشہادتہ ولا تجب طاعتہ ولا یقبل خبرہ ولا یتقدم للصلاۃ۔ یعنی حضرت ابراہیم ؑ کے سوال کے جواب میں خداوند عالم نے حضرت سے ارشاد فرمایا کہ اے ابراہیم تمھاری ذریت سے جو شخص بھی ظالم ہوگا اسکو میرا استخلاف (خلیفہ بنانا) نہیں ملسکتا اور اس تک میرا عہدہ امامت نہیں پہنچتا ہے بلکہ یہ عہدہ امامت اس شخص کو ملیگا جو عادل اور ظلم سے بری ہوگا۔ اور لوگوں نے بیان کیا ہے کہ خدا

اگر ظالموں کو عہدہ امامت ملجائیگا تو انھیں ظلم سے روکنے والی کوئی چیز نہیں ہوگی اور وہ جس قدر چاہیں گے ظلم کرتے رہیں گے خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ اس مضمون کی تفصیل اور اس کلام کی تحقیق عصمت آئمہ کی بحث میں ذکر ہو چکی ہے۔

اور اس اعتراض کا دوسرا جزو یہ جو بیان کیا ہے کہ "جائز ہے حضرت ابراہیم ؑ نے بیان کیا ہو الخ" تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کا یہ گمان کہ انکی ذریت سے بعض لوگ اسلام و عدالت سے متصف ہیں اسوقت باطل سمجھا جاتا جب وہ بعض لوگ موجود اور معین ہوتے اور ان کی حالت کی درستی یا خرابی کی طرف نظر کی جا سکتی۔ لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ وہ جماعت بعد کو آپ کی ذریت سے پیدا اور بعد ہی میں کفر یا ضلالت سے متصف ہونے والی تھی کیونکہ یہ امر واضح ہے کہ حضرت ابراہیم ؑ کے زمانہ میں آپ کی ذریت سے جو لوگ موجود تھے مثلاً حضرت اسمٰعیل ؑ یا حضرت اسحاق ؑ وہ یقیناً معصوم تھے جنکے متعلق کوئی شخص بھی نہیں کہہ سکتا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان دونوں کے اسلام اور عدالت کا گمان باطل کیا ہو۔ اور جو لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد آپ کی ذریت سے اس وقت تک پیدا ہوئے ان میں سے بعض تو انبیاء معصومین ہوئے۔ اور بعض اولیاء مرحومین اور بعض فاسق و فاجر سلبین۔ اور بعض کفار مردودین جیسا کہ خداوند عالم نے سورہ الصافات رکوع ۲ میں اپنے اس قول میں بیان فرمایا ہے وبارکنا علیہ وعلی اسحق ومن ذریتھما محسن وظالم لنفسہ مبین یعنی ہم نے خود حضرت ابراہیم پر اور اسحق پر اپنی برکت نازل کی اور ان دونوں کی نسلوں میں بعض تو نیکوکار اور بعض

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کے اس کلام میں اس بات پر دلیل ہے کہ جو شخص فاسق ہوگا اسمیں امام ہوسکنے کی صلاحیت نہیں ہو سکتی ہے۔ اور اس عہدہ امامت کی صلاحیت اس شخص کو کیونکر حاصل ہو سکتی ہے جسکا حکم اور جسکی شہادت جائز نہیں ہے اور جسکی طاعت واجب نہیں ہے اور جسکی خبر قبول نہیں کیجا سکتی ہے اور جسکے پیچھے نماز جماعت بھی نہیں پڑھا سکتا ہے اسکے۔ دوسری مشہور تفسیر امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر ہے اسکی جلد اول مطبوعہ مصر صفحہ ۱۱۰ میں بھی عہد سے مراد امامت ہی لکھا ہے چنانچہ لکھتے ہیں ذکروا فی العہد وجوھا احدھا ان ھذا العہد ھو الامامۃ المذکورۃ فیما قبل یعنی مفسرین نے عہد کے معنے میں کئی صورتیں ذکر کی ہیں ایک یہ کہ یہ عہد وہی امامت ہے جو اسکے قبل خدا نے حضرت ابراہیم سے فرمایا کہ میں نے تمکو لوگوں کا امام بنایا ہے انتہے۔ ہاں بعض مفسرین نے عہد سے مراد نبوت یا امامت یعنی دونوں احتمال لیا ہے چنانچہ تفسیر خازن مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۸۱ میں ہے عھدی ای نبوتی وقیل الامامۃ یعنی خدا کے

نافرمانی کرکے اپنی جان پر صریحی ستم دکھانے والا ہے۔ اور اسمیں کوئی شک نہیں ہو سکتا کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنی ذریت سے بعض ان لوگوں کے لئے جو اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے امامت طلب کی تو حضرت کی شان نبوت کا مقتضٰے اور لفظ من ذریتی (میری ذریت سے بعض) سے بعض ہی کی تخصیص کا قرینہ صاف بتاتا ہے کہ آپنے خداوند عالم سے اس عہدہ جلیلہ کا سوال اپنی ذریت کے لئے اس شرط کے ساتھ کیا ہوگا کہ وہ لوگ ہمیشہ یا اپنی عمر کے بعض حصہ میں صفت اسلام و عدالت سے متصف ہونگے۔ اور جب یہ احتمال پیدا ہوا کہ آپ کی ذریت کے وہ بعض لوگ جو اوس وقت تک پیدا نہیں ہوئے تھے واقعا مسلمان اور عادل ہونے والے تھے اور وہ حضرت ابراہیم کے ذہن میں معین بھی نہیں تھے تاکہ آپ اُنکے حالات میں غور و فکر کریں اور اُن لوگوں کے بارے میں اس امر (اسلام و عدالت) کا گمان کریں جو ان میں واقعا نہیں تو یہ احتمال کہ یہ بعض فردیں جنکو حضرت ابراہیم نے امامت کا سوال کرنے کے لئے مخصوص کیا تھا ان لوگوں سے تھیں جو آپ کے گمان کے خلاف تھیں۔ خود بخود ساقط ہو گیا۔

اور بعض ناسمجھوں نے کہا ہے کہ حضرت ابراہیم ع کے سوال اور خدا کے جواب میں عدم مطابقت نہیں ہے اسلئے کہ جب خدا نے حضرت ابراہیم ع کے سوال کا کوئی جواب ہی نہیں دیا بلکہ اسکو ترک کرکے ایک نیا مضمون بیان کرنے لگا کہ عہدہ امامت ظالموں کو نہیں مل سکتا ہے تو گویا اوس نے حضرت ابراہیم ع کی دعا قبول کر لی اور اسکے ساتھ اس مضمون کو زیادتی کے طور پر بیان کر دیا۔ گویا خدا نے فرمایا ہاں اے ابراہیم تمھاری ذریت سے بھی لوگوں کو امام بنائینگے اور اس کے علاوہ یہ مضمون بھی سن رکھو کہ میرا یہ عہدہ ظالموں کو نہیں ملیگا۔ مگر اس تاویل کیک کا باطل ہونا واضح ہے اسلئے کہ ایسا کلام تو کوئی معمولی فصیح شخص بھی نہیں کر سکتا چہ جائیکہ ملک علام کہ اصل سوال کے جواب سے تو بالکل سکوت اختیار کر لے اور جواب کے عوض وہ بات بکنے لگے جسکا سوال ہی نہیں کیا گیا ہو۔ ہاں اگر کسی شخص کا سوال ہی ایسا مہمل ہو جس کے جواب کی خاموشی بہتر ہو تو وہاں ایسا ہو سکتا ہے جیسا کہ آئمہ فن بیان نے حکیم اور دانا شخص کے اسلوب کلام میں ذکر کیا ہے لیکن حضرت ابراہیم ع کا یہ کلام تو کسی طرح بھی ایسا نہیں کہا جا سکتا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) لفظ عہدی سے مراد خدا کی نبوت ہے اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد امامت ہی ہے ۱۲۔ تو اس احتمال کو پیدا کرنیوالوں کا جواب حضرت شہید ثالث علیہ الرحمہ نے متن کتاب میں دیدیا ہے ۱۲۔ مترجم

علاوہ بریں اس قسم کی تاویل تو ہر اس مقام پر کر دی جا سکتی ہے جہاں کوئی جواب کسی سوال کے مطابق نہ ہو۔ پھر اگر یہی ہوا کرے تو کسی غیر مربوط غیر متعلق اور بے تکے جواب پر کبھی کوئی اعتراض ہی نہ ہو۔

آخر میں فاضل مخاطب نے چوتھی اور پانچویں دلیل یعنی امام کے اُس وقت تمام لوگوں سے افضل و اکمل ہونے کا جو جواب دیا ہے اسکا بھی یہی حال ہے کہ کسی طرح عقل کے مطابق نہیں ہے۔ اور یہ اس درجہ واضح ہے کہ اسکے رد کرنے کی ضرورت بھی نہیں معلوم ہوتی۔

قول علامہ علی اعلی اللہ مقامہ

لیکن دلائل نقلیہ پس قرآن و احادیث متواترہ میں موجود ہیں اگر قرآن (کو لیجئے تو اوس کی) بہت سی آیتیں ہیں (جو امامت و خلافت بلا فصل حضرت علی بن ابیطالبؑ پر دلالت کرتی ہیں)۔

پہلی آیت یہ ہے "انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ و یؤتون الزکوٰۃ و ھم راکعون" یعنی اے ایمان والو تمھارا حاکم اللہ اور رسول ہے اور وہ لوگ ہیں جو ایمان رکھتے ہیں وہ لوگ جو نماز کو قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں (سورہ مائدہ رکوع ۸) اس آیت کی بابت مفسرین کا اجماع ہے اور تمام صحاح ستہ میں مذکور ہے کہ علی بن ابیطالبؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور وہ اوس وقت جبکہ آپ نے صحابہ کے سامنے اپنی انگوٹھی حالت نماز میں مسکین کو عطا کی تھی اور ولی وہی شخص ہوتا ہے جو متصرف ہو۔ اور اس آیت میں خدا نے ولایت کو اپنی ذات کے لئے ثابت فرمایا ہے اور اپنے ساتھ رسول و امیر المومنین کو شریک کر لیا ہے اور (معلوم ہے کہ) خدا تعالےٰ کی ولایت عام ہے (کسی خاص فرد یا جماعت کے ساتھ مخصوص نہیں) لہذا نبی و ولی کی ولایت بھی اوسی طرح عام (اور تمام افراد نوع بشر کو شامل) ہو گی۔

قول الطال.ب

اس کلام کا جواب یہ ہے کہ آیت میں "ولی" کے معنی "ناصر" کے ہیں کیونکہ یہ لفظ "ولی" مشترک ہے اور متصرف۔ ناصر۔ محب۔ اولی بالتصرف مثل ولی صبی وغیرہ سب پر اطلاق کیا جاتا ہے اور لفظ مشترک جبکہ کئی معنوں کا احتمال رکھتا ہو تو کسی معنی مطلوب کے ساتھ مخصوص کرنے کے لئے قرینہ کا موجود ہونا لازم ہے اور یہاں ایسا ہی ہے (کہ لفظ ولی بہت سے معنوں میں مشترک ہے لہذا معنی متصرف کے ساتھ خاص کرنے کے لئے قرینہ کا وجود ضروری ہے) لہذا یہ آیت امامۃ علی بن ابیطالبؑ پر

نفس نہ ٹھہری اور اوس سے استدلال باطل ہوگیا اور اس بات پر قرائن بھی موجود ہیں کہ اس مقام پر لفظ "ولی" سے "ناصر" مراد ہے "اولی بالتصرف" مقصود نہیں اور وہ یہ کہ اگر یہ لفظ اس معنی پر محمول کیا جائیگا تو آیت اپنے ماقبل یعنی قول باریتعالے یاایہا الذین اٰمنوا لاتتخذوا الیہود والنصاریٰ اولیآء بعضہم اولیاء بعض" (اے ایمان دارو تم یہودیوں اور نصرانیوں کو اپنا سرپرست نہ بناؤ یہ لوگ باہم ایک دوسرے کے دوست ہیں) سے بے ربط و غیر مناسب ہو جائیگی کیونکہ لفظ "اولیاء" اس آیت میں "انصار" کے معنی میں ہے نہ کہ احقین بالتصرف کے معنی میں۔ اسی طرح اپنے مابعد یعنی اس آیت "ومن یتول اللّٰہ ورسولہ والذین اٰمنوا فان حزب اللّٰہ ھم الغالبون" (اور جس شخص نے خدا و رسول اور مخصوص ایمان داروں کو اپنا سرپرست بنایا تو خدا کے لشکر میں آگیا اور اسمیں شک نہیں کہ خدا ہی کا لشکر ورہتا ہے) سے مناسب نہ رہیگی کیونکہ "تولی" کے معنی یہاں محبت و نصرت کے ہیں لہذا لازم ہے کہ درمیان میں واقع ہونے والی آیت بھی نصرت ہی کے معنی پر محمول کیجائے تاکہ اجزائے کلام سب ایک دوسرے سے مناسب رہیں۔

قول احقاق فاضل مخاطب کا یہ کلام کئی وجہوں سے قابل اعتراض ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ یہاں اس کا قرینہ موجود ہے کہ "ولی" سے فقط "اولی بالتصرف" مراد ہے دیگر معانی مقصود نہیں ہیں (اور وہ قرینہ یہ ہے کہ مومنین موصوفین میں ولایت کو بحالت رکوع زکوۃ دینے کے وصف کے ساتھ منحصر کر دینا معنی نصرت کے مراد نہ ہونے پر دلالت کرتا ہے اگر ایسا نہ ہو تو بمقتضائے حصر لازم آئیگا کہ ولی مومن کی ولایت کی شرط یہ قرار پائی کہ وہ حالت رکوع میں زکوۃ دے بعد اس کا فاسد ہونا ظاہر ہے اور حاصل کلام یہ ہے کہ اگر "ولی" سے ناصر مراد ہو اور "الذین اٰمنوا" سے ساری جماعت اون مومنین کی مراد ہو جن کا وصف نصرت سے متصف ہونا ممکن ہے تو اس صورت میں حصر تو درست ہوگا لیکن بحالت رکوع زکوۃ دینے کا وصف درست نہ رہے گا (کیونکہ اس وصف کا اون تمام مومنین میں جو ناصر قرار پا سکتے ہوں موجود ہونا ثابت نہیں بلکہ سوائے علی ابن ابیطالب کے اور کسی میں اس وصف کا موجود نہ ہونا ہی ثابت ہے) اور اگر "ولی" سے ناصر اور "الذین اٰمنوا" سے علی بن ابیطالب علیہ السلام مراد ہوں تو حصر باطل ٹھیرےگا (کیونکہ تمام مومنین کا ایک دوسرے کے لئے ناصر ہونا ممکن ہے اور بحکم الہی قرار پا چکے ہیں پھر یہاں ایک فرد کی تخصیص کیسی؟) اور اگر "ولی"

سے مراد اولی بالتصرف اور الذین امنوا، سے مراد علی ہوں تو حصر اور وصف (اتیانِ زکوۃ بحالت رکوع) دونوں ایک ساتھ درست ٹھہرینگے کیونکہ اس وصف کا بالخصوص امام اولی بالتصرف کی شان سے ہونا کچھ بھی مستبعد نہیں بلکہ مروی ہے کہ یہ کرامۃ باقی ائمہ معصومین سے بھی واقع ہوئی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ولایت امامت و تصرف فی الامور کے معنی میں ولایت بمعنی نصرت سے فی الجملہ عام ہے، لہٰذا ولایت بمعنی امامت کی نفی اوس ولایت (بمعنی نصرت) کی نفی بھی بوجہ اتم فائدہ دیگی جسکی نفی پہلی آیت میں یہود و نصاری سے کی گئی ہے اس لئے کہ نفی عام سے خاص کی نفی بھی (اوس) امر زائد سمیت ہوجاتی ہے (جو خاص کے لئے وجہ خصوصیت ہوتا ہے) پس اس صورت میں (آیات سابقہ ولاحقہ کے درمیان) مناسبت حاصل ہوگی (محصل کلام یہ ہے کہ جب ولایت امامۃ اور نصرت فی الامور کے معنی میں لیجائے ولایۃ بمعنی نصرت سے عام ہوگی اور یہ ثابت ہے کہ عام کی نفی سے خاص کی نفی بھی م آتی ہے پس آیہ سابقہ میں جس ولایۃ کی یہود و نصاری سے نفی کی گئی ہے اگر سکو تصرف فی الامور کے معنی میں لیا جائے تو مطلب آیت یہ ہوگا کہ تم لوگ یہود و نصاری کو اپنے امور میں ولی متصرف نہ بناؤ اور اس سے اون کو ناصر نہ بنانے کی نفی بھی لازم آئیگی کیونکہ متصرف فی الامور بنانا ناصر بنانے سے عام ہے اور عام کی نفی سے خاص کی بھی نفی ہوجاتی ہے۔ مترجم) یہی کلام بعد والی آیت (ومن یتول اللہ ورسولہ والذین اٰمنوا فان حزب اللہ ھم الغالبون) میں بھی جاری ہوگا اسلئے کہ اس آیہ کے متعلق ان حضرات کا جو مقصود ہے اسپر کسی قسم کی دلالت نہیں پائی جاتی ہے مگر اُس صورت میں جب حزب اللہ (لشکر خدا) کو انصار اللہ (خدا کے مددگاروں) پر حمل کیا جائے جیسا کہ بعض حضرات کو وہم ہوا ہے حالانکہ اسکا لغو ہونا واضح ہے۔

پس آیہ انما ولیکم اللہ الذین میں عطف اس بات کی دلیل ہے کہ ولایت جس معنی سے بھی فرض کیجائے اوس کے اختصاص میں خدا و رسول اور مومنین موصوفین شریک قرار دئے گئے ہیں اور وہ جس طرح خدا و رسول کی ذات سے خصوصیت رکھتی ہے اوسی طرح مومنین موصوفین میں بھی پائی جاتی ہے پس اگر وہ نصرت ہی کے معنی میں لیجائے تب بھی یہ بات مخفی نہیں ہے کہ خدا و رسول کی نصرت مومنین کے لئے اون کے امور میں مناسب طریقے سے تصرف

کرنے کو بھی مشتمل ہے (یعنی وہ نصرت کے ساتھ متصرف بھی ہیں اون کی نصرت تصرف فی الامور سے خالی نہیں ہے) پس وہ لوگ جو "الذین امنوا" کے مصداق ہیں اونکی نصرت بھی ایسی ہی ہو گی (یعنی وہ ناصر ہونے کے ساتھ متصرف فی الامور بھی ہونگے) زیادہ سے زیادہ یہ بات ہو گی کہ انکا تصرف فی الامور مفہوم مشکک ہوگا جو اولویۃ و اولیۃ و اشدیۃ کے اعتبار سے مختلف ہوگا (ذات الٰہی میں اس مفہوم کا تحقق اول و اولی و اشد ہوگا اور رسول کی ذات کا درجہ اتصاف اوس سے کم ہوگا اور مومنین موصوفین کا مرتبہ رسول سے کم) بلکہ تحقیق تو یہ ہے کہ وہ کل دس معانی جو لوگوں نے لفظ "ولی" کے ذکر کئے ہیں اون سب کی رجوع معنی اولی بالتصرف کی طرف ہوتی ہے اس لئے کہ غلام کا مالک (جو معانی مذکورہ میں شامل ہے) اپنے غلام پر (باعتبار تصرف) اولے ہے اور وہ (دوسروں کی نسبت) اپنے مالک سے اولے (واقرب) ہے اسی طرح آزاد کرنے والا مالک اپنے بندہ آزاد پر اولے بالتصرف ہے اور وہ آزاد کرنے والے پر۔ اور اسیطرح ہمسایہ اپنے ہمسایہ اور حلیف اپنے حلیف اور ناصر اپنے منصور اور ابن عم اپنے ابن عم کے لئے اولے ہے یہ تمام مذکورین اور ان کے علاوہ وہ لوگ جن کا ذکر یہاں نہیں کیا گیا ہے اپنے صاحب کے لئے بہ نسبت اون لوگوں کے جن کو وہ ولایت حاصل نہیں ہے اولے ہیں اور یہ امر کہ اصل معنی ولی اولے ہی کے ہیں اور دیگر معانی پر اوسکا اطلاق اسی لئے کیا گیا ہے کہ ان میں اولویۃ موجود ہے) اوس شخص پر مخفی نہیں ہے جو تامل وانصاف سے کام لے۔

سوم یہ کہ آیات میں موافقت تو اوسی وقت واجب ہوتی ہے جبکہ کوئی مانع موجود نہ ہو اور ہم نے یہ واضح کر دیا کہ یہاں (انما ولیکم اللہ الخ) میں "ولی" کو ناصر و محب وغیرہ معانی پر محمول کرنا صحیح نہیں ہو سکتا نیز یہ تینوں آیتیں ایک ساتھ ہی نازل بھی نہیں ہوئی تھیں کہ سب میں لفظ ولی کا ایک ہی معنی ہونا مناسب ٹھہرے بلکہ وہ رفتہ رفتہ نازل ہوئی تھیں اور صحابہ نے جمع کرنے میں یہ ترتیب قائم کر دی ہے بلکہ ہم تو کہیں گے کہ اگر تقدیر مذکور (یعنی ولی بمعنی اولے بالتصرف ہونے) سے آیات میں عدم مناسبت لازم آتی ہے تو اعتراض درحقیقت اون (اہلسنت) کے خلیفہ عثمان پر وارد ہوتا ہے کہ اونھوں نے تمام مصاحف کو ایک ہی مصحف میں جمع کیا اور کلمات کو اپنے اصلی مواقع سے ہٹا دیا اور جیساکہ حق تھا آیات کو مرتب نہیں کیا (مختلف مواقع میں نازل شدہ آیات بغیر لحاظ ترتیب نزول ایک دوسرے

کے ساتھ جمع کردیں) اور اس فعل میں متعدد مقاصد ملحوظ تھے جو ارباب عقل پر مخفی نہیں ہیں بہرحال یہ کہ فاضل مخاطب نے اپنے قول "فیجب ان یحمل الخ" میں اوس کے ماقبل والے کلام پر وجوب کو جو متفرع کیا ہے وہ محل تامل ہے اور یہ کہنا کہ "اجزائے کلام باہم مناسب ہو جائیں" وجوب پر دلالت نہیں کرتا (یعنی مناسبت اجزائے کلام اس بات کو واجب نہیں کرتی کہ لفظ "اولے" خواہ مخواہ معنی "ناصر" ہی پر محمول کیا جائے اولے بالتصرف کے معنی کا مراد ہونا صحیح ہو سکتا ہی نہ ہو) خصوصاً ایسی صورت میں کہ دلیل اسی پر دلالت کر رہی ہو کہ معنی اتصرت کا مراد ہونا صحیح نہیں ہو سکتا۔

شارح مقاصد کا اعتراض اور اوس کا جواب یہ مذکورہ سے شیعوں کے استدلال واحتجاج پر شارح مقاصد نے یہ اعتراض وارد کیا ہے کہ حصر اوسی مقام میں ہوا کرتا ہے جہاں کوئی تردد و نزاع ہو (تاکہ وہ زائل ہو جائے) اور یہ امر پوشیدہ نہیں کہ آیت کے نازل ہونیکے وقت ولایت و امامت کے معاملہ میں نزاع بالکل نہ تھی اور نہ اوس زمانہ میں کوئی امامت موجود تھی (کہ لوگوں کو اوس میں تردد ہوتا اور حصر سے) اوسکی نفی مقصود ہوتی (پس لفظ انما کو یہاں مفید حصر تسلیم نہیں کیا جا سکتا) اس اعتراض کا جواب کئی وجہوں سے ہو سکتا ہے اول خود معترض نے شرح تلخیص المفتاح مختصر میں کہا ہے کہ اعتقاد مخاطب کا ساتھ ثابت ہونے اس چیز کے جس کی نفی متکلم نے کی ہو یقینی طور پر یا صرف بطور احتمال کے مخصوص ہے فقط اس قصر کے ساتھ جو غیر حقیقی ہے۔ (قصر حقیقی میں اسکی ضرورت نہیں) کیا تم نہیں دیکھتے کہ علما اس پر متفق ہیں کہ قصر حقیقی کے طور پر ما فی الدار الا زید (گھر میں کوئی نہیں ہے سوائے زید کے) کہنا صحیح ہے۔ باوجود اس کے کہ یہ قول کسی ایسے شخص کی رد نہیں ہے جو یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ تمام آدمی گھر میں موجود ہیں اور حاصل کلام یہ ہے کہ اس قصر (انما ولیکم) کا قصر الصفت علی الموصوف قصر احقیقیا ہونا جائز ہے اور دفع تردد و نزاع اور رد خطا کی شرط فقط قصر اضافی میں ہے۔

دوم یہ کہ اس قصر کا اضافی ہونا بھی جائز ہے کیونکہ خدا تعالے جمیع اشیائے ماضیہ و مستقبلہ کا عالم ہے پس چونکہ اوس کو یہ علم تھا کہ آئندہ لوگ حضرت علیؑ کو چھوڑ کر دوسروں کی امامت کے معتقد ہونگے جسکی دلیل وہ حدیث مشکوۃ بھی ہے جسکا ایک فقرہ یہ ہے لو امرتم علیا ولا اراکم فاعلین الخ (یعنی اگر تم علیؑ کو اپنا امیر بناتے اور میں نہیں دیکھتا کہ تم

ویسا کروگے۔ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ رسولؐ کو یہ علم تھا کہ لوگ علیؑ کو امیر نہیں بنائینگے پھر خدا کو کیونکر نہ رہا ہوگا) پس اسی علم کی وجہ سے حجت تمام کر دینے کے لئے تاکید و حصر کے ساتھ "انما ولیکم اللہ" فرمایا۔

سوم یہ کہ ہو سکتا ہے کہ یہ حصر اوس تردد کے دفع کرنے کے لئے کیا گیا ہو جو نزول آیت کے وقت بعضوں کے دلوں میں تھا (اور وہ اس امر میں) کہ ولایت خدا و رسول ہی میں ٹھہری یا ان کے علاوہ بھی کوئی شخص اسمیں شریک ہے اور حصر سے مقصود یہ ہو کہ خدا اور رسول کے ساتھ تیسری ذات کی بھی شرکت کی تعیین کر دی جائے جیسا کہ قول باریتعالے "وما ارسلناک الا کافۃ للناس" میں قصر قلب کیا گیا ہے تاکہ رسولؐ کی رسالت کا کافہ ناس پر مشترک اور عام ہونا ثابت کر دیا جائے اور یہود و نصاریٰ کا یہ خیال باطل ٹھہرایا جائے کہ وہ فقط عرب کے لئے مخصوص ہے۔

چہارم یہ ہے کہ معترض کے کلام کا ماحصل خدا پر اعتراض کرنا اور اوسکی طرف فعل لغو و عبث کی نسبت دینا ہے کیونکہ اون کے کلام کا حاصل یہی ہے کہ خلفائے ثلٰثہ کی خلافت و ولایت تو بعد رسولؐ واقع ہوئی لہذا اس حصر سے وہ تو برطرف ہو نہیں سکتی (یعنی مفاد حصر یہ ہے کہ جس وقت آیت نازل ہوئی تھی اوسی وقت میں ثبوت ولایت محدود و مخصوص ہو جائے نہ کہ ہمیشہ کے لئے پس اگر کوئی خلافت و ولایت دوسرے اوس عہد میں واقع ہوتی تو اوسکو یہ حصر برطرف کر دیتا لیکن جو ولایت عہد نبیؐ کے بعد واقع ہوئی ہے وہ اس کے احاطہ سے باہر ہونے کی وجہ سے مرتفع نہیں ہو سکتی) اور بموجب اعتقاد اہلسنت عہد حیات نبیؐ میں نہ کوئی امام و خلیفہ تھا اور نہ کسی کے خلافت میں کسی کو تردد تھا (جسکو دور کرنا ضروری تھا) لہذا یہ حصر لغو و عبث ہوگا۔

پنجم یہ کہ حصر نفی امامت (غیر مومنین موصوفین) پر مطلقاً دلالت کرتا ہے (خواہ وہ کسی عہد میں ہو) نہ کہ فقط اوس وقت میں جسمیں آیت نازل ہوئی تھی اور بس) اگر ایسا ہی ہو تو کلمۂ توحید کا حصر بھی صرف انہیں لوگوں کی الوہیت کی نفی کریگا جو اوسکے نازل ہونے کے وقت مدعی الوہیت تھے نہ مطلقاً ہر زمانہ کے دعوی کرنے والوں کی الوہیت کی نفی نہ کر سکے گا۔ اور اس امر کا فاسد ہونا ظاہر ہے اسلئے کہ کلمۂ توحید ہر زمانہ میں خداوند عالم کے سوا دیگر معبودوں کے باطل ہونے پر دلالت کرتا ہے خواہ وہ معبودان باطل زمانہ جاہلیت میں سمجھے گئے ہوں یا آیندہ سمجھے جائیں)

بعض اہلسنت کا اعتراض اور اوس کا جواب بعض متعصبین (فخرالدین رازی نے) اس آیت سے استدلال پر یہ اعتراض کیا ہے کہ تم (شیعہ) کہتے ہو کہ حالت نماز میں علیؑ انتہائے خشوع وخضوع میں ہوتے اور اون کے تمام حواس وقویٰ خدا کیطرف استغراق و توجہ کیحالت میں رہتے تھے اور اس کے بیان میں اتنا مبالغہ کرتے ہو کہ کہتے ہو جب کبھی لڑائیوں میں کوئی تیر اون کے جسم میں آلگتا اور اوس کا نکالنا مقصود ہوتا تو نماز کے وقت تک چھوڑ دیا جاتا اور (جب وہ نماز میں مشغول ہوتے) تو لوگ اوس کو نکال لیتے اور اون کو استغراق کامل کی وجہ سے محسوس نہیں ہوتا تھا آخراونھوں نے سائل (کے سوال) کو نماز کی حالت میں کیونکر محسوس کیا جو انگوٹھی عطا کی۔ اس اعتراض کا جواب ہمارے بعض علماء نے ان اشعار میں دیا ہے ۔

یعطی و یمنع لا تلھیہ سکرتہ	عن الندیم ولا یلھو عن الکاس
اطاعہ سکرہ حتی تمکن من	فعل الصحاۃ فھذا افضل الناس

یعنی ہمارا ممدوح جسکو چاہتا ہے بخشدیتا ہے اور جسکو مستحق نہیں پاتا ہے اوسکو نہیں دیتا ہے اسکا استغراق اسکو غافل نہیں کر دیتا ہے اور وہ اپنے ذخیرہ جود وعطا کو بھی نہیں بھولتا ہے اسکا استغراق خود اسی کا مطیع ہو گیا ہے یہانتک کہ وہ بالکل غیر مستغرق ہونے والوں ایسا کام کرتا ہے تو یہ افضل ناس ہے۔

اور اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ بیشک حضرت نماز کیحالت میں ویسے ہی مستغرق رہتے تھے جیسا کہ معترض نے کہا ہے لیکن پھر بھی آپ کو سائل اور اوسکے سوال کا احساس ہو گیا اور اس سے التفات الی غیر الحق لازم نہیں آتا کیونکہ آپ نے وہی کام کیا جسکی انتہا حق تعالےٰ ہی کیطرف ہوتی ہے (لہذا اوس کی طرف التفات جو حاصل تھا اوس میں فرق نہیں آیا بخلاف اس کے تیر کے نکالنے کا احساس اوسی وقت ہو سکتا تھا جب کہ التفات خدا کی جانب سے ہٹ کر اپنے جسم کیطرف آجاتا کیونکہ اس احساس کو ذکر الٰہی سے کوئی تعلق نہ ہوتا) پس آپ مثل اوس شرابی کے تھے جو نشہ میں سرشار ہوتے ہوئے صحات (جو لوگ مدہوش نہ ہوں) کے ایسے افعال کرتا ہے اور پھر یہ افعال اوسکو اس وقت نہ ندیم اور جام شراب سے غافل کرتے اور نہ وہ نشہ کی حالت سے خارج ہوتا اسکو خوب غور سے سمجھنا چاہیے۔

میں کہتا ہوں کہ اس اعتراض کا جواب یہ بھی ہے کہ امیر المومنین ؑ کو اوسوقت وہ مرتبہ وحدۃ فی الکثرۃ وخلوۃ فی الجلوۃ حاصل تھا جو اولیا کو حاصل ہوا کرتا ہے اور حضرات اہل سنت کے جماعت صوفیین سے نقشبندیہ فرقہ نے اپنے لئے ثابت کیا ہے اور اون کا یہ قول مشہور ہے کہ خلوت در انجمن میداریم یعنی ہملوگ انجمن میں خلوت رکھتے ہیں۔ پس (جبکہ صوفیین اہل سنت اس مرتبہ کو اپنے نفوس میں حاصل بتاتے ہیں تو) ایسے ہی مرتبہ کے حاصل ہونے میں اہلسنت کو علیؑ کے ساتھ نزاع کرنا مناسب نہیں ہے البتہ جبکہ یہ کہیں کہ نقشبندیہ نے تصوف میں اپنے فرقہ کو حضرت ابوبکر کیطرف نسبت دی ہے لہذا اون کی برکات سے اون لوگوں کو ایسے مرتبہ کا حصول ممکن تھا جو علی کو حاصل نہیں ہو سکتا تھا تو اس کلام کا دفع کرنے والا خدا ہی ہو سکتا ہے دوسرا کوئی نہیں۔

قول مصنف علامہ اعلی اللہ مقامہ دوسری آیت یہ ہے "یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک"۔ جمہور مفسرین ناقل ہیں کہ بیان فضل علی میں بروز غدیر خم یہ آیت نازل ہوئی اوس وقت رسول خدا نے علی ؑ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا ایھا الناس الست اولی منکم بانفسکم قالوا بلی یا رسول اللہ قال من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ وادر الحق معہ کیفما دار۔ یعنی اے لوگو کیا میں تمھارے نفسوں پر تم سے زیادہ حق نہیں رکھتا ہوں؟ سب نے عرض کی ہاں یا حضرت آپ ضرور ہمسے اولے ہیں تو حضرت نے فرمایا جس کا میں مولا ہوں اوس کے مولا علی بھی ہیں۔ اے خدا تو دوست رکھ اسکو جو علی کو اپنا مولا سمجھے اور دشمن رکھ اسکو جو انکو دشمن رکھے اور مدد کر اوس کی جو علی کی مدد کرے اور چھوڑ دے اسکو جو علی کو چھوڑ دے اور حق کو ادھر پھیرنا جدھر جدھر علی پھرتے رہیں۔ (اس حدیث میں) لفظ مولے سے اولے بالتصرف مراد ہے اس لئے کہ پہلے "الست اولے" فرمادیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مولے سے معنی اولے ہی مراد ہیں، اور اس لئے بھی کہ معنی اولے بالتصرف کے سوا کوئی دوسرا [illegible] یہاں مراد ہونے کے قابل نہیں۔

قول ابطال یہ قول کہ آیت مذکورہ کے علی ؑ کی شان میں نازل ہونے پر مفسرین کا اجماع ہے باطل ہے کیونکہ مفسرین کا اس پر اجماع نہیں ہے اور یہ جو کچھ مروی ہے کہ رسول خدا نے بروز غدیر خم علی ؑ کا ہاتھ پکڑ کر "الست اولی" فرمایا تو بیشک روایات صحاح سے

ثابت نہ ہے اور ہم نے اس کا راز ترجمہ کتاب کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ میں بیان کیا ہے اوسکا ملخص یہ ہے کہ واقعہ غدیر خم آنحضرتؐ کی حجۃ الوداع سے واپسی کے وقت واقع ہوا تھا اور غدیر خم وہ مقام تھا جہاں سے قبائل عرب مختلف اطراف میں اجدا ہوتے تھے اور آنحضرت کو یہ معلوم تھا کہ اب آخر عمر آپہونچی ہے اس کے بعد آپ کے پاس عرب کا ایسا جم غفیر جمع نہ ہوگا پس آپ نے چاہا کہ آپنے اہلبیت اور قبیلہ کی بابت عرب کو حفظ محبت کی وصیت کردیں اور اسمیں شک نہیں کہ علیؑ بعد رسول خدا سید بنی ہاشم واکبر اہلبیت تھے پس آنحضرتؐ نے اون کے فضائل بیان کئے اور وجوب ولایت ونصرت ومحبت میں اون کو اپنے نفس کے برابر قرار دیا تاکہ عرب اونکو اپنا سردار تسلیم کریں اون کے فضل وکمال کو پہچانیں منصف کو خود یہ انصاف کرنا چاہئے کہ اگر غدیر خم کے دن آنحضرتؐ نے خلافت علیؑ کی تصریح ایسی نص جلی سے کردی ہوتی تو حضرت کے مقصود کے خلاف کوئی احتمال نہیں پیدا ہوسکتا تھا حالانکہ اسکے خلاف ہوا۔ کیا تمھیں یہ دکھائی نہیں دیتا کہ عرب بعد رسولؐ مبتلائے خلافت وکفر ہو رہے تھے اور اونھوں نے مسیلمہ وسجاح وطلحہ کو اپنا اپنا نبی بنا لیا تھا لیکن باوجود اس کے حضرت ابوبکر کی خلافت پر ساکت تھے اور خلافت علیؑ کے بارے میں ایک کلمہ بھی منہ سے نہیں نکالتے تھے ایسی حالت میں کہ آنحضرت صلعم قبائل عرب کے سامنے بر سر منبر خلافت علی پر نص کردیے ہوتے (کیونکر ممکن تھا کہ یہ کفار خلافت ابوبکر پر ساکت رہ جاتے اور علی کی بابت ایک کلمہ بھی زبان پر نہ لاتے) لہذا اگر شخص عاقل انصاف کرے تو جان لے گا کہ حضرت علی کی خلافت پر کوئی نص خفی ہی نہیں۔

قول احقاق پہلے تو میں یہ کہتا ہوں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے اجماع مفسرین کا دعوے ہی نہیں کیا ہے بلکہ "نقل الجمہور" (یعنی جمہور علما نقل کرتے ہیں) فرمایا ہے اور "جمہور" کے معنے "اکثر" کے ہیں اور اس سے مصنف علیہ الرحمہ کی مراد یہ ہے کہ اس آیہ کے شان نزول کے معاملہ میں جمہور اہل سنت کی ایک جماعۃ مفسرین فرقہ شیعہ کے مفسرین سے موافقت رکھتی ہے اور ہمکو اپنی حقیت ثابت کرنے کیلئے اسی قدر کافی ہے کہ ہمارے دعوے کے مطابق اس آیہ مبارکہ کی تفسیر کرنے والے فرقہ اہل سنت وجماعت کے علماء سے بھی معتد بہ حضرات ہیں

تمام مفسرین اہلسنت کے اتفاق کی بھی حاجت نہیں ہے اس لئے کہ اگر کسی گروہ کے بعض افراد نے کوئی رائے اختیار کی ہو اور ان کے مخالفوں میں کچھ لوگوں نے اونسے موافقت کی ہو تو وہ اس گروہ کے باقی افراد پر حجت ہو جاتی ہے اسی لئے تمھیں دکھائی دیتا ہے کہ علمائے شیعہ جمہور اہلسنت کے مقابل میں بطور احتجاج کہتے ہیں کہ "ابو حنیفہ نے یوں کہا ہے اور غزالی کا یہ قول ہے وغیرہ وغیرہ" اور ایسا ہی اہلسنت بھی کرتے ہیں اور فاضل مخاطب نے بھی اپنی کتاب کے خطبہ میں ایسا ہی کیا ہے اور شیعوں کے مقابلہ میں بطور احتجاج کہا ہے کہ "حاکم ابو عبداللہ نے یہ روایت کی ہے اور وہ شیعی امامی ہے" (پس جبکہ ایک جماعت مفسرین اہلسنت نے تسلیم کر لیا ہے کہ آیہ مذکورہ کا نزول علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی شان میں ہوا تو باقی لوگوں پر ہماری حجت تمام ہو جاتی ہے) اور بعض اہلسنت خصوصاً متاخرین کی طرف سے مخالفت کا واقع ہونا اوس میں کوئی قدح نہیں کر سکتا بلکہ وہ مخالفت اسکی دلیل ہے کہ اونھوں نے جب دیکھا کہ شیعوں کی حجت اون پر قائم ہو رہی ہے تو یہی مناسب سمجھا کہ اوسکے مخالف روایات وضع کر کے مخالفت کریں تاکہ حق کو چھپا دیں اور باطل کو رائج کریں جیسا کہ اس کے بعد آنے والی آیت میں فاضل مخاطب نے بھی کیا ہے۔ بلکہ ہم تو کہیں گے کہ علی ابن ابیطالبؑ کی شان میں آیت کے نزول پر پہلے اجماع واقع تھا۔ مخالفت جو ظاہر ہوئی وہ اغراض مذکورہ کی وجہ سے بعد میں ظاہر ہوئی اور اسکی دلیل یہ ہے کہ جتنی مفسرین نے اسکے خلاف روایات بیان کی ہیں وہ ثعلبی وغیرہ مفسرین متقدمین سے بھی متاخر تھے چہ جائیکہ وہ قدمائے مفسرین جو صحابہ وتابعین تھے ان لوگوں سے بالاتفاق یہی مروی ہے کہ آیت مذکورہ کا نزول امیر المومنین کی شان میں ہوا) بالجملہ اس قوم کی قبیح عادتوں اور فضیحت کن بے حیائیوں میں سے یہ ہے کہ جب کوئی آیت ایسی پاتے ہیں جو اہلبیت کے فضائل و مناقب میں نازل ہوئی ہے اور شیعہ اوس سے اونکی افضلیت واحقیت پر استدلال کرتے ہیں تو باوجود اس کے کہ خود بھی اس آیت کو اپنی کتابوں میں پہلے روایت کر چکے ہیں شیعوں کا استدلال دیکھکر اس میں کبھی مخالف کو پیدا کرتے ہیں اور کبھی اوس کو ضعیف کہنے لگتے ہیں اور کبھی تخصیص کبھی تعمیم کبھی (بے سر وپا) تاویل کرنے لگتے ہیں (غرض کسی نہ کسی طرح اصل مرکز سے اوسکو ہٹا دینا اپنا فرض سمجھتے ہیں) گویا دین

وضع کرنے کا ٹھیکہ اونکے سپرد ہوگیا ہے اور گویا اس پر موکل قرار دیے گئے ہیں کہ حضرت سید المرسلین کی بنائے شریعتوں کو گراتے رہا کریں معلوم ہوتا ہے کہ اونھوں نے خدا کا یہ کلام سُنا ہی نہیں ہے۔ قتل الخراصون الذین ھم فی غمرۃ ساھون (پارہ ۲۶ رکوع ۱۸) یعنی اٹکل دوڑانے والے ہلاک ہوں جو غفلت میں بھولے ہوئے پڑے ہیں اور یہ کلام نہیں سُنا ہے ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات والھدی من بعد ما بیناہ للناس فی الکتاب اولئک یلعنھم اللہ ویلعنھم اللاعنون (پارہ ۲ رکوع ۳) یعنی بیشک جو لوگ ہماری ان روشن دلیلوں اور ہدایتوں کو جنھیں ہم نے نازل کیا ہے اسکے بعد چھپاتے ہیں جب کہ ہم کتاب میں لوگوں کے سامنے صاف صاف بیان کرچکے تو یہی لوگ ہیں جن پر خدا بھی لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔ علاوہ بریں یہ لوگ کبار اہل بیت علیہم السلام مثل حضرت زین العابدین و باقر علوم الدین و امام الصادقین اور باقی آئمہ طاہرین صلوات اللہ علیہم اور اون کے اتباع صلحائے مومنین کی روایتوں کو تو کسی شمار میں لاتے ہی نہیں بلکہ اون پر ناشائستہ مطاعن وارد کرتے ہیں اور یہ سب اسلئے ہے کہ اون کبار اہلبیت اور اون کے تابعین کرام کے کلاموں کو اپنے مقصود کے مطابق نہیں پاتے تو ان لوگوں کی حیا کس قدر کم ہوگئی اور ان کی زیادتی کس حد تک پہونچ گئی تو ایسا کرنے سے اونکے بزرگوں کو کیا نفع حاصل ہوا اور اونکی پیروی کرنے سے بعد والوں اور اونکے پیروؤں کو کیا شرف ملیگا۔ اور فاضل مخاطب نے تو فن تحریف آیات و احادیث رسول میں وہ کمال حاصل کیا کہ اپنے دیگر علما کو بھی رسوا کردیا۔ اور بالخصوص مسئلہ اجماع عترت طاہرہ (جو آئندہ آئےگا) میں آیہ تطہیر کی جو نظر گڑھی ہے وہ نہ صرف عداوۃ امیر المومنین بلکہ اون کے کفر صریح کی دلیل ہے۔ اچھا ان باتوں سے ہٹ کر ذرا ادھر بھی نظر کرنی چاہیے کہ کتنے کثیر التعداد اور معتبر رواۃ نے اس حدیث کی روایت کی ہے تاکہ ثابت ہو جائے کہ مصنف علیہ الرحمہ کا دعوی و نقل جمہور صحیح ہے یا نہیں پس دیکھو کہ یہ حدیث اہلسنت کی صحاح مثل مسلم وغیرہ میں مروی ہے اور ان کے امام احمد بن حنبل نے اپنے مسند میں متعدد طریقوں سے اونھیں لفظوں میں روایت کی ہے جن کو مصنف علیہ الرحمہ نے ذکر کیا ہے اور اسی طرح ثعلبی نے اپنی تفسیر اور ابن المغازلی الشافعی نے کتاب مناقب میں متعدد طرق سے روایت کی ہے اور ابن عقدہ نے ایک سو پانچ طریقوں سے نقل کی ہے اور

شیخ ابن کثیر شامی شافعی نے احوال محمد بن جریر الطبری میں اون کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں نے ایک کتاب دیکھی جس میں احادیث غدیر خم دو ضخیم جلدوں میں جمع کی گئی تھیں اور ایک کتاب ایسی دیکھی جس میں حدیث طیر کے طرق جمع کئے گئے تھے اور ابو المعالی الجوینی سے منقول ہے کہ وہ تعجب کیا کرتے اور کہا کرتے تھے کہ میں نے بغداد میں ایک کتب فروش کے ہاتھ میں ایک جلد کتاب دیکھی جس میں اس حدیث کے طرق روایات جمع کئے گئے تھے اور اوس پر لکھا تھا "المجلدة الثمانية والعشرون من طرق من كنت مولاه فعلي مولاه ويتلوه المجلدة التاسع والعشرون" (یہ اٹھائیسواں جلد اوس کتاب کی ہے جس میں حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ کے طرق روایت مذکور ہیں اور اس کے بعد اونتیسویں جلد بھی ہے) اور شیخ ابن الجزری الشافعی نے اپنے رسالہ "اسنی المطالب فی مناقب علی ابن ابیطالب" میں تواتر اس حدیث کا طرق کثیرہ سے ثابت کیا ہے اور اس کے منکر کو جہل و تعصب کی طرف منسوب کیا ہے بالجملہ یہ حدیث شہرت میں اوس حد کو پہونچی ہوئی ہے کہ اوس کے برابر کوئی حدیث نہیں ہو سکتی اور محققین اُمت نے قبول و اعتبار کے ساتھ اوسکا خیر مقدم کیا ہے پس اس حدیث کے رد کرنے کی جرأت صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو معاند جامد اور کتب احادیث سے بے خبر ہو۔

ثانیاً (میں کہتا ہوں) کہ فاضل مخاطب نے جو اپنا (گڑھا ہوا) راز دعوی نصوصیۃ حدیث مذکور کا قادح تصور کر کے بیان کیا ہے وہ اس سے دفع ہو جاتا ہے کہ علی ابن ابیطالب کا فضل و کمال علم و جود و شجاعت اور داماد اور چچازاد بھائی نیز غمگسار خاص ہونے کی حیثیت سے آپ کو جو قرب رسول ؐ حاصل تھا وہ تمام عرب پر ظاہر تھا بالخصوص قریش پر جنکو وصیت کرنا زیادہ ضروری و اہم تھا اور اس سے پہلے ان کی محبت کے وجوب کی بابت خداوند عالم کا یہ قول: "قل لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة فی القربى" (اے رسول ان لوگوں سے کہدو کہ میں تم سے اسپر اور کچھ اجر اسکے سوا نہیں چاہتا کہ میرے اہلبیت کی محبت ہمیشہ رکھنا) خود قرآن مجید لوگوں کو سنا چکا تھا اور آنحضرت ؐ ان کی شان میں فرما چکے تھے: "انی تارك فيكم الثقلين كتاب الله وعترتی اهل بيتي" میں تم میں دو بزرگ چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ایک کتاب خدا اور دوسری عترت جو میرے اہلبیت ہیں

نیز آپ بارہا یہ فرما چکے تھے: اذکرکم اللہ فی اھل بیتی: (یعنی مسلمانو! میں اپنے اہلبیت کے بارے میں تمھیں خدا کو یاد دلاتا ہوں) جیسا کہ ابن حجر نے صواعق محرقہ میں نقل کیا ہے[۱] علاوہ ان احادیث کے اور بہت سی حدیثیں فرمادی تھیں جن میں ان لوگوں کی محبت و توقیر و تعظیم کی ترغیب دی تھی اور ان حضرات کی مخالفت سے ڈرایا تھا یہ حدیثیں کتب حدیث خصوصاً مناقب میں مفصلاً مذکور ہیں اور ان میں سے کچھ احادیث مصنف علیہ الرحمہ نے اس کتاب میں نقل کی ہیں پس بداہۃً عقل یہ حکم کر رہی ہے کہ رسول خداؐ کا اترنا ایسے وقت اور ایسے مقام میں جس میں مسافرین کا نزول متعارف نہ تھا کیونکہ ہوا انتہا سے حرارت پر پہونچی ہوئی تھی (یعنی شدید گرمی کا دن تھا) یہاں تک کہ لوگ اپنے اونٹوں کے سایہ میں چھپتے پھرتے تھے اور پاؤں کے نیچے اپنی ردائیں بچھا رہے تھے (بغیر اس کے زمین پر پاؤں رکھنا دشوار تھا) اور وہ مقام کانٹوں سے بھرا ہوا تھا۔ پھر پالانوں کے منبر پر بلند ہونا اور حضرت علیؑ کو بادشاہوں خلیفوں۔ اور ولیعہدوں کی شان سے بلانا اس کے سوا کسی وجہ سے ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی وحی ایجابی جس کی تعمیل فوراً ضروری تھی کسی ایسے امر جلیل الشان و عظیم القدر کی بابت نازل ہوئی تھی جس کا تعلق بالخصوص علی بن ابی طالبؑ سے تھا نہ کہ تمام اہل بیت سے۔ اور وہ امر حضرت علیؑ کو امامت و خلافت پر منصوب کرنا تھا نہ کہ محض طلب محبت و نصرۃ وغیرہ۔ خصوصاً یہ دیکھنے کے بعد کہ آنحضرتؐ نے ان تمام (غیر معمولی اور خلاف عادت) کارروائیوں کے ساتھ اپنے قول "الست اولی بکم من انفسکم" کا ضمیمہ بھی لگا دیا تھا اوس احتمال کی گنجایش باقی نہیں رہ جاتی جس کا فاضل مخاطب نے توہم کیا ہے کیونکہ یہ قول رسولؐ ریاست دنیا و دین کے مراد ہونے پر نص صریح ہے اس لئے کہ اہل بیت میں سے اولے بنفس الامہ انکی ہر فرد تو کسی طرح نہیں ہو سکتی بلکہ

---

[۱] علامہ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۳۷ میں لکھا ہے وفی صحیح مسلم وغیرہ فی خطبتہ قرب رابغ مرجعہ من حجۃ الوداع قبل وفاتہ بنحو شہرانی تارک فیکم الثقلین اولہما کتاب اللہ فیہ الھدی والنور ثم قال واھل بیتی اذکرکم اللہ فی اھلبیتی اذکرکم اللہ فی اھلبیتی ثلاثا غرض تین مرتبہ آنحضرت صلعم نے اہلبیت کے بارے میں خدا کو یاد دلایا ۱۲ مترجم

فقط نبی و امام ہی ہو سکتے ہیں جسکی طرف اشارہ آیہ سابقہ کی تحقیق کے ذیل میں کیا گیا اور اس حدیث کے سامعین میں سے جو لوگ کلام عربی کے مدلولات کے عارف تھے مثل حضرت عمر بن الخطاب وحسان بن ثابت وحارث بن النعمان الفہری اونھوں نے اس مطلب کو سمجھ لیا تھا اور حضرت عمر کی بابت تو یہ تواتر مروی ہے کہ اونھوں نے "بخ بخ لک یا ابن ابیطالب اصبحت مولای ومولی کل مومن ومومنة" (یعنی اے فرزند ابو طالب لو مبارک ہو، مبارک ہو کہ آپ تو میرے اور ہر مومن و مومنہ کے مولا اور سردار بھی بنا دئیے گئے) کہکر علی کو مبارک باد دی تھی۔ اہلسنت کے علامہ جلیل القدر جنکو وہ حجۃ الاسلام امام غزالی کہتے ہیں انھوں نے اپنی کتاب سر العالمین کے مقالہ رابعہ میں جسکو مسئلہ خلافت کی تحقیق میں لکھا ہے کئی بحثوں کے بعد اور بعض اختلافات کا ذکر کرکے تحریر کیا ہے کہ لکن اسفرت الحجة وجهها واجمع الجماهير على متن الحديث عن خطبته صلوات الله عليه في يوم غدير خم باتفاق الجميع وهو يقول من كنت مولاه فعلي مولاه فقال عمر بخ بخ لك يا ابا الحسن لقد اصبحت مولاي ومولا كل مومن ومومنة فهذا تسليم ورضى وتحكيم ثم بعد هذا غلب الهوى لحب الرياسة وحمل عمود الخلافة وعقود البنود وخفقان الهوى في قعقعة الرايات واشتباك ازدحام الخيول وفتح الامصار سقاهم كاس الهوى فعادوا الى الخلاف الاول فنبذوا الحق وراء ظهورهم واشتروا به ثمنا قليلا فبئس ما يشترون (یعنی یہ سب تو ہوا لیکن حجت نے اپنا چہرہ بے نقاب کرکے دکھا دیا ہے اور جمہور کا اس امر پر اجماع و اتفاق ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلعم بروز غدیر اپنے خطبہ میں یہ فرما رہے تھے کہ "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" اوس وقت حضرت عمر نے یہ کہا تھا کہ "بخ بخ لک یا ابا الحسن لقد اصبحت مولای ومولی کل مومن ومومنة" اور یہ کلام اون کی طرف سے تسلیم و رضا و تحکیم کو واضح کر دیتا ہے (یعنی اس امر کو کہ حضرت عمر نے بھی حضرت امیر المومنین کی ولایت و حکومت مان لی تھی اور اوس پر راضی ہو گئے تھے) لیکن بعد میں آرزو یہ غالب آگئی کہ ریاست کی باگ ہاتھوں میں آجائے اور خلافت کا علم بلند ہو اور بڑے بڑے علموں میں پھریرے باندھے جائیں اور جھنڈوں کی کھڑکھڑاہٹ سے ہوا میں تموج آجائے (اور فوجی سواروں کے) گھوڑوں کی ملی ہوئی آواز یں بلند ہوں اور بلاد و امصار مفتوح کئے جائیں پس اس آرزو نے اون کو ایسا جام ہوس پلا دیا کہ (مدہوش ہو کر) اپنے خلاف اول کی جانب پلٹ گئے اور حق کو پس

بت، ڈالدیا اور اوسکو بہت کم داموں پر بیچ ڈالا اور جو کچھ قیمت پائی وہ بہت بڑی تھی۔)
رہا یہ امر کہ حسان نے بھی کلام رسولؐ کے حقیقی مقصود کو سمجھ لیا تھا تو وہ اس سے ظاہر ہے کہ
انھوں نے اوس موقع پر وہ اشعار کہے تھے جو نہایت مشہور اور ہمارے بیان کئے ہوئے
مقصود (یعنی امیر المومنینؑ کے خلیفہ رسول و ولی امت بنائے جانے) پر دلیل صریح ہیں اون
پر رسول خداؐ نے اپنے پسندیدگی ظاہر فرمائی تھی اور اون کی ثنا کی تھی نیز حارث
بن نعمان الفہری کا مقصود رسول کو سمجھ لینا تو وہ اوس روایت سے ظاہر ہے جو قدوہ
مفسرین اہل سنت ثعلبی نے آیہ سأل سائل بعذاب واقع۔ (یعنی ایک سوال کرنے
والے نے واقع ہونے والے عذاب کا سوال کیا) کی شان نزول میں نقل کی ہے
اور وہ یہ کہ جب آنحضرتؐ غدیر خم پر وارد ہوئی اور لوگوں میں منادی کردی اور وہ مجتمع ہو گئے
تو علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" جب یہ خبر تمام بلاد و امصار میں
مشہور ہوئی اور نعمان بن الحارث تک پہونچی تو وہ اپنے ناقہ پر سوار ہو کر روانہ ہوا
اور خدمت رسولؐ میں پہونچا اوس وقت حضرت اصحاب کے مجمع میں رونق افروز تھے
(نعمان نہایت گستاخی سے مخاطب ہوا اور) کہنے لگا کہ اے محمد تم نے خدا کی وحدانیت
اور اپنی رسالت کی شہادت دینے کا حکم دیا ہم نے اوس کی تعمیل کی پھر ہم کو پنجگانہ
نماز کا حکم دیا وہ بھی بجالائے پھر ماہ رمضان کے روزوں کا حکم دیا اوس کو بھی
قبول کر لیا پھر خانہ کعبہ کے حج کا حکم نافذ کیا ہم نے وہ بھی کیا مگر تم اتنی تکلیفات پر راضی نہیں ہوئے
کہ اب اپنے بھائی کو ہم پر فضیلت دی (اور ہمارا حکمراں بنادیا) یہ کہکر کہ جس کا میں مولا
ہوں اوس کا علیؑ بھی مولا ہے (اچھا یہ بتاؤ کہ) یہ بات تم نے اپنی طرف سے کی ہے
یا خدا کی جانب سے کی گئی ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم ہے جسکے سوا
کوئی معبود نہیں ہے کہ علی کو خلیفہ کر دینے کا حکم بھی اوسی کی جانب سے نازل ہوا ہے
پس یہ سنکر حارث نے منہ موڑا اور یہ کہتا ہوا اپنے ناقہ کیطرف چلا کہ "اے خدا اگر محمدؐ کا
کلام حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی عذاب الیم نازل کردے" ابھی
وہ اپنے ناقہ تک پہونچا بھی نہ تھا کہ خدا نے اسپر آسمان سے ایک پتھر گرایا جو اوس کے
سر سے گذرتا ہوا مقام اسفل سے باہر ہو گیا اور وہ اوس جگہ مر کے رہ گیا۔ اسی واقعہ کی
بابت خدا نے اس وقت یہ آیت نازل فرمائی۔ سأل سائل بعذاب واقع للکافرین

لیس لہ دافع من اللہ ذی المعارج یعنی ایک مانگنے والے نے کافروں کے
لئے ہو کر رہنے والے عذاب کو مانگا جسکو کوئی ٹال نہیں سکتا جو درجے والے خدا کی
طرف سے ہونے والا تھا۔ پارہ ۲۹ رکوع ۷) انتہے۔ پس اس حدیث کا تواتر واضح ہو جانے
کے بعد جس کا کہ اکابر اہل سنت کو اعتراف ہے اور اوس کے مفہوم کی اتنی صراحت
کے بعد کہ فصحائے قریش نے اوس کو بخوبی سمجھ لیا تھا کسی قدح و منع کا وارد کرنا یا ایسی تاویل
کے درپے ہونا جس سے عقل کو انقباض ہو محض اعوجاج فطرت و سوء استعداد اور
تعصب و عناد کا نتیجہ ہوگا۔ اگر فی الواقع آنحضرت کیطرف سے اوس مقام اور اوس وقت
میں خطبہ مذکورہ کے ارشاد کئے جانے کا سبب خوف افتراق قبائل عرب ہی ہوتا۔
جس کا کہ فاضل مخاطب نے دعوے کیا ہے نہ کہ کوئی وحی جو امر فوری پر مشتمل تھی جیسا کہ
شیعہ اپنے آئمہ علیہم السلام سے روایت کرتے ہیں (بلکہ اکثر علمائے اہل سنت بھی
آیہ بلغ ما انزل الیک من ربک کی تفسیر میں راوی ہیں مترجم) تو یہ ضرور ہوتا کہ حضرت صلعم
اوس مقام پر پہونچنے سے پہلے ہی اپنے نفس میں طے کرلئے ہوتے کہ آج مجھے لوگوں کے
سامنے یہ تقریر کرنی ہے اور اوس دن کی صبح ہی کے وقت راحت و اطمینان
کی حالت میں) جو کچھ کہنا تھا کہدیتے نہ کہ دوپہر کی شدید گرمی اور اثنائے سفر میں
فرماتے (اور لوگوں کو ناحق تکلیف دیتے) بلکہ اس صورت میں ظاہر تو یہ ہے
کہ ایام حج ہی میں کہدیتے تاکہ اوس موقع کے تمام حاضرین سن لیتے اس لئے کہ جس قدر
عرب و غیر عرب وہاں موجود تھے وہ مکہ سے غدیر خم کے سفر میں آنحضرت کے ہمراہ
نہ تھے بلکہ بعض لوگ تو مکہ ہی میں رہ گئے تھے اور باقی یمن وغیرہ جزائر عرب کے رہنے
والے مکہ ہی سے اپنے اپنے وطن کی جانب روانہ ہو گئے تھے پس ظاہر ہوا کہ
اوس مخصوص وقت اور محل میں وہ خبر سنانا خود رسول خدا کیطرف سے نہیں تھا
بلکہ وحی آلہی اوس کی علت تھی اور وہ اس غرض سے کہ اوس سخت وقت و محل میں
مضمون خطبہ کے سننے میں مشقت جھیلنا مضمون خطبہ کو فراموش نہ کر سکنے کا زیادہ باعث
ہو نیز یہ امر اس بات پر زیادہ دلالت کرنے والا تھا کہ جو واقع ہوا ہے وہ حکم آلہی کا
مقتضے ہے نہ اجتہاد نبی کا۔ اور ہمارے مقصود کے دلائل صریحہ میں سے یہ امر بھی ہے

کہ محبت اہلبیت اور اون کی نصرت وغیرہ امور جن کا احتمال فاضل مخاطب نے پیدا کیا ہے ان سب کی تبلیغ اسکے بعد کہ آنحضرت صلعم پہلے متعدد مرتبہ کر چکے تھے اتنی بہتم بالشان بات نہیں رہ گئی تھی کہ خدا کیطرف سے اتنی تاکید اور اتنے مبالغہ سے کام لئے جانے کا باعث ہوتی کہ خداوند عالم اپنے رسولؐ سے یوں خطاب فرماتا کہ اگر تم نے یہ کام انجام نہ دیا تو گویا اسکے احکام کی کچھ تبلیغ کی ہی نہیں اس سے ثابت ہوا کہ غدیر خم میں کسی ایسے حکم کی تبلیغ مراد تھی جس سے جمیع احکام کی تبلیغ کا تحقق وابستہ تھا اور اوس سے دین کامل اور نعمت تمام ہوتی تھی اور وہ یہی حکم تھا کہ اصول دین اسلام میں سے پانچویں کی تعیین کردیجائے (اور وہ اس طرح) کہ حضرت امیر المومنینؑ کو منصب خلافت پر معین۔ اور اون کی امامت و وجوب اطاعت کو عامہ ناس پر ظاہر کردیا جائے اور یہی حکم لوگوں کے دلوں پر نہایت شاق اور گراں تھا اور اس کا سبب معلوم ہے کہ علی بن ابیطالب علیہ السلام نے غزوات نبی صلعم میں اون لوگوں کے اعزہ و اقارب کو قتل کیا تھا اس لئے اون سینوں میں بغض و عناد بھرا ہوا تھا جس کا ثبوت اوس روایت میں بھی موجود ہے جو پہلے گذر چکی ہے (یعنی حارث بن نعمان فہری کے حوالی عذاب والی روایت میں) پس محصل اس حکم کا یہ ہوا کہ "اے رسول تم اوس حکم ایجابی فوری کو جو امامت کے منصب پر علی کو معین کرنے کی بابت تم پر نازل کیا گیا ہے لوگوں تک پہونچا دو اور اگر تم نے اس کی تعمیل و تبلیغ میں تامل کیا تو ہمارے کسی حکم کی تبلیغ کی ہی نہیں" اور اس امر (یعنی ایک حکم کی تبلیغ بجائے جملہ احکام کی تبلیغ کے قرار پانے) کی نظیر یہ ہے کہ اگر مکلف رسولؐ کی کل لائی ہوئی باتوں پر ایمان نہ لائے بلکہ بعض کو چھوڑ دے تو اوس کی حیثیت بھی اوسی شخص کی ہوگی جو کسی پر ایمان نہیں لایا ہے (پس جس طرح ایک بات پر ایمان نہ لانے سے باقی امور پر ایمان لانا کالعدم ہوجاتا ہے اوسی طرح اگر ایک حکم کی تبلیغ نہ کرنے سے جملہ احکام کی تبلیغ خدا کے نزدیک ناقابل قبول ہے تو محل تعجب نہ ہونا چاہئے پھر چونکہ خدا کو یہ معلوم تھا کہ یہ کام حضرت رسول صلعم پر بہت سخت ہوگا کیونکہ آپکو اس قوم کے کینوں کا حال معلوم تھا لہذا خدا نے آنحضرت صلعم کے اطمینان اور تسکین و تسلی کے لئے یہ بھی فرما دیا کہ تم ان لوگوں کی ذرہ برابر پروا نہ کرو اسلئے کہ ان لوگوں سے تمکو خدا محفوظ رکھے گا۔ لہذا حضرت علی کی خلافت پر یہ نص کامل ہوگئی

اور وہ احتمال زائل ہو گیا جسکو اس شخص نے پیدا کر کے چاہا تھا کہ لوگوں کو وسوسہ میں مبتلا کر دے۔ تیسرا اعتراض یہ ہے کہ فاضل مخاطب نے اپنے اس قول سے کہ "حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ کو ولایت نصرت اور محبت وغیرہ میں اپنا مساوی قرار دیا۔ اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ لفظ اولے بالتصرف کے معنے میں نہیں ہے بلکہ محبت و نصرت کے معنے میں ہے۔ تو اس کا جواب علامہ علیہ الرحمہ نے پہلے ہی اس طرح دیدیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے پہلے جو سب سے دریافت کیا کہ کیا میں تمھارے نفسوں کے لئے اولی بالتصرف نہیں ہوں اور سب نے کہا کہ ضرور ہیں۔ یہ سوال و جواب ہی ثابت کر دیتا ہے کہ حضرت علی کو بھی جو سب کا مولے بنایا تو اس سے بھی یہی مقصود تھا کہ علیؑ بھی سب کے نفسوں کے لئے ان سے اولی بالتصرف ہیں (بالجملہ فاضل مخاطب نے جو کچھ حدیث ولایت کی بابت رد و قدح کی ہے اوس کی غلطی تو ہم واضح کر چکے اب رہا) ایک اور معارضہ جو صاحب مواقف نے آخر حدیث "اللّٰھم وال من والاہ" سے پیش کیا ہے (یعنی جب آخر حدیث میں ولایت بمعنی محبت و نصرت ہے تو اول حدیث میں بھی یہی مراد ہونگے) اور اس بات سے کہ علمائے عربیہ میں سے کسی نے یہ نہیں کہا ہے کہ "مَفْعَلٌ" کا وزن "اَفْعَل" کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے اور (عرف عام کا) استعمال بھی یہی بتاتا ہے کہ "مولے" بمعنی "اولے" نہیں ہے کیونکہ "ھو اولی من کذا" اور "ھو اولی الرجلین و اولی الرجال" کہنا جائز ہے لیکن (بجای اسکے) "مولے الرجلین و مولے الرجال" کہنا صحیح نہیں ہے اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ "مولے" کے معنی "اولے ہی" کے ہیں پھر بھی اسکی دلیل کیا ہے کہ اوس سے مراد "اولے بالتصرف والتدبیر" ہے؟ کیونکہ جائز ہے کہ اوس سے کسی اور امر میں اولے مراد ہو جیسا کہ خداوند عالم کے اس قول "ان اولے الناس بابراھیم للذین اتبعوہ" (یعنی ابراہیم سے زیادہ خصوصیت تو ان لوگوں کو تھی جو خاص اونکی پیروی کرتے تھے سورہ آل عمران رکوع ۷) میں اولویۃ اتباع اور اختصاص و قرب میں مراد ہے نہ کہ تصرف میں انتہٰی۔ میں کہتا ہوں کہ صاحب مواقف کے اس کلام میں بہت ہی غلطیاں ہیں۔ **اوّل** یہ کہ آخر حدیث کے جملہ کا معنی محبت و نصرت کے مراد ہونے کی طرف مشعر ہونے سے (جو معارضہ کیا ہے وہ) محض اوسی وقت تمام ہو سکتا ہے جبکہ

یہ کہا جائے کہ کسی ایک معنی پر لفظ کا اطلاق کئے جانے کے بعد یہ مناسب نہیں ہے کہ دیگر الفاظ جو اشتقاق میں اوس کے قریب و مناسب ہوں اون کو دوسرے معنی پر اطلاق کیا جائے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ (اختلاف اطلاق الفاظ) صنایع اور محسنات بدیعیہ میں شمار کیا جاتا ہے پس یہ دعوے اشعار ممنوع ہے خصوصا اوس مقدمہ متواترہ کے موجود ہوتے (جو پہلے مذکور ہوا) نیز آنحضرت صلعم کے کلام کا آخری حصہ ایک جملہ دعائیہ ہے جو سابق کلام کے بعد اس سے علحدہ ذکر کیا گیا ہے جسکو اصل حدیث سے چنداں ارتباط نہیں ہے (یعنی آنحضرت صلعم نے حدیث تو یہ فرمائی کہ جسکا میں مولا اور سردار ہوں اسکے موے اور سردار علی بھی ہیں یہ جملہ یہاں ختم ہوگیا پھر اسکے بعد نئے مضمون کے طور پر آنحضرت صلعم نے ایک دعا بھی فرمادی جو سابق حکم سے علحدہ ہے کہ اے خدا تو اسے دوست رکھ الخ) لہذا اس سے کسی قسم کا اعتراض اور شبہہ نہیں پیدا ہوسکتا ہے علاوہ بریں مراد مذکور کے معین ہونے پر ہمارا استدلال صرف مقدمہ کی مناسبت ہی سے نہیں ہے بلکہ اصلی استدلال وہ ہے جو ہم نے ذکر کیا کہ مقام کی خصوصیت اور وقت کی حالت اور اس اہتمام کی کیفیت بتاتی ہے کہ اس سے مراد حضرت علی کے خلیفہ کرنے کا اعلان مقصود تھا نہ صرف محبت کی تاکید بلکہ میں تو اس سے ترقی کرکے یہ کہتا ہوں کہ آخر حدیث ہمارے موافق ہے نہ کہ مخالف کیونکہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ" کہنا فقط اوسی کے لئے مناسب ہوسکتا ہے جس کے اولیا و اعدا ہوں اور جسکو نصرت کی احتیاج اور ترک نصرت کا خوف ہو اور ایسا ہی شخص ہوتا ہے جو سلطان یا امام ہو دوم یہ کہ کتاب تجرید کے شارح جدید (یعنی علامہ قوشجی) نے ابو عبیدہ سے اور اوس نے آئمہ لغت سے یہ نقل کیا ہے کہ "مفعل" بمعنے "افعل" بھی آتا ہے اور اوس نے قول الٰہی "مولاکم النار" (یعنی تمھارا موسے جہنم ہے) کی تفسیر "اولاکم" سے کی ہے اور اس حدیث رسول "ایما امرأۃ نکحت بغیر اذن مولاھا" میں "موسے" سے اولے و مالک تدبیر مراد ہے اور اسکی مثالیں اشعار عرب میں بکثرت موجود ہیں۔ بالجملہ "موسے" کا متولی و مالک امر و اولے بالتصرف کے معنی میں مستعمل ہونا کلام عرب میں شایع اور آئمہ لغت سے منقول ہے اور مراد یہ ہے کہ یہ لفظ اس معنی میں اسم ہے" اولے کیطرح صفت

نہیں ہے تاکہ یہ اعتراض کیا جاسکے کہ وہ یعنی لفظ مولیٰ اسم تفضیل نہیں ہے اور جسطرح یہ (صیغہ اسم تفضیل اولےٰ) استعمال کیا جاتا ہے اسطرح وہ مستعمل نہیں ہوتا (محصل یہ ہوا کہ ایک کا دوسرے کی جگہ مستعمل نہ ہوسکنا اس لئے نہیں ہے کہ معنی میں اختلاف ہے بلکہ اوسکی وجہ یہ ہے کہ ایک اسم ہے اور دوسرا صفت وصیغہ اسم تفضیل) اور یہ بھی ضروری نہیں کہ دو لفظوں کا ایک معنی میں ہونا اس بات کو چاہتا ہو کہ جس صلہ کے ساتھ اون میں سے ایک لفظ مستعمل ہوتا ہو اوسی کے ساتھ دوسری لفظ کا استعمال بھی صحیح ہو کیونکہ کسی لفظ کے دوسرے لفظ سے اقتران کا صحیح ہونا معانی کے عوارض میں سے نہیں ہے بلکہ الفاظ کے عوارض میں سے ہے (اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دو لفظ ایک ہی معنی رکھتے ہیں لیکن جس صلہ کے ساتھ ایک استعمال کیا جاتا ہو دوسرے کا اوس کے ساتھ مستعمل ہونا صحیح نہیں ہوتا بلکہ وہ معنی ہی باقی نہیں رہ جاتے) مثلاً لفظ صلوٰۃ "دعا" کے معنی میں ہے مگر وہ علے کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے اور "دعا" کا استعمال "لام" کے ساتھ ہوتا ہے اور "صلے علیہ" کے معنی میں باقی نہ رہیگا (بلکہ بد دعا اور اسی طرح کے معنی دیگا) شیخ رضی نے تصریح کی ہے کہ "علم ومعرفۃ" دو مترادف لفظیں ہیں حالانکہ "علم" تو دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے اور "معرفۃ" کے لفظ میں ایسا نہیں ہوتا نیز "اِنَّكَ عَالِمٌ" کہتے ہیں اور "ان انت عالم" نہیں کہتے حالانکہ یہ متصل ومنفصل ضمیریں مترادف ہیں اور اسکی بہت سی مثالیں اور بھی مل سکتی ہیں۔

سوم یہ کہ آنحضرت صلعم نے "اولے" کے ساتھ "من انفسہم" کی جو قید لگادی ہے وہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہاں لفظ اولے کسی دوسرے امر میں مراد نہیں بلکہ اس سے بالخصوص اولے بالتصرف ہونا ہی مراد ہے کیونکہ "اولویۃ من الناس بنفس الناس" (لوگوں کے نفوس پر خود اون سے اولے ہونے کے) اولویۃ بالتصرف کے سوا اور کوئی معنی نہیں ہوسکتے ہاں اگر "من انفسہم" کی قید نہ لگی ہوتی تو صاحب مواقف کا معارضہ بتمام ہوسکتا تھا اور آیہ "ان اولے الناس بابراہیم" سے اون کا استشہاد بھی صحیح ہوتا (اس آیت میں اولویۃ بالتصرف محض اس لئے مراد نہیں ہے کہ "من نفسہ" کی قید نہیں لگی ہے لیکن اگر مثل حدیث ولایت) نظم آیت یوں ہوتا "ان اولی الناس بابراہیم من نفسہ" تو اولے "بالتصرف" یہاں بھی لامحالہ مراد ہوتا۔

چہارم فاضل مخاطب کا قول "فلینصف المنصف الخ"، (منصف کو انصاف کرنا چاہیے) خود معنیٰ انصاف سے خالی اور انتہائے تعصب پر مشتمل ہے کیونکہ یہ بات مخفی نہیں ہے کہ اوس وقت عرب کے عمائد و اکابر وہی مولف و قبائل قریش ہی تھے جو کہ مکہ و مدینہ میں مہبط وحی و نبوت کے حاشیہ نشین تھے اور پہلے مذکور ہو چکا کہ یہ لوگ علی بن ابیطالب علیہ السلام سے منحرف رہتے تھے اس لئے کہ اون کے سینے ثارات جاہلیت کے کینوں سے بھرے ہوئے تھے (یعنی امیر المومنین نے اون کے اعزہ و اقارب کو غزوات رسول میں قتل کیا تھا اسلئے وہ اکابر قریش آپ سے بغض رکھتے اور بموقع قصاص کے منتظر تھے) اس کا اقرار فاضل مخاطب نے بھی بعد میں کیا ہے۔ رہے باقی عرب تو وہ بالکل وحشی اعراب تھے بیابانوں میں اپنے جانوروں کے چرانے میں مشغول رہتے تھے۔ اون کو نہ سبقت اسلام کی فضیلت حاصل تھی اور نہ احکام دینیہ میں مہارت رکھتے تھے پس وہ نہ اس قابل تھے کہ امر محوث عنہ کی بابت اون سے (مخصوص) خطاب کیا جائے اور نہ اونکی کوئی (موافقت و مخالفت) تعمیل و عدم تعمیل اعتماد و اعتبار کے لائق تھی بانیہمہ قبائل عرب سے جو مخالفت (جناب) ابوبکر کی ظاہر ہوئی تھی اور اون کے ہاتھوں میں زکوۃ دینا جو بند کر لیا تھا یہاں تک کہ (خلیفہ ممدوح نے) اون کو "اہل ردہ"، کا خطاب دیا اوس کا باعث یہی تھا کہ وہ اہل بیت کی خلافت کے حق ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے اور ابوبکر صاحب کی خلافت پر معترض تھے جیسا کہ صاحب کتاب الفتوح نے بنی حنیفہ و بنی کندہ وغیرہم کی بابت (تصریحاً) ذکر کیا ہے اور ہم نے اون کے کلام کو اپنی کتاب مجالس المومنین میں نقل کر دیا ہے اور ابن حزم نے کتاب محلی میں مسئلہ احکام مرتدین کے ذیل میں جو کچھ کہا ہے وہ بھی اس کا موئد ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ "اہل ردہ کی دو قسمیں تھیں ایک قسم تو اون لوگوں پر شامل تھی جو کبھی ایمان لائے ہی نہ تھے مثل اصحاب مسیلمہ و سجاح کہ یہ لوگ کفار حربی تھے لیکن دائرہ اسلام میں داخل ہوئے ہی نہ تھے لہذا اس بات میں کسی کو اختلاف نہیں کہ اونکی توبہ اور اسلام قبول ہو سکتا تھا۔ اور دوسری قسم اون لوگوں کی تھی جو اسلام قبول کرنے کے بعد کافر تو نہیں ہوئے لیکن حضرت ابوبکر کو زکوۃ کا مال حوالہ کرنے سے انکار کرتے تھے اور اسی لئے اون سے جنگ کی گئی ان لوگوں کی بابت علمائے حنفیہ و شافعیہ

میں سے کسی نے اختلاف نہیں کیا ہے کہ حکم مرتد اون پر اصلاً جاری نہیں ہو سکتا تھا
اور حضرت ابو بکر نے ان لوگوں سے جو برتاؤ کیا اوسکی ان علمائے ملتہ نے مخالفت کی
ہے اور ہم بھی اون کو "اہل ردہ" نہیں کہتے اور ہمارے بیان کی صحت پر خطبہ کے
وہ مشہور اشعار دلالت کرتے ہیں جن میں سے چند شعر یہ ہیں ؎

اطعنا رسول اللہ ما کان بیننا فیا لھفا ما بال دین ابی بکر
ایورثھا بکرا اذا مات بعدہ فتلک لعمر اللہ قاصمۃ الظھر
واین التی طالبتم فمنعتم لک التمر او احلی لدی من التمر
فیالیتنی دوران رحلی وناقتی عشیۃ نجد بالرماح ابو بکر

یعنی ہم نے حضرت رسولخدا صلعم کی اطاعت کی اس امر میں جو ہمارے درمیان تھا۔ پس
ہائے افسوس ابو بکر کے دین کا کیا انجام ہوگا۔ وہ جب مرجائیں گے تو انکی وراثت بکر کو
ملیگی یا نہیں۔ یقیناً ملیگی پھر یہ کیا اندھیر اور ظلم ہے (کہ ابو بکر کی میراث تو انکی اولاد کو ملے
مگر حضرت رسولخدا صلعم کی میراث حضرت کی اولاد کو نہ دیجائے) اور وہ چیز کہاں ہے
جسکا تملوگوں نے مطالبہ کیا تو تم اس سے روک دیئے گئے وہ تمھارے لئے کھجور
ہے یا ہمارے نزدیک کھجور سے بھی زیادہ شیریں [1]۔

مختصر یہ کہ باعتبار عادت یہ امر کچھ بعید نہیں ہے کہ جمہور نے نص کا اخفا کیا ہو کیونکہ نص کا
وجود اوس کے تواتر اور عام شہرت کو مقتضی نہیں (ممکن ہے کہ نص کے سننے والوں
نے اخفا کی اجتماعی کوشش کی ہو جس سے وہ درجہ تواتر و شہرت کی حد تک نہ
پہونچ سکی ہو)۔ خصوصاً ایسی صورت میں کہ مخفی رکھنے کے اسباب و دواعی بھی موجود
ہوں اور اون کا موجود ہونا اس امر میں جو شاعنہ میں پہلے تم کو معلوم ہوچکا (ہر عاقل
سمجھ سکتا ہے کہ سلسلہ وحی کے آغاز کے بعد تئیس برس تک شب و روز میں پانچ
مرتبہ رفع الیدین پر اور تین مرتبہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کو نماز میں زور سے اور
بعض نمازوں میں آہستہ کہنے اور ان دونوں کے سنت ہونے پر نص کی جاتی

[1] معلوم نہیں یہ اشعار کس کے ہیں اور کس موقع پر کہے گئے ہیں احقاق الحق مطبوعہ ایران صفحہ ۱۳۱ میں ان کو شعر الخطبہ کر کے لکھا ہے بیلا مطلب واضح نہیں ہوتا اور اشعار کا سنہ بھی صاف نہیں ہے یہی اطمینان نہیں ہو تا کہ کتاب میں اشعار صحیح چھپے ہیں یا غلط لہذا جو ظاہری مطلب الفاظ کے معلوم ہوئے لکھدیئے گئے ۱۲ مترجم۔

بھی پھر بھی یہ دونوں باتیں ایسی حد تواتر تک نہ پہونچ سکیں کہ ان کی بابت امت سے اختلاف برطرف ہو جاتا حالانکہ اون کے نقل و روایت میں دواعی بہ کثرت موجود تھے اور یہی حال اذان کی فصلوں اور وضو میں پاؤں کے دہونے یا اسپر مسح کرنے وغیرہ اعمال شرعیہ کا ہے کہ بتواتر یہ ثابت نہ ہو سکا کہ شارع نے اذان میں کون کون سی فصلیں مقرر کی تھیں اور وضو کا طریقہ کیا بتایا تھا پاؤں سے مسح کرنے کا حکم دیا تھا یا دہو ڈالنے کا۔ حالانکہ زبان رسول صلعم سے مخصوص تعلیم پانے کے علاوہ رات دن میں کئی بار اذان کی آوازیں لوگوں کے کانوں تک پہونچتی تھیں اور صحابہ آنحضرت صلعم کو وضو کرتے اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے تو اس عدم تواتر کا نتیجہ یہ ہوا کہ امت کے درمیان ان امور کے متعلق شدید اختلاف واقع ہو گیا) اور یہ امر کہ (اگر کوئی نص موجود ہوتی تو) لوگ اوس سے احتجاج کرنے سے باز نہ رہتے اوس وقت لازم ہو سکتا ہے کہ صحابہ کی عصمت بھی تسلیم کر لیجائے (یعنی یہ تسلیم کرنے کیلئے کہ صحابہ نص کو عمداً پس پشت نہ ڈالتے بلکہ اوسکو حجت ضرور قرار دیتے تھے اونکو معصوم مان لینا ضروری ہوگا) حالانکہ تم (اہلسنت) تو انبیاء سے بھی قبل نزول وحی گناہ کبیرہ و صغیرہ کا عمداً صادر ہونا جائز سمجھتے ہو پھر دوسروں کا حال جو کچھ بھی ہو خلاصہ یہ کہ جب تیئس سال کی طویل مدت میں مسائل مذکورہ (جیسے معمولی مسائل) پر ہر روز (کئی بار) نص وارد ہوئی ہے اور باوجود اس کے مسلمانوں کے درمیان اختلاف رفع نہ ہو سکا اور ایک بات معین نہ ہو سکی تو امامت کے مسئلہ میں جسپر اس آیت مبحوث عنہا یا بعض دوسری آیتوں کے ذریعے بھی صرف ایک یا دو یا تین مرتبہ نص کی گئی ہو اختلاف کا واقع ہونا بطریق اولٰی ممکن تھا (اور اگر وہ چند نصوص مخفی رکھی جا سکیں تو اسکو مستبعد سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں) ایک عالم حنفی نے کتاب التحقیق (جو اصول فقہ کی ایک کتاب ہے) کی شرح میں خبر واحد کی بحث میں لکھا ہے کہ خبر واحد کے قبول کئے جانے کی چند شرطیں ہیں اون میں چوتھی شرط یہ ہے کہ صحابہ کے درمیان اختلاف واقع ہو جانے کے وقت اوس سے احتجاج کرنا ترک نہ کر دیا گیا ہو کیونکہ جب اونھوں نے بوقت اختلاف اوسکو حجت قرار نہ دیا ہو تو وہ بعض متقدمین اور عامہ متاخرین کے نزدیک مردود قرار پائیگی مگر اس رائے سے

دیگر اصولیین و اہل حدیث نے مخالفت کی ہے اور اون کا قول ہے کہ جب حدیث کی سند ثبوت کو پہونچ گئی ہو تو کسی صحابی کا اوس سے اختلاف کرنا یا اوس پر عمل نہ کرنا اور حجت نہ قرار دینا اوسکے مردود قرار پانے کا سبب نہیں ہوسکتا اس لئے کہ حدیث تمام خلق پر یکساں حجت ہے پس صحابی پر بھی اوسی طرح حجت ہوگی جس طرح دوسروں پر (نتیجہ ماحصل یہ ہوا کہ کوئی ثابت السند حدیث صحابی کے قبول نہ کرنے اور معمول بہ نہ بنانے سے مردود نہیں قرار پا سکتی بلکہ اس صورت میں خود صحابی کا عمل مردود قرار پائیگا کیونکہ وہ حدیث نبوی کے خلاف واقع ہوا) پس اگر اون احادیث صحیحہ سے جو امامت امیر المومنینؑ کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ اور فرقہ شیعہ اُن سے اپنی اور اپنے مذہب کی حقیت ثابت کرتا ہے صحابہ نے تمسک چھوڑ دیا تو وہ قابل رد نہیں ہوسکتیں اور اون سے حجت قرار پانے کا وصف زائل نہیں ہوسکتا وہ اون پر بھی اوسی طرح حجت ہیں جس طرح دوسروں پر تا قیامت رہیں گی) اور غور و فکر کرنے کے بعد جو امر واضح ہوتا ہے یہ ہے کہ خلفائے ثلثہ کو امر خلافت میں حضرت امیر المومنینؑ پر مقدم کر دینا غلطی سے اتفاقاً واقع ہوگیا اور پھر مشہور ہوگیا یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان ایک مذہب بن گیا کیونکہ بعضوں نے تو تمیز ہی نہیں کی اور بعض دوسروں میں (جنھوں نے تمیز کی) امر حق ظاہر کر دینے کی قوت نہیں تھی (بلکہ اونمیں اخلاقی کمزوری موجود تھی) اور بعضوں کو شبہہ پیدا ہوگیا جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا اور اس غلطی کا اس درجہ اہم ہوجانا ایسا ہی ہے جیسا کہ علامہ سعد الدین تفتازانی سے واقع ہوا ہے کہ کتاب تلخیص المفتاح کی شرح (مختصر معانی اور مطول) میں انھوں نے کہا ہے کہ تملیح جسمیں پہلے میم اسکے بعد لام ہے ملح کا مصدر ہے جب کسی شعر میں کوئی عمدہ مضمون نظم ہوجاتا ہے تو کہتے ہیں ملح الشعر یہ شعر نفیس مضمون کا ہے۔ مگر یہ مضمون اس کتاب کا محض غلط ہے جو علامہ تفتازانی شارح تلخیص کی فاحش خطا ہے کیونکہ انھوں نے تملیح اور تلمیح کو ایک سمجھ لیا اور ان دونوں کی اسطرح تفسیر کی جس سے ایک قصہ اور مثل شعر کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ اس طرح یہ غلطی پھیل گئی اور تمیز نہ کرنے کی وجہ سے ایک مذہب بنگئی۔ اسی طرح اور بہت سے علماء محققین ہیں جن سے اس سے بھی بڑی بڑی غلطیاں ہوئیں اور رائج ہوگئیں جیسے علامہ ابن حاجب کہ لفظ "لو" کی بحث میں ان سے بھی یہ غلطی ہوئی کہ اسکی تحقیق میں انھوں نے قول حکماء کی طرف رجوع کی

اور قدیم علمائے عربیہ کی تحقیق کو ترک کر دیا۔ پس جب علمی مسائل میں کسی عالم کے اتفاقی غلطی کر جانے اور دوسروں کے اندھی تقلید کر لینے سے ایسی غلطیاں مشہور ہو جاتی ہیں تو دینی امور میں کیوں نہ پھیلے گی لہذا خلافت خلفائے ثلثہ بھی ایسی ہی غلطی تھی جو آجتک مذہب بنگئی۔ اس مضمون کو خوب غور سے پڑہنا چاہیے۔

قول علامہ علیہ الرحمہ

تیسری آیت (سورہ احزاب پارہ ۲۲ رکوع ۲ کی) (انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهرکم تطهیرا (اے اہل بیت نبی! خدا نے یہی طے کر رکھا ہے کہ تملوگوں سے ہر قسم کی گندگی اور نجاست کو دور رکھے اور تمھیں اچھی طرح پاک و پاکیزہ قرار دے) مفسرین نے اجماع کیا ہے اور جمہور نے مثل امام احمد بن حنبل وغیرہ کے روایت کی ہے کہ یہ آیت حضرت علی و فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور ابو عبید اللہ محمد بن عمران المرزبانی نے ابو الحمراء سے روایت کی ہے اسنے کہا کہ میں نے تقریباً نو دس مہینہ تک حضرت رسولخدا صلعم کی خدمت کی ہے (تو دیکھا کہ) آنحضرت صلعم ہر روز صبح کو اپنے گھر سے نکلکر پہلے حضرت علی کے مکان پر جاتے اور اسکے ... کا دونوں بازو پکڑکر فرماتے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ (یعنی اے گھر والو تم پر ہمارا سلام ہو اور خدا کی رحمت اور برکتیں نازل ہوں) یہ سنکر حضرت علی و فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام جواب میں عرض کرتے علیک السلام یا نبی اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ (اے نبی خدا آپ پر بھی ہمارا سلام ہو اور خدا کی رحمت و برکتیں نازل ہوں) اسپر آنحضرت صلعم ارشاد فرماتے الصلوۃ رحمکم اللہ انما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس اہل البیت ویطہرکم تطہیرا (اے گھر والو یہ نماز کا وقت ہے خدا تملوگوں پر رحمت نازل کرے اس نے یہی طے کر رکھا ہے کہ تم سے ہر قسم کی نجاست کو دور رکھے اور تمکو اچھی طرح پاک و پاکیزہ قرار دے) یہ فرماکر حضرت اپنے مصلے کی طرف واپس چلے جاتے [1] اور جھوٹ بولنا بھی رجس کی ایک

[1] یہ روایت تفسیر درمنثور مطبوعہ مصر جلد ۵ صفحہ ۱۹۸ و ۱۹۹۔ اور مرقاۃ شرح مشکوۃ مطبوعہ مصر جلد ۵ سے صفحہ ۵۰۹ سے اور اشعۃ اللمعات مطبوعہ جلد ۴ صفحہ ۲۰۰ و کنز العمال وغیرہ بکثرت کتب حدیث میں ہے ۱۲ مترجم

قسم ہے اور اسمیں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے لئے خلافت کا دعوے کیا تھا پس آیہ تطہیر کے مطابق حضرت غلط دعوے تو نہیں کر سکتے تھے یقیناً اپنے دعوے میں سچے ہونگے لہذا حضرت علی کی خلافت بلافصل ثابت ہوگئی۔

قول الطال میں کہتا ہوں کہ اس آیہ کے حضرت علی کی شان میں نازل ہونے پر مفسرین کے اجماع کا دعوے خلاف واقع ہے کیونکہ ان لوگوں نے اس مضمون پر اجماع نہیں کیا ہے بلکہ اکثر مفسرین کا تو دعوے ہے کہ یہ آیہ ازواج رسولؐ کی شان میں نازل ہوا ہے اور نظم قرآن کے مناسب بھی یہی ہے کیونکہ خدا نے اس آیہ کو اوپر سے اس طرح ارشاد فرمایا ہے یانساء النبیّ لستن کاحد من النساء ان اتقیتن فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض و قلن قولا معروفا وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولی واقمن الصلوۃ واٰتین الزکوۃ واطعن اللہ ورسولہ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ یعنی اے رسول کی بی بیو! تم دوسری عورتوں ایسی نہیں ہو اگر تم پرہیزگار رہنا چاہتی ہو تو لوگوں سے نرم نرم باتیں نہ کیا کرو (اس) سے اس شخص کو طمع پیدا ہوگی جسکے دل میں (شہوت زنا کا) مرض ہے اور جس سے بات بھی کرو تو اچھی بات کرنا اور اپنے گھروں میں جمی بیٹھی رہا کرو اور زمانہ جاہلیۃ کا بناؤ سنگھار نہ دکھاتی پھرو اور نماز کو قایم رکھو زکوۃ دیا کرو۔ اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کیا کرو[سلہ] اسکے سوا کوئی بات ہی نہیں ہے کہ اہل بیت خدا نے طے کر رکھا ہے کہ تم سے ہر قسم کی گندگی اور نجاست کو دور رکھے اور تمھیں اچھی طرح پاک و پاکیزہ قرار دے۔ یہ قرآن کی نص ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ آیہ مبارکہ ازواج نبی صلعم کی شان میں نازل ہوا ہے اسلئے کہ یہ انھیں سے خطاب کے سلسلہ میں نازل ہوا ہے اور بیان بھی انھیں کا ہے لیکن چونکہ خدا نے صیغہ خطاب مونثین سے عدول کرکے ذکور کا خطاب استعمال کیا تو

سلہ اگر انصاف پسند بلکہ سمجھدار شخص غور کرے تو اسی ماقبل کی آیت سے اسکو معلوم ہوسکتا ہے کہ یہ ان لوگوں کی شان میں نہیں ہے جنکی شان میں آیہ تطہیر ہے کیونکہ اس میں ازواج کو زجر و توبیخ کے طور پر خطاب کیا گیا ہے اور تاکید کی گئی ہے کہ اغیار سے نزاکت کے ساتھ اور نرم نرم باتیں نہ کیا کریں جس سے ثابت ہوا کہ خدا کو ان بیبیوں کی عفت پر اطمینان نہیں تھا۔ بلکہ اس سے بھی قبل تر آیت کلام مجید تو ازواج کی طہارۃ کا پردہ

بعید نہیں ہے کہ اہل بیت نبی صلعم کے کل مردوں اور عورتوں کی شان میں نازل ہوا ہو جس سے حضرت علیؑ و فاطمہ و حسن و حسینؑ کو بھی شامل ہو جب شان نزول یہ ثابت ہوا تو لفظ رجس سے اس مقام پر ہر گناہ مراد ہو نہیں سکتا بلکہ رجس سے مراد صرف شرک اور گناہان کبیرہ و فواحش مثل زنا وغیرہ ہیں جیسا کہ قبل کی آیت فیطمع الذی فی قلبہ مرض بھی یہی بتاتی ہے۔ اور اگر ہم علامہ کے کل دعوے کو تسلیم کر لیں جب بھی اسکو کسی طرح نہیں مان سکتے کہ حضرت علی نے اپنے لئے خلافت کا دعوے کیا ہو۔ کیونکہ اگر حضرت اسکا دعوے کرتے تو عاجزی سے اور مخفی طور پر ایسا دعوی نہیں کر سکتے تھے اسلئے کہ آپ میں ہر قسم کی قوت پوری شجاعت موجود تھی اعوان و انصار تھے آپکا قبیلہ اور خاندان تھا اور بنی ہاشم کی خاص عظمت تھی اسکے علاوہ اور بہت سے فضائل حضرت کو حاصل تھے (تو حضرت علانیہ دعوے خلافت فرماتے نہ مخفی طور پر) اور اگر رجس سے مراد ہر گناہ ہو تو پھر حضرت عائشہ نے جنگ جمل کا جو گناہ کیا تو اس گناہ کا مواخذہ ان سے نہ کیا جاوے اسلئے کہ اکثر مفسرین کے قول کے مطابق یہ آیت حضرت عائشہ اور دیگر ازواج نبی صلعم کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اس طرح اس آیت سے استدلال تمام نہیں ہو سکتا!

قول احقاق

فاضل مخاطب کے اس کلام پر کئی اعتراض ہے۔ پہلا یہ کہ علامہ علیہ الرحمہ کا مقصود اجماع مفسرین سے اس مقام پر اور اسی طرح دوسرے مقامات پر شیعہ اور سنی مفسرین کا اتفاق کرنا ہے اور یہ مطلب اس طرح حاصل ہو جاتا ہے کہ بعض مفسرین اہلسنت شیعہ مفسرین کے موافق ہو جائیں اور جب اس مذہب کے بعض مفسرین ہمارے موافق ہو جائیں گے تو سب پر حجت قائم ہو جائیگی۔ علاوہ بریں ہم نے پہلے بھی بیان کر دیا ہے کہ علامہ علیہ الرحمہ کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اور فاش کر دیتی ہے خدا فرماتا ہے یا نساء النبی من یات منکن بفاحشۃ مبینۃ یضاعف لھا العذاب ضعفین وکان ذلک علی اللہ یسیرا یعنی اے ازواج نبی تم میں جو بدکاری کریگی اسکو دہرا عذاب دیا جائیگا اور یہ اللہ پر آسان ہے کیا جسکو خدا پاک و پاکیزہ کریگا اس سے کھلی بدکاری ہو سکتی ہے؟ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کھلی بدکاری پر عذاب کرنے کا خطاب جن کو ہے وہ دوسرے لوگ ہیں اور ہر قسم کا رجس دور رکھنے کا خطاب جن حضرات کو ہے وہ دوسرے ہیں۔ نیز سورہ تحریم آیہ ۳ و ۴ میں خدا فرماتا ہے

دعوے اجماع سے مقصود یہ ہے کہ مخالف ظاہر ہونے سے قبل اسپر مفسرین کا
اجماع تھا اور مخالف حادث کی طرف اعتنا نہیں کی جاتی ہے۔ اور ہمارے اس دعوی
کی یہی دلیل کافی ہے کہ مفسرین اہلسنت سے جن لوگوں نے ہمارے بیان کے
خلاف تفسیر کی ہے (یعنی کہا ہے کہ آیہ تطہیر ازواج رسول ص کی شان میں بھی نازل
ہوا ہے) وہ علامہ ثعلبی اور امام احمد بن حنبل وغیرہ سے بہت بعد پیدا ہوئے ہیں
اسی وجہ سے فاضل مخاطب نے یہ چالاکی کی کہ اُن اکثر مفسرین مخالفین سے جنکے
وجود کا دعوے کیا ہے کسی ایک مفسر کا نام بھی نہیں ذکر کیا بلکہ فاضل مخاطب کے
اس دعوے کی تکذیب انھیں کے بزرگان دین اور علمائے اعلام سے اس
شخص نے کردی ہے جو علم و فضل اور قرآن فہمی و حدیث دانی میں ان سے کہیں بڑھا
ہوا تھا اور وہ علامہ شیخ ابن حجر مکی ہیں کہ انھوں نے اپنی کتاب صواعق محرقہ میں لکھا ہے
اکثر المفسرین علی انھا نزلت فی علی وفاطمہ والحسن والحسین لتذکیر ضمیر عنکم ذیل
مزلت فی نسائہ۔ (یعنی اکثر مفسرین اہلسنت کا قول ہے کہ یہ آیہ حضرت علی و فاطمہ و حسن
و حسین کی شان میں نازل ہوا ہے اسلئے کہ اسمیں ضمیر کم مذکر کی ہے۔ اگر ازواج
کی شان میں یہ آیہ نازل ہوتا تو ضمیر مذکر کے عوض ضمیر مؤنث ہوتی۔ اور بعض لوگوں
نے کہا ہے کہ یہ آیہ حضرت کی بی بیوں کی شان میں نازل ہوا ہے) سلہ دوسرا اعتراض
یہ کہ فاضل ممدوح نے ماقبل کی آیتوں سے جو مناسبت پیدا کی ہے تو اسکا لحاظ
کرنا اُسوقت واجب ہوتا جب اس سے کوئی مانع منع نہ کرتا حالانکہ یہ امر واضح ہے کہ
عنکم اور یطہرکم کی ضمیر مذکر اور بعض دوسرے خارجی قرینے جو آیندہ ذکر کئے جائیں گے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ان تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبکما وان تظاہرا علیہ فان اللہ
ھو مولاہ وجبریل وصالح المومنین والملائکۃ بعد ذلک ظہیر۔ یعنی اے عائشہ و حفصہ اگر تم خدا
کی طرف توبہ کرو تو بہتر ہے کیونکہ تمھارے دل ٹیڑھے ہوگئے ہیں اور اگر تم دونوں ایکا کرکے رسول کی
مخالفت میں ایک دوسرے کی مدد کروگی تو خدا اور جبریل اور صالح مومنین اور ملائکہ اسکے پشت پناہ ہیں
کیونکر حضرات جن مقدس ہستیوں کی تصویر اس آیہ میں کھینچی گئی ہے انھیں کی شان میں آیہ تطہیر بھی نازل ہوسکتی ہے
کیا اجتماع ضدین آجتک ممکن ہوا ہے! ۱۲

سلہ دیکھو صواعق محرقہ مطبوعہ مصر صفحہ ۸۵۔ اسمیں لفظ قیل خاص طور پر قابل لحاظ ہے جو ضعف قائل کیلئے

اس آیت کو ازواج کی شان میں نازل ہونے سے منع کرتے ہیں۔ لہذا مفسرین سے جو شخص اس آیت کو آیت ماقبل کی مناسبت کی وجہ سے خصوصاً ازواج کی شان میں قرار دیتا ہے وہ اپنے کو شاعر کے اس مصرع کا مصداق قرار دیتا ہے ع انبت شیئا وغابت عنک اشیاء۔ یعنی ایک چیز تو تم نے حاصل کی، اور اسکے عوض بہت سی چیزوں کو کھو بیٹھے۔ علاوہ بریں سابق کی آیتوں کو ازواج نبی کی شان میں لانے اور آیہ تطہیر کو (انما یرید اللہ سے تطہیراً تک) اہل بیت کی شان میں وارد کرکے خدا نے ایک دقیق مقصود کو ظاہر کیا ہے اور وہ یہ کہ ہر شخص سمجھ لے ازواج اور اہلبیت ایک درجہ کے نہیں ہیں بلکہ خدا کے نزدیک انکا درجہ دوسرا ہے اور انکی منزلت دوسری ہے۔ تیسرا اعتراض یہ کہ مخاطب نے یہ جو کہا کہ "یہ قرآن کی نص ہے الخ" تو اگر اس سے اشارہ اُن آیات کی طرف ہے جنکو فاضل مخاطب نے اس آیہ سے قبل ذکر کیا ہے جسکو علامہ علیہ الرحمہ نے ذکر کیا ہے تو ہاں درست ہے کہ قبل کی آیتیں ازواج ہی کی شان میں نازل ہوئی ہیں لیکن اس سے حضرات اہلسنت کو کیا نفع ہو سکتا ہے اور اگر اس سے اشارہ کل آیات کی طرف ہے جنمیں آیت تطہیر بھی داخل ہے تو خاص آیہ تطہیر کا بھی اس پر دلالت کرنا بالکل باطل ہے بلکہ وہ اسکے خلاف پر نص ہے جیسا کہ تم نے پہلے بھی معلوم کیا اور آیندہ بھی معلوم کروگے۔ رہا فاضل مخاطب کا یہ استدلال کہ "یہ انھیں سے خطاب کے سلسلہ میں نازل ہوا ہے اور بیان بھی انھیں کا ہے" تو ماقبل کی آیت کا ازواج کی شان میں نازل ہونا اسپر دلالت نہیں کرتا کہ بعد کی آیت (یعنی آیت تطہیر) غیر ازواج کی شان میں نہیں ہے۔ خصوصاً جب اسپر دلیل بھی قائم ہے اور وہ عنکم ویطہرکم میں ضمیر مذکر کا ہونا اور اس روایت کا مذکور ہونا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت صلعم نے حضرت علی وفاطمہ وحسن وحسین کو جمع کیا اور فدکی کمبل اوڑھا کر فرمایا اللھم ھولاء اھلبیتی فاذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا (اے اللہ یہی ہمارے اہل بیت ہیں تو ان سے ہر رجس اور برائی کو دور رکھنا اور اچھی طرح پاک و پاکیزہ قرار دینا) اور اسی طرح وہ روایت بھی جسکو علامہ علیہ الرحمہ نے محمد بن عمران

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) لایا جاتا ہے مطلب یہ کہ جو لوگ اس آیہ تطہیر میں ازواج کو بھی شامل کرتے ہیں انکا قول ضعیف ہے اور انکا نام لینے کے قابل نہیں ہے۔ ۱۲۔ مترجم

سے روایت کی ہے اور وہ روایت بھی جسکو علامہ ابن حجر مکی نے اپنی کتاب صواعق محرقہ کے دسویں باب میں روایت[1] کی ہے چنانچہ لکھا ہے فی مسلم عن زید بن ارقم صلی اللہ علیہ وسلم قال اذکرکم اللہ فی اھل بیتی قلنا لزید من اھل بیتہ نساؤہ قال لا ایم اللہ ان المراۃ تکون مع الرجل العصر من الدھر ثم یطلقہا فیرجع الی ابیہا و قومہا اھل بیتہ اصلہ و عصبتہ الذین حرموا الصدقۃ بعدہ یعنی صحیح مسلم مین زید بن ارقم سے روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا مین تملوگون کو اپنے اہلبیت کے بارے مین خدا کو یاد دلاتا ہون۔ ہم لوگون نے زید سے دریافت کیا کہ آنحضرت صلعم کے اہلبیت کون تھے۔ کیا آپ کی بی بیان تھین؟ (تو زید بن ارقم نے قسم کھاکر) کہا کہ خدا کی قسم نہین۔ اسلئے کہ عورت تو اپنے شوہر کے ساتھ کچھ زمانہ تک رہتی ہے پھر وہ شخص اسکو طلاق دیدیتا ہے تو اپنے باپ اور قوم کی طرف واپس چلی جاتی ہے۔ حضرت کے اہلبیت وہ لوگ ہین جو آپ کی اصل اور آپ کے گھر والے ہین وہ جنپر آنحضرت صلعم کے بعد صدقہ حرام تھا انتھے[2] اور یہ روایت جامع الاصول مین بھی ذکر کی گئی ہے۔ اور مین کہتا ہون کہ زید بن ارقم کے اس قول سے کہ "عورت تو اپنے شوہر کے ساتھ کچھ زمانہ تک رہتی ہے الخ" واضح ہوتا ہے کہ لفظ اہل بیت کا اطلاق ازواج پر بطور حقیقت نہین ہے اور لغت نے اس لفظ کو بی بیون کیلئے نہین وضع کیا ہے بلکہ مجازاً ان پر بھی یہ لفظ بول دیا جاتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ یہ بھی مراد ہو کہ اس حدیث اور اسی کے مثل دوسری حدیثون مین مناسب یہ ہے کہ اہل البیت سے مراد حضرت کے اہل اور وہ لوگ لئے جائین جن کا تعلق اور جن کی نسبت آنحضرتؐ سے کسی وقت زائل نہین ہوسکتی ہے بر خلاف ازواج کے جن کا تعلق عارضی ہے اور ایک سکنڈ مین زائل ہو جاتا ہے۔ غرض دونون صورتین ہمارے ہی مطلوب کی تائید کرتی ہین۔ اور سید المحدثین جمال الملۃ والدین عطاء اللہ الحسینی نے کتاب تحفۃ الاحبا مین جو حدیثین لکھی ہین جن سے دو حدیثین جو حضرت ام سلمہ سے مروی ہین ہمارے دعوی

---

[1] دیکھو صواعق محرقہ مطبوعہ مصر صفحہ ۸۹۔ ۱۲

[2] یہ روایت صحیح مسلم مطبوعہ دہلی مع شرح نووی جلد ۲ صفحہ ۲۸۰ مین ہے ۱۲

بر نص صریح ہیں اسلئے کہ ان دونوں سے ایک وہ ہے جس کو ممدوح نے جامع ترمذی [1] سے نقل کیا ہے اور ذکر کیا ہے کہ امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور اس حدیث میں یہ مضمون ہے کہ جب آنحضرت صلعم نے حضرت علی و فاطمہ اور حسن و حسین کو اپنی عبا میں داخل کر کے وہ دعا کی جو اوپر بیان کی گئی تو حضرت ام سلمہ نے عرض کی کہ اے رسول خدا کیا میں آپکے اہل بیت سے نہیں ہوں؟ تو حضرت نے فرمایا (نہیں تم انمیں نہیں ہو مگر) تم (بھی اپنی جگہ) خیر (ہی) پر یا خیر (ہی) کی طرف ہو اور دوسری حدیث وہ ہے جسکو ممدوح نے کتاب المصابیح در بیان شان نزول از ابو العباس محمد بن الحسن المفسر الضریر الاسفرائنی سے نقل کیا ہے جسمیں یہ مضمون ہے کہ جب آنحضرت صلعم نے حضرت علی و فاطمہ و حسن و حسین کو اپنی عبا میں داخل کیا تو فرمایا [2] اللهم هؤلاء اهل بیتی و اطهار عترتی و اطایب ارومتی من لحمی و دمی الیك لا الی النار اذهب عنهم الرجس و طهرهم تطهیرا۔ یعنی اے اللہ یہی میرے اہلبیت اور میری عترت اطہار اور میری اصل کے پاکیزہ ترین افراد ہیں جو میرے گوشت اور خون سے ہیں تیری طرف آئے ہیں نہ آگ کی طرف۔ تو ان سے ہر برائی کو دور رکھ اور انھیں اچھی طرح پاک و پاکیزہ قرار دے۔ اور اس دعا کو حضرت نے تین بار اعادہ کیا ام سلمہؓ بیان فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا اے رسول خدا صلعم کیا میں بھی ان لوگوں کے ساتھ ہوں تو حضرت نے فرمایا (نہیں تم انکے ساتھ نہیں ہو سکتی ہو مگر) تم (بھی) اخیر کیطرف یا میری بہتر ازواج سے ہو الخ۔ اسکے بعد سید قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ ان احادیث سے ثابت ہو گیا کہ یہ آیہ مبارکہ حضرات پنجتن پاک ہی کی شان والاشان میں نازل ہوا ہے (نہ ازواج کی شان میں) اور اسی وجہ سے ان حضرات کو آل عبا کہتے ہیں بعض اہل کمال شاعر نے کیا ہی خوب اس مضمون کی ایک رباعی کہی ہے ؎

علی الله فی کل الامور توکلی	وبالخمس اصحاب العباء توسلی
محمد المبعوث حقا و بنته	وسبطیه ثم المقتدی المرتضیٰ علی

[1] یہ روایت جامع ترمذی مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ کے صفحہ ۴۲۶۔ نیز مسند احمد بن حنبل مطبوعہ مصر جلد ۶ صفحہ ۲۹۲ وغیرہ میں ہے۔ ۱۲

[2] فضائل اہلبیت کی یہ اور اسی طرح بکثرت دوسری حدیثیں تفسیر درمنثور۔ کنز العمال۔ مشکوۃ۔ وغیرہ میں اس

یعنی کل امور میں میرا بھروسہ اور توکل خدا ہی پر ہے۔ اور پنج تن پاک یعنی اصحاب عبا ہی سے میں توسل کرتا ہوں وہ پنج تن پاک جو حضرت محمد پیغمبر برحق اور آپ کی صاحبزادی (فاطمہ زہرا) اور آپکے دونوں نواسے (حسن وحسین) اور ہمارے مقتدا مولا علی مرتضیٰ ہیں
اگر اس مقام پر کوئی اعتراض کرے کہ اوپر جو حدیثیں ذکر کی گئیں وہ اُس حدیث کے خلاف ہیں جو اس مضمون کی روایت کی گئی ہے کہ حضرت ام سلمہ نے عرض کی یا رسول اللہ کیا میں اہل بیت سے نہیں ہوں؟ تو حضرت صلعم نے فرمایا ہاں بشرطیکہ خدا چاہے۔ تو اسکا جواب یہ دیا جائے گا کہ ہم اس حدیث کی سند کو صحیح نہیں تسلیم کرتے کیونکہ نہ تو اس کا حوالہ دیا گیا کہ کس کتاب میں یہ حدیث ہے اور نہ اسکا کہ اسکا راوی کون ہے اور نہ اسکا ذکر ہے کہ یہ حدیث کس پایہ کی ہے لہذا جو حدیثیں (اوپر مذکور ہوئیں جو) حضرات اہلسنت کی معتمد ترین کتب حدیث وتفسیر میں بھری ہوئی ہیں انکا مقابلہ یہ غیر معروف اور بے نشان حدیث کیونکر کر سکتی ہے۔ اور اگر ہم اس روایت کو بالفرض تسلیم بھی کر لیں تو آنحضرت صلعم نے انکے اہل بیت میں داخل ہونے کو خدا کے چاہنے پر معلق کیا ہے لہذا جب تک خدا نہیں چاہیگا اسوقت تک وہ داخل نہیں ہو سکتی ہیں اور کسی دلیل سے یہ نہیں واضح ہوتا کہ خدا نے ام سلمہ کو اہلبیت میں داخل کرنا چاہا تو وہ داخل بھی نہیں ہوئیں نیز حضرت علی و فاطمہ وحسن وحسین کو آنحضرت صلعم نے بغیر کسی شرط کے اہلبیت میں حتماً وجزماً داخل کیا اور ام سلمہ کو اس طرح نہیں داخل کیا بلکہ انشاء اللہ کہکر صرف انکی تسلی کر دی۔ علاوہ بریں اگر ام سلمہ اہلبیت سے ہوتیں تو آنحضرت سے کیوں دریافت فرماتیں کہ یا حضرت میں بھی اہلبیت میں داخل ہوں؟ اسلئے کہ وہ تو اسی ملک کی رہنے والی اور عربی ہی زبان بولنے اور سمجھنے والی تھیں اگر اہل بیت اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) حد تک مذکور ہیں جنکا شمار نہیں ہو سکتا۔ مشکوۃ کی شرح مرقاۃ از ملا علی قاری مطبوعہ مصر جلد ۵ صفحہ ۵۹۸ و ۶۰۵۔ اور اشعۃ اللمعات از محدث دہلوی شیخ عبد الحق صاحب مطبوعہ جلد ۴ کے صفحہ ۷ میں بھی فضائل اہلبیت کو مفصلا لکھکر انکی توضیح کی ہے اس آیہ کے ازواج نبی کی شان میں نازل نہ ہونیکی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ مشکوۃ۔ اور تیسیر الوصول اور جامع ترمذی اور صحیح مسلم وغیرہ معتمد ترین کتب اہلسنت میں فضائل اہلبیت کو علیحدہ باب میں لکھا ہے جسمیں حضرت علی و فاطمہ وحسن وحسین ہی کو داخل کیا ہے اور فضائل ازواج نبی کو علیحدہ باب میں ذکر کیا ہے اگر ازواج نبی صلعم بھی اہلبیت میں داخل ہوتیں تو یہ علمائے اعلام اپنی کتابوں میں فضائل ازواج کو فضائل اہلبیت میں

زبان میں گھر کی بیبیوں کو کہتے تو ام سلمہ بی بی ضرور یہ سمجھ لیتیں کہ میں اہلبیت میں بھی ہوں۔ پھر آنحضرت صلعم سے دریافت کرنے کیوں گئیں ؟ کہ یا حضرت کیا میں بھی ان میں داخل ہوں ؟ اس دریافت کرنے ہی سے ثابت ہوا کہ وہ جانتی تھیں میں اہل بیت میں داخل نہیں ہوں۔ ہاں اگر حضرت رسول خدا صلعم یا خدا انکو داخل کرنا چاہیگا تو ہو سکتی ہیں اسی وجہ سے آنحضرت سے سوال کیا اور حضرت نے جواب دیکر فرمایا کہ نہیں تم اہلبیت میں داخل نہیں ہو۔ اور اگر دونوں قسم کی حدیثوں میں تعارض بھی سمجھا جائے جب بھی ترجیح ہمارے ہی موافق حدیثوں کو ہے اور وہ ظاہر ہے۔ نیز عرف میں کسی شخص کے گھر والے وہ لوگ سمجھے اور بولے جاتے ہیں جو اسکی اولاد اور اقربائے قریب ہوتے ہیں ازواج کو گھر والے نہیں کہتے جسکی دلیل یہ ہے کہ "گھر والے" بولنے سے وہ اولاد اقربا ہی سمجھے جاتے ہیں جو اس گھر میں رہتے ہیں اور ہر زمانہ میں اس لفظ کا یہی معنے سمجھا گیا اور سمجھا جاتا ہے اور عرب والوں کے اشعار اور اخبار میں بھی یہی معنے مستعمل ہے پس کوئی شخص اپنے شعر یا اور کسی کلام میں اہلبیت نبی صلعم کو ذکر کے ازواج نبی صلعم کو مراد نہیں لیتا ہے بلکہ انھیں (حضرت علی و فاطمہ حسن و حسین) کو اس سے مراد لیتا ہے جنکو ہم نے ذکر کیا ہے اور اس سے کسی شخص کو انکار کرنا ممکن نہیں ہے[1]۔ پھر میں کہتا ہوں کہ جمہور (یعنی حضرات اہلسنت) نے جو اس لفظ میں مناقشہ کرنا چاہا وہ صرف اس غلطی سے پیدا ہوا کہ انھوں نے آیہ اور حدیث کے لفظ بیت سے اس بیت (گھر) کو خیال کیا جو مٹی اور لکڑی سے بنایا جاتا ہے اور جسمیں وہ حجرے تھے جن میں حضرت رسول خدا صلعم اپنے اہل بیت اور ازواج کے ساتھ رہتے تھے۔ پس اگر بیت سے واقعا وہی گھر مراد لیا جائے تو وہ احتمال ہو سکتا ہے جو بعض اہلسنت نے سمجھا ہے (کہ اسمیں ازواج بھی داخل ہیں) لیکن ظاہر یہ ہے کہ اہل بیت ہی سے مراد اہل بیت نبوت ہیں جسطرح یہی لوگ یہ بھی بولتے ہیں اہل اللہ (اللہ والے) اہلقرآن (قرآن والے)، تو اہل بیت کے معنے ہونگے نبوت کے گھر والے یعنی اس گھر والے جسمیں نبوت تھی۔ اور اسمیں کوئی شک

[1] اس مضمون کیلئے زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں ہے فرقہ اہلسنت کے جلیل القدر بزرگ امام شافعی ہی کے اشعار کافی ہیں جو انھوں نے حضرات اہلبیت کے بارے میں ذکر کئے ہیں۔

نہیں ہے کہ یہ صفت انہیں لوگوں کو حاصل ہوگی جنہیں خانہ نبوت سے ہونے کی کمال اہلیت۔ قابلیت اور استعداد ہوگی اور جن پر خدا اور رسول کی طرف سے یقین بھی ہوگی کہ یہ لوگ اسکی قابلیت رکھتے ہیں اور وہی خدا و رسول ان لوگوں کو معین کر کے بتائیں گے بھی جو اہلبیت ہونے کی صفت سے متصف ہو سکتے ہیں جیساکہ آیہ مذکورہ نیز احادیث میں واقع ہوا ہے اسی وجہ سے حضرت ام سلمہ کو ضرورت ہوئی کہ آنحضرت صلعم سے دریافت کریں کیا انہیں بھی ان اہلبیت میں داخل ہونے کی اہلیت اور قابلیت موجود ہے جیساکہ پہلے گذر چکا۔ اور اس کی نظیر کے لئے یہ کافی ہے کہ خدا نے قرآن مجید میں فرمایا ہے وورث سلیمان داؤد یعنی حضرت داؤد کے وارث حضرت سلیمان ہوئے تو اسمیں وراثت سے مراد مال کی وراثت ہے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس آیہ میں وراثت سے مراد نبوت یا علم کی وراثت ہے اسکو خوب سمجھو۔ اور ہم نے یہاں تک جو ذکر کیا اس سے بھی بلند تر ایک کلام ہے اور وہ یہ کہ نہیں بعید ہے کہ آیہ تطہیر کا اختلاف اسکے قبل کی آیتوں سے بطور التفات ہو ازواج سے خود آنحضرت صلعم اور آپ کے اہلبیت کی طرف بایں معنے کہ پہلے ازواج نبی صلعم کو زجر و توبیخ سے یاد کیا اور انکو ادب کی تعلیم دی اور انہیں پاکدامنی اور نیک چلنی کی ترغیب دی جو اہلبیت کو برائی اور گندگی سے دور رہنے کے توابع اور لوازم سے ہے (یعنی آنحضرت صلعم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) چنانچہ علامہ ابن حجر مکی اپنی کتاب صواعق محرقہ مطبوعہ مصر صفحہ ۸۸ مین لکھتے ہین

وللشافعی رضی اللہ عنہ یا اہل بیت رسول اللہ حبکم ۔ فرض من اللہ فی القرآن انزلہ ۔

کفاکم من عظیم القدر انکم ۔ من لم یصل علیکم لا صلاۃ لہ ۔

یعنی اے حضرت رسول خدا صلعم کے اہل بیت تم لوگون کی محبت خدا کی طرف سے واجب کی گئی ہے جس کو اس نے اپنے قرآن مجید مین نازل کیا ہے۔ تم لوگون کی عظیم قدر کیلئے یہی امر کافی ہے کہ جو شخص نماز مین تم پر درود نہین بھیجے گا اسکی نماز ہی نہین ہوسکتی ہے انتھے۔ اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ اہل بیت کا لفظ عربی زبان کے اشعار مین بھی حضرت علی و فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام ہی کیلئے استعمال کیا جاتا ہے نہ ازواج کیلئے۔ مولوی عبید اللہ صاحب امرتسری اپنی کتاب ارجح المطالب مطبوعہ لاہور صفحہ ۳۲۱ مین لکھتے ہین "اہل بیت کی تحقیق۔ از روے لغت اہل الرجل وہ لوگ ہین جو اسکے

اور آپ کے اہلبیت کی انتہا درجہ کی عصمت اور طہارت اسی وقت واضح ہوگی جب ان لوگون کے متعلقین بھی ان کے لگ بھگ ہون کہ اگر درجہ عصمت پر فائز نہ ہون تو حد درجہ بدچلن اور بدکار بھی نہ ہون کیونکہ بی بیون کے بدچلن اور بدکار ہونے اور فواحش اوصاف سے متصف ہونے سے خود رسول صلعم اور آپ کے اہلبیت کی توہین اور ذلت بھی ہوگی) پس آیہ مذکورہ کے نظم کا خلاصہ یہ ہوا کہ خدا نے ازواج نبی صلعم کو عفت (پاکدامنی) اور صلاح (نیک چلنی) کی ترغیب اس وجہ سے دی کہ اے اہلبیت خدا نے ازل سے اس امر کو طے رکھا ہے کہ تم کو معصوم اور پاک اور پاکیزہ قرار دے تو مناسب یہ ہے کہ جو لوگ (یعنی رسول کی بیبیان) معصوم کیطرف منسوب ہون وہ (اگر معصوم نہ ہون تو کم ازکم) پاکدامن اور نیکوکار ضرور ہون جیسا کہ خدا نے دوسرے مقام پر فرمایا ہے الطیبات للطیبین یعنی پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کیلئے ہیں۔ علاوہ بریں اسکی کیا دلیل ہے کہ یہ کل آیتیں ایک ہی دفعہ اسی ترتیب سے نازل ہوئی تھیں یا لوح محفوظ میں اسی ترتیب سے تھین۔ آخر اس سے کیا امر مانع ہے کہ خدا کا یہ قول انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس دوسرے وقت مین نازل ہوا ہو اور اسکے قبل کی آیت اقمن الصلوۃ واتین الزکوۃ کسی دوسرے وقت مین نازل ہوئی ہو اور حضرت عثمان یا اور کسی نے قرآن جمع کرتے وقت گمان کیا ہو کہ یہ آیت اس مقام کی ہے اور ترتیب مین اپنے اجتہاد کو کام لاکر اس آیت کو اسی جگہ رکھدیا ہو۔ اور اس خیال سے انکار کرنا ممکن نہین ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ساتھ ایک گھر یا ایک نسب مین شریک ہون اور انھین دونون کے قائم مقام اسکے دین اور صنعت اور شہر کے لوگ بھی اس کے اہل کہلاتے ہین (دیکھو مفردات امام راغب) اس امر کے تعین کرنے مین کہ اہل بیت نبوی کون کون ذوات مقدسہ تھے متقدمین نے اختلاف کیا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بنی ہاشم مراد ہین۔ بعض نے بنی قصی اور بعض نے تمام قریش کو شامل کیا ہے۔ زید بن ارقم کے نزدیک صرف بنی عبد المطلب ہین۔ سعید بن جبیر کے نزدیک ازواج مطہرات اور اولاد اہل بیت ہین۔ مقاتل اور ابو سعید خدری اور انس بن مالک اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما کے نزدیک صرف اہل عبا مراد ہین اور آیت تطہیر انھین کے شان مین نازل ہوئی ہے۔ اور قتادہ وغیرہ تابعین بھی اسی کے قائل ہین ۱۲ اس عبارت

اسلئے کہ معلوم ہے کہ قرآن مجید کے نسخون کی ترتیب مین بہت شدید اختلاف تھا۔ یہان تک کہ ان لوگون نے آپس مین راے و مشورہ سے مصحف عثمان کو قبول کیا اور اس پر متفق ہو گئے۔ تو قرآن کے مختلف نسخون کے بارے مین جو اس قدر اختلاف تھا وہ ترتیب ہی کے متعلق تھا اور کسی دوسرے امر کے متعلق نہ تھا اسلئے کہ نفس قرآن مجید تو متواتر ہے اس مین کوئی دوسرا اختلاف ہو ہی نہین سکتا جو مخفی نہین ہے۔ چوتھا اعتراض یہ کہ فاضل مخاطب نے یہ جو کہا ہے کہ اس بنا پر لفظ رجس اس جگہ کل گناہون سے پاکیزگی پر حمل نہین کیا جائیگا" تو اس کا جواب یہ ہے کہ رجس تو پاکیزگی پر حمل کیا ہی نہین جاتا ہے اس لئے کہ اس کا باطل ہونا ظاہر ہے بلکہ لفظ طہارۃ کو رجس سے پاکیزگی پر حمل کرتے ہین۔ نیز جس شخص نے طہارۃ کو کل گناہون سے معصوم ہونے پر حمل کیا ہے اس نے اس تقدیر پر اس کو حمل کیا ہے کہ جو اہل بیت آیۂ مذکورہ مین ذکر کئے گئے ہین ان سے مراد آل عبا یعنی پنجتن پاک ہین۔ اس تقدیر پر حمل نہین کیا ہے کہ ان سے مراد ازواج ہین لہذا اس آخری تقدیر کی بنا پر یہ کہنا کہ "طہارۃ کا لفظ کل گناہون سے پاکیزہ ہونے پر حمل نہین کیا جاے گا" ظاہر ہے کہ جسکے ذکر کی ضرورت نہین ہے۔ اور فاضل مخاطب نے یہ جو کہا کہ "ہم اس کو تسلیم نہین کرتے کہ حضرت علی نے اپنے لئے خلافت کا دعوی کیا ہو" تو اسکی مفصل بحث پہلے گزر چکی۔ پانچوان اعتراض یہ کہ فاضل مخاطب نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ کے نزدیک بھی اہل بیت سے صرف آل عبا مراد ہین اور جناب معظمہ کو حضرات اہلسنت عربی زبانی اور فہم قرآن و حدیث مین بھی یکتا اور بے مثل مجتہد سمجھتے ہین پس جب وہ جناب یہ فرماتی ہین کہ اہل بیت سے صرف آل عبا مراد ہین تو کسی کو کیا شبہہ رہ سکتا ہے۔ علاوہ برین حضرت عائشہ بھی آنحضرت کی زوجہ تھین پس اگر یہ آیت ازواج کے بارے مین نازل ہوئی ہوتی تو حضرت عائشہ اپنے کو اس شرف سے محروم ذکر تین اور یہ نہ کہتین کہ اس سے صرف آل عبا مراد ہین۔ اگر بغور د انصاف دیکھا جاے تو جناب ممدوحہ کا یہ قول اس آیہ کے متعلق تمام اختلافات کا آخری فیصلہ ہے اور پھر کسی شخص کو چون و چرا کرنے کی گنجائش باقی نہین رہتی ہے ۱۲ مترجم

یہ جو کہا ہے کہ "اگر رجس سے مراد ہر گناہ ہو تو پھر حضرت عائشہ نے جنگ جمل الخ" تو یہ کھلا ہوا مغالطہ ہے کیونکہ حضرت عائشہ اس آیہ میں کسی صورت سے بھی داخل ہی نہیں ہیں لہٰذا انھیں اس میں داخل سمجھنا فرض محال ہے۔ اور جائز ہی کہ ایک محال دوسرے محال کو مستلزم ہو جائے۔ اسے خوب سمجھو اور غور کرو۔

ایک خاص نکتہ یہاں ایک ضروری نکتہ پر تنبیہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ خدا نے جو فرمایا ہے کہ یرید اللہ یعنی خدا ارادہ کرتا ہے تو اس سے مراد صرف خدا کا ارادہ ہی نہیں ہے بلکہ اس ارادہ کا واقع ہونا اور فعل کا ظاہر ہو جاتا ہے یعنی خدا نے ان حضرات سے ہر رجس کو دور کر دیا اور انھیں پاک و پاکیزہ کر دیا کیونکہ اگر یہ معنے مراد نہ ہوگا تو اس ارادہ کو اہل بیت کے ساتھ خاص کرنے کا کوئی معنے نہ ہوگا۔ اسلئے کہ خدا نے تو ان حضرات کی مدح کرنی چاہی ہے اور ظاہر ہے کہ صرف پاک کرنے کی نیت اور ارادہ سے مدح نہیں ہوگی بلکہ اس فعل (پاک کرنے) کے واقع ہو جانے سے مدح ہو سکتی ہے سلہ۔ اور یہاں اگر کسی کو یہ وہم ہو کہ خدا نے جو فرمایا ہے لیذھب عنکم الرجس یعنی رجس کو تم لوگوں سے زائل کرے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رجس ان حضرات میں موجود تھا کیونکہ جب کوئی چیز موجود نہیں ہوگی اس وقت تک اس کو کوئی شخص زائل کیونکر کر سکتا ہے تو نتیجہ یہ نکلا کہ پہلے یہ حضرات نجس تھے جب ہی تو خدا نے ان سے نجاست کو زائل کرنے اور انھیں

سلہ اس کو دوسری عبارت میں یوں سمجھو کہ اس آیہ مبارکہ میں خدا کے ارادہ کا دو ہی معنے ہو سکتا ہے یا تو وہ ارادہ جو خالص ہو کہ اس کے ساتھ کوئی فعل نہ ہو۔ اور یا وہ ارادہ جس کے ساتھ وہ فعل بھی واقع ہو گیا ہو۔ پس پہلا معنے تو یقیناً باطل ہے کیونکہ اس ارادہ میں حضرات اہلبیت کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں ہے یہ ارادہ تو ہر شخص اور تمام مکلفین کے ساتھ ہوتا ہے (یعنی خدا ہر شخص کے بارے میں یہی چاہتا ہے کہ وہ کوئی گناہ نہ کرے اور ہر طرح پاک پاکیزہ ہی رہے) اور محض ارادہ سے کسی کی کوئی مدح نہیں ہو سکتی جب تک اس ارادہ کا فعل بھی واقع نہ ہو جائے۔ اور مسلمانوں کا اس امر پر اجماع ہو چکا ہے کہ اس آیہ میں حضرات اہلبیت

پاک و پاکیزہ کرنے کا ارادہ کیا۔ تو اس وہم کا یہ جواب دیا جائیگا کہ اس قول کا معنے صرف ذہنی خیال پر ہے یعنی ذہن مین کسی کی نجاست کا جو خیال ہوتا ہے یا ہو سکتا ہے اس کے زائل کرنے کو خدا نے فرمایا لہذا ان حضرات مین کسی نجاست کا موجود ہونا ثابت نہین ہو سکتا۔ کیا تم نہین دیکھتے کہ کسی کو دعا دیتے وقت کہتے ہوا ذہب اللہ عنک کل مرض خدا تجھسے ہر مرض کو دور کرے جس کا مطلب یہ نہین ہوتا ہے کہ کوئی مرض تم مین موجود ہے بلکہ یہ کہ جو مرض تمھین ہو سکتا ہے اس کو خدا زائل کرے (جسکا مطلب اردو ترجمہ مین" دور رکھے" کہنے سے حاصل ہوتا ہے) لہذا حضرات اہلبیت کی شان کی یہ آیت بھی اس خیال کو زائل کرتی ہے جسے انسان اپنے ذہن مین تصور کرتا ہے کہ ان حضرات مین رجس تھا یا نہین تو خدا نے فرمادیا کہ ان مین رجس تھا ہی نہین کیونکہ خدا برابر ہی چاہتا ہے کہ ان حضرات سے ہر رجس کو دور رکھے اور انھین اچھی طرح پاک و پاکیزہ قرار دے۔ اور عنقریب اس کتاب مین جب مسائل اصول فقہ سے بحث ہو گی تو اسکے اجماع کے مبحث مین جہان علامہ علیہ الرحمہ نے حضرات اہلبیت کے اجماع کے حجت ہونے پر اس آیہ سے استدلال کیا ہے وہ مضمون بھی آئیگا جسکو فاضل مخاطب نے اس آیہ کی تفسیر سے تمام لوگون کے بارے مین اختراع کیا ہے اور وہان ہماری یہ تنبیہ بھی آئیگی کہ فاضل مخاطب کے اس مضمون سے انکا کفر اور حضرات اہلبیت سے بغض و عداوت لازم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کی مدح کی گئی ہے اور ان کو دوسرون سے ممتاز کیا گیا ہے اور وہ بغیر اسکے نہین ہو سکتا کہ وہ ارادہ ان کے بارے مین پورا ہو چکا ہو۔ لہذا دوسرا ہی معنے ہو سکتا ہے اور اسکے ثابت ہونیکا نتیجہ یہ ہے کہ جو لوگ اس آیہ مین مراد ہین وہ معصوم ہون اور کوئی برائی یا کسی قسم کا گناہ ان کے لئے جائز نہ ہو۔ پھر جن لوگون کا نام ہم نے لیا ہے (یعنی حضرات چہاردہ معصومین) ان کے سوا جو لوگ ہین ان کا غیر معصوم ہونا یقینی ہے اور یہ آیت کہتی ہے کہ جن کی شان مین نازل ہوئی ہے ان کا معصوم ہونا یقینی ہے تو ثابت ہو گیا کہ یہ آیت انھین لوگون کے بارے مین نازل ہوئی ہے جنکو ہم نے ذکر کیا ہے کیونکہ دوسرون سے (جو غیر معصوم ہین) اس کا تعلق باطل ہو گیا ۱۲ منہ اعلے اللہ مقامہ

آئی ہے تو ان دونوں مضمونوں کو اسی مقام پر ملاحظہ کرنا۔ یہ مختصر بحث اس کتاب میں لکھ دی گئی لیکن اس آیہ کی مفصل تحقیق میں ہمارا ایک جداگانہ رسالہ بھی ہے جو اس سے زیادہ مطالب اس آیہ کے متعلق دیکھنا چاہے وہ اس کا مطالعہ کرے۔

قول علامہ علیہ الرحمہ چوتھی آیت خدا کا یہ کلام ہے۔ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودة فی القربیٰ (جزو ۲۵ رکوع ۴) اے رسول ان مسلمانوں سے کہدو کہ میں اس امر رسالت پر تملوگوں سے اس کے سوا کوئی اجر نہیں چاہتا کہ تملوگ میرے اہل بیت کی محبت اختیار کرو انتہے۔ جمہور نے صحیحین میں اور امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں اور ثعلبی نے اپنی تفسیر میں روایت کی ہی کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا جب یہ آیت قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودة فی القربیٰ نازل ہوئی تو صحابہ نے آنحضرت سے عرض کی یا رسول اللہ آپکے وہ قرابتمند کون حضرات ہیں جنکی محبت ہملوگوں پر واجب ہوئی ہے؟ تو حضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ وہ علی اور فاطمہ اور ان کے دونوں فرزند ہیں انتہے۔ اور معلوم ہی کہ جسکی محبت واجب ہے اسکی اطاعت بھی ضرور واجب ہے کیونکہ اسکی لئے لازم ہی

قول الطاعن اس آیت کے معنے میں علمائے اختلاف کیا ہے بعض کہتے ہیں کہ اسمیں استثنار منقطع ہے اس بنا پر معنے آیت یہ ہوگا کہ میں تبلیغ رسالت پر کوئی اجر نہیں چاہتا لیکن چونکہ میرے اور تمھارے درمیان میں قرابت اور رشتہ قائم ہے اسوجہ سے میں تم لوگوں کی ہدایت اور رسالت کی تبلیغ میں جد وجہد کرتا اور زحمت اٹھاتا ہوں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اسمیں استثنار متصل ہے اس بنا پر معنے یہ ہوگا کہ میں تبلیغ رسالت پر کسی قسم کا بھی اجر نہیں طلب کرتا ہوں سوا اس اجر کے کہ میرے قرابتمندوں سے تملوگ محبت کرو۔ اس معنے کی بنا پر ظاہر آیت آنحضرت صلعم کے کل اعزہ واقربہ کو شامل ہوگا (کہ حضرت رسولخدا صلعم کے جس قدر رشتہ دار ہیں ان سب سے محبت کرنا واجب ہو) اور اگر ہم تسلیم کرلیں کہ یہ آیت انھیں حضرات کے لئے مخصوص ہے جنکو علامہ حلی نے ذکر کیا ہے کہ جب بھی یہ آیت حضرت علی کی خلافت پر دلالت نہیں کرتی بلکہ صرف اسیر دلالت کرتی ہی کہ حضرت علی کی محبت واجب ہے تو ہم اہلسنت بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت

علی کی محبت کل مسلمانوں پر واجب ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ جسکی محبت واجب ہو اسکی اطاعت بھی واجب ہے کیونکہ اطاعت کے ساتھ ہی محبت ہوتی ہے مگر یہ کیونکر ثابت ہوا کہ جس کی اطاعت واجب ہوگی اسکا خلیفہ اور حاکم و سردار ہونا بھی واجب ہے؟ علامہ حلی بھی عجیب شخص ہیں کہ وہ اپنے دعوی پر اس آیت سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ یہ دلیل انکے دعوے کوسوں دور ہے اور وہ اسکو سمجھتے بھی نہیں ہیں

قول احقاق ظاہر یہ ہے کہ اس آیت کے معنے میں اختلاف ناصبی ناظر بیانی کی طرف سے ہے (نہ اور علمائے اہلسنت کی طرف سے) کیونکہ غربت وہ اصول فقہ سے جو علمائے محققین ہیں انکے یہاں یہ بات طے ہو گئی ہے کہ استثنار منقطع مجاز ہے جو اصل کے خلاف واقع ہوتا ہے اور یہ کہ کسی استثنار کو اسوقت تک منقطع نہیں قرار دینگے جب تک استثنار متصل کا معنے بن سکے گا۔ ہاں جب استثنار متصل ماننے سے معنے میں کوئی خرابی پیدا ہوگی اسوقت استثنا کو منقطع قرار دینگے۔ بلکہ علمار محققین نے اکثر اوقات ظاہر لفظ سے جو ذہن کیطرف متبادر ہوتا ہے مخالفت کر کے متصل کی طرف عدول کیا ہے کیونکہ استثنار کو متصل ہی پر حمل کرنا واجب ہے اسلئے کہ استثنار کا ظاہر یہی (متصل) ہے جیسا کہ اسکی تصریح شارح عضد نے کر دی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں "جان لو کہ حق یہ ہے کہ استثنار متصل ہی اظہر ہے لہذا نہ تو یہ مشترک ہے نہ مشترک کیلئے ہے بلکہ متصل میں حقیقت اور منقطع میں مجاز ہے اسی وجہ سے علمائے اعلام نے استثنار کو منقطع پر حمل نہیں کیا ہے مگر اسی وقت جب متصل پر حمل کرنا ممکن نہ ہو یہانتک کہ وہ لوگ اسکو متصل پر حمل کرنے کے لئے ظاہر سے عدول کرتے اور اسکی مخالفت کے مرتکب ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ کہتے ہیں کہ اس قول له عندی مائة درهم الا ثوبا میرے ذمہ اسکے سو درہم ہیں سوا ایک کپڑے کے نیز اس قول له علی ابل الا شاة میرے ذمہ اس کا اونٹ ہے سوا بکری کے۔ استثنار کا مطلب یہ ہے کہ (پہلی مثال میں) سوا ایک کپڑے کی قیمت کے سو درہم ہیں اور (دوسری مثال میں) سوا ایک بکری کی قیمت کے اونٹ ہیں لہذا یہ علمار ان مثالوں میں ضمیر پوشیدہ سمجھنے کی راہ اختیار کرتے ہیں جو خلاف ظاہر ہے تو وہ ایسا صرف اس غرض سے کرتے ہیں کہ استثنار متصل ہو جائے لیکن اگر استثنار منقطع میں ظاہر ہوتا تو ظاہر کی مخالفت کا ارتکاب علمار نہیں

کرتے" انتہیٰ ۔ اور فاضل مخاطب نے یہ جو کہا ہے "ظاہر آیت کل اعزہ واقربہ کو شامل ہوگا" تو بیشک درست ہے لیکن صحیح حدیث نے اس کو صرف حضرت علی و فاطمہ و حسن و حسین سے مخصوص کر دیا ہے جیساکہ پہلے تفسیر اور حدیث کی روایت ذکر کی گئی ہے لہذا محض احتمال کیوجہ سے ہم میں سے کسی کو تخصیص کا تکلف کرنے کی ضرورت نہیں ہے پس مخاطب نے جو احسان رکھنا چاہا ہے کہ "اگر ہم تسلیم کر لیں کہ یہ آیت الخ" تو اسکی ضرورت نہیں ہے کیونکہ جب خود حضرت رسولخدا صلعم نے اس آیت کو خاص کر دیا تو ہمیں اسی کی پابندی کرنی چاہئے۔ اور انھوں نے یہ جو کہا ہے کہ "یہ آیت خلافت پر دلالت نہیں کرتی ہے" تو یہ انکی انتہا درجہ کی بے خبری یا محض تجاہل ہے اسلئے کہ آیہ مذکورہ کی دلالت اس امر پر ظاہر ہے کہ آیت کے مقتضے کے مطابق حضرت علی کی محبت واجب ہے کیونکہ خدا و علام نے رسالت کا وہ اجر جس سے انسان کو دائمی ثواب کا استحقاق حاصل ہو جائیگا ذوی القربیٰ کی مودت و محبت کو قرار دیا ہے تو ایسی محبت اسی وقت واجب ہوگی جب یہ حضرات معصوم ہونگے اسلئے کہ جب ان سے گناہ ہو سکے گا تو اسوقت انکی محبت نہیں واجب ہوگی بلکہ انکی محبت کا ترک کر دینا واجب ہوگا جسکی دلیل یہ ہے کہ خدا نے کلام مجید میں فرمایا ہے لاتجد قوما یومنون باللہ والیوم الاخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ الایہ (سورہ مجادلہ رکوع ۳) یعنی ان لوگوں کو جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں ایسے لوگوں سے دوستی کرتے نہ پاؤ گے جنھوں نے اللہ اور اسکے رسول کی مخالفت کی ہو انتہیٰ۔ اور یہ معلوم ہے کہ حضرت علی کے سوا جو لوگ تھے وہ معصوم نہیں تھے جیر سب کا اتفاق ہے لہذا ثابت ہوگیا کہ حضرت علی ہی امام اور خلیفہ تھے۔ اور علامہ ابن حجر مکی نے اپنی کتاب صواعق محرقہ (مطبوعہ مصر صفحہ ۸۸) میں روایت کی ہے کہ انکے امام شافعی نے اس امر کے واجب ہونے کے متعلق دو شعر کہے ہیں جو فاضل مخاطب کے زعم الف کے لئے کافی ہیں اور وہ اشعار یہ ہیں سے

یا اھل بیت رسول اللہ حبکم — فرض من اللہ فی القرآن انزلہ

کفاکم من عظیم القدر انکم — من لم یصل علیکم لاصلوٰۃ لہ

یعنی اسے حضرت رسولخدا صلعم کے اہلبیت تملوگوں کی محبت خدا کیطرف سے تملوگوں

پر واجب کر دی گئی ہے جس کو اس نے اپنے قرآن مجید تک میں ذکر کر دیا ہی تلو گوں کی بڑی شان اور قدر کے لئے یہ امر کافی ہے کہ جو شخص تیسر درود نہیں بھیجیگا اسکی نماز ہی نہیں ہو سکتی ہے انتہٰے۔ علاوہ بریں شیعوں کو اسکی ضرورت نہیں ہے کہ وہ اس امر کو ثابت کریں کہ حضرت علی کو امام اور خلیفہ ماننا اہلسنت پر بھی واجب ہے کیونکہ یہ بات تو حاصل ہی ہے اور شیعوں کی طرح حضرات اہلسنت بھی حضرت علی کو اپنا امام اور خلیفہ مانتے ہی ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ شیعہ حضرت علی کو خلیفہ بلا فصل کہتے ہیں اور حضرات اہلسنت حضرت علی سے پہلے تین خلفا کو مان لیتے ہیں اسکے بعد حضرت کو مانتے ہیں اور شیعہ ان تینوں کو نہیں مانتے ہیں اور یہ اپنی جگہ پر طے ہو چکا ہے کہ جو شخص کسی چیز سے انکار کرے اسکو اپنے انکار کی دلیل پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ جو شخص کسی چیز کا دعوے کرے اس پر واجب ہے کہ اسکی دلیل بیان کرے۔ تو حضرات اہلسنت خلفائے ثلثہ کی خلافت کو مانتے ہیں لہذا یہی حضرات اسکی دلیل بھی بیان کریں۔ مگر یہ کہ حضرات اہلسنت اس موقع پر اپنے اجماع کے خلاف کریں اور مطلقاً حضرت علی کی امامت سے انکار کریں ایسی صورت میں البتہ شیعوں کو دلیل قائم کرنے کی ضرورت ہوگی اور اللہ ہی سیدھے راستہ کی طرف ہدایت کرنے والا ہے۔

قول علامہ علیہ الرحمہ پانچویں آیت یہ ہے ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ۔ یعنی لوگوں میں سے خدا کے بندے کچھ ایسے بھی ہیں جو خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں اور خدا اپنے بندوں پر بڑا ہی شفقت والا ہے (سورہ بقرہ رکوع ۲۵) مفسر جلیل علامہ ثعلبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس نے روایت کی ہی کہ یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے اسوقت جب حضرت رسولخدا صلعم مکہ کے مشرکوں سے ہجرت کرکے غار کی طرف تشریف لیگئے ہیں تو حضرت علی کو مکہ معظمہ میں اپنا خلیفہ بنا کر چھوڑا تاکہ آپ حضرت کے قرضوں کو ادا کر دیں اور آپکی امانتوں کو لوگوں تک پہونچا دیں لہذا جناب امیر المومنین ؑ حضرت رسولخدا صلعم کے فرش پر سو رہے اور مشرکین مکہ نے اس گھر کا محاصرہ

کرلیا اسوقت خدا نے جبریل و میکائیل پر وحی نازل کی میں نے تم دونوں کے درمیان مواخاۃ (بھائی چارہ) قایم کی ہے اور ایک کی زندگی کو دوسرے کی زندگی سے زیادہ طولانی قرار دیا ہے۔ تو تم میں سے کون شخص اپنے دوست کو اپنے اوپر ترجیح دیتا اور اسکے لئے اپنی جان قربان کرنے پر طیار ہے ؟ مگر (جبرئیل و میکائیل) دونو نے اپنی ہی زندگی کو ترجیح دی اور قربان کرنے پر راضی نہیں ہوئے۔ تب پھر خدا نے ان دونوں کی طرف وحی نازل کی کہ تم دونوں علی بن ابی طالب کے مثل کیوں نہیں ہو جاتے کہ میں نے انکے اور (حضرت) محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ) کے درمیان بھی مواخاۃ قائم کی ہے تو علی اپنے بھائی (محمد صلعم) کے فرش پر اس غرض سے سو رہے ہیں کہ حضرت پر اپنی جان قربان دیں اور اس طرح حضرت کی جان بچادیں۔ اے میرے فرشتو! تم دونوں زمین پر جاؤ اور علی کی حفاظت انکے دشمنوں سے کرو۔ لہذا جبرئیل و میکائیل زمین پر حضرت علی کے پاس آئے جبرئیل تو حضرت علی کے سر کے پاس اور میکائیل آپکے دونوں پاؤں کے پاس ٹھہرے رہے اسوقت جبرئیل نے حضرت علی سے کہا بخ بخ من مثلک یا ابن ابی طالب یباھی اللہ تعالےٰ بک الملائکۃ۔ مبارک ہو مبارک ہو اے فرزند ابو طالب کون ہے مثل تمھارے کہ تمھاری وجہ سے خدا فرشتوں پر فخر و مباہات کر رہا ہے۔

قول الباطل مفسرین نے اس امر میں اختلاف کیا ہے کہ آیہ مذکورہ کس شخص کی شان میں نازل ہوئی ہے بہت سے مفسرین نے کہا ہے کہ یہ صہیب رومی کے بارے میں نازل ہوئی ہے وہ ایک مسافر شخص مکہ میں رہتا تھا۔ جب حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے مکہ معظمہ سے ہجرت کی تو اس نے بھی ہجرت کا قصد کیا مگر قریش نے اسکو روکا تب اس نے ان لوگوں سے کہا کہ اے گروہ قریش تملوگ جانتے ہو کہ میں بہت مالدار ہوں اور کل مالوں کو یہاں تملوگوں میں چھوڑے جارہا ہوں تم میری ذات کو چھوڑ دو تاکہ میں خدا کی راہ میں ہجرت کرجاؤں اور تم لوگ میرا مال لیلو۔ غرض جب وہ ہجرت کرگیا اور اپنے مالوں کو مکہ معظمہ میں چھوڑ دیا تو خدا نے اسی صہیب کی مدح میں اس آیت کو نازل کیا۔ پھر جب صہیب حضرت رسولخدا صلعم کی خدمت میں (بمقام مدینہ منورہ) حاضر ہوا تو حضرت صلعم نے اسپر اس آیت کو پڑھا اور

اس سے کہاذکو اس بیت کا نفع حاصل ہوا۔ مگر اکثر مفسرین کا قول ہے کہ یہ آیت زبیرن عوام اور مقداد بن معدی کو سولی کی لکڑی سے اوتار لائیں کیونکہ وہ مکہ معظمہ میں سولی دیدیا گیا تھا اور اسکے گرد چالیس مشرکین موجود تھے تو زبیر بن عوام اور مقداد بن اسود اپنی جان پر کھیلکر وہاں گئے اور اسکو سولی پر سے اتار لائے لہذا انکی مدح میں خدا نے اس آیت کو نازل کیا۔ اور اگر یہ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کی شان ہی میں نازل ہوئی ہے جب بھی اس سے صرف حضرت کی فضیلت اور اطاعت نبی صلعم میں جاں فشانی اور حضرت پر انکی جان نثاری ثابت ہوتی ہے اور یہ کل باتیں مسلم ہیں ان میں کسی کو کوئی کلام نہیں ہے لیکن یہ آیت حضرت علی کی خلافت میں نص تو کسی طرح نہیں ہے جو بالکل کھلی ہوئی بات ہے۔

قول احقاق

امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر کبیر[۱] اور علامہ نظام الدین نیشاپوری نے اپنی تفسیر غرائب القرآن ورغائب الفرقان میں[۲] ذکر کیا ہے کہ یہ آیت

[۱] تفسیر کبیر مطبوعہ استنبول جلد۲ صفحہ ۲۰۳ میں ہے نزلت فی علی بن ابیطالب بات علی فراش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلة خروجه الی الغار ویروی انه لما نام علی فراشه قام جبریل علیه السلام عند راسه ومیکائیل عند رجلیه وجبریل ینادی بخ بخ من مثلك یا ابن ابیطالب یباهی الله بك الملائكة ونزلت الایه یعنی یہ آیت حضرت علی ابن ابیطالب کی شان میں نازل ہوئی ہے جس شب کو حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم غار کیطرف تشریف لیگئے ہیں اس رات کو حضرت علی آنحضرت صلعم کے فرش پر سوئے اور روایت کی گئی ہے کہ جب آپ حضرت صلعم کے فرش پر سوئے تو جبرئیل علیہ السلام حضرت علی کے سرہانے اور میکائیل آپکے پائیں کھڑے ہوے اور جبرئیل پکار کر کہتے تھے مبارک ہو مبارک ہوا ے فرزند ابو طالب تمھارا مثل کون ہے کہ تمھارے اوپر خدا فرشتوں سے فخر و مباہات کر رہا ہے اسوقت یہ آیت بھی نازل ہوئی انتہٰی۔ اور تفسیر درمنثور میں ہے اخرج الحاکم وصححه عن ابن عباس رضی الله عنهما قال شری علی رضی الله عنه نفسه ولبس ثوب النبی صلی الله علیه وسلم ثم نام مكانه وكان المشركون یحسبون انه رسول الله صلی الله علیه وسلم وكانت قریش ترید ان تقتل النبی صلی الله علیه وسلم یعنی بروایت حاکم ابن عباس سے مروی ہے کہ علی ابن ابیطالب نے اپنی جان کو رسول اللہ صلعم پر فدا کیا اور رسول مقبول کی چادر اوڑھکر انکی جگہ سو رہے مشرکین قریش سمجھتے تھے کہ آنحضرت سو رہے ہیں اور اس ارادہ میں تھے کہ آنحضرت کو قتل کریں۔ اور علامہ دیار بکری نے تاریخ خمیس مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۳۲۶ میں لکھا ہے کہ قال الغزالی فی الاحیاء لیلة بات علی ابن ابی طالب علی فراش رسول الله صلی الله علیه

[۲] دونوں مرتبہ یہ آیت نازل ہوئی جب حضرت رسول خدا صلعم غار ... ان دونوں کو [illegible]

حضرت علی علیہ السلام ہی کی شان میں نازل ہوئی ہے جیساکہ علامہ علیہ الرحمہ نے روایت کی ہے۔ ہاں بعض لوگوں نے اسکو صہیب کی شان میں نازل ہونے کو بھی سعید بن المسیب سے روایت کیا ہے اور وہ شقی ناصبی حضرات اہلبیت کے دشمنوں سے تھا جیساکہ جمہور اہلسنت کی کتابوں سے ہی ثابت ہوتا ہے چنانچہ اسکے ان حضرات سے عداوۃ کے واقعات سے ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ اسنے حضرت امام زین العابدینؑ پر نماز جنازہ نہیں پڑھی باوجودیکہ اسکے غلام نے اسکو حضرت کے انتقال کی خبر دیدی تھی اور اس شقی نے جس برے طریقہ سے حضرت کو مخاطب کیا تھا وہ بھی اپنی جگہ پر مرقوم ہے۔ علاوہ بریں اس روایت کو آیت مذکورہ سے کیا ربط ہے؟ اسلئے کہ آیت میں تو اپنی جان بیچنے اور خرچ کرنے کا ذکر ہے اور اس روایت میں صہیب کے مال خرچ کرنے کا بیان ہے تو اسکو اس سے کیا تعلق ہوا؟ اور یہ روایت بھی اس شقی (سعید بن مسیب) کی عداوت کا ایک کھلا ثبوت ہے کہ وہ اس پر راضی نہیں ہوا کہ اس آیت کو جو حضرت علی کی فضیلت میں وارد ہے حضرت سے پھیر کر دوسرے کی شان میں سے لے گیا تو کسی آزاد قریشی شخص کی شان میں بیان کرے بلکہ اسکو اس سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۰) اوحی اللہ تعالی الی جبرئیل و میکائیل انی اٰخیت بینکما وجعلت عمر احد کما اطول من الاخر فایکما یوثر صاحبہ بالحیوۃ فاختارا کلاھما الحیوۃ واحباھا فاوحی اللہ عزوجل الیھما افلا کنتما مثل علی ابن ابیطالب اٰخیت بینہ وبین محمد فبات علی علی فراشہ یفدیہ بنفسہ ویوثرہ بالحیوۃ اھبطا الی الارض فاحفظاہ من عدوہ فکان جبرئیل عند راسہ ومیکائیل عند رجلیہ ینادی بخ بخ من مثلک یا ابن ابیطالب تباھی بک الملائکۃ فانزل اللہ تعالی ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضاۃ اللہ واللہ رؤف بالعباد

علامہ غزالی نے اپنی کتاب احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ جس شب کو حضرت علی ابن ابیطالب حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فرش پر سوئے تو خدا نے جبرئیل اور میکائیل کی جانب وحی فرمائی کہ میں نے تم دونوں میں رشتہ برادرانہ قائم کیا اور تم میں سے ہر ایک کی عمر بہ نسبت دوسرے کے طویل کی پس تم دونوں میں کون ایسا ہے جو اپنے صاحب کی زندگی کو اپنی حیات پر ترجیح دے۔ یہ خطاب الٰہی سنکر جبرئیل ومیکائیل نے اپنی اپنی زندگی کو عزیز سمجھا اور ایثار بالحیوۃ کو گوارا نہ کیا۔ پروردگار عالم نے پھر انکی جانب وحی فرمائی کہ تم دونوں علی ابن ابیطالب ایسے کیوں نہیں ہوتے۔ دیکھو

بھی پست تر درجہ میں لیگیا یعنی ایک رومی حبشی غلام کی جیسی بیان کر دیا جسکو جاننا لازم کہ وہ بھی اہلبیت کے دشمنوں سے ہے معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مخاطب اس بات کو بجھ گئے کہ اس واقعہ کو آیت مذکورہ سے کوئی ربط نہیں ہے لہذا اس کے لئے ایک اور روایت اپنے دل سے بھی گڑھ دی کہ یہ زبیر اور مقداد کی شان میں نازل ہوئی ہے اور اسکی ایک وجہ ایسی بیان کر دی جسکو ظاہر نظر میں ربط معلوم ہوتا ہے مگر خدا ہی سیدھے راستہ کی طرف ہدایت کرنے والا ہے رہا فاضل مخاطب کا یہ قول کہ یہ آیت حضرت علی کی خلافت میں نص نہیں ہے۔" تو یہ صریح ہٹ دھرمی ہے اسلئے کہ جب اس واقعہ میں جبرئیل نے حضرت علی سے کہا کہ اے فرزند ابو طالب تمھارے ایسا کون ہے اور معلوم ہے کہ یہ جملہ وہیں بولتے ہیں جہاں کسی شخص کا مثل کوئی نہیں ہو اور وہ بے نظیر ہو جس سے ثابت ہوا کہ تمام دنیا میں یا کم از کم صحابہ حضرت رسولخدا صلعم میں حضرت علی کا مثل کوئی نہیں تھا لہذا یہ قول اس امر پر نص ہو گیا کہ حضرت ہی امامت و خلافت کے اہل اور مستحق ہیں اور وہ لوگ اسکے اہل نہیں ہو سکتے جو کسی امر میں حضرت سے بڑھکر کیا حضرت کے برابر بھی نہیں تھے جیسا کہ یہی صریح کلام ہے اور مفضول کو افضل قرار دینا ناجائز اور باطل ہے جیسا کہ اس کا بیان گزر چکا۔ تو اسکو خیال کر لو۔ اور ہمارے بعض عجمی شاعر نے حضرت علی کی اس فضیلت کے بارے میں جو آپکو فرش رسول پر سونے اور محفوظ رہنے سے حاصل ہوئی کیا ہی خوب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) میں نے محمد اور علی میں مواخاۃ قائم کی اور علی اسوقت بستر نبی پر اس غرض سے سو رہے ہیں کہ اپنی جان کو اپنے بھائی پر فدا کریں۔ اب تم دونوں زمین پر جاؤ اور دشمنوں کی شرارت سے حضرت علی کی حفاظت کرو پس بحکم الٰہی دونوں فرشتے نازل ہو کر بستر حضرت علی کے پاس آئے جبرئیل سرہانے اور میکائیل پائتین کھڑے ہوئے اور جبرئیل علیہ السلام فرماتے تھے کہ مرحبا مرحبا کون ہے مثل تیرے اے ابو طالب کے فرزند کہ تمھارے ساتھ خدا فلائکہ پر فخر و مباہات فرماتا ہے اسی واقعہ اور حضرت علی کی مدح میں خدا نے یہ آیت نازل فرمائی ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ یہی مضمون علامہ غزالی کی کتاب احیاء العلوم علامہ ابن اثیر جزری کی کتاب اسد الغابہ نیز روضۃ الاحباب مدارج النبوۃ حبیب السیر تفسیر ثعلبی حلیۃ الاولیاء ابو نعیم وغیرہ میں موجود ہے

سلہ تفسیر طبری مطبوعہ مصر کے حاشیہ پر یہ تفسیر بھی چھپی ہے اسکی جلد ۲ صفحہ ۲۰۰ میں یہ مضمون موجود ہے ۱۲

سلہ جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ نے اپنی اس عبارت پر خود ہی ایک حاشیہ بھی لکھا ہے مناسب معلوم ہوا کہ اسکا ترجمہ بھی یہاں لکھ دیا جائے بجہ پر فرماتے ہیں "حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے فرش خواب

نظم کہا ہے جس سے حضرت علی کی خلافت بلا فصل بھی ثابت ہوتی ہے ؎

نیست در بحث امامت معتبر قول فضول ✦ در شب ہجرت کہ خوابید است بر جا رسول

یعنی امامت کی بحث میں کوئی فضول قول معتبر نہیں ہے پس فیصلہ کن بات یہی ہے کہ شب ہجرت میں جو شخص سویا وہی رسول کی جگہ ہوا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سونے کا تفصیلی واقعہ یہ ہے جیسا کہ کتاب الخرائج میں ہے کہ جب وہ رات آئی جس میں حضرت رسولخدا صلعم مکہ معظمہ سے نکلکر غار ثور کی طرف روانہ ہوئے تو قریش نے ۱۰ شخصوں کو کئی قبیلوں سے منتخب کیا۔ انمیں خاندان بنی ہاشم سے ابولہب چنا گیا اور یہ رائے ہوئی کہ ایک ایک شخص یکبارگی حضرت صلعم پر وار کرے تاکہ حضرت کا خون کئی شخصوں پر منقسم ہوجائے اور بنی ہاشم کو یہ ممکن نہ ہو کہ حضرت کا قصاص کسی ایک قبیلہ کر سکیں لہذا وہ لوگ دیت (خون بہا) پر راضی ہوجائیں گے اور یہ لوگ دس خون بہا دیدینگے حضرت رسولخدا صلعم کو ان لوگوں سے اس کمیٹی کی خبر ہوگئی پس آپ نے اصحاب سے فرمایا کہ آج رات کو کوئی شخص اپنے گھر سے نہ نکلے جب حضرت رسولخدا صلعم نے آرام فرمایا تو کفار قریش نے عبدالمطلب کے گھر کا قصد کیا۔ اسپر ابولہب نے ان سے کہا اے قوم اس گھر میں تو عورتیں اور بچے بھی خاندان بنی ہاشم کے ہیں اور جب ان لوگوں پر تم حملہ کروگے تو مجھے خوف ہے کہ ان عورتوں اور بچوں پر بھی تلوار پڑ جائیگی اور وہ ناکردہ گناہ ہلاک ہوجائینگے جسکی شرمندگی ہملوگوں کو عمر بھر رہیگی۔ تو مناسب رائے یہ ہے کہ ہم سب اس گھر کو گھیر کر بیٹھے رہیں اور محمد کو اس سے نکلنے نہ دیں جب صبح ہوگی تو ہملوگ اس مکان پر ٹوٹ پڑینگے اور بہچان کر ایک ہی دفعہ محمد کو مارنے لگیں گے اور پھر نکل جائینگے پس جب تک لوگ جمع ہونگے اسوقت تک صبح روشن ہوجائیگی اور اسوقت ہملوگوں سے عار زائل ہوجائیگا۔ لوگوں نے اس رائے کو پسند کیا اور دروازہ پر حضرت کو گھیرے ہوئے بیٹھے حضرت علی علیہ السلام بیان فرماتے ہیں کہ (جب حضرت رسولخدا صلعم کو خدا کی وحی سے کفار کے ان تمام منصوبوں کی خبر لگگئی تو) حضرت نے مجھے اپنے پاس بلایا اور ارشاد کیا کہ قریش نے میرے قتل کے بارے میں یہ تدبیریں سوچی ہیں تو تم آج شب کو میرے فرش پر سو رہو تاکہ میں مکہ سے نکل جاؤں کیونکہ خدا نے مجھے ایسا ہی کرنے کا حکم دیا ہے میں نے عرض کی بسر و چشم اس خدمت کو حاضر ہوں اور میں حضرت کی جگہ سو رہا اور حضرت رسولخدا صلعم نے دروازہ کھولا اور ان کفار قریش کے سامنے نکل پڑے وہ سب بیٹھے ہوئے صبح کا انتظار کر رہے تھے

قول علامہ

چھٹی آیت آیہ مباہلہ ہے خداے تعالے سورہ آل عمران پارہ ۳ رکوع ۱۴ میں فرماتا ہے فمن حاجک فیہ من بعد ما جاءک من العلم فقل تعالوا ندع ابناءنا و ابناءکم و نساءنا و نساءکم و انفسنا و انفسکم ثم نبتھل فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ یعنی جب تمھارے پاس علم آچکا اسکے بعد بھی اگر تم کو کوئی بحث اور حجت کرے تو کہدو کہ اچھا میدان میں آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ اور ہم اپنی عورتوں کو بلائیں تم اپنی عورتوں کو بلاؤ اور ہم اپنی نفسوں کو بلائیں اور تم اپنے نفسوں کو اسکے بعد ہم سب ملکر خدا کی درگاہ میں گڑگڑائیں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) آنحضرت صلعم اس آیہ کی تلاوت کرتے ہوئے وجعلنا من بین ایدیھم سدا و من خلفھم سدا فاغشیناھم فھم لا یبصرون۔ یعنی ہمنے ایک دیوار انکے آگے کھڑی کردی ہے اور ایک دیوار انکے پیچھے پھر اوپر سے انکو ڈھاک دیا ہے تو وہ کچھ دیکھ ہی نہیں سکتے (سورہ یٰس رکوع ۱) سب کے سامنے سے گزر گئے اور ان میں سے کسی نے بھی حضرت کو نہ دیکھا جب صبح ہوئی تو وہ دروازہ توڑ کر گھر میں گھسے اور وہ مجھ ہی کو سمجھتے تھے کہ محمد ہیں انکے آتے ہی میں بستر سے کود کر انکے سامنے پہونچا اور ایک ڈانٹ بتائی تو ان سب نے پوچھا ایں! کیا علی ہیں؟ میں نے کہا ہاں۔ انھوں نے پوچھا اور محمد کہاں ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ وہ تمھارے شہر سے نکل گئے انھوں نے دریافت کیا تو گئے کدھر؟ میں نے کہا اسکو خدا ہی زیادہ جانتا ہے کہ کہاں گئے اسقدر باتوں کے بعد وہ سب مکان سے چلے گئے اور مجھے چھوڑ دیا اور صاحب مطالب السئول نے لکھا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام آنحضرت کی خوابگاہ میں سوئے اور کفار قریش اس مکان کے گرد جمع تھے کہ آپکو پکڑ کر قتل کردیں لیکن باوجود اسقدر سامان کے آنحضرت صلعم کا دل ذرہ برابر بھی نہ گھبرایا نہ خوف زدہ ہوا نہ حضرت نے انلوگوں کی کچھ پروا کی۔ جب صبح ہوئی تو سب نے حضرت پر حملہ کرنا چاہا مگر خدا نے انکے کید کو رد کردیا اور انھوں نے حضرت علی سے پوچھا کہ تمھارے نبی صاحب کہاں ہیں؟ حضرت نے فرمایا مجھے کیا معلوم کہاں ہیں اسکے بعد حضرت تین شبانہ روز تک مکہ معظمہ میں مقیم رہکر لوگوں کی امانتیں واپس دیتے رہے جو آنحضرت صلعم کے پاس مکہ والوں کی تھیں جب اس سے فارغ ہوگئے اور مکہ معظمہ میں سوا آپکے کوئی مسلمان باقی نہ رہا (علاوہ ان لوگوں کے جو کفار کے پاس بطور قیدی گرفتار تھے) تو حضرت علیؑ

مفسرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس آیت مین ابناءنا سے حضرت حسن و حسین کی طرف اور نساءنا سے حضرت فاطمہ کی طرف اور انفسنا سے حضرت علی کی طرف اشارہ ہے تو خدا نے اس آیت مین حضرت علی کو حضرت رسول خدا صلعم کا نفس قرار دیا ہے۔ اور نفس

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) آنحضرت صلعم کی خدمت مین جانے کے لئے تنہا مکہ معظمہ سے نکل پڑے غرض حضرت اتنے دنون تک یکہ و تنہا ہی رہے اور وہان سے ہجرت بھی تنہا ہی کی باوجودیکہ کفار مکہ آپ کے شدید دشمن ہو رہے تھے مگر آپ پر ذرہ برابر ان کا اثر نہین ہوا اور نہایت اطمینان سے آپ نے مدینہ کی راہ لی اور وہان پہونچکر حضرت رسولخدا صلعم کے ہمراہ کلثوم بن ہدم کے پاس فروکش ہو گئے۔ پس اگر خدائے تعالیٰ حضرت کے دل کو خاص قوت آپ کے قلب کو مخصوص ہمت اور اطمینان اور آپ کے نفس کو بے نظیر شہامت نہ مرحمت فرمائے ہوتا تو باوجودیکہ حضرت رسولخدا صلعم نے آپکو اطمینان دلادیا تھا کہ حضرت کے فرش پر سونے سے آپ کو کوئی گزند نہین پہونچیگا پھر بھی حضرت علی اس نازک موقع اور سخت مقام پر ضرور مضطرب ہو جاتے کیونکہ انسان کا نفس اگرچہ علام خوف و اذیت کی عقلی وجہ پاتا ہے پھر بھی ظاہری اسباب تردد و پریشانی سے متاثر ہو جاتا ہے اور خوفناک امر دیکھ کر اضطراب کرنے لگتا ہے مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھو کہ باوجودیکہ درجہ نبوت پر فائز تھے اور خدا نے آپکو خبر دیدی تھی کہ اس نے حضرت کو برگزیدہ کیا ہے پھر بھی جب خدا کے حکم سے آپ نے اپنے عصا کو ڈالا اور وہ اژدہا بنگیا تو حضرت موسیٰ بھی اس سے ڈر گئے اور منہ پھیر کر بھاگنے لگے چنانچہ سورۃ قصص پارہ ۲۰ رکوع ۲ مین ہے وان الق عصاک فلما راٰھا تھتز کانھا جانّ ولّی مدبرا ولم یعقب یعنی مین نے موسیٰ کو حکم دیا کہ اپنی چھڑی ڈالدو تو دیکھا کہ وہ اسطرح بل کھا رہی ہے گویا اژدہا ہے تو موسیٰ منہ پھیر کر بھاگے۔ اس پر خدا نے فرمایا خذھا ولا تخف سنعیدھا سیرتھا الاولیٰ اسے موسیٰ اسکو پکڑ لو اور ڈرو نہین مین اسے پہلی صورت پر کردونگا (سورہ طٰہٰ پارہ ۱۶ رکوع ۱۰) اب حضرت موسیٰ کو حکم خدا کے مخالفت کی جرأت نہین ہوئی۔ آپ اسوقت ایک کمل اوڑھے ہوئے تھے تو اسکے ایک کنارہ کو اپنے ہاتھ مین لپیٹ لیا تاکہ اس سے اس اژدھے کو پکڑین اس پر خدا نے موسیٰ سے فرمایا موسیٰ! یہ کیا؟ تم سمجھتے ہو کہ اگر خدا اس اژدھے کو اجازت دیدے کہ تمھین کاٹ لے تو کیا تمھارا کمل تمھین بچا لیگا؟ حضرت

مقرر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو حضرت کا مساوی قرار دیا اور جو شخص اکمل اور اولی بالتصرف ہوتا ہے اُس کا مساوی شخص بھی اکمل اور اولی بالتصرف ہی ہو گا۔ اور یہ آیہ مبارکہ ہمارے مولا حضرت امیر المومنین کی اعلی منزلت اور بلند مرتبت کی بہترین اور واضح ترین دلیل ہے کیونکہ خدا نے حکم کیا ہے کہ حضرت علی نفس رسولخدا صلعم کے مساوی ہیں اور اس آنحضرت علی کو معین کیا کہ دعا میں حضرت رسولخدا صلعم آپ سے اعانت چاہیں اور آپ کو قبولیت دعا کا وسیلہ قرار دیں۔ تو اس سے بڑی فضیلت اور کیا ہو سکتی ہے کہ خدا اپنے نبی کو حکم دے کہ خدا سے ایسی عظیم الشان دعا کرتے وقت حضرت علی سے مدد کے خواستگار ہوں اور آپ سے توسل چاہیں اور حضرت علی کے سوا یہ مرتبہ آجتک کسی کو نصیب ہوا ہے؟

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) موسیٰ نے عرض کی اے خدا میرا اکمل ہرگز مجھے نہیں بچا سکتا ہے لیکن میں کمزور دل کا ہوں اور تو ہی نے اس دل کو کمزور پیدا کیا ہے انتھے۔ دیکھا تم نے کہ نفس بشری اس فطرت پر پیدا کیا گیا ہے کہ باوجود اس درجہ اسباب اطمینان اور خدا کے وعدہ حفاظت کے بھی حضرت موسیٰ اس طرح ڈرتے رہے۔ اسیطرح حضرت موسیٰ کی والدہ کا واقعہ بھی ہے کہ خدا نے انھیں حکم دیا تم اپنے اس بچہ (موسیٰ) کو دریا میں ڈالدو اور ڈرنا نہیں میں بہت جلد اسکو تم سے ملا دونگا۔ تو مادر حضرت موسیٰ نے آپکو دریا میں ڈالدیا گر فوراً ہی آپ کو اضطراب بھی شروع ہو گیا جو فطرت انسانی کا مقتضا تھا یہانتک کہ قریب تھا مادر موسیٰ اس واقعہ کو ظاہر کر کے فضیحت ہو جائیں لیکن خدا نے انکے دلکو روک لیا اور ان کی زبان گویا بند کر دی تو باوجود شدید اضطراب اور پریشانی کے وہ کچھ بھی نہ بول سکیں۔ ان دونوں واقعوں سے حضرت علی کی حالت کا مقابلہ کرو اور حضرت کے اطمینان قلب کی قدر کرو کہ اگر خدا حضرت علی کو مخصوص معرفت۔ توکل۔ یقین علی اللہ اور وہ دل جو قوۃ ثابتہ اور شجاعت کاملہ سے متصف تھا نہ مرحمت فرمائے ہوتا تو باوجودیکہ حضرت رسولخدا صلعم نے آپ کو مطمئن کر دیا تھا پھر بھی حضرت کا حکم بجالاتے وقت یا اسکے بعد آپ کا دل ضرور دھڑکتا اور آپ خوف سے ضرور پریشان ہوتے کیونکہ بشری نفس کا مقتضا یہی تھا پس حضرت کا ان دشمنوں کے حلقہ میں بکر و تنہا سونا جو آپ کے خون کے پیاسے آپ کے دین کے دشمن اور آپ کی عداوت کا اظہار کرنے والے ہوں۔ پھر حضرت رسولخدا صلعم کے تشریف لیجانے کے بعد انھیں دشمنوں میں تین شبانہ روز

قول ابطال مباہلہ کرنے والون کی عادت یہ تھی کہ اپنے گھروالون اور قرابتمندون کو جمع کر لیتے تھے تاکہ مباہلہ ان کے کل مخصوصین کو شامل ہو جائے اسی وجہ سے رسولخدا صلعم نے بھی اپنی اولاد اور عورتون کو جمع کیا۔ اور اس آیت مین انفس سے مراد رجال ہین تو گویا حضرت رسولخدا صلعم کو حکم ہوا کہ اپنی عورتون اور اولاد اور اپنے اہلبیت کے مردون کو اکٹھا کر لین پس عورتین تو حضرت فاطمہ ہوئین اور اولاد حسن وحسین ہوئے اور رجال حضرت رسولخدا صلعم اور حضرت علی قرار پائے لیکن علامہ نے مساواۃ (حضرت علی کے حضرت رسولخدا صلعم سے برابر ہونے) کا جو دعویٰ کیا ہے تو یقیناً باطل ہے اور اس کا باطل ہونا ضروریات دین سے ہے کیونکہ امت نبوی صلعم کا کوئی شخص بھی کسی طرح حضرت کا برابر نہین ہوسکتا اور جو اسکا دعوے کرے وہ دین اسلام سے خارج ہے اور برابری ممکن کیونکر ہوسکتی ہے اسلئے کہ حضرت رسولخدا صلعم نبی مرسل۔ خاتم الاولیار۔ بلکہ انبیار اولی العزم سے بھی افضل تھے اور ان مین سے کوئی صفت بھی حضرت علی مین نہین تھی۔ ہان امیر المومنین حضرت علی کیلئے اس آیہ مین ایک فضیلت عظیمہ ہے جو مسلّم ہے لیکن یہ فضیلت حضرت علی کی امامت پر نص ہونیکی دلیل نہین قرار پاسکتی ہے۔

قول احقاق فاضل مخاطب کے بیان مین کئی باتین قابل گرفت ہین اول یہ کہ جب "مباہلہ کرنیوالون کی عادت یہ تھی کہ اپنے گھروالون اور قرابتمندونکو جمع کر لین تاکہ مباہلہ ان کے کل مخصوصین کو شامل ہو جائے" جیسا کہ فاضل مخاطب نے اقرار کیا ہے (نہ وہ لوگ جو یہ اعتقاد رکھتے ہین کہ ان پنجتن پاک پر خدا کی خاص عنایت تھی اور اسی عنایت کی وجہ سے ان لوگون کو مباہلہ مین شریک کر لینے کا حکم ہوا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) قیام کرنا اور تمام وصایائے نبی صلعم کو انجام دینا پھر ان شہرون کی گھاٹیون راہون اور مختلف پہاڑون کے درمیان سے گزرتے ہوئے حضرت رسولخدا صلعم کی خدمت مین جانا (حالانکہ راستہ کے تمام مقامات بھی دشمنون ہی کے تھے اور انکی تعداد بے حساب تھی ادھر حضرت علی تن تنہا تھے کوئی ساتھی یا مددگار نہین تھا) حضرت علی کی انتہائے شجاعت اور کمال اطمینان علی اللہ اور جان نثاری وحفاظت دین اسلام کی واضح ترین دلیل اور بہترین مجت وبرہان ہے جس سے خدا نے حضرت علی ہی کی ذات کو مخصوص کیا تھا ۱۲ منہ نور اللہ مرقدہ

تو ارشاد ہو کہ آنحضرتؐ نے اس عادت کے خلاف کیوں کیا اور اس مباہلہ میں اپنے کل
قرابتمندان بنی ہاشم کو کیوں نہیں جمع کیا اور عورتوں سے صرف حضرت فاطمہ کو مردوں
سے صرف حضرت علی کو اور اولاد سے صرف اپنے دونوں نواسوں کو کیوں منتخب فرمایا؟
اور چونکہ حضرت نے اس جاری عادت کے خلاف کرکے مباہلہ کیلئے انھیں چار روح حضرات
کو مخصوص کیا تو معلوم ہوا کہ آپ کے قرابتمندوں سے باقی لوگ فضائل و مناقب
اور تقرب بارگاہ الٰہی میں اس درجہ پر نہیں تھے۔ نیز اگر یہی عادت رہتی کہ سب کو شامل
کردیا جائے اور یہ شرکت عام ہوا کرتی جیسا کہ فاضل مخاطب نے ذکر کیا ہے تو فوراً
نصاریٰ نجران جو مباہلہ کے دوسری طرف تھے حضرت رسولخدا صلعم پر اعتراض کرتے
کہ آپ نے اس عادت کے خلاف کیوں کیا جو دنیا میں جاری ہے اور اسی سے
آپ پر اپنی حجت قائم کرتے مگر معلوم ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ اور یہ جو کہا ہے کہ "جائز
حضرت رسولخدا صلعم اور حضرت علی قرار پائے" تو آپ نے یہ ایجاد اسلئے کی
کہ لفظ انفس کا استعمال حقیقۃً جمع ہی پر محمول کردیا جائے اور یہ بات ان کی سمجھ میں
نہیں آئی کہ حضرت رسولخدا صلعم اس خطاب سے تو اس حکم میں کسی طرح داخل
ہو ہی نہیں سکتے ہیں جیسا کہ اصول میں طے پاچکا ہے کیونکہ خدا نے تو حضرت کو حکم
دیا کہ اپنے نفسوں کو بلائیں جس سے معلوم ہوا کہ حضرت کے انفس جو تھے وہ بلائے
گئے اور حضرت نے ان کو بلایا۔ تو بلانے والا اور وہ جو بلایا گیا ایک کیونکر ہو جائیں گے؟
دوسری گرفت یہ کہ یہ جو کہا کہ "مساواۃ کا دعویٰ یقیناً باطل اور دین اسلام سے خارج
ہونا ہے" تو یہ کہنا ہی حق اور یقین کے دائرہ سے خارج ہونا ہے اور حضرت
امیرالمومنین برادر سید المرسلین و سید الوصیین کی معرفت سے انکار کرنا یا غافل
ہوجانا ہے۔ اور یہ جو کہا کہ "برابری ممکن کیونکر ہے الخ" تو وہ سمجھے نہیں کیونکہ حضرت
علی کے آنحضرت صلعم سے کمال خصوصیت رکھنے اور مقرب و محبوب ہونے کا کنایہ
ہے اس لئے کہ جب دو شخصوں میں محبت کامل ہوجاتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ یہ دونوں
معنے کے اعتبار سے ایک ہیں اگرچہ صورت کے اعتبار سے دو ہیں (یا جیسے کہتے
ہیں فلاں فلاں ایک روح دو قالب ہیں) اور اس سے زیادہ سے زیادہ جو لازم
آتا ہے وہ درجہ میں برابر ہونا ہے نہ نبوت میں اور یہ واضح ہے کہ اگر حضرت علی

تو آنحضرت سے خصوصیت اور قربت اس درجہ کی نہ حاصل ہوتی تو خدا حضرت کو نفس رسول ایسے معزز خطاب سے ہرگز سرفراز نہین کرتا اور حضرت علی اور آپ کے دونون چھوٹے فرزند (حسن وحسین) آپ کے بھائی جعفر وعقیل سے اولی نہین ہوتے (کیونکہ جس طرح حضرت علی آنحضرت صلعم کے چچازاد بھائی تھے اسی طرح حضرت جعفر وعقیل بھی تھے پھر ان دونون اور ان کی اولاد کو آنحضرت صلعم نے کیون چھوڑ دیا اور حضرت علی اور آپ کی اولاد کو کیون لیگیے؟) پس اسی تقریر سے فاضل مخاطب کے پہلے قول کا جواب بھی ہوگیا جو کہ تھا "مباہلہ کرنے والون کی عادت یہ تھی کہ الخ" خلاصہ یہ کہ حضرت رسولخدا صلعم چونکہ خدا کے جلال کو پہچاننے والے اعظم تھے اس سے نہایت درجہ ڈرنے والے تھے لہذا مباہلہ ایسے مہتم بالشان کام مین جسمین ہر دو طرف سے دوسری طرف والون کے ہلاک اور رحمت خدا سے دور ہونے کی دعا مانگی جاتی ہے حضرت نے ان لوگونسے اعانت چاہی اور آپ کو وسیلہ قرار دیا جو اپنی فضیلت اور تقرب بدرگاہ الٰہی مین آپ سے سب سے جلیل تھے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ دعا مین کئی افضل و اعلے ہستیوں کی شرکت دعا کی قبولیت مین خاص اثر پیدا کرتی ہے جیسا کہ حضرت رسولخدا صلعم کی سنت سے بھی معلوم ہوا ہی تو دعا کیلئے ان لوگون کو نہ بلانا اور چھوڑ دینا جو فضل و شرف مین خدا کے نزدیک حضرت رسولخدا صلعم سے مساوی سے تھے ایک دینی امر کے شایان شان جو اہتمام ہونا چاہیے اسکے خلاف کرنا اور اس مین خلل پیدا کرنا تھا اور حضرت رسولخدا صلعم کی ذات ایسی غلطیوں سے منزہ تھی۔ اور ان دلیلوں سے جو بتاتی ہیں کہ حضرت رسولخدا صلعم نے مباہلہ نصاریٰ میں حضرت علی و فاطمہ وحسنین سے اعانت چاہی تھی اس آیہ مباہلہ کا آخری لفظ نبتہل (پھر ہم سب ملکر گڑگڑائیں) بصیغہ جمع لانا ہے جس سے معلوم ہوا کہ تنہا آنحضرت صلعم کی دعا مباہلہ کیلئے کافی نہیں سمجھی گئی بلکہ یہ حضرات بھی شریک کئے گئے اور حضرات اہلسنت کے بڑے مفسر قاضی بیضاوی نے اپنی تفسیر میں اور دوسرے علماء نے دوسری بکثرت کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم جب مباہلہ کے لئے چلے تو امام حسین کو بغل میں لیا امام حسن کا ہاتھ تھاما جناب فاطمہ حضرت کے پیچھے چلیں اور حضرت علی انکے بعد چلے اور حضرت رسولخدا صلعم ان لوگوں سے فرماتے جاتے تھے اذا انا دعوت فامنوا جب میں دعا کروں تو تم لوگ آمین کہنا۔ اور اسی طرح نصاریٰ کے سردار نے جسکا نام ابوالحارثہ تھا جب آنحضرت صلعم آگے بڑھے اور دو زانو ہوکر بیٹھے کہا خدا کی قسم

نشست تو وہ ہے جسطرح انبیاء مباہلہ کیلئے بیٹھے تھے۔ اے گروہ نصاریٰ یقیناً میں ان چہروں کو دیکھتا ہوں کہ اگر وہ خدا سے سوال کریں کہ پہاڑ کو اسکی جگہ سے ہٹا دے تو خدا اسکو ضرور ہٹا دیگا لہٰذا تم لوگ ہرگز مباہلہ نہ کرو روایت کے آخری حصہ تک جسکو قاضی بیضاوی وغیرہ نے لکھا ہے سلہ اور اس آیت کا حضرت علی کی افضلیت پر دلالت کرنا اس مضمون سے بھی ثابت ہوتا ہے جو علامہ ابن حجر مکی کی کتاب صواعق محرقہ (مطبوعہ مصر صفحہ ۹۳ سطر ۱۴) میں دارقطنی سے نقل کیا گیا ہے کہ حضرت علی نے شوریٰ کے وقت اصحاب شوریٰ سے احتجاج کیا اور ان سے فرمایا، میں بقسم خدا کی قسم دیکر پوچھتا ہوں بتاؤ تم میں کوئی بھی ایسا ہے جو قرابت میں مجھ سے زیادہ آنحضرت صلعم کا قریبی ہو اور آنحضرت صلعم نے جسکو اپنا نفس اور جس کے بیٹوں کو اپنا فرزند اور جس کی عورتوں کو اپنی عورتیں بتایا ہو۔ اس پر سب صحابہ نے کہا خدا کی قسم آپ کے سوا کوئی ایسا نہیں ہے تا آخر حدیث" یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ نفس ہونے سے مراد حقیقت میں متحد ہونا نہیں ہے بلکہ ان فضائل اور کمالات میں مساوی ہونا ہے جن میں مساوی ہونا ممکن ہو کیونکہ کل مجازی معنوں میں یہی معنے حقیقی معنی سے قریب تر ہے پس جب اس لفظ کا حقیقی معنے پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے تو اسی قریب ترین مجازی معنے پر حمل کیا جائیگا جیسا کہ اصول کا قاعدہ ہے اور اسمیں کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم بالاتفاق افضل ناس تھے اور افضل کا مساوی بھی افضل ہوتا ہے لہٰذا حضرت رسولخدا صلعم کے علاوہ حضرت علی ہی سب سے افضل ہونگے۔ اور ممکن

سلہ حضرت عیسےٰ کے بارے میں نجران کے نصاریٰ کو حضرت رسولخدا صلعم نے بہت سمجھایا کہ انھیں خدا کا بیٹا نہ کہیں حضرت آدم کی مثال بھی دی مگر وہ مانتے نہیں۔ آخر حضرت نے خدا کے حکم سے مباہلہ کی تجویز پیش کی اور یہ طے ہوا کہ فلاں جگہ فلاں وقت ہم اور تم دونوں اپنے بیٹے عورتوں اور نفسوں کو لیکر جمع ہوں اور ہر ایک دوسرے پر لعنت کرے اور خدا سے عذاب طلب کرے۔ جس روز یہ مباہلہ ہونے والا تھا یعنی ۲۴ ذی الحجہ سنہ ہجری) اصحاب در دولت پر اس امید میں جمع ہوئے کہ شاید ہم ہی کو حضرت ساتھ لےچلیں مگر آپ نے علی الصباح حضرت سلمان فارسی کو ایک کمل اور چادر لکڑیاں دیکر جسمیں ایک چھوٹا سا سائبان کھڑا کرنے کو روانہ کیا اور خود اس شان سے برآمد ہوئے کہ امام حسین ع کو بغل میں لیا اور امام حسن کا ہاتھ تھاما اور جناب سیدہ آپکے پیچھے چلیں اور حضرت علی اسکے بعد۔ اور آنحضرت صلعم ان لوگوں سے فرماتے تھے کہ میں دعا کرونگا تم لوگ

اگر یہ بھی کہا جائے کہ جناب علامہ علیہ الرحمہ کی مراد مساوات سے وہ مساواۃ ہو جو نفسی صفات مین ہوتی ہے۔ تو اسوقت ہم کہینگے کہ فاضل مخاطب نے جو کہا ہے کہ ہمارے نبی صلعم نبی مرسل۔ خاتم الانبیاء تھے پس اگر اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت اسی شان سے مبعوث ہوئے تھے تو ظاہر ہے کہ یہ صفات نفس سے نہین ہے جیسا کہ علامہ غزالی نے اپنی کتاب منخول مین تصریح کردی ہے چنانچہ کہا ہے لیست الاحکام للافعال صفات ذاتیۃ وانما معناھا ارتباط خطاب الشارع بہا امرا ونہیا حثا وزجرا فالمحرم ھو المقول فیہ لاتفعلوہ والواجب ھو المقول فیہ لاتترکوہ وھو کالنبوۃ لیست ذاتیۃ نفسیۃ للنبیؐ ولکنہا عبارۃ عن اختصاص شخص بخطاب التبلیغ انتہے؛ یعنی افعال کے متعلق جو احکام ہین وہ ذاتی صفات نہین ہین بلکہ ان کا معنے یہ ہے کہ حکم اور نہی۔ یا برانگیختہ کرنے اور باز رکھنے کے لئے شارع کا خطاب ان احکام سے مرتبط ہو گیا ہے (یعنی شارع صرف ان کامون کو بجا لانے یا ان سے باز رہنے کی تاکید کرتا ہے) پس حرام فعل وہ ہے جسکے بارے مین شارع یہ حکم دے کہ اسکو نہ کرو اور واجب کام وہ ہے جسکے بارے مین وہ کہے کہ اسکو ضرور کرو اور ترک نہ کرو۔ پس نبوت کی طرح یہ صفت حضرت رسولخدا صلعم کی ذاتی نفسی صفت نہین ہے بلکہ اسکا مقصود صرف یہ ہے کہ ایک شخص تبلیغ کے خطاب سے مخصوص کر دیا گیا انتہے۔ اور اگر فاضل مخاطب کی مراد وہ صفت کاملہ نفسیہ ہے جو کسی کے اس شان پر مبعوث ہونے سے پیدا ہوتی ہے اور درجہ مین مساواۃ کو مقتضی ہوتی ہے تو اس صفت اور اس درجہ کا حضرت امیرالمومنینؑ کیلئے حاصل ہونا محال نہین ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہین کہ ہمارے پیغمبر صلعم کا خاتم الانبیاء ہونا اس امر سے مانع ہے کہ کوئی اور شخص اس عنوان پر مبعوث ہو سکے اور نبی کا اطلاق اس پر شرعی حیثیت سے ہو سکے اور یہ اس سے زیادہ بعید اور قابل حیرت نہین ہے جو علماء و محدثین اہلسنت حضرت ابوبکر کے بارے مین روایت کرتے ہین کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا انا و ابوبکر کفرسی رھان مین اور ابوبکر اس طرح برابر ہین جسطرح گھوڑدوڑ کے دو گھوڑے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) آمین کہنا جب آپ اس شان سے میدان میں پہونچے تو نصارے کا سردار عاقب انکی طرف دیکھکر اپنے لوگوں سے کہنے لگا یا معشر النصارے انی لارے رجوہا

برابر ہوتے ہیں یا جو حضرت عمر کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت صلعم نے فرمایا لو کان بعدی نبی لکان عمر ابن الخطاب اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے جو کتاب مشکوۃ میں جامع ترمذی سے منقول ہے (دیکھو مشکوۃ مترجم مطبوعہ لاہور جلد ۴ صفحہ ۱۰۷) اور فاضل مخاطب نے آخر میں یہ جو کہا کہ یہ آیت خلافت حضرت علی کے منصوص ہونے پر دلالت نہیں کرتی ہے تو یہ بھی مہمل ہے اسلئے کہ جناب علامہ علیہ الرحمہ نے اس باب میں صرف ان مضامین کو نہیں ذکر کیا ہے جو خلافت حضرت علی پر نص ہوں بلکہ ممدوح کی غرض جیسا کہ پہلے تصریح کر چکے ہیں ان دلیلوں کا ذکر کرنا ہے جو حضرت علی کی امامت پر قائم اور موجود ہیں خواہ وہ خود اپنی ذات سے حضرت علی کی خلافت کو ثابت کریں خواہ اپنے شرائط و لوازم سے مثلاً عصمت۔ افضلیت۔ فضائل و کمالات کا اسطرح حضرت میں جمع ہونا جس سے دوسرے لوگ حضرت تک نہ پہونچ سکیں اور اس امر کو صاحب مواقف بھی جانتے تھے چنانچہ انھوں نے لکھا ہے کہ شیعوں کیلئے اس اعتقاد میں کہ حضرت علی سب سے افضل تھے دو مسلک ہیں۔ ایک وہ جو اجمالی حیثیت سے حضرت کو سب سے افضل ثابت کرتا ہے اور اسکی کئی صورتیں ہیں ایک آیہ مباہلہ دوسری حدیث طیر الخ اور دوسرا مسلک وہ ہے جو تفصیلی طور پر حضرت کو سب سے افضل ثابت کرتا ہے اور وہ اسطرح کہ ایک شخص کا دوسرے سے افضل ہونا ان کمالات ہی کے سبب سے ہوتا ہے جو اسمیں موجود ہوں اور معلوم ہے کہ تنہا حضرت علی کی ذات میں اس کثرت سے فضائل اکٹھے ہو گئے تھے جو کسی دوسرے شخص میں نہیں تھے بلکہ بعض میں کوئی کمال تھا اور بعض میں کوئی اور وہ کئی کمالات ہیں اول علم کہ حضرت تمام صحابہ میں اعلم تھے الخ ۔۔ اس کے بعد صاحب مواقف نے نکا بہرہ اور ہٹ دھرمی شروع کر دی ہے اور ان دونوں مسلکوں کا جواب یہ دیا ہے کہ بیشک یہ باتیں حضرت علی کی فضیلت تو ثابت کرتی ہیں مگر ان سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت سب سے افضل تھے اور سب سے افضل ہو کیونکر سکتے ہیں اسلئے کہ افضلیت کی وجہ کثرت ثواب اور خدا کی درگاہ میں مکرم ہونا ہے اور یہ بات اسی کو حاصل ہو گی جو خدا کی اطاعت سب سے زیادہ اور بہتر کرےگا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) لو سألوا اللہ تعالیٰ ان یزیل جبلا من مکانہ لازالہ فلا تباہلوا فتہلکوا ابھا نیو میں ان چہروں کو دیکھتا ہوں جو اگر خدا سے دعا کریں کہ اس پہاڑ کو اسکی جگہ سے ہٹا دے تو یقیناً خدا اسے ہٹا دیگا ہرگز مباہلہ کرو ورنہ سب ہلاک ہو جاؤ گے تب انھوں نے اطاعت قبول کی اور جزیہ پر صلح کر لی تب آنحضرت صلعم نے فرمایا خدا کی قسم اگر یہ لوگ

اور اس میں کمال درجہ اخلاص برتیگا اور دین اسلام کی مدد کریگا۔ تو صحابہ کرام کے
ان حالات سے جو دین اسلام کی تقویۃ و خدمۃ کے متعلق کتب سیرۃ میں ملتے ہیں واضح
ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر جب اسلام لائے تو دوسروں کو خدا اور دین حق کی طرف
دعوت دینے میں مشغول ہوئے جس سے بکثرت لوگ آپکے ہاتھ پر اسلام لائے مثل
حضرت عثمان بن عفان۔ طلحہ بن عبد اللہ۔ زبیر۔ سعد بن ابی وقاص۔ عثمان بن مظعون وغیرہ
کے جس سے اسلام مضبوط ہو گیا اور آپ برابر کفار سے لڑتے اور دین الٰہی کے بلند
کرنے میں مشغول رہے۔ حضرت رسولخدا صلعم کی زندگی میں بھی اور آپ کی وفات
پر بھی۔ اور اسکو بھی سمجھ رکھو کہ افضلیت کے مسئلہ میں جزم اور یقین کو کوئی دخل نہیں ہے کیونکہ
افضلیت جسکا معنے سب سے زیادہ ثواب کا مستحق ہونا ہے اسکا طے کرنا استقلالاً عقل
کا کام نہیں ہے نہ وہ کر سکتی ہے بلکہ اسکا تعلق نقل (قرآن مجید اور احادیث) سے ہی
اور یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس سے کسی عمل کا تعلق ہو تاکہ اس میں گمان کافی ہو جائے
جو عموماً عملی احکام میں کافی ہوا کرتا ہے بلکہ یہ ایک علمی مسئلہ ہے جس میں یقین کا حاصل ہونا
ضروری ہے۔ اور وہ دلیلیں جو بطور نص ذکر کیگئیں ان سے یقین نہیں حاصل ہوتا جیسا کہ
منصف شخص پر مخفی نہیں ہے لیکن یہ حدیثیں سب یا تو احاد ہیں یا ایسی ہیں جنکی دلالت ظنی ہے
علاوہ اسکے انکے مقابل بھی ایسی ہی دلیلیں ہیں جو ان دلیلوں کی معارض ہیں اور زیادہ ثواب
حاصل ہونے کی خصوصیت سے نہ تو یقینی طور پر درجہ کی زیادتی ہوتی ہے نہ گمان
کے طور پر کیونکہ تم کو پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ ثواب صرف خدا کا فضل ہے اور خدا کو اختیار
ہے کہ جو بندہ بہت مطیع و فرمانبردار ہو اسکو وہ کوئی ثواب نہ دے اور جو نافرمان ہو
اس کو کثرت سے ثواب مرحمت فرمائے اور کسی شخص کی امامت کا ثبوت اگرچہ یقینی ہو
لیکن وہ اس شخص کے یقیناً افضل ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا بلکہ زیادہ سے زیادہ اسکی
افضلیت کا گمان ہو سکتا ہے اور یہ واضح بات ہے کیونکہ ہمیں تو اسی کا یقین نہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مباہلہ کر بیٹھتے تو بندروں اور سوروں کی صورت پر مسخ ہو جاتے اور یہ میدان
انلوگوں کیلئے آگ بن جاتا اور خدا نجران اور اسکے باشندوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتا یہانتک کہ
درختوں پر پرندے بھی نہیں بچتے اور یہ آنحضرت صلعم کی نبوت اور اہلبیت کی افضلیت کی دلیل ہے

ہے کہ افضل کے رہتے ہوئے مفضول کی امامت باطل ہے (یعنی ہو سکتا ہے کہ افضل کو امامت کا عہدہ نہ ملے اور مفضول کو ملے) لیکن ہم بزرگوں کو دیکھتے ہیں کہ انکا اعتقاد تھا سب سے افضل حضرت ابو بکر تھے پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان پھر حضرت علی اور ان لوگوں کے بارے میں جو حسن ظن ہمکو حاصل ہے وہ ہم سے کہتا ہے کہ اگر ان لوگوں نے حضرت ابو بکر کو پھر حضرت عمر کو سب سے افضل نہیں پایا ہوتا تو وہ یہ اعتقاد نہیں رکھتے لہذا اس اعتقاد میں ہم پر بھی واجب ہے کہ انکی پیروی کریں اور واقعا جو امر حق ہے اسکو خدا کے سپرد کردیں۔ اور علامہ آمدی نے کہا ہے کہ ایک شخص کو دوسرے سے افضل کہنے کا مطلب کبھی یہ ہوتا ہے کہ یا تو پہلے شخص میں کوئی فضیلت ایسی ہے جو دوسرے میں بالکل ہی نہیں ہے جیسے ایک شخص عالم ہو اور دوسرا جاہل۔ یا پہلے شخص میں وہ فضیلت دوسرے شخص سے زیادہ ہے جیسے پہلے شخص کا علم دوسرے شخص کے علم سے زیادہ ہوتا ہے۔ لیکن صحابہ کرام کے درمیان اس قسم کی افضلیت کا طے کرنا بھی یقینی نہیں ہو سکتا کیونکہ کوئی فضیلت ایسی نکلے گی ہی نہیں جو صرف کسی ایک صحابی میں خاصکر پائی جائے اور دوسرے صحابی اس سے بالکل کورے ہوں اور اگر ہم تسلیم بھی کرلیں کہ کسی ایک صحابی میں ایسی صفت موجود ہو جو دوسرے میں نہ ہو تو دوسرے صحابی میں بھی کوئی ایسی صفت نکل سکتی ہے جو اس پہلے صحابی میں نہ ہو۔ رہی یہ صورت کہ جس شخص میں فضائل زیادہ ہونگے اسکو افضل سمجھا جائیگا تو اس طرح بھی کسی کو ترجیح نہیں حاصل ہو سکتی کیونکہ ہو سکتا ہے کسی شخص کی ایک ہی فضیلت کا درجہ دوسروں کی بکثرت فضیلتوں سے بڑھ جائے خواہ اس سبب سے کہ اس ایک فضیلت کا شرف اور درجہ فی نفسہا زیادہ ہو خواہ اس سبب سے کہ اس فضیلت کی مقدار اس شخص میں زیادہ ہو لہذا اس معنے سے بھی کسی شخص کے دوسرے سے افضل ہونے کا یقین نہیں حاصل ہو سکتا ہے انتہے۔ اور علامہ تفتازانی نے شرح عقائد نسفی میں کہا ہے "ہم نے دونوں طرف کی دلیلوں کو ایک دوسرے کی مخالف پایا ہے اور اس مسئلہ کو ان امور سے نہیں سمجھتے ہیں جن سے ہمارے اعمال کی کسی چیز کا تعلق ہو یا جسمیں توقف کرنے سے کسی واجبی کام میں خلل پیدا ہوتا ہو اور سابق بزرگان دین حضرت عثمان کو حضرت علی سے افضل کہنے میں توقف کرتے تھے کیونکہ ان لوگوں نے اہلسنت والجماعت

کی علامت صرف یہ قرار دی تھی کہ شیخین (ابو بکر و عمر) کو افضل کہا جائے اور دونوں داماد دل (حضرت عثمان و حضرت علی) سے محبت رکھی جائے اور انصاف یہ ہے کہ اگر افضل ہونے کا مطلب یہ ہو کہ اسکا ثواب سب سے زیادہ ہے تو اسمیں توقف کرنے کی وجہ ہے اور اگر افضل ہونے کا مطلب یہ ہو کہ جن امور کو صاحبان عقل فضائل سمجھتے ہیں اُن امور کی زیادتی ہو تو اب توقف کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔" (مطبوعہ مصر صفحہ ۱۷۹)۔

ہم (شہید ثالث قاضی نور اللہ شوشتری) عرض کرتے ہیں کہ علماء اہلسنت کے ان کل اقوال میں بعض باتیں قابل تامل ہیں چنانچہ صاحب مواقف نے جو کہا ہے کہ "بیشک یہ باتیں حضرت علی کی فضیلت تو ثابت کرتی ہیں الخ" تو کسی صاحب عقل وتمیز پر یہ مخفی نہیں ہے کہ کرامت اور ثواب جو عبادۃ خدا کے عوض حاصل ہوتا ہے فضائل اور کمالات سے علٰحدہ کوئی چیز نہیں ہے اور یہ طے ہو چکا ہے کہ کل فضائل وکمالات حضرت علی میں سب سے زیادہ پائے جاتے تھے اور بعض فضائل وکمالات تو حضرت ہی کے لئے مخصوص تھے دوسروں میں ذرہ برابر نہیں پائے گئے پھر اسکا کوئی مطلب ہی نہیں ہے کہ فضائل وکمالات تو حضرت علی ہی میں سب سے زیادہ ہوں مگر عزت وکرامت اور ثواب میں دوسرا شخص آپ سے بڑھ جائے یا برابر ہو جائے۔ اور یہ جو کہا کہ "حضرت ابو بکر جب اسلام لائے الخ" تو اسکی حقیقت یہ ہے کہ ہجرت جناب رسالتمآب صلعم سے پہلے جسقدر مسلمان ہوئے انکی تعداد چالیس سے زیادہ نہیں تھی جس سے اکثر لوگ خود حضرت رسولخدا صلعم کی دعوت پر اسلام لائے۔ اور اگر فرض کرلیں کہ طلحہ و زبیر وغیرہ پانچوں حضرات حضرت ابو بکر کے ہاتھ پر ہی مشرف باسلام ہوئے تھے تو یہ کہنا کیونکر صحیح ہوگا کہ وہ "دوسروں کو خدا اور دین حق کی طرف دعوت کرنے میں مشغول ہوئے" کیونکہ یہ جملہ تو اس موقع پر بولتے ہیں جب کسی شخص کی دعوت پر لوگوں کی بہت سی جماعتیں اسلام لاتی ہیں نہ کہ صرف پانچ یا چھ کے اسلام لانے پر یہ فخر کیا جائے بلکہ اگر کوئی اسکی تصریح کریگا تو اسکا مضحکہ کیا جائیگا۔ باوجود اسکے اگر ہم یہ دعوی تسلیم کرلیں تو حضرت ابو بکر کے مقابلہ میں حضرت علی[1] کو دیکھئے کہ عرب وعجم کے ہزاروں

---

[1] اگرچہ ان دونوں بزرگوں کا مقابلہ دل کو پسند نہیں ۱۲ مترجم

شخصوں نے آپکے دستِ مبارک پر اسلام قبول کیا منجملہ انکے اہل یمن کا قبیلہ ہمدان ہی جو سب کا سب حضرت ہی سے مسلمان ہوا چنانچہ روایت میں ہے کہ جب حضرت علی کی دعوت پر قبیلہ ہمدان کے اسلام لانے کی خبر حضرت رسولخدا صلعم کو ملی تو آپ نہایت درجہ خوش ہوئے اور خدا کا شکر ادا کرنیکے لئے سجدہ میں گر پڑے اور بار بار فرمایا السّلام علی ہمدان السّلام علی ہمدان. ہمدان پر سلامتی ہو ہمدان پر سلامتی ہو[سلہ] اور یہ جو کہا کہ "آپ برابر کفار سے لڑنے اور دین الٰہی کے بلند کرنے میں مشغول رہے" تو یہ محض دعوی ہی دعوی ہے جسپر کوئی دلیل نہیں کیونکہ لڑنا اسکو کہتے ہیں کہ طرفین ایک دوسرے کا مقابلہ کریں اور حضرت ابوبکر کی حالت ہجرت سے پہلے تو یہ تھی کہ آپکو کفار رسی سے باندھ ڈالتے آپکو مارتے چپت لگاتے آپکی ڈاڑھی نوچتے چنانچہ اسکی تفصیل آئی ہے اور ہجرت کے بعد آپکو ان مصائب سے نجات تو ملی لیکن آنحضرت کے غزوات سے کسی میں ایک شخص سے بھی تو آپ نے جنگ نہیں کی نہ کسی کے مقابلہ پر نکلے بلکہ آپکی معرکہ آرائی یہ ہوتی تھی کہ میدان جنگ کو چھوڑ کر وہاں سے علٰحدہ ہوجاتے تھے۔ ذرہ ہم بھی تو سنیں آپ کس کافر سے لڑے اور کس دشمن دین سے مقابلہ کیا!۔

اور یہ جو کہا کہ "افضلیت کے مسئلہ میں جزم اور یقین کو کوئی دخل نہیں ہے" تو یہ بھی صحیح نہیں جسکی وجہ پہلے مذکور ہوچکی اور اگر ہم اسکو مان بھی لیں تو آپکے مقصود کے خلاف ہے کیونکہ کسی عاقل سے کیونکر اسکی امید ہوسکتی ہے کہ جس شخص میں ان صفات کاملہ کا مجموعہ ہو اوسکو وہ امامت کا اہل اور سزاوار نہ سمجھے صرف اس احتمال پر کہ ہوسکتا ہے درحقیقت اس شخص کا غیر اس سے افضل ہو اسلئے کہ ظاہر ہے ہر عاقل ایسی صورت میں یہی کہیگا کہ اسوقت ہماری نظر میں یہی شخص (جسمیں یہ فضائل و کمالات جمع ہیں) افضل ہے اور امامت کیلئے سب سے بہتر اور حقدار ہے اور اسوقت تک رہیگا جب تک دوسرا شخص اس سے بہتر نہ ثابت ہوجائے اور اسکی دلیل واضح ہے اسلئے کہ کوئی شخص مثلاً یہ نہیں کہ سکتا ہے کہ جس شخص کا علم و فضل میں سب سے بہتر ہونا معلوم ہو اس سے تو علم حاصل نہ کیا جائے اور جس کی جہالت یا علم کا حال کچھ نہ معلوم ہو اس سے اسکی امید رکھی جائے یہ ایک عقلی بات ہے جسکو ہر سمجھدار تسلیم کریگا علاوہ بریں قرآن مجید اور احادیث نبوی صلعم سے بھی اسکی تائید

سلہ دیکھو استیعاب مطبوعہ حیدرآباد جلد ۲ صفحہ ۱۸۴ - ۱۲۰ -

ہوتی ہے چنانچہ پارہ ۱۱ رکوع ۹ میں خدا فرماتا ہے افمن یھدی الی الحق احق ان یتبع
من لا یھدی الا ان یھدی فما لکم کیف تحکمون. یعنی بھلا جو شخص حق کا راستہ دکھائے اسکی
پیروی کرنی چاہئے یا اسکی کہ جب تک کوئی رستہ نہ بتائے وہ خودہی راہ نہ پائے تو تمھیں
کیا ہوا ہے اور تم کس طرح کا انصاف کرتے ہو جس کا مطلب یہی ہوا کہ خدا دریافت فرماتا ہے
کیا وہ شخص جو صاحب علم و ہدایت ہے اسکا سزاوار ہے کہ اس سے خلق خدا ہدایت حاصل
کرے اور اسکی ہدایت و علم کے انوار سے حق کا رستہ دیکھے یا وہ شخص جسکو خود
ہی راہ ہدایت نہیں معلوم ہے اور وہ جب تک دوسروں سے علم و ہدایت حاصل
نہ کرلے اسوقت تک خود ہی جاہل اور بے راہ رہے. تو اے عقل والو تم کس قسم
کا انصاف اور فیصلہ کرتے ہو. اسکا مقصود بھی یہی ہوا کہ معلوم ہے عقل اسی امر کا فیصلہ
کرتی ہے اور کریگی کہ پہلا ہی شخص زیادہ حقدار اور سزاوار اس امر کا ہے کہ خلق اسکی متابعت
کرے اور اسکی ہدایت پر چلے اور اسکا پیرو بنے. اور اسکے خلاف فیصلہ کرنا صرف ہٹ
دھرمی اور ضد ہے. اور یہ جو کہا کہ "یہ مسئلہ ایسا نہیں ہے جس سے کسی عمل کا تعلق ہو"
تو یہ بھی عجیب بات ہے کیونکہ اس مسئلہ سے ہمارے اعمال کا تعلق ہونا ایسا ضروری
ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا یہی مسئلہ تو انسان کو گمراہی اور جہالت میں مبتلا کرتا
ہے جس سے وہ مفضول کو بہتر سمجھنے اور اسکو مقدم خیال کرنے لگتا ہے اور جو شخص
واقعاً افضل اور مقدم ہوتا ہے اسکو موخر کر دیتا ہے اور ایسا کرنا اگرچہ کفر نہیں ہے لیکن
اسکا درجہ فسق سے تو کمتر نہیں ہوگا کیونکہ خدا پارہ ۱۵ رکوع ۸ میں فرماتا ہے ومن
کان فی ھذہ اعمی فھو فی الاخرۃ اعمی واضل سبیلا. یعنی جو شخص اس (دنیا) میں اندھا
ہو وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور رستے سے بہت زیادہ گمراہ ہے اس آیت میں
اندھے پن کی تفسیر مفسرین نے راہ حق کے اندھے پن اور ناواقفیت سے کی ہے
بہرکیف کیونکر دعوی کیا جا سکتا ہے کہ یہ مسئلہ ایسا نہیں ہے جس سے کسی عمل کا تعلق
ہو حالانکہ شیعوں اور سنیوں میں اعمال کی مخالفت زیادہ تر اسی مسئلہ سے متعلق
ہے مثلاً بعض لوگوں کا بعض پر لعنت کرنا بھی ایک عمل ہے جسکا تعلق اسی مسئلہ سے
ہے پس اس صورت میں اس مسئلہ کی تحقیق اور اسمیں یقین حاصل کرنا واجب ہے
تاکہ معلوم ہو جائے کون ذات ایسی ہے جسکی پیروی کرنا واجب ہے اور کسکی واجب نہیں ہے

تاکہ وہ غلط راہ اختیار کر کے غضب خدا کا مستحق نہ بنے۔ اور یہ جو کہا ہے "اسکے مقابل ایسی دلیلیں بھی ہیں جو ان کی معارض ہیں" تو یہ بالکل بے بنیاد بات ہے کیونکہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت علیؑ کی امامت و خلافت بلافصل کے متعلق جس قدر دلیلیں اور نصوص وارد ہوئے ہیں ان پر فریقین (شیعہ و سنی دونوں) کا اتفاق ہے برخلاف ان دلیلوں کے جو خلفائے ثلثہ کی شان میں وارد ہیں۔ ہاں خلفائے ثلثہ کے جو فضائل ہیں انکے مقابلہ میں انکے مطاعن اور ان پر اعتراضات بھی ہیں اور انھیں فضائل و مطاعن میں تعارض ہے جسکو دیکھی سے سمجھنا چاہئے۔ اور یہ جو کہا کہ "زیادہ ثواب حاصل ہونے کی خصوصیت سے الخ"، تو اسکا جواب پہلے ہی مسئلہ حسن و قبح عقلی کے بیان میں گزر چکا کہ یہ خدا کی عدالت کے خلاف ہے اور اسکا ظلم ثابت کرتا ہے کہ جو بندہ بہت مطیع و فرمانبردار ہو اسکو خدا کوئی ثواب نہ دے اور جو نافرمان ہو اس کو کثرت سے ثواب مرحمت فرمائے) اور یہ جو کہا "کسی شخص کی امامت کا ثبوت الخ"، تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ جس صورت میں فاضل کے رہتے ہوئے مفضول کی امامت جائز نہیں سمجھی جائیگی جیسا کہ عقل کا فیصلہ بھی ہے اس صورت میں کسی شخص کے خلافت کا صحیح ہونا اس پر موقوف ہوگا کہ وہ شخص افضل ہو لہذا کسی کے افضل ہونے کا گمان یقیناً اس امر کو مستلزم ہے کہ اسکے احق بخلافت ہونے کا گمان بھی حاصل ہو۔ اور یہ جو کہا کہ "اسی کا یقین نہیں ہے کہ افضل کے رہتے ہوئے الخ"، تو یہ صریح مکابرہ ہے جسکو عقل سلیم کبھی پسند نہیں کر سکتی جسکی وجہ محض مذہبی تعصب ہے کہ چونکہ آپکے بزرگوں نے مسئلہ خلافت و امامت میں ایسا ہی کیا کہ افضل کے رہتے ہوئے اسکو چھوڑ کر مفضول کو خلیفہ مان لیا لہذا آپ بھی وہی کہنے پر مجبور ہوتے ہیں ورنہ عقل تو یہی کہتی ہے کہ افضل ہی کو خلیفہ ہونا چاہئے اور یہ جو کہا کہ "ہم بزرگوں کو دیکھتے ہیں الخ"، تو اسکا جواب یہ ہے کہ ان بزرگوں ہی کا مذہب حق یا باطل پر ہونا تو تحقیق طلب اور اسی میں نزاع ہے کہ انکی پیروی ترک کرنی چاہئے یا اسی پر باقی رہنا مناسب ہے کیونکہ آنکھ بند کر کے بزرگوں کی اندھی تقلید تو نہایت مذموم ہے جو لوگ مسلمان ہوئے اُنکے بزرگ کافر تھے پھر کیا ان لوگوں کو اپنے بزرگوں ہی کی پیروی کر کے کافر رہنا مناسب تھا یا عقل کیطرف رجوع کر کے مذہب باطل کو ترک اور صراط مستقیم کو اختیار کرنا ضروری تھا؟ بزرگوں کی

اندھی تقلید کو تو خدا نے قرآن مجید میں بہت برا کہا ہے چنانچہ پارہ ۲۵ رکوع ۸ میں کفار عرب کے اس قول کو برائی کے طور پر ذکر فرماتا ہے انا وجدنا آباءنا علے امۃ وانا علی آثارھم مقتدون یعنی ہم نے اپنے بڑوں کو ایک مذہب پر پایا ہے اور ہم قدم بقدم انہیں کے پیچھے چلتے ہیں انتہی۔ اور ان لوگوں کے بارے میں جو حسن ظن آپکو حاصل ہوا ہے وہ ناسمجھی اور کم عقلی کی وجہ سے ہے اور یہ ظن وہی ہے جسکی مذمت قرآن مجید پارہ ۱۱ رکوع ۹ میں یوں وارد ہوئی ہے وما یتبع اکثرھم الا ظنا ان الظن لا یغنی من الحق شیئا یعنی انہیں کے اکثر صرف ظن کی پیروی کرتے ہیں اور کچھ شک نہیں کہ حق کے مقابلہ میں ظن کچھ بھی کارآمد نہیں ہو سکتا۔ اور پارہ ۲۶ رکوع ۱۴ میں فرماتا ہے یا ایھا الذین آمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم اسے اہل ایمان بہت ظن کرنے سے احتراز کرو کہ بعض ظن گناہ ہے۔ علاوہ بریں صرف بزرگوں کے ساتھ حسن ظن ہونے سے انکی پیروی کرنا صحیح نہیں ہو سکتا اور نہ انکی متابعت کو واجب کرتا ہے جو واضح امر ہے مختصر یہ کہ حضرات اہلسنت نے افضلیت کے مسئلہ کو خلافت کی ترتیب پر قائم کیا ہے کہ جو خلیفہ سب سے پہلے ہو گیا اسکو سب سے افضل سمجھا اور اسی طرح ایکے بعد دیگرے اعتقاد رکھتے ہیں حالانکہ یہ بالکل بے جوڑ بات ہے کہ چونکہ فلاں شخص اتفاق سے خلیفہ ہو گیا لہذا وہ افضل ہے یہ بات کسی عقل میں آسکتی ہے؟ اور اس میں کوئی نفع بھی نہیں ہے کیونکہ اس سے تو ہم سمجھتے ہیں کہ اگر حضرت امیر المومنین سے قبل پچاس شخصوں کو لوگوں نے خلیفہ بنا لیا ہوتا تو اپنے اس اصول سے یہ حضرات ان پچاسوں خلیفوں کو بھی حضرت امیر المومنین ع سے افضل کہتے اور ان سب کو حضرت پر ترجیح دیتے۔ اور خلافت کی ظاہری اور صوری ترتیب سے مرتبہ وفضیلت کی ترتیب کیونکر صحیح ہو سکتی ہے اسلئے کہ ان حضرات کو فضائل وکمالات سے محروم رہنے کی وجہ سے حضرت علی علیہ السلام سے وہی نسبت ہے جو صفروں کو عدد سے نسبت ہوتی ہے لہذا ان لوگوں کا حضرت علی سے پہلے خلیفہ بننا حضرت علی ہی کا درجہ بڑھاتا اور آپکی افضلیت واکملیت ہی کا اظہار کرتا ہے (اسطرح کہ حضرت علی مثلا ۱ کی عدد تھے اور خلفاء ثلثہ صفروں کی طرح جو حضرت علی سے پہلے ہوئے لہذا حضرت علی کے عدد ۱ کے پہلے تین صفر ہوئے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت علی اسکے

...۱۰۰۰ ایک ہزار ہوگئے جیساکہ ایک فارسی شاعر نے کیا خوب اس مضمون کو نظم کر دیا ہے۔

در رتبہ صوری خلافت مقصود جز غرض کمال اسد اللہ نبود

گر گشت رقم سہ صفر پیش از الف پیداست کہ در رتبہ کمال کہ فزود یعنی حضرت علی سے پہلے ظاہری طور پر جو تین خلیفہ ہوئے اس سے سوا حضرت اسد اللہ کا کمال ظاہر ہونے کے اور کچھ بھی مقصود نہیں تھا کیونکہ اگر الف سے پہلے تین صفر رکھ دیئے تو ظاہر ہے کہ کس کا درجہ بڑھے گا۔

اور حضرت علماء اہلسنت نے جو درحقیقت علم منطق سے ناواقف ہیں اور اسکے ہونے کا فتوی دیتے ہیں حضرت امیر المومنین ع کو بحکم علم منطق کی چوتھی شکل دی ہے کیونکہ اس شکل کو علماء فن منطق نے بجز شکل اول کی مخالفت کی وجہ سے اعلیٰ کے درجوں سے ساقط سمجھا ہے اور جمہور نے شکل اول کے بعد شکل ثانی کا مرتبہ قرار دیا ہے کیونکہ یہ اشرف مقدمتین میں شکل اول کی موافقت کرتی ہے جو اس جگہ ابوبکر ہے حق خلافت کو غصب کرنا تھا اور اسی وجہ سے ہمنے دونوں کا نام عمر بن رکھا ہے پھر ان لوگوں نے شکل ثالث کو معتبر سمجھا ہے کیونکہ یہ دوسرے مقدمہ میں شکل اول کی موافقت کرتی ہے جو یہاں پہلے دونوں بزرگوں کی شریعت کا رائج اور انکی سیرت کی پیروی کرنا تھا اور حضرت علی کو چوتھے مرتبہ میں رکھا کیونکہ حضرت کی طبیعت اول و دوم کے بالکل مخالف تھی جسطرح شکل رابع شکل اول و دوم کے مخالف ہوتی ہے اور یہی وجہ تھی کہ جب قصہ شوری میں عبدالرحمن بن عوف نے حضرت سے کہا کہ آپ ہاتھ پھیلایئے میں آپکی بیعت اس شرط پر کروں کہ آپ سیرۃ شیخین پر عمل کریں تو حضرت نے انکار کر دیا اور فرمایا نہیں میں تو کتاب خدا و سنت رسول صلعم پر ہی عمل کروں گا جس کے سنتے ہی عبدالرحمن بن عوف نے فوراً آپکو چھوڑ دیا اور اسی شرط پر حضرت عثمان کی بیعت کر کے انکو خلیفہ سوم بنا دیا اور انھوں نے بھی اس شرط کو منظور کر لیا اور علامہ آمدی نے جو کہا کہ کوئی فضیلت ایسی نکلیگی ہی نہیں الخ، اس میں بھی کلام ہے کیونکہ جب کوئی فضیلت کسی شخص سے مخصوص فرض کرینگے تو اسمیں دوسرے کی شرکت ممکن کیونکر اسلئے کہ مخصوص کا تو معنے یہی ہے کہ صرف اسی میں پائی جائے دوسرے میں نہ پائی جائے مگر یہ کہ ان فضائل و کمالات کی اصل نوعوں میں شرکت مراد لی جائے لیکن یہ تو

ویسی ہی ہوگی جیسے کسی بچہ کے بارے میں دعویٰ کیا جائے کہ تحصیل علم کا مادہ رکھنے میں یہ منجر اور علامہ حضرات کا شریک ہے یا میزان منشعب پڑھنے والے کو کہا جائے کہ صفت علم میں یہ بڑے بڑے مجتہدین کا شریک ہے یا کہا جائے کہ جس طرح عمرو بن عبدود کو حضرت علی نے اپنی شجاعت سے قتل کیا اسی طرح فلاں شخص نے چوہیا کو قتل کیا لہذا صفت شجاعت میں یہ شخص حضرت علی کا شریک ہے یا یہ کہا جائے کہ جس طرح حضرت علی نے تنہا در خیبر اکھاڑ دیا اسی طرح فلان شخص نے اپنے کابک کا در اکھاڑ دیا لہذا قوت میں یہ شخص حضرت علی کا شریک ہے تو اس قسم کی شرکت کا دعوی جس قدر مہمل اور قابل مضحکہ اور ایسا شخص جس درجہ بے عقل اور بے انصاف قرار پائیگا وہ ظاہر ہے۔ اور یہ جو کہا کہ "ہوسکتا ہے کسی شخص کی ایک ہی فضیلت کا درجہ دوسروں کی بکثرت فضیلتوں سے بڑھ جائے" الخ تو یہ بھی مہمل ہے جسکی وجہ پہلے مذکور ہوچکی کہ ہمیں امام معین کرنے کے لئے صرف اس شخص کو تلاش کرنے کی ضرورت ہے جس میں وہ تمام فضائل اور کمالات پائے جاتے ہوں جو امامت اور دینی ریاست کے شرائط ہیں اور کوئی صاحب عقل اس احتمال کی طرف ملتفت بھی نہیں ہوسکتا کہ "شاید کوئی دوسرا شخص جس کے فضائل سے کوئی بات ابھی ظاہر نہیں ہوئی ہو خدا کی نظروں میں یا فی نفس الامر اس جامع فضائل وکمالات شخص سے افضل نکل آئے" بلکہ اگر ایسے خیال خام کا لحاظ کیا جائے تو سردار کے انتخاب اور امام کے معین کرنے کا کام ہی رک جائے کیونکہ پھر تو ہر جولاہے حجام۔ بازاری یا کسی پہاڑ پر بیٹھے یا کسی غار میں چھپے ہوئے شخص سے متعلق یہ احتمال ہوسکتا ہے کہ اگرچہ اسکی کوئی فضیلت ظاہر نہیں ہے لیکن ممکن ہے کہ یہ شخص فی نفس الامر یا خدا کی نظروں میں دنیا بھر کے علماء۔ فقہاء۔ محدثین۔ سے جنکے فضائل وکمالات سے بچہ بچہ واقف ہے افضل اور بہتر ہو لہذا امام وریس کے مقرر کرنے کی راہ ہی بند ہوجائیگی۔ علامہ آمدی کے مقلدین جو انکی طرح ایک جگہ سے دوسری جگہ بھاگتے اور ایک شاخ سے دوسری شاخ پر اڑتے نظر آتے ہیں ذرہ ہمیں بتائیں کہ جن لوگوں نے حضرت ابو بکر کو خلیفہ تجویز کیا انھوں نے موصوف میں بخیال اپنے کچھ ظاہری فضائل وکمالات پاکر آپکا انتخاب کیا تھا یا صرف اس احتمال پر کہ شاید انہیں باطنی طور پر ایسے فضائل وکمالات ہوں جن سے یہ خدا کی نظروں میں سب سے افضل ہو

یا یہ بھی نہیں تھا صرف بخت واتفاق یا محض اپنی پسند اور مرضی سے آپکو خلیفہ تسلیم کر لیا اور اس امر کا کوئی لحاظ نہیں کیا کہ آپ میں ظاہری یا باطنی فضائل سے کوئی صفت بھی پائی جاتی ہے یا نہیں بلکہ آپکے نزدیک حضرت ابو بکر کا غلام استحقاق خلافت میں حضرت ابو بکر کے برابر تھا، ظاہر ہے کہ ان تینوں صورتوں سے آخری صورت تو حضرت ابو بکر کی جلالت قدر کے بالکل خلاف اور انکی سخت توہین کرنے والی ہے۔ اور دوسری صورت گویا محال ہے لہذا پہلی ہی صورت ماننی پڑے گی کہ حضرت ابو بکر میں کچھ فرضی فضائل ہی پاکر آپکے ماننے والوں نے خلیفہ بنایا اگرچہ وہ فرضی فضیلت صرف یہ ہو کہ یہ بوڑھے ہیں یا یہ کہ خلافت کو اسکے اصلی مستحقین سے علٰحدہ کر لینے میں پوری پوری کوشش کرینگے یا یہ کہ ان سے ہملوگوں کو دنیوی منافع زیادہ حاصل ہونگے یا یہ کہ یہ ہملوگوں کی رائے و مشورہ ہی پر عمل کرینگے برخلاف حضرت علی کے جو احکام خدا اور رسول کے مقابلہ میں کسی کی کچھ سننے والے نہیں ہیں، معلوم ہوا کہ کسی فضیلت ہی کی وجہ سے کوئی خلیفہ یا سردار بنایا جاتا ہے لہذا حقیقی خلیفہ وہی ہوگا جسمیں سب سے زیادہ فضائل وکمالات ہوں اور معلوم ہے کہ جس کثرت سے فضائل وکمالات حضرت علی میں پائے گئے کسی کو کبھی بھی نہیں حاصل ہوئے لہذا آپ ہی سب سے زیادہ مستحق خلافت بھی ہوے اور آیندہ بھی معلوم ہوگا کہ حضرت ہی میں سب سے زیادہ فضائل وکمالات تھے۔

رہے علامہ تفتازانی شارح عقائد تو انکے اکثر مقدمات اس تقریر سے ملتے جلتے ہیں جسکو ہمنے صاحب مواقف کے کلام سے نقل کیا اور اسکا جواب دیا ہے ہاں آپ کی نئی بات صرف آخری فیصلہ ہے جسمیں فرماتے ہیں: "انصاف یہ ہے الخ" اور اسکا جواب یہ ہے کہ وہ ثواب جسکے حاصل کرنے کی وجہ سے لوگ افضل ہوتے ہیں اگر خدا کی اطاعت اور فرمانبرداری سے ہو جیسا کہ قرآن مجید اور حدیث نبوی سے بھی معلوم ہوتا ہے اور جسکو ہمنے پہلے بیان کر دیا ہے تو کوئی شک نہیں کہ جس شخص کی اطاعت زیادہ ہوگی اسی کا ثواب بھی زیادہ ہوگا۔ اب جو شخص صحابہ کے حالات میں غور وفکر سے کام لیگا اسکو بدیہی طور پر معلوم ہو جائیگا کہ حضرت علی کی اطاعت دوسرے حضرات سے ہزاروں مرتبہ بڑھی ہوئی تھی اسلئے کہ حضرت نے اپنی تمام عمر خدا کی اطاعت میں گزاری اور آپ سے کبھی کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا برخلاف آپکے دوسروں نے اپنی عمر کا بڑا حصہ بتوں کی پرستش

میں صرف کرنے کے بعد خدائے یکتا کو پہچانا اور اسکو سجدہ کیا اور اسلام لانے کے بعد بھی ان سے بکثرت فسق و فجور ہوتے رہے جیساکہ ابو سعید البتلی رحمۃ اللہ نے اس شعر میں نظم کیا ہے

شعر
عبد الالٰہ وغیرہ من جہلہ ما نال منعکفا علی اصنامہ

یعنی حضرت علی برابر خدا ہی کی عبادت کرتے رہے اور آپ کے غیر لوگ اپنی جہالت سے برابر اپنے بتوں کی پرستش پر اڑے رہے۔

اور اگر آپکا ثواب اطاعت و فرمانبرداری سے نہ ہو تو وہ درحقیقت ثواب ہی نہیں ہے اور وہ تعظیم و تفضیل پر دلالت بھی نہیں کریگا کیونکہ اسکا اطاعت و فرمانبرداری سے ہونا ہی ثواب اور تفضیل میں فرق کرتا ہے تو اس صورت میں بھی اس مسئلہ میں توقف کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے اسکو خوب غور سے سمجھو۔

قول علامہ الرحمہ ساتویں سورہ بقرہ کی آیت ۳۲ ہے جسمیں خدا ارشاد فرماتا ہے فتلقٰی آدم من ربہ کلمات فتاب علیہ انہ ھو التواب الرحیم۔ یعنی پھر حضرت آدم نے اپنے پروردگار سے کچھ کلمات سیکھے اور اپنے قصور کی معافی مانگی تو خدا نے انکا قصور معاف کر دیا وہ بیشک بڑا معاف کرنے والا اور خدا جب رحم ہے۔ اس آیت کے بارے میں جمہور نے حضرت ابن عباس رض سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلعم سے دریافت کیا گیا وہ کلمات کیا تھے جن سے حضرت آدم کی توبہ قبول ہوئی تو حضرت نے فرمایا یہ تھے سالت بحق محمد و علی و فاطمہ والحسن والحسین الا تبت علی۔ یعنی حضرت آدم نے عرض کی اے خدا میں تجھ کو حضرت محمد و علی و فاطمہ و حسن و حسین کے حق کا واسطہ دیکر سوال کرتا ہوں کہ میرے قصور کو معاف اور میری توبہ کو قبول کرے تو خدا نے آپکی توبہ قبول کر لی۔

قول الطابل مفسرین نے ان کلمات کی تعیین میں اختلاف کیا ہے بعضوں نے کہا ہے کہ وہ تسبیح و تہلیل و تحمید خداوند عالم تھے بعضوں نے کہا وہ مناسک حج تھے جن سے حضرت آدم کی توبہ قبول ہوئی اور بعضوں نے کہا وہ کلمات وہ دس خصلتیں تھیں جنکو فطرۃ کی خصلتیں کہتے ہیں حضرت آدم کو حکم ہوا کہ ان پر عمل کریں تاکہ خدا انکی توبہ قبول کرلے۔ اور اگر ہم اس مضمون کو تسلیم بھی کریں جسکو علامہ نے جمہور سے روایت کیا ہے (اگرچہ ہمیں نہیں معلوم کہ وہ جمہور کون ہیں) جب بھی

اس روایت سے صرف حضرت علی کی کامل فضیلت ثابت ہوتی ہے جسکو ہم بھی مانتے اور جانتے ہیں کہ حضرات آئمہ طاہرین سے توسل کرنا قبول دعا کے بہترین ذریعوں اور عظیم ترین وسیلوں سے ہے لیکن اس روایت سے حضرت علی کی امامت تو نہیں ثابت ہوتی کیونکہ یہ مضمون اسپر نص نہیں ہے لہذا آپ نے جس امر کا دعوی کیا تھا دلیل دیتے وقت اس سے خارج ہو گئے اور لگے حضرت علی کی فضائل کو قرآن مجید سے بیان کرنے جو سب مسلم ہیں اور ہمیں بھی معلوم ہیں مگر ان سے حضرت علی کی خلافت منصوصہ کیونکر ثابت ہوئی۔

قول احقاق جمہور اہلسنت سے بعض مفسرین[۱] کا شیعوں کے موافق یہ کہنا کہ یہ آیہ یا اس قسم کی اور دوسری آیت حضرت علی کی شان میں ہے شیعوں کے دعوے کو کل اہلسنت پر ثابت کرنے کے لئے کافی ہے جسکی وجہ پہلے بیان ہو چکی کیونکہ جن مفسرین نے اس روایت کو اپنی تفسیروں میں لکھا ہے جب کل اہلسنت ان کو اپنا عالم تسلیم کرتے ہیں تو پھر انھیں اس مضمون کے ماننے میں عذر کیا ہو سکتا ہے اور اسی نکتہ کیطرف اشارہ کرنے اور مدعائے اختصار کو ہاتھ سے نہ چھوڑنے کے لئے جناب علامہ علیہ الرحمہ اکثر جمہور کی روایت کا حوالہ دیدینا کافی سمجھتے ہیں اور راوی کا نام بیان یا کتاب کی تصحیح کرنا ضروری نہیں خیال فرماتے رہا اس آیت کی تفسیر میں مناسک حج وغیرہ کا مراد ہونا تو اولا مناسک حج کو کلمات سے کوئی مناسبت اور ارتباط نہیں ہے کیونکہ وہ تو ہاتھ پاؤں کے اعمال ہیں انپر کلمات کا لفظ واضح طور پر صادق نہیں آتا دوسرے یہ کہ یہ اقوال مشہور تفسیروں

---

[۱] حضرات اہلسنت کی سب سے بڑی اور معتمد ترین تفسیر درمنثور علامہ جلال الدین سیوطی کی ہے اس کی جلد اول مطبوعہ مصر صفحہ ۶۰ میں ہے اخرج ابن النجار عن ابن عباس قال سالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الکلمات التی تلقاھا آدم من ربہ فتاب علیہ قال سال بحق محمد وعلی وفاطمۃ والحسن والحسین الا تبت علی فتاب علیہ یعنی ابن النجار نے اخراج کیا ہے ابن عباس سے کہ انھوں نے حضرت رسول خدا صلعم سے ان کلمات کو دریافت کیا جنکو حضرت آدم نے اپنے پروردگار سے سیکھا جس پر اسنے آپ کی توبہ قبول کرلی تو آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ حضرت آدم نے محمد و علی و فاطمہ و حسن و حسین کے حق کا واسطہ دیکر توبہ کی تو خدا نے انکی توبہ قبول کرلی ۱۲

مین مذکور بھی نہین ہین اور شاید فاضل مخاطب نے اس مقام پر بھی یحرف الکلم عن مواضعہا کلام کو اس کی جگہون سے پھیر دیا (یعنی اس مین تحریف کردی) جو ان کی کمادت ہے۔ کیونکہ مفسرین نے جن مین صاحب کشاف[1] بھی ہین ان دونون قولون (یعنی کلمات سے مراد مناسک حج یا خصال عشرہ ہونے) کو سورہ بقرہ کی آیت ۱۲۴ واذا ابتلی ابراھیم ربہ بکلمات فاتمھن الایہ (جب خدا نے چند باتون مین حضرت ابراہیم کی آزمائش کی تو انھون نے ان کو تمام کیا) کی تفسیر مین ذکر کیا ہے[2] شاید فاضل مخاطب کو اس وجہ سے دھوکہ ہوا کہ انھون نے دونون آیتون مین صرف لفظ "کلمات" کو دیکھ لیا لھذا اس آیت کی تفسیر کو اس آیت کی تفسیر سمجھ لی اور اپنی کتاب مین لاپروائی سے لکھدی اور تحقیق وغور وتامل سے کام نہ لیا اور نہ یقین حاصل کرنے کی کوشش کی حالانکہ یہ دینی امر ہے جس مین انسان کو کامل احتیاط کرنی چاہیے اور یہ جو فاضل مخاطب نے کہا کہ "علامہ حلی امر کا دعوے کرتے ہین دلیل دیتے وقت اس سے خارج ہو جاتے ہین" تو یہ بھی زبردستی کی بات ہے کیونکہ ہم نے پہلے دعوے کے عام ہونے کے بیان مین لکھدیا ہے جو اس پر شاہد ہے کہ فاضل مخاطب سچائی کی راہ سے علیحدہ ہو گئے ہین یا انتہائے حیرت وپریشانی مین آپ بحث کا عنوان ہی بھول گئے کیونکہ صرف اس امر سے کہ خدا حضرت علیؑ کا ذکر خیر انبیا

[1] چنانچہ تفسیر کشاف مطبوعہ مصر جلد اول ص ۲۳۲ اور تفسیر در منثور جلد اول صفحہ ۱۱۱ وغیرہ مین یہی اقوال ہین ۱۲ مترجم۔

[2] جناب علامہ ممدوح علیہ الرحمہ نے منہاج الکرامہ مین بھی فرمایا ہے کہ امامت حضرت علی پر دسوین آیت فتلقی آدم من ربہ کلمات فتاب علیہ ہے چنانچہ علامہ فقیہ ابن المغازلی شافعی نے اپنے اسناد سے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلعم سے دریافت کیا گیا وہ کلمات کیا تھے جنکو حضرت آدم نے خدا سے حاصل کر کے دعا کی اور آپ کی توبہ قبول ہوئی تو فرمایا کہ حضرت آدم نے محمد وعلی وفاطمہ وحسن وحسین کا واسطہ دیکر خدا سے دعا کی کہ ان کی توبہ قبول کیجائے تو خدا نے قبول کر لی اور یہ ایسی فضیلت امیر المومنینؑ ہے جو صحابہ سے کسی شخص مین بھی نہین پائی گئی اور اس مین حضرت علی حضرت رسولخدا صلعم کے برابر ہو گئے کہ جس طرح حضرت آدم نے رسولخدا صلعم کے توسل سے دعا کی اسیطرح جناب امیرؑ کے توسل سے بھی کی" ۱۲

مین زیادہ ہو کرتا ہے اور آپ ہی کی حالت سے مثال دیتا ہے نہ ان لوگون کی حالت سے جن کو فاضل مخاطب حضرت علی کا ہمسر اور مد مقابل قرار دیتے ہین یہ بات خوب واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت علی خدا کے حبیب اور اس کی نظر رحمت کے منظور نظر ہین خدا نے ہمارے لئے حضرت علی کی ذات کو بطور مثل قرار دیا اور اپنی بقیہ مخلوق کو چھوڑ دیا کیونکہ اور کسی کو اس قابل نہین سمجھا بلکہ ہم تو کہتے ہین کہ حضرت علیؑ کی صرف ایک ایسی فضیلت کا ذکر جو آپ ہی مین پائی گئی اور دوسرے دن مین نہین پائی گئی اس شرف مین حضرت علی کے سب سے افضل ہونے پر دلالت کرتی ہے لہذا حضرت علی اس فضیلت کی وجہ سے افضل اور دوسرے لوگ مفضول ہو جائین گے۔ اس کو خوب غور سے سمجھو۔

قول علامہ علیہ الرحمہ آٹھوین آیت خدا کا یہ کلام ہے انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی (آیت ۱۲۴ سورہ بقرہ پارہ ۱) یعنی اے ابراہیم مین تکو لوگون کا پیشوا بناؤنگا۔ انھون نے کہا کہ اے خدا تو میری اولاد سے بھی امام بنائیگا۔ جمہور نے ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم کی دعا مجھ تک اور علی تک منتہی ہوئی ہے کہ ہم دونون سے کسی ایک شخص نے بھی کسی بت کا سجدہ کبھی نہین کیا لہذا خدا نے مجھے تو اپنا نبی اور علی کو میرا وصی قرار دیا انتہے۔

قول ابطال یہ روایت اہلسنت والجماعۃ کی کسی کتاب مین بھی نہین ہے اور نہ مفسرین سے کسی شخص نے اسکو ذکر کیا ہے لیکن اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو اس کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ حضرت علی حضرت رسول خدا صلعم کے وصی ہین اور وصی ہونے کا مطلب علم و حکمت مین حضرت کا وارث ہونا ہے تو یہ حضرت کی امامت پر نص نہین ہے جسکا دعوے علامہ حلی نے کیا ہے۔

قول احقاق تعجب ہے کہ فاضل مخاطب اس روایت کے کتب اہلسنت مین ہونے سے انکار کرتے ہین حالانکہ اس کو علامہ اہلسنت امام ابن المغازلی شافعی نے کتاب المناقب مین اپنی اس اسناد سے جو عبد اللہ بن مسعود تک پہونچتی ہے روایت کی ہے لہذا اس سے انکار کرنا اور اس

نکار پر اصرار کرنا محض دشمنی اور زبردستی ہے اور اس روایت مین دعوت سے مراد حضرت ابراہیم کی دعا اور آپ کا خدا سے امامت کو اپنی اولاد کیلئے طلب کرنا ہے تو اس روایت سے معلوم ہوا کہ وصی ہونے کا مطلب صرف وارث علم وحکمت ہونا نہین ہے بلکہ لوگون کا امام ہونا ہے اور اسلام سے پہلے کافر رہنا اور بت پرستی کرنا اسلام کے بعد بھی امام بننے سے روک دیتا ہے جسکو ہم نے پہلے تفصیل سے ذکر کیا ہے لہذا خلفائے ثلثہ کی امامت تو تشریف لیگئی کیونکہ یہ حضرات اسلام سے پہلے کافر اور بت پرست رہ چکے تھے تو وہ کسی طرح مسلمانون کے امام اور خلیفہ نہین ہوسکتے ہین۔ اس طرح یہ آیت حضرت علی کی امامت پر نص ہوگئی نہ صرف علم وحکمت مین وارث نبی ہونے پر۔ یہان اگر کوئی شخص کہے کہ اس روایت سے یہ نہین ثابت ہوتا کہ خلفائے ثلثہ کی امامت باطل تھی اسلئے کہ جسطرح حضرت ابراہیم کی دعا کے حضرت رسولخدا صلعم تک منتہی ہونیکا مطلب یہ نہین ہے کہ حضرت کے قبل بھی کوئی نبی نہین تھا اسی طرح حضرت علی تک اس دعا کے منتہی ہونیکا مطلب یہ نہین ہوسکتا ہے کہ حضرت علی کے قبل کوئی امام نہین تھا۔ بلکہ روایت کا لازمی مطلب صرف اس قدر ہے کہ اس امام کیلئے جس تک یہ دعا منتہی ہو واجب ہے کہ کسی بت کو کبھی سجدہ نہین کیا ہو تو اس سے یہ نہین لازم آتا کہ جس شخص تک یہ دعا منتہی ہوتی ہے اس سے قبل جو امام ہو اس نے بھی کبھی بت کو سجدہ نہیں کیا ہو۔ مختصر یہ کہ جس شخص تک یہ دعا منتہی ہوتی ہے اسکے لئے تو ضروری ہے کہ کبھی بت کو سجدہ نہین کیا ہو مگر اسکے قبل جو امام ہو اسکے لیے یہ ضروری نہین ہے۔ تو اس شخص کے جواب مین ہم کہینگے کہ حضرت رسولخدا صلعم کا قول انتہت الدعوۃ یعنی حضرت ابراہیم کی دعا مجھ تک اور علی تک منتہی ہوئی بصیغہ ماضی ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ جسوقت آنحضرت صلعم نے یہ قول ارشاد فرمایا اسوقت وہ دعا منتہی ہوچکی تھی لہذا حضرت علی کے سوا کسی شخص کا آپ سے پہلے امام ہونا حضرت کے اس قول کے خلاف ہوجایگا ہان اگر آنحضرت صلعم یون فرماتے کہ "عنقریب دعائے ابراہیم منتہی ہوگی الخ" تو اس احتمال کی کچھ گنجائش ہوسکتی تھی مگر چونکہ ایسا نہین ہے لہذا یہ احتمال بھی نہین ہوسکتا پس حضرت رسولخدا صلعم اور حضرت علیؑ تک اس دعا کے منتہی ہونیکا فرق ظاہر ہوگیا۔

یہاں کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اگر یہ روایت صحیح ہو تو لازم آئیگا کہ باقی ائمہ طاہرینؑ امام نہ ہوں اسلئے کہ ہم کہینگے یہ ضروری نہیں ہے کیونکہ انتہا کا معنے یہاں صرف پہونچنا ہے نہ ختم ہونا تو مطلب یہ ہوا کہ حضرت ابراہیم کی دعا حضرت علیؑ تک پہونچی نہ یہ کہ حضرت علیؑ تک ختم ہوگئی اور اسی جواب مین اس خیال کے رد کی گنجائش بھی ہے جو اس طرح ظاہر کیا گیا ہے کہ اس روایت کا صحیح نہ ہونا ہمارے لئے مضر نہیں ہے کیونکہ ہم شیعون کی غرض تو اہلسنت پر اس امر کو ثابت کرنا ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان امام نہیں تھے جو اس آیت سے اچھی طرح ثابت اور متحقق ہوگئی تو اسکو خوب غور سے سمجھو۔ اور اس روایت سے ملتی جلتی وہ روایت بھی ہے جسکو علامہ عبداللہ بن احمد النسفی حنفی نے اپنی کتاب تفسیر مدارک التنزیل مین (پارہ ۲۸ سورۃ مجادلہ کی بارہوین) آیت نجوی یا ایھا الذین آمنوا اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجویکم صدقۃ یعنی اے ایمان والو جب تم رسولؐ سے کوئی راز کی بات کہنی چاہو تو بات کہنے سے پہلے کچھ خیرات دیدیا کرو کی تفسیر مین حضرت امیر المومنین علیؑ سے نقل کی ہے کہ قال علی رضی اللہ عنہ ھذہ آیۃ من کتاب اللہ ما عمل بھا احد قبلی ولا یعمل بھا احد بعدی کان لی دینار فصرفتہ فکنت اذا ناجیتہ تصدقت بدرھم وسألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشر مسائل فاجابنی عنھا قلت یا رسول اللہ ما الوفاء قال التوحید وشھادۃ ان لا الہ الا اللہ قلت وما الفساد قال الکفر والشرک باللہ قلت وما الحق قال الاسلام والقرآن والولایۃ اذا انتہت الیک انتہی[1] یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کتاب خدا کی یہ آیت نجوی وہ آیت ہے جس پر نہ مجھ سے قبل کسی نے عمل کیا اور نہ میرے بعد کوئی عمل کرے گا میرے پاس ایک دینار تھا مین نے اس کا خردہ کرکے درہم کر لئے پھر جب حضرت صلعم سے کوئی راز کی بات کرتا تو ایک درہم صدقہ دیدیتا اور حضرت رسولخدا صلعم سے مین نے دس مسئلے پوچھے جن سب کا حضرت نے جواب دیا مین نے عرض کی یا رسول اللہ وفا کیا ہے فرمایا توحید اور شہادۃ لا الہ الا اللہ مین نے پوچھا فساد کیا ہے

---

[1] تفسیر مدارک برحاشیہ تفسیر خازن مطبوعہ مصر جلد ۴ صفحہ ۲۱۲

فرمایا کفر اور شرک مین نے پوچھا حق کیا ہے فرمایا اسلام اور قرآن اور ولایت جب تم تک پہونچے (تو حق ہے) اور ہم کہتے ہین کہ محققین کے نزدیک مفہوم شرط حجت ہے پس بیان وہ اس امر پر دلالت کریگا کہ امامت اور ولایت انتہا کے پہلے باطل ہے لہذا امامت مین جو لوگ حضرت علی سے مقدم ہوئے ان کی امامت کا باطل ہونا واضح اور یقینی ہو گیا جیسا کہ پوشیدہ نہین ہے۔

قول علامہ علیہ الرحمہ نوین آیت خدا کا یہ قول ہے ان الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات سیجعل لھم الرحمٰن ودا (پارہ ۱۶ سورہ مریم آیۃ ۹۶) یعنی جو لوگ ایمان لائے اور انھون نے عمل نیک کئے خدا ان کی محبت مومنین کے دل مین پیدا کردیگا۔ جمہور نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہ آیت حضرت امیر المومنین علیؑ کی شان مین نازل ہوئی ہے اور ودسے مراد وہ محبت حضرت علی ہے جو مومنین کے دلون مین جاگزین ہے۔

قول ابطال یہ روایت اہلسنت کی تفسیرون مین نہین ہے اور اگر صحیح ہو تو اس سے صرف حضرت علی کی محبت کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے جو باتفاق فریقین واجب ہے کسی کو اس مین عذر نہین مگر اس سے حضرت علی کی امامت پر نص نہین ثابت ہوتی حالانکہ آپ کا مقصود یہی ہے۔

قول احقاق تعجب ہے کہ فاضل مخاطب اہلسنت کی تفسیرون مین اس روایت کے ہونے سے انکار کرتے ہین حالانکہ تفسیر فخر الدین[1] و تفسیر نیشاپوری[2] مین نیز علامہ ابن حجر مکی کی مشہور کتاب صواعق محرقہ[3] مین یہ روایت موجود ہے بلکہ اس مین تو وہ مضمون بھی ہے جس سے حضرات اہلبیت کے دشمن جو خصوصاً حضرت علی کے

[1] تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۱۲۰۴۳۱ [2] تفسیر نیشاپوری برحاشیہ تفسیر طبری مطبوعہ مصر جلد ۱۶ صفحہ ۴۷-۱۲۰ [3] اسکے مطبوعہ مصر صفحہ ۱۰۲ اور تفسیر درمنثور مطبوعہ مصر جلد ۴ صفحہ ۲۸۷ مین اس مضمون کی بکثرت حدیثین نقل کیا ہین چنانچہ لکھتے ہین کہ حضرت رسولخدا صلعم نے حضرت علی سے فرمایا کہ دعا کرو اے خدا میرے لئے عہد خلافت قرار دے اور میرے لئے اپنے یہان محبت قرار دے اور مومنین کے دلون مین بھی میری محبت پیدا کر دے تو خدا نے یہ دعا قبول کی اور یہ آیت نازل فرمائی ان الذین اٰمنوا الآیۃ بلکہ دوسری روایت مین ہے کہ حضرت علی نے حضرت رسولخدا صلعم سے دریافت کیا کہ خدا کے قول سیجعل لھم الرحمٰن ودا کا کیا مطلب ہے تو آنحضرت صلعم نے ارشاد

فضائل سے خوب جلتے ہین اور چراغ پا ہونگے وہ مضمون یہ ہے کہ صحیح روایت مین وارد ہوا ہے کہ حضرت عباس نے حضرت رسولخدا صلعم سے شکایت کی کہ یا حضرت جب قریش ہم بنی ہاشم اور اہلبیت کو دیکھتے ہین تو ان کے چہرے خشک ہوجاتے اور جو بات وہ کرتے رہتے ہین اس سے خاموش ہو جاتے ہین۔ یہ سنکر حضرت رسولخدا صلعم نہایت درجہ غضبناک ہوئے جس سے آپ کا چہرہ سرخ ہوگیا اور آپ کی پیشانی پر پسینہ بہنے لگا پھر فرمایا قسم ہے اس ذات کی جسکے قبضہ قدرت مین میری جان ہے کسی شخص کے دل مین ایمان داخل ہی نہین ہوگا جب تک وہ تم اہلبیت کو خدا اور اسکے رسول کے لئے دوست نہ رکھیگا اور ایک صحیح روایت مین یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ان لوگون کا کیا انجام ہوگا جو آپس مین باتین کرتے رہتے ہین مگر جب ہمارے اہلبیت سے کسی شخص کو دیکھتے ہین تو اپنی بات روک لیتے اور خاموش ہوجاتے ہین خدا کی قسم کسی شخص کے دل مین اسوقت تک ایمان داخل نہین ہوگا جب تک وہ ہمارے اہلبیت کو خدا کیلئے اور اس قرابت کی وجہ سے جو ان کو مجھ سے حاصل ہے دوست نہین رکھیگا انتہے۔ رہا فاضل مخاطب کا یہ قول "اس سے امامت کی نص نہین ثابت ہوتی" تو اسکا جواب یہ ہے کہ جس بزرگ کی محبت کو خدا مومنین کے دلون مین پیدا کریگا اور جسکو وہ مقام امتنان (احسان رکھنے کی جگہ) مین ذکر فرماتا ہے ضروری ہے کہ وہ بزرگ معصوم ہو اور جب حضرت علی کا معصوم ہونا ثابت ہوگیا تو پھر حضرت کی خلافت بلافصل بھی ثابت ہوگئی کیونکہ حضرت رسولخدا صلعم کے بعد جو حضرات ظاہری خلیفہ ہوئے وہ معصوم نہین تھے تو معصوم نبی کا خلیفہ بھی معصوم ہی ہونا چاہیئے۔

قول علامہ علیہ الرحمہ دسوین آیت خدا کا یہ قول ہے انما انت منذر ولکل قوم ھاد (پارہ ۱۳ سورہ رعد آیت ۷) یعنی اے محمد تم تو ڈرانے والے ہو اور ہر قوم کیلئے ایک رہنما ہوا کرتا ہے۔ جمہور نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا مین ڈرانے والا ہون اور علی ہادی ہین پھر حضرت

فرمایا کہ یہ وہ محبت ہے جو مومنین اور ملائکہ مقربین کے دلون مین تمہاری ہوگی اسیطرح اور بہت کثرت سے روایتین ہین ۱۲

علی سے فرمایا اے علی تم ہی سے ہدایت چاہنے والے ہدایت پائینگے۔

قول ابطال یہ روایت اہلسنت کی کتب تفسیر مین نہین ہے لیکن اگر صحیح بھی ہو تو اس سے یہی ثابت ہوگا کہ حضرت علی ہادی ہین اور یہ مسلم ہے اسی طرح کل اصحاب حضرت رسولخدا صلعم ہدایت کرنے والے ہین کیونکہ حضرت رسولخدا صلعم نے ارشاد فرمایا ہے اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم یعنی میرے اصحاب سب مثل ستارون کے ہین تم لوگ انمین سے جس کی بھی اقتدا کرلوگے ہدایت پاجاوگے لیکن پہلی روایت سے حضرت علی کی امامت پر نص تو نہین ثابت ہوتی حالانکہ آپ کا مقصود یہی ہے۔

قول احقاق تعجب ہے کہ فاضل مخاطب اس روایت سے انکار کرتے ہین حالانکہ امام فخرالدین رازی کی تفسیر کبیر مین یہ روایت موجود ہے اور زیادہ تفصیل ہے چنانچہ وہ فرماتے ہین لوگون نے اس آیت کی تفسیر مین کئی قول ذکر کئے ہین تیسرا قول یہ ہے کہ ڈرانے والے حضرت رسولخدا صلعم اور ہدایت کرنے والے حضرت علی ہین حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ حضرت رسولخدا صلعم نے اپنا دست مبارک اپنے سینہ پر رکھا اور فرمایا مین ڈرانے والا ہون اور حضرت علی کے شانہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا تم ہدایت کرنے والے ہو اے علی میرے بعد ہدایت چاہنے والے تم ہی سے ہدایت پائینگے انتہے [1] اور علامہ ابن عقدہ نے اس آیۃ کی تفسیر نیز ان آیات کے بارے مین جو حضرت علی کی شان مین نازل ہوئی ہین ایک مستقل کتاب تصنیف کی ہے اور اس روایت کو علامہ ثعلبی نے بھی اپنی تفسیر مین حضرت ابن عباس کی اسناد سے ذکر کیا ہے جو بعینہ وہی ہے جسکو امام رازی نے اپنی تفسیر مین لکھا ہے اور ثعلبی نے اس روایت کو حضرت علی کی اسناد سے بھی ذکر کیا ہے جسمین حضرت علی نے فرمایا کہ ڈرانے والے تو حضرت رسولخدا صلعم ہین اور ہدایت کرنیوالا ایک شخص بنی ہاشم سے ہے جس سے

---

[1] تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۲۷۰ اور تفسیر در منثور مطبوعہ مصر جلد ۴ صفحہ ۴۵ مین بھی اس مضمون کی متعدد حدیثین موجود ہین بلکہ تفسیر ثعلبی کی دونون روائیتین بھی اس صفحہ مین موجود ہین لہذا جن حضرات کو تفسیر ثعلبی کا قلمی نسخہ نہ ملے وہ ان روایات کو اسی تفسیر در منثور مین دیکھ لین ۱۲

حضرت نے اپنے نفس کو مراد لیا۔ پس اتنے شواہد کے ہوتے ہوئے فاضل مخاطب کا اس سے انکار کرنا کس درجہ حیرت خیز ہے۔ رہا آپ کا یہ کلام کہ "اگر صحیح بھی ہو الخ" تو اسکا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا مطلب صرف نفس ہدایت سے متعلق نہیں ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ کمال ہدایت صرف حضرت علی سے مخصوص ہے بلکہ یہ بھی کہ اشاعت محمد مصطفےٰ صلعم کی ہدایت صرف حضرت علی کی ذات میں منحصر ہے مختصر یہ کہ اس آیت سے حضرت علی کی بڑی منزلت ثابت ہوتی ہے کہ آپ حضرت رسولخدا صلعم کے برابر ذکر کئے گئے یعنی حضرت رسولخدا صلعم ڈرانے والے اور حضرت علی ہدایت کرنے والے کا ذکر ایک ہی آیت میں ہوا اور پھر ہدایت کا انحصار بھی حضرت علی کی ذات میں ہوا تو ان سب سے معلوم ہوا کہ حضرت علی کا درجہ کل اُن لوگوں سے بڑھا ہوا تھا جنھوں نے خلافت کو حضرت سے نکال لیا اور یہ کہ حضرت علی ہی خلافت بلافصل کے سب سے زیادہ حقدار اور سزاوار تھے کیونکہ مطلق ہدایت کا حضرت کی ذات میں منحصر ہونا اسکو مقتضی ہے کہ حضرت کل اوقات میں ہدایت کرنیوالے تھے اور یہ امر حضرت علی کیلئے ثابت ہوگیا کیونکہ خدا نے اسکو مجمل طور پر اور حضرت رسولخدا صلعم نے تفصیل سے بیان فرما دیا۔ رہی حدیث اصحابی کالنجوم تو اسکے موضوع اور باطل ہونے کے آثار بالکل واضح ہیں کیونکہ یہ قول تین صورتوں سے خالی نہیں ہوسکتا یا حضرت رسولخدا صلعم نے اس حدیث کو اپنے صحابہ اور غیر صحابہ دونوں سے فرمایا ہو یا صرف صحابہ سے فرمایا ہو یا صرف غیر صحابہ سے فرمایا ہو۔ اگر پہلی صورت ہے یعنی حضرت نے اسکو اپنے صحابہ اور غیر صحابہ دونوں سے فرمایا تھا یا دوسری صورت ہے یعنی حضرت نے اسکو صرف اپنے صحابہ سے فرمایا تھا تو ہم دریافت کرینگے کسی سمجھدار شخص کی زبان سے یہ کلام نکل سکتا ہے؟ چہ جائیکہ حضرت رسولخدا صلعم ایسا فصیح اور محکم کلام کرنے والا بزرگ یہ ارشاد فرمائے کیونکہ جب مخاطب صحابہ ہی تھے تو انھیں سے حضرت یہ کیونکر فرماتے کہ میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں ان سے تم جس کی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے کیونکہ جس کی پیروی کیجاتی ہے وہ دوسرا ہوتا ہے اور پیروی کرنیوالا دوسرا ہوتا ہے برخلاف اس کے یہاں صحابہ ہی سے خطاب بھی ہے اور انھیں کی پیروی کا حکم بھی جس کا عقل میں آنا ہی دشوار ہے۔ اب رہی تیسری صورت کہ حضرت

نے یہ حدیث صحابہ سے نہ فرمائی ہو بلکہ غیر صحابہ سے ارشاد فرمایا ہو کہ تم لوگ سُن رکھو "میرے اصحاب مثل ستارون کے ہین الخ" تو ہم پوچھینگے آپ کو یہ کیونکر معلوم ہوا کہ آنحضرت صلعم نے اس کو صرف غیر صحابہ سے ارشاد فرمایا تھا یعنی کیا دلیل ہے اس بر کہ اس حدیث کے مخاطب غیر صحابہ تھے۔ اگر اس کے متعلق بھی کوئی حدیث آنحضرت صلعم کی ہو کہ "حدیث نجوم کو مین نے صرف غیر صحابہ سے کہا ہے" تو اس حدیث کا پتہ بتایئے۔ اور اگر آپ اپنی رائے اور قیاس سے یہ تجویز کرتے ہین کہ حضرت صلعم نے اس حدیث کو غیر صحابہ سے فرمایا ہوگا تو یہ بھی مفید نہین ہو سکتا کیونکہ اس حدیث کے جس قدر راوی ہین وہ تو صحابہ ہی ہین بلکہ اس حدیث کو خاص حضرت عمر نے روایت کیا ہے پھر اگر آنحضرت صلعم نے اسکو غیر صحابہ سے فرمایا ہوتا تو ان غیر صحابہ نے اس کی روایت بھی کی ہوتی (حالانکہ کوئی غیر صحابی اس کا راوی نہین ہے) یا صحابہ ہی نے اس حدیث کو ذکر کرکے کہا ہوتا یا صرف حضرت عمر نے فرمایا ہوتا کہ حضرت رسولخدا صلعم نے صحابہ کے علاوہ جس قدر مسلمان تھے اُن سب کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا تھا کہ تم لوگ سن رکھو میرے اصحاب مثل ستارون کے ہین الخ۔ مگر حضرات اہلسنت کی کسی کتاب مین کوئی حدیث یا دلیل ایسی نہین ہے جس سے معلوم ہو کہ آنحضرت صلعم نے اس حدیث کو خاص کر غیر صحابہ سے ارشاد فرمایا تھا لہذا اس کی تخصیص کا دعوے کرنا یقیناً باطل ہے یہ تو الفاظ سے اس حدیث کے موضوع اور باطل نیز مہمل وغیر معقول ہونے کی تقریر تھی اب علمائے اہلسنت کی تحقیق سے اس پردہ کو اٹھایئے۔ علامہ قاضی عیاض مالکی کی کتاب الشفاء کے شارح نے (کہ وہ بھی علامہ اہلسنت ہی ہین) لکھا ہے جاننا چاہیئے کہ حدیث اصحابی کالنجوم کو دارقطنی نے الفضائل مین اور ابن عبدالبر نے العلم مین اپنے طریق سے حدیث جابر سے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کی یہ اسناد ایسی ہے جو حجت نہین ہو سکتی کیونکہ اسکے راویون مین حارث بن غصین ایک مجہول (نامعلوم) شخص ہے اور علامہ عبد بن حمید نے اسکو اپنی مسند مین روایت عبدالرحیم بن زید سے اور اس نے اپنے باپ سے اور اس نے مسیب سے اور اس نے حضرت عمر سے روایت کیا ہے

جس کے بارے مین امام بزار نے کہا ہے کہ یہ حدیث مہمل اور غلط ہے۔ اور علامہ
ابن عادی نے الکامل مین اسکو روایت حمزہ بن ابی حمزہ نصیبی سے اور اُسنے
نافع سے اور اس نے حضرت عمر سے روایت کی ہے مگر اسمین بایھم اقتدیتم
(جسکی بھی تم پیروی کرو گے) کے عوض بایھما اخذ تم (جس سے بھی تم لو گے)
ہے اور اس روایت کی اسناد بھی حمزہ کی وجہ سے ضعیف ہے کیونکہ یہ حمزہ مشہور
جھوٹا تھا اور امام بیہقی نے اس حدیث کو المدخل مین حضرت ابن عباس کی
حدیث سے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کا متن تو مشہور ہے
مگر اس کی اسنادین ضعیف ہین جس کی کوئی اسناد اس باب مین ثابت نہین
ہوئی اور علامہ ابن حزم نے کہا ہے کہ یہ حدیث بالکل جھوٹی بنائی ہوئی اور
باطل محض ہے اور حافظ زین الدین عراقی نے کہا ہے کہ مصنف کو مناسب یہ
تھا کہ اس حدیث کو بطور حتم وجزم (یعنی یقین) کے نہ ذکر کرتا کیونکہ علماء حدیث
کی نظرون مین یہ حدیث جس درجہ غلط ہے اس کو وہ بھی اچھی طرح جانتا ہے
شارح کتاب الشفا کا کلام تمام ہوا جو حضرات اہلسنت کی تشفی کے لئے کافی
اور اس حدیث کے قطعی غلط اور موضوع و باطل ہونے پر دلیل مستحکم ہے جسکے
بعد کسی اور دلیل کی ضرورت باقی نہین رہتی۔ اور اگر ہم فرض بھی کرلین (مثل فرض محال کے)
کہ یہ حدیث صحیح ہے جب بھی مطلقًا یہ درست نہین ہوسکتی کیونکہ صحابہ رسول صلعم ہی
مین تو ناکثین وقاسطین ومارقین بھی تھے (یعنی وہ صحابہ جو جنگ جمل اور جنگ
صفین اور جنگ نہروان مین حضرت امیر المومنین سے لڑے) اور ایسے
صحابہ اور ان کے پیروؤن کی مذمت مین جس قدر حدیثین وارد ہین ان سے بھی
سب واقف ہین تو ان کی پیروی سے ہدایت کیونکر ہوسکتی ہے بلکہ وہ تو موجب
گمراہی تھے۔ اور اگر حضرات اہلسنت ان صحابہ کی پیروی بھی موجب ہدایت کہین
تو معلوم ہوگا کہ جو لوگ دین سے خارج ہوگئے ان کی پیروی بھی باعث ہدایت
ہے اور جو دین مین داخل اور باقی رہے ان کی پیروی بھی موجب ہدایت ہے جو
بالکل اجتماع ضدین ہے۔ نیز حضرت عثمان صحابی کو حضرت رسولخدا صلعم کے
صحابہ ہی نے قتل کیا تو جن لوگوں نے قاتلین حضرت عثمان کی پیروی کی اُنکے

بارے مین کیا کہا جائیگا اس پیروی سے انھون نے بھی ہدایت پائی یا نہین؟
اگر کہئے کہ ہدایت پائی تو چشم ما روشن و دل ما شاد لیکن یہ بھی تو ارشاد ہو کہ جن صحابہ
نے اسوقت حضرت عثمان کیطرف داری کرکے ان کو بچانا چاہا ان صحابہ کی پیروی
کرنیوالے بھی ہدایت یافتہ ہوے۔ غرض حضرت عثمان کے قتل کرنیوالون کی
پیروی مین بھی ہدایت ہے اور ان کے بچانے والون کی پیروی بھی ہدایت
ہے سبحان اللہ کیسی خوبصورت حدیث ہے جسکے طاق مین بھی ہدایت اور جفت
مین بھی ہدایت۔ مختصر یہ کہ اگر اصحابی سے کل اصحاب رسول مراد ہون تو اس
کثرت سے عقلی خرابیان اور اعتراضات پیدا ہوتے ہین جنکی کوئی حد ہی نہین لہذا
ماننا پڑیگا کہ اصحاب سے مراد صرف وہ نیکو کار افاضل صحابہ ہین جو اوصاف
علم و کمال سے اچھی طرح آراستہ تھے کیونکہ درحقیقت وہی حضرات ستارے کیطرح
ایسے ہین جن سے ہدایت حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ اسی تخصیص کے مثل علامہ
ابن حجر مکی نے بھی اپنی کتاب صواعق محرقہ[1] مین تصریح کی ہے اس روایت
کی توجیہ مین جو آنحضرت صلعم نے اپنے اہلبیت کے بارے مین فرمائی ہے کہ
النجوم امان لاهل السماء و اهل بیتی امان لامتی یعنی آسمان والون کیلیے
ستارے امان ہین اور میری امت کیلیے میرے اہلبیت امان ہین۔ غرض اگر
اس حدیث مین خاص اصحاب نہ مراد لیے جائینگے تو بہت کثرت سے عقلی
خرابیان پیدا ہونگی جنکے بعض کی طرف ہم نے یہان اشارہ کیا اور بعض کو ابتداء
کتاب مین ذکر کرچکے ہین۔ اسی وجہ سے کسی شاعر نے فارسی مین کیا خوب شعر
کہا ہے سے صحابہ گرچہ جملہ کالنجوم اند + ولے بعضی کواکب نحس و شوم اند
یعنی صحابہ اگرچہ سب مثل ستارون کے ہین مگر یہ بھی تو معلوم ہے کہ بعض ستارے
نحس اور شوم ہوتے ہین تو اسی طرح بعض صحابہ بھی نحس اور شوم ہین لہذا ہر صحابی
کی پیروی ہین سعادت نہین ہوگی بلکہ صرف انھین صحابہ کی پیروی مین جو علم و کمال

[1] صواعق محرقہ باب افضل اول بحث آیات کی ساتوین آیت کی تفصیل مین یہ قول مرقوم
ہے نسخہ مطبوعہ مصر صفحہ ۹۱-۱۲

مین افضل ہین)۔ غرض فاضل مخاطب کو انصاف سے غور کرنا چاہیئے کہ امت حضرت رسولخدا صلعم کی ہدایت ان بزرگون سے ہوسکتی ہے جو لوح محفوظ کا مطالعہ کرتے تھے جیسا کہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے شرح صحیح بخاری مین لکھا ہے اور ہم اس کو پہلے نقل کر چکے ہین اور جو فرماتے تھے سلونی عما دون العرش عرش کے نیچے کی کل بات ہم سے پوچھ لو اور اسی قسم کی دوسری باتین جو ان حضرات کے انتہائے علم وکمال پر دلالت کرتی ہین یا ان لوگون کی پیروی سے ہوسکتی ہے جو قرآن مجید کے بعض الفاظ مثلا کلالہ یا اب کا معنے تک نہ سمجھ سکتے ہون یا جو اس امر کا اقرار کرتے ہون کہ پردہ نشین تک علم و فقہ مین ان سے بڑھی ہوئی ہین یا جو ستر مرتبہ تک کہہ چکے ہون لولا علی لھلک عمر اگر حضرت علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہوگیا تھا وھذہ معضلۃ ولا ابا حسن لھا اور یہ ایسا مشکل مسئلہ پیش آگیا مگر افسوس اس کے بتانے کیلئے اسوقت ابوالحسن ہمارے پاس نہین ہین۔ تو بتایئے خدا کا یہ قول افمن یھدی الی الحق احق ان یتبع امن لا یھدی الا ان یھدی فما لکم کیف تحکمون (جسکا ترجمہ چند سطرین اوپر گزر چکا ہے) کس قدر سچا ہے۔

تکمیل جمیل اب اس بات کا جان لینا بھی مناسب ہے کہ جب کوئی حدیث ایسی ملے جو حضرات اہلسنت کے طریقہ سے مروی ہو اور وہ حضرت علی کے افضل ہونے یا کسی فضیلت کے خاص حضرت ہی مین پائے جانے پر دلالت کرے پھر انھین اہلسنت کے طریقہ سے روایت کی ہوئی دوسری حدیث ملے جو حضرت علی کے سوا کسی اور شخص کے افضل ہونے یا کسی فضیلت سے اس شخص کے مخصوص ہونے پر دلالت کرے یا یہ بتائے کہ کوئی دوسرا شخص اس فضیلت مین حضرت علی کا شریک ہے تو ایسے موقع پر عقل سلیم یہی حکم کریگی کہ پہلی حدیث تو صحیح ہے اور دوسری غلط ہے جسکو ہمارے والد شریف اعلی اللہ مقامہ نے اپنے بعض تعلیقات مین توضیح سے بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہین کہ کسی سمجھدار اور صاحب عقل شخص پر مخفی نہین رہ سکتا کہ ایک وقت مین دو نقیضون کا جمع ہونا بھی محال ہے اور دونون کا رفع ہوجانا بھی محال ہے لہذا دو نقیضون سے کسی ایک کا پایا جانا ضروری ہے

علم منطق میں کا ایک مشہور مسئلہ ہے جسکے ماننے میں کوئی انکار نہیں کر سکتا) اب ہم کہتے ہیں کہ بکثرت اُن حدیثوں میں جو جمہور اہلسنت کی معتمد کتابوں میں موجود ہیں اور یہ حضرات اہلسنت ان حدیثوں کو معتبر بھی سمجھتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ وہ سب صحیح ہیں ہم دو قسم کی ایسی حدیثیں بھی پاتے ہیں جنکو ایک ہی شخص نے نقل کیا ہے ان دونوں سے ایک حدیث تو واضح اور صریح طریقہ سے بتاتی ہے کہ مولانا حضرت امیر المومنین سب سے افضل ہیں اور دوسری حدیث اسکے خلاف بتاتی ہے کہ دوسرا شخص افضل ہے تو ایک ہی شخص دونوں حدیثوں کے نقل کرنے میں سچا نہیں ہو سکتا کیونکہ دونوں میں تناقض ہے (یعنی دونوں ایک دوسرے کے خلاف ہے) اور دونوں کے نقل کرنے میں وہ جھوٹا بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ پھر ارتفاع نقیضین ہوگا جو محال ہے اور دونوں کا چھوڑ دینا اصول کے مخالف ہے تو خواہ مخواہ وہ شخص ایک حدیث کے نقل کرنے میں سچا اور دوسری کے نقل کرنے میں جھوٹا ہوگا۔ اب تحقیق کرنی چاہیے وہ کس حدیث کے بیان کرنے میں سچا اور کس کے بیان کرنے میں جھوٹا ہے اگر یہ کہا جائے کہ وہ شخص افضلیت حضرت امیر المومنین والی حدیث روایت کرنے میں جھوٹا اور اسکے خلاف والی حدیث کے بیان کرنے میں سچا ہے تو ہم اسکو تسلیم نہیں کرینگے کیونکہ جو شخص دو قسم کی روایت نقل کرے اور وہ ایک روایت میں جھوٹا ثابت ہو جائے تو اسکی دوسری روایت بھی سچی نہیں ثابت ہوگی (کیونکہ جب وہ جھوٹ ہی بولتا ہے تو جسطرح ایک حدیث میں جھوٹ بولا دوسری میں بھی جھوٹا ہو سکتا ہے) ہاں وہ اُس روایت میں سچا ہے جسکو حضرت علی کی افضلیت میں بیان کرتا ہے کیونکہ اسکی تائید حضرات معصومین اور معتمد و موثق صحابہ کبار کی بکثرت روایتوں سے ہوتی ہے جنکو ان حضرات نے حضرت علی کی افضلیت میں روایت کیا ہے یعنی حضرت امیر المومنین کی افضلیت والی حدیث نقل کرنے میں وہ شخص اپنی ذاتی وجہ سے تو سچا نہیں سمجھا جائیگا کیونکہ جب وہ ایک حدیث میں جھوٹا ثابت ہو گیا تو دوسری میں بھی جھوٹا ہو سکتا ہے لیکن چونکہ اس افضلیت حضرت امیر المومنین والی حدیث کی تائید دوسرے بڑے بڑے اور نہایت موثق و منتخب صحابہ کبار کی روایت کردہ حدیثوں سے بھی ہوتی ہے جو سب حضرت علی کی افضلیت ہی

بتاتی ہیں لہذا اُس شخص کی وہ روایت بھی سچی سمجھی جائیگی (اسکی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص حج کرکے آئے اور کہے کہ میں نے مکہ معظمہ میں حجر اسود دیکھا ہے اور پھر کہے کہ میں نے مدینہ منورہ میں حجر اسود دیکھا ہے تو چونکہ مدینہ منورہ میں حجر اسود کی خبر دینے سے وہ شخص جھوٹا ہوگیا لہذا ہو سکتا ہے کہ مکہ معظمہ میں حجر اسود ہونے کی خبر بیان کرنے میں بھی وہ جھوٹا ہو کیونکہ جو شخص ایک بات میں جھوٹ بولا وہ دوسری میں بھی بول سکتا ہے لیکن چونکہ مکہ معظمہ میں حجر اسود والی خبر کی تائید دوسرے معتمد اور موثق حاجیوں کے بیان سے بھی ہوتی ہے لہذا وہ شخص مکہ معظمہ میں حجر اسود ہونے کی خبر میں جھوٹا نہیں قرار پائیگا) اور خدا جسکو چاہتا ہے صراط مستقیم کی توفیق بخش دیتا ہے۔

قول علامہ علیہ الرحمہ گیارہویں کلام مجید کی یہ آیت وقفوھم انھم مسئولون (پارہ ۲۳ سورۂ والصافات آیہ ۲۴) یعنی ان لوگوں کو ٹھہراؤ کہ ان سے سوال کیا جائیگا جمہور نے حضرت ابن عباس اور ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا ان لوگوں سے حضرت علی کی ولایت کے بارے میں سوال کیا جائیگا۔

قول ابطال یہ روایت اہلسنت کے یہاں نہیں ہے اور اگر ہو بھی تو اس سے اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی اولیاء اللہ سے ہیں یعنی آپ بھی ایک ولی ہیں اور ولی کا معنے محب مطیع (دوست فرمانبردار) ہے تو یہ حضرت کی امامت پر نص نہیں ہو سکتی۔

قول احقاق فاضل مخاطب اپنی ناواقفیت یا تعصب سے اس حدیث کے وجود سے انکار کرتے ہیں حالانکہ یہ روایت حضرات اہلسنت کی معتمد علیہ کتابوں میں موجود ہے چنانچہ علامہ ابن حجر مکی کی کتاب صواعق محرقہ (باب ۱۱ فصل اول[1]) میں یہ روایت بجنسہا منقول ہے جسکا ترجمہ یہ ہے۔ چوتھی آیت خدا کا قول وقفوھم انھم مسئولون ہے

[1] مطبوعہ مصر صفحہ ۸۹: اسکے بعد علامہ ممدوح نے بہت سی حدیثیں حضرات اہلبیت اور خصوصا حضرت امیرالمومنین کی محبت کے واجب اور انکی دشمنی کے علامت بغض و نفاق ہونے کی نقل کی ہیں حالانکہ یہ کتاب صواعق محرقہ شیعوں کی رد میں لکھی گئی ہے۔ ۱۲ م

چنانچہ دیلمی نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا اس آیۃ کا مطلب یہ ہے کہ خدا بروز قیامت فرمائیگا ان لوگوں کو ٹھہراؤ ان سے علی کی ولایت کے بارے میں سوال کیا جائیگا اور گویا علامہ واحدی کی مراد یہی ہے جو انھوں نے (اپنی تفسیر میں) لکھا ہے کہ قول خدا وقفوھم انھم مسئولون کے بارے میں روایت کی گئی ہے کہ انلوگوں سے حضرت علی اور اہلبیت کی ولایت کا سوال کیا جائیگا اسلئے کہ خدا نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ خلق خدا کو مطلع کر دیں کہ حضرت ان لوگوں سے تبلیغ رسالت پر سوا اپنے اہلبیت کی محبت کے اور کوئی اجر نہیں چاہتے ہیں۔ تو مطلب یہ ہوا کہ مسلمانوں سے سوال کیا جائیگا کہ اہلبیت سے محبت کرنے کا جو حق تھا اور جیسی وصیت اس کے بارے میں حضرت رسولخدا صلعم نے ان لوگوں سے فرمائی تھی ویسی ہی محبت مسلمانوں نے ان حضرات سے کی۔ یا اس وصیت کو ضایع و برباد کر دیا۔ تاکہ ان سے قیامت میں اسکا مطالبہ ہو اور اسکی سزا دی جائے انتہٰی۔ اور فاضل مخاطب نے یہ جو کہا کہ "اگر ہو بھی"، تو اسکا جواب یہ ہے کہ وہ امر اہم جو مثل الوہیت اور نبوت کے پوچھا جائیگا فقط محبت نہیں ہو سکتی کیونکہ محبت ایسی اہم شئے نہیں ہے جسکے لئے مسلمانوں کو بروز قیامت روکا اور سوال کیا جائیگا اس اہمیت کا سوال اس ولایت کے بارے میں کیا جائیگا جس کا معنے امامت یعنی نبوت کی قایم مقامی ہے اسلئے کہ صرف محبت کوئی اعتقادی اصل نہیں قرار دی گئی ہے جسکے بارے میں اس روز سوال ہوگا بلکہ یہ تو اس اعتقاد کے لوازم سے ہے جو کسی شخص کی نبوت یا امامت کا ہوتا ہے (یعنی وہ محبت جو کسی شخص کو نبی یا امام ماننے کی وجہ سے دل میں پیدا ہوتی ہے وہ البتہ اس قابل ہے کہ بروز قیامت اسکے لئے لوگ روکے اور سوال کئے جائیں ورنہ صرف معمولی محبت اسکی مستحق نہیں ہے کہ خدا اسکے سوال کیلئے یہ اہتمام کرے) لہٰذا یہی سوال حضرت علی کی امامت کی واضح دلیل اور یہ آیت آپکی خلافت پر قطعی نص ہے۔

قول علامہ علیہ الرحمہ بارہویں کلام مجید کی یہ آیت ولتعرفنہم فی لحن القول یعنی تم انھیں انکے انداز گفتگو ہی سے ضرور پہچان لوگے (پارہ ۲۶ سورہ محمد آیہ ۳۰) جمہور نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا اسکا مطلب یہ ہے کہ تم ان لوگوں کو علی کی دشمنی سے (جو انکے دلوں میں ہے) پہچان لوگے۔

قول ابطال یہ روایت اہلسنت کی تفسیر میں نہیں ہے اور اگر ہو بھی تو اس سے صرف

حضرت علی کی فضیلت ثابت ہوتی ہے نہ کہ آپکے امامت کی نص۔

قول احقاق حافظ ابوبکر موسی بن مردویہ نے کتاب المناقب میں ان آیات کو ذکر کیا ہے جو حضرت علی کی شان میں نازل ہوئی ہیں انھیں آیات میں اس آیت کو بھی لکھا ہے اور یہی تفسیر کی ہے۔[1] اور یہ روایت کتاب کشف الغمہ میں بھی مذکور ہے[2] اور اس آیت سے حضرت علی کی خلافت منصوصہ پر استدلال اس طرح ہے کہ وہ شخص جس کی عداوت و بغض کو خدا نفاق اور کفر کی دلیل قرار دے وہ سوا نبی یا امام کے اور کوئی نہیں ہوسکتا اور کم از کم یہ تو ضرور ہی ماننا ہوگا کہ حضرت رسولخدا صلعم کے بعد وہی کل مخلوق سے افضل ہے۔

قول علامہ علیہ الرحمہ تیرہویں کلام مجید کی یہ آیت السابقون السابقون اولئک المقربون (پارہ ۲۷ سورہ واقعہ آیت ۱۱) یعنی جو آگے بڑھ جانے والے ہیں وہ آگے ہی بڑھنے والے تھے یہی لوگ خدا کے مقرب ہیں۔ جمہور نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ اس امت میں سب سے آگے بڑھنے والے علی بن ابی طالب ہیں۔

قول ابطال یہ حدیث اہلسنت کی روایت میں آئی تو ہے لیکن اس عبارت سے کہ امتوں کے سابقین تین ہیں مومن آل فرعون جبیب بن نجار اور علی ابن ابی طالب اور کوئی شک نہیں کہ حضرت علی اسلام میں سب سے آگے اور بڑی بزرگی اور ایسی فضیلتوں والے ہیں جو کسی پر مخفی نہیں رہ سکتیں لیکن یہ آیت حضرت علی کی امامت پر نص تو نہیں ہے حالانکہ آپکا مقصود یہی ہے۔

قول احقاق اس روایت سے آخر میں خصوصاً اسکے جسکو فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں آیہ مبارکہ وقال رجل مومن من آل فرعون یکتم ایمانہ الایہ (پارہ ۲۴ سورہ مومن آیت ۲۸) کے بیان میں ذکر کیا ہے یہ مضمون بھی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ان تینوں مومنوں میں علی سب سے افضل ہیں[3] جسکو ناصب مخاطب نے اپنے تعصب سے حذف کر دیا تاکہ اسکے ذکر سے حضرت علی کا تمام امت اسلام سے افضل ہونا نہ ظاہر ہونے پائے اور یہی جناب علامہ علیہ الرحمہ کا مطلوب ہے۔

---

[1] تفسیر در منثور جلد ۶ صفحہ ۶۶۔ [2] مطبوعہ بمبئی صفحہ ۲۳۔ [3] دیکھو تفسیر در منثور جلد ۶ صفحہ ۱۵۲ اور تفسیر کبیر جلد ۷ صفحہ ۲۱۴

قول علامہ علیہ الرحمہ

چودھویں کلام مجید کی یہ آیت اجعلتم سقایۃ الحاج وعمارۃ المسجد الحرام کمن آمن باللہ والیوم الآخر وجاھد فی سبیل اللہ لا یستوٗن عند اللہ واللہ لا یھدی القوم الظالمین الذین آمنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ باموالھم وانفسھم اعظم درجۃ عند اللہ واولئک ھم الفائزون یبشرھم ربھم برحمۃ منہ ورضوان وجنات لھم فیہا نعیم مقیم خالدین فیہا ابدا ان اللہ عندہ اجر عظیم

یعنی کیا تم لوگوں نے حاجیوں کی سقائی اور مسجد حرام کی آبادی کو اس شخص کے مثل بنا دیا ہے جو خدا اور روز آخرت پر ایمان لایا اور خدا کی راہ میں جہاد کیا۔ خدا کے نزدیک تو یہ لوگ برابر نہیں ہیں اور خدا ظالم لوگوں کی ہدایت نہیں کرتا ہے جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور ہجرت اختیار کی اور اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے خدا کی راہ میں جہاد کیا وہ لوگ خدا کے نزدیک درجہ میں کہیں بڑھ کر ہیں اور یہی لوگ فائز ہونے والے ہیں ان کا پروردگار ان کو اپنی مہربانی اور خوشنودی اور ایسے باغوں کی خوشخبری دیتا ہے جنہیں انکے لئے دائمی عیش ہوگا اور یہ لوگ ان باغوں میں ہمیشہ رہینگے بیشک خدا کے پاس تو بڑا اجر ہے پارہ ۱۰ سورہ توبہ آیت ۱۹) جمہور نے جمع بین الصحاح الستہ میں روایت کی ہے کہ یہ آیت حضرت علی کی شان میں نازل ہوئی ہے جب طلحہ بن شیبہ اور حضرت عباس باہم فخر کر رہے تھے اور طلحہ نے کہا میں تم سے زیادہ فضیلت رکھتا ہوں میں خانہ کعبہ کا زیادہ حقدار ہوں کیونکہ اسکی کنجی میرے ہاتھ میں ہے اور حضرت عباس نے کہا میں زیادہ حقدار ہوں کیونکہ میں حاجیوں کو پانی پلاتا ہوں اور اسکا انتظام کرتا ہوں (اسوقت حضرت علی بھی وہاں آگئے) تو حضرت نے فرمایا میں تم دونوں سے افضل ہوں کیونکہ میں سب سے پہلے خدا اور رسول پر اسلام لایا اور سب سے زیادہ خدا کی راہ میں جہاد کیا اسپر خدا نے اس آیت کو نازل فرمایا تاکہ حضرت علی کی افضلیت ثابت ہو۔

قول الطالب

بیشک یہ روایت صحیح ہے اور جمہور اہلسنت نے اسکو روایت کیا ہے[۱] اور علماء نے اس آیت کو حضرت علی کے فضائل میں شمار کیا ہے اور حضرت تو لاتعد ولاتحصیٰ ہیں اور اس سے متعلق شیعہ سنیوں میں کوئی اختلاف بھی نہیں ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا لہذا حضرت کے فضائل پر دلیلیں قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے

[۱] یہ روایت بکثرت کتب اہلسنت میں موجود ہے مثلاً تفسیر در منثور جلد ۳ صفحہ ۲۱۸ وغیرہ ملاحظہ ہو۔

لیکن کلام تو اس میں ہے کہ حضرت علی کی امامت پر کیا نص ہے تو یہ آیت کسی طرح آپ کے مقصود پر دلالت نہیں کرتی۔

قول احقاق یہ آیت اپنی تفسیری روایت کے ساتھ حضرت علی کی افضلیت ثابت کرتی ہے جسکے بارے میں حضرات اہلسنت اختلاف کرتے ہیں جیسا کہ گزرا۔ تو اس آیت سے حضرت علی کی امامت اسطرح ثابت ہوتی ہے کہ حضرت عباس اور طلحہ سے ہر شخص اس امر کا دعوے دار تھا کہ خانہ کعبہ کا حقدار وہی ہے۔ پھر حضرت علی نے اُن دونوں کا دعوے رد کر دیا اور فرمایا کہ خانہ کعبہ کے حقدار حضرت ہیں نہ کوئی اور اور خدا نے بھی حضرت علی کے اس فیصلہ کی تصدیق کر دی لہذا حضرت علی ہی خانہ کعبہ کے سب سے زیادہ حقدار ہوئے جو تمام مسلمانوں کا قبلہ ہے۔ پس حضرت علی سب سے افضل بھی ہوئے اور اسوجہ سے امامت و خلافت کے مستحق بھی سب سے زیادہ آپ ہی ہوئے کیونکہ مشہور ہے اہل البیت ادری بما فی البیت گھر کا مالک ہی سب سے زیادہ جانتا ہے کہ گھر میں کیا ہے اسی طرح حضرت علی ہی اسلام اور اسکے قبلہ کے حالات سے سب سے زیادہ واقف تھے تو آپکے ہوتے کسی اور کو خلافت کب سزاوار ہو سکتی ہے۔

قول علامہ پندرہویں کلام مجید کی آیت مناجاۃ یا ایہا الذین اٰمنوا اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجوٰکم صدقۃ ذالک خیر لکم واطہر اے ایماندارو جب پیغمبر سے کوئی بات کان میں کہنی چاہو تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ خیرات دے دیا کرو یہی تمہارے واسطے بہتر اور پاکیزہ بات ہے (پارہ ۲۸ سورہ المجادلہ آیت ۱۲) اس آیت کی تعمیل حضرت علی کے سوا کسی نے بھی نہیں کی ابن عمر کہتے تھے کہ حضرت علی میں تین فضیلتیں ایسی تھیں جن سے ایک بھی مجھے حاصل ہوتی تو نہایت قیمتی اونٹوں سے زیادہ مجھے محبوب ہوتی اول یہ کہ آپکی شادی حضرت فاطمہ علیہا السلام سے ہوئی دوسرے یہ کہ جنگ خیبر میں رسول اللہ نے حدیث رایت ارشاد فرمانے کے بعد وہ علم حضرت علی کو مرحمت فرمایا تیسرے یہ کہ آیہ نجویٰ آپ کی شان میں نازل ہوئی۔

قول ابطال بیشک یہ روایت اہلسنت کے یہاں ہے اور یہ بھی ہے کہ آیہ نجوے پر حضرت علی کے سوا کسی نے بھی عمل نہیں کیا اور اس میں کوئی کلام نہیں کہ یہ فضیلت بھی حضرت علی کے ادنیٰ فضائل سے ہے جنکے احاطہ اور بیان کرنے سے

آدمیوں کی زبانیں خشک گئیں اور عاجز ہو گئی ہیں لیکن اس سے حضرت کی امامت پر نص تو نہیں ثابت ہوتی۔

قول احقاق

علامہ علیہ الرحمہ نے اس آیہ سے حضرت علی کا کل امت سے افضل ہونا ثابت کیا ہے اور اس کا استدلال اس طرح ہے کہ اس آیت پر سب سے پہلے حضرت علی نے عمل کیا اور کل صحابہ پر اس فعل میں سبقت کی اور جب آپ اس پر عمل کر چکے تو اوروں کیلئے یہ آیت منسوخ ہو گئی لہذا اس آیت کا نازل ہونا اسی غرض سے تھا کہ حضرت علی کی افضلیت اور احکام خداوند عالم کے قبول اور اس پر عمل کرنے میں آپ کی سبقت اور مستعدی ظاہر ہو اور یہ واضح ہو جائے کہ آپ سب صحابہ سے پہلے اسکی تعمیل پر آمادہ ہو گئے تو اسی وجہ سے حضرت سب صحابہ سے افضل بھی ہوئے جب ہی تو حضرت ابن عمر نے اس فضیلت کے حاصل کرنے کی تمنا کی۔ اسی آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرات اہلسنت جو دعوے کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر بڑے مالدار تھے اور اپنا مال کثرت سے راہ خدا میں صرف فرماتے تھے وہ غلط اور باطل ہے اسلئے کہ جب حکم خدا نازل ہونے کے بعد حضرت ابوبکر نے ایک درہم خرچ کرنے سے بھی بخل کیا اور حضرت رسول صلعم سے سرگوشی کرنے کیلئے یہ تک نہ صرف کر سکے اور اس مال کی محبت میں دس راتوں تک حضرت رسول کی صحبت سے علٰحدہ ہو گئے اور حضرت کی زیارت سے محرومی گوارا کر لی اور آپ کا کلام سننا ترک کر دیا جیسا کہ علمائے اہلسنت ابن المرتضی نے اپنی تفسیر میں اور زمخشری نے تفسیر کشاف میں نقل کیا ہے [1] یہانتک کہ اس محبت مال اور بخل پر خدا نے اپنا عتاب قرآن مجید میں نازل فرمایا [2] تو پھر محال ہی کہ حضرت ابوبکر نے اسقدر مال خرچ کیا ہو جسکی روایت حضرات اہلسنت بیان کرتے ہیں جو واضح امر ہے کیونکہ جب حضرت ابوبکر نے خدا کے حکم سے ایک درہم صدقہ

---

[1] دیکھو تفسیر کشاف مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۱۷۱ و تفسیر مدارک بر حاشیہ تفسیر خازن مطبوعہ مصر جلد ۴ صفحہ ۲۴۲ و شرح مشکوۃ وغیرہ۔ ۱۲ [2] پارہ ۲۸ کی پہلی سورۃ المجادلہ میں کئی مقام پر خدا نے صدقہ نہ دینے کے متعلق عتاب ظاہر فرمایا ہے چونکہ وہ سورہ چھوٹا ہے اور مترجم قرآن مجید بکثرت رائج ہے لہذا ہر شخص اس سورہ کا ترجمہ پڑھ کر سمجھ سکتا ہے کہ خدا نے کس کس طرح عتاب نازل فرمایا ہے ۱۲ مترجم

دیگر آنحضرت صلعم کی بات سننا گوارا نہیں کیا اور مال کی محبت میں خدا کا عتاب گوارا کیا تو پھر آپ کسی اور موقع پر اپنا کوئی مال کیونکر خرچ کر سکتے تھے آپکا دل پہلے بھی وہی تھا جو آیت نجوی کے نازل ہونے پر تھا اور مال کی محبت بھی وہی تھی جو آیت نجوی کے نازل ہونے پر بیان کی گئی)۔

لیکن قاضی عبدالجبار نے انتہائی مکابرہ (ہٹ دھرمی) سے کام لیکر کہا ہے کہ اس آیت سے حضرت علی کا دوسرے صحابہ سے افضل ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ممکن ہے صدقہ دیکر سرگوشی کرنے کا وقت اسقدر کم رہا ہو کہ سوا حضرت علی کے اور کسی صحابی کو اسپر عمل کرنے کا موقع نہیں ملا ہو۔ مگر قاضی صاحب کے اس قول کا غلط ہونا ظاہر ہے اسلئے کہ اصولیین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ خدا کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی بندے کو کسی کام کے کرنے کا حکم اسقدر تنگ وقت میں دے جسمیں وہ اس کام کو انجام ہی نہ دے سکے ہاں جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ خدا تکلیف مالایطاق دیتا ہے وہ جو چاہیں کہیں نیز قاضی صاحب کے اس احتمال کو وہ روایت بھی دفع کرتی ہے جسکو علامہ ابن المغازلی نے کتاب المناقب میں اور علامہ بغوی نے تفسیر معالم التنزیل [1] میں حضرت علی سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا قرآن مجید میں ایک ایسی آیت ہے جسپر نہ میرے پہلے کسی نے عمل کیا اور نہ میرے بعد کوئی کریگا جسکی تفصیل یہ ہے کہ میرے پاس ایک دینار تھا تو میں نے اسکا خوردہ کر کے دس درہم لیلئے پھر جب میں حضرت رسولخدا صلعم سے سرگوشی کرتا تو ایک درہم صدقہ دیدیتا پس اس روایت سے واضح ہوتا ہے کہ صدقہ دینے کا وقت وسیع تھا جب ہی تو حضرت یکے بعد دیگرے دس درہم تک صدقہ دیتے رہے۔ نیز اس احتمال کو وہ حدیث بھی دفع کرتی ہے جسکو حافظ ابونعیم نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالے نے بغیر پہلے صدقہ دیئے ہوئے حضرت رسولخدا صلعم سے کلام کرنا حرام کردیا تھا تو دوسرے صحابہ نے بخل کیا اور حضرت سے کلام کرنے کے قبل صدقہ نہیں دیا مگر حضرت علی نے صدقہ دیا اور آپکے سوا کسی مسلمان نے ایسا نہیں کیا نیز بعد کی آیت فاذ لم تفعلوا وتاب اللہ علیکم (اگر تم ایسا نہ کرسکے اور خدا نے تمکو معاف کردیا) بتاتی ہے کہ صحابہ اپنے

[1] تفسیر معالم التنزیل مطبوعہ بمبئی صفحہ ۵۹۹

ہی تقصیر اور بخل میں معذور بھی نہ تھے کیونکہ توبہ کا ذکر ہی کہتا ہے کہ چونکہ ان لوگوں نے
حکم خدا کی تعمیل میں پہلو تہی کی اس سبب سے خدا کا عتاب انپر ہوا گو بعد میں خدا
نے ان کو معاف بھی کیا ہو۔ پس اگر صدقہ دینے کا وقت تنگ ہوتا جیسا کہ قاضی صاحب
نے شبہہ پیدا کیا ہے تو خدا کا عتاب انپر نہ ہوتا نہ اسکے بعد توبہ کا بیان ہوتا جو گناہ ہی
کیلئے ہوتا ہے۔ نیز حضرت ابن عمر نے جو تمنا کی ہے کہ کاش انھوں نے بھی صدقہ
دیکر حضرت رسولؐ سے سرگوشی کی ہوتی یہی بتاتی ہے کہ صدقہ دینے کا موقع باقی تھا ورنہ
بغیر امکان کے اس تمنا کی کیا صورت تھی۔ ہاں فخر الدین رازی نے ایک اور شگوفہ
چھوڑا ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں سلہ میں نے مانا کہ وقت اسقدر وسیع تھا کہ
دوسرے صحابہ بھی چاہتے تو صدقہ دیکر حضرت سے سرگوشی کر سکتے تھے لیکن
جو فقیر کوئی مال نہ رکھتا ہو اسکا دل ایسے کام کی طرف کیونکر متوجہ ہو سکتا ہے جسمیں خرچ
کرنے کی شرط ہے اور جو مالدار ہوگا اسکا دل بھی رکیگا لہذا اس عمل کے ترک کرنے میں
کوئی نقصان نہیں ہو سکتا اسلئے کہ جو چیز الفت اور انس کا سبب ہو اس چیز سے بہتر
ہے جو وحشت کا سبب ہو۔ یہ بات بھی خیال کرنے کی ہے کہ صدقہ دینا اس وقت
واجب تھا جب کوئی سرگوشی کرنی ہوتی لیکن خود سرگوشی کرنا تو واجب نہ تھا اور
نہ مستحب تھا بلکہ اولی یہی تھا کہ سرگوشی کی ہی نہ جاتی جسکی وجہ ہم نے پہلے بیان کردی کہ
سرگوشی سے حضرت رسولخدا صلعم کو اذیت ہوتی تھی اور آپ اس سے گھبراتے
تھے۔ فخر الدین رازی کا کلام تمام ہوا مگر اسکا جواب فاضل نیشاپوری نے خوب دیا ہے وہ
اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں سلہ کہ فخر الدین رازی کا یہ کلام تعصب سے خالی نہیں ہو سکتا
ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہر موقع پر حضرت علی کو مفضول (فضیلت میں دوسروں سے
کم) ہی ثابت کرنے کی کوشش کرتے رہیں اور کیوں نہ ہم مانیں کہ حضرت علی کو بعض
فضائل ایسے حاصل تھے جو دوسرے اکابر صحابہ کو کبھی بھی حاصل نہیں ہو سکے جیسا کہ
حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا حضرت علی میں تین فضیلتیں ایسی
تھیں جن سے اگر ایک بھی مجھے حاصل ہوتی تو سرخ رنگ کے نہایت قیمتی اونٹوں

سلہ تفسیر کبیر مطبوعہ مصر جلد ۸ صفحہ ۱۶۷ سلہ تفسیر نیشاپوری برحاشیہ تفسیر طبری جلد ۲۸ صفحہ ۱۹

سے زیادہ میری خوشی کا سبب ہوئی ایک یہ کہ آپکی شادی حضرت علی سے ہوئی اور جنگ خیبر میں شب کو وعدہ کرنے کے بعد صبح کو حضرت صلعم نے علم حضرت علی ہی کو دیا اور آپکی شان میں آیہ نجوے نازل ہوئی (کیونکہ آپ ہی نے صدقہ دیکر حضرت سے سرگوشی کی) اور کیا کوئی انصاف پسند یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم سے راز کی باتیں کرنا صرف اسمیں کچھ مال خرچ ہونے کی وجہ سے) برا تھا؟ علاوہ بریں آیت میں مناجاۃ کرنے سے کوئی ممانعت نہیں ہوئی بلکہ صرف یہ حکم ہوا تھا کہ صحابہ مناجاۃ سے پہلے کچھ صدقہ دیدیا کریں تو جس شخص نے اس آیت پر عمل کیا اسکو دو صورتوں سے فضیلت حاصل ہوئی ایک اس حیثیت سے کہ اس نے صدقہ دیکر فقرا کی حاجت پوری کی اور انکا فاقہ توڑا دوسرے اس جہت سے کہ اس نے آنحضرت صلعم سے سرگوشی کرنے کو محبوب رکھا جس سے آنحضرت صلعم سے قربت حاصل ہوئی اور مشکل مسئلوں کا جواب ملنا اور اس امر کا اظہار ہو تا کہ اس نے آنحضرت صلعم سے سرگوشی کو مال سے زیادہ قیمتی اور عزیز سمجھا علامہ نیشاپوری کا قول تمام ہوا۔ میں (جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ) کہتا ہوں کہ فخر الدین رازی کا جو کچھ جواب علامہ نیشاپوری نے دیا اسکے علاوہ یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلعم سے مناجاۃ کرنے کے قبل صدقہ دینے کا جو حکم خدا نے مقرر کیا اسکے علت صرف یہ تھی کہ اس ذریعہ سے فقرا مسلمین کی تنگدستی زائل اور انکی پریشان حالی دفع ہو اور انکے ساتھ نیکی کرنے کا موقع ملے۔ باوجود اسکے وہ لوگ جنہیں شرعی اور عرفی حیثیت سے معذور اور آیت کے حکم سے یقیناً خارج تھے (کیونکہ انکے پاس مال تھا ہی نہیں وہ اسکے مخاطب کیونکر ہوتے) لہذا اس سے انکی شکستہ دلی بھی لازم نہیں آتی ہے جو واضح امر ہے (غرض فخر الدین رازی نے جو کہا ہے کہ اس سے نادار فقیر کا دل تنگ ہوگا یہ صرف مغالطہ ہی ہے) علاوہ بریں آپ نے جو اعتراض اس صدقہ نجوی پر کیا ہے وہی اعتراض زکوۃ۔ خمس۔ حج وغیرہ عبادات کے واجب ہونے پر بھی ہوتا ہے کیونکہ ان کاموں میں بھی مال خرچ ہوتا ہے جس سے فقیروں کا دل تنگ اور مالداروں کا دل متنفر ہوتا ہے تو جس طرح آپ نے صدقہ نجوی کو بے ضرورت بتایا اسی قیاس پر زکوۃ حج وغیرہ کے بارے میں بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان کاموں کا حکم نہ ہونا چاہئے کیونکہ جو فقیر نصاب زکوۃ کا مالک نہیں ہے اس حکم سے اس کا دل تنگ ہوگا اور جو مالدار ہے اسکا دل متنفر ہوگا

گر اب کہنا شریعت اسلام کو لغو بتانا ہے جو بالکل کفر اور خدا ہی سے انکار کرنا ہے یہ امر بھی خیال کرنا چاہئے نہ خدا نے صرف یہ حکم دیا تھا کہ سرگوشی کے پہلے کچھ صدقہ دیدیا کرو مگر اسکے لئے کوئی حد نہیں معین کی تھی کہ اس مقدار کا صدقہ دینا پس اب یہ عذر بھی نہیں ہو سکتا کہ حضرت ابوبکر یا فقرائے مسلمین اس مقدار کے ادا کرنے سے عاجز تھے کیونکہ اسمیں تو ہر شخص کی حیثیت کے مطابق گنجائش تھی مالدار چاہتے تو ایک دینار دیتے اور کم مال والے نصف درہم بلکہ ایک دانہ کھجور دیکر بھی یہ شرف حاصل کر سکتے تھے۔ آخر میں فخر الدین رازی کا یہ کہنا بھی کہ رسول خدا صلعم سے سرگوشی کرنا مستحب تک نہ تھا انکو کفر کی حد تک پہونچا دیتا ہی کیونکہ آنحضرت صلعم سے کلام کرنا اور مسئلہ پوچھنا کیا ایسا بے حقیقت ہو سکتا ہے کہ خدا اسکو پسند نہ کرے ہاں اسی مضمون کی طرف علامہ نیشاپوری نے بھی اشارہ کیا ہے جو غور کرنے سے سمجھ میں آتا ہے۔

قول علامہ علیہ الرحمہ سولہوین قول خداوند عالم واسئل من ارسلنا من قبلک من رسلنا یعنی ہمنے تم سے پہلے اپنے جتنے پیغمبر بھیجے ہیں ان سب سے دریافت کر دیکھو پارہ ۲۵ سورہ زخرف آیت (۴۵) کی تفسیر میں علامہ ابن عبدالبر وغیرہ علمائے اہلسنت نے روایت کی ہے کہ جب حضرت رسول خدا صلعم کو معراج ہوئی تو اس شب میں خدا نے حضرت اور دیگر انبیائے متقدمین کو اکٹھا کیا پھر حضرت رسول خدا صلعم کو حکم دیا کہ ان انبیاء سے پوچھئے آپ لوگ کس بات پر پیغمبر بناکر بھیجے گئے تھے؟ حضرت نے ان لوگوں سے پوچھا تو اُن حضرات نے جواب دیا کہ ہم لا الہ الا اللہ کی شہادت اور آپکی نبوت اور علی ابن ابی طالب کی ولایت کا اقرار کرنے پر نبی بھیجے گئے تھے۔

قول الطال یہ اہلسنت کی روایت نہیں ہے اور ظاہر آیت بھی اس مطلب کا انکار کرتا ہے کیونکہ اس آیت کا آخری حصہ یہ ہے اجعلنا من دون الرحمن الہۃ یعبدون یعنی کیا ہم نے خدا کے سوا اور معبود بنائے تھے جن کی عبادت کی جائے۔ اور خدا کی مراد یہ ہے کہ کل انبیاء کا اجماع اسپر واقع ہے کہ توحید کا اقرار واجب اور شرک سے انکار کرنا ضروری ہے اور آیت کا مفہوم یہی ہے رہی وہ روایت جسکو علامہ نے نقل کیا ہے تو وہ مہملات سے ہے لیکن اگر صحیح بھی ہو تو اس سے آپکا مقصود اور دعویٰ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ "ولایت" کا لفظ کئی معنوں پر

قولِ احقاق

بولا جاتا ہے۔
یہ روایت بعض الفاظ کے تغیر کے ساتھ تفسیر نیشاپوری میں بھی تفسیر ثعلبی سے نقل کی گئی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ ابن مسعود سے روایت ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ شب معراج میرے پاس ایک فرشتہ آیا اور کہا کہ اے محمد صلعم اپنے قبل کے انبیاء سے پوچھئے کہ وہ لوگ کس بات پر پیغمبر بناکر بھیجے گئے تھے حضرت فرماتے ہیں کہ جب میں نے ان پیغمبروں سے پوچھا تو ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم تیری رسالت اور علی ابن ابی طالب کی ولایت پر بھیجے گئے تھے اس روایت کو علامہ ثعلبی نے ذکر کیا ہے لیکن یہ قول خدا اجعلنا من دون الرحمن کے مطابق نہیں ہے انتہٰے [1] تو تفسیر نیشاپوری و ثعلبی کی جو روایت ہم نے نقل کی اس سے ظاہر ہوگیا کہ یہ روایت حضرات اہلسنت کی روایتوں سے ہے اور فاضل مخاطب نے اس پر جو اعتراض کیا ہے اسکو علامہ نیشاپوری ہی سے لیا ہے جو بالکل کمزور اعتراض ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ لفظ اجعلنا حکم کے معنے میں ہو جیسا کہ علامہ نیشاپوری نے آخر میں تصریح کی ہے اور یہ جملہ قول رسولخدا صلعم کی حکایت ہو اور تاکید ہو اس اقرار کی جو اس کلام میں مضمر ہے یعنی وہ انبیاء امور مذکورہ کی شہادت اور اقرار پر اسطرح بھیجے گئے ہیں کہ کسی شخص کو اسمیں توقف کرنا ممکن نہیں ہے مگر اس کیلئے جس نے خدا کے سوا کچھ معبودوں کو عبادت کیلئے قرار دے رکھا ہے۔ اور اس قسم کی ضمیر لانے کی مثال قرآن مجید میں دوسری جگہ بھی وارد ہے چنانچہ پارہ ۱۲ سورہ یوسف کی آیہ ۴۵ میں ہے انا انبئکم بتاویلہ فارسلون یوسف ایھا الصدیق افتنا یعنی ساقی نے کہا مجھے جانے دیجئے تو میں اسکی تعبیر بتائے دیتا ہوں اے یوسف اے بڑے سچے ذرہ ہمیں بتائے تو اس آیت کا مطلب بھی جیسا کہ علامہ نیشاپوری وغیرہ نے بھی ذکر کیا ہے یہ ہے کہ ساقی نے کہا اے بادشاہ مجھے حضرت یوسف تک جانے دیجئے تاکہ میں ان سے پوچھوں اور مجھے حکم دیجئے کہ ان سے اسکی تعبیر دریافت کردوں تو بادشاہ کے لوگوں نے اس ساقی کو حضرت یوسف کے پاس بھیجا غرض وہ حضرت کے پاس آیا تو کہا اے یوسف اے بڑے سچے تا آخر آیت پس ملاحظہ ہو اس جگہ بھی خدا کس قدر اضمار کو کام

[1] تفسیر نیشاپوری - برحاشیہ تفسیر طبری جلد ۲۵۔

میں لایا ہے اسی طرح آیت واسئل من ارسلنا میں بھی سمجھنا چاہیئے۔ زیادہ سے زیادہ فرق یہ ہوسکتا ہے کہ چونکہ اس آیت میں جو امر محذوف ہے اس کی تعیین کا قرینہ مخفی ہے لہذا یہ آیت آیات متشابہات سے قرار دیجائے جس کا معنے بغیر خدا کی توفیق اور حضرت رسولخدا صلعم کے بیان کے معلوم نہیں ہوسکتا تو بھی اس آیت سے اپنے بعد کے حصہ اجعلنا من دون الرحمن کے مطابق ہونے میں کوئی خرابی نہیں پیدا کرتا اور اسکے شان نزول میں جو روایت وارد ہوئی ہے اس سے کسی قسم کی مخالفت یا اجنبیت نہیں معلوم ہوتی لہذا کوئی جھگڑا نہیں رہا اور نہ یہ روایت مہملات سے شمار ہوسکتی ہے ہاں جو شخص ایسی روایتوں کو مہمل کہے وہ خود جس عقل و فہم کا ہوگا واضح ہے۔

قول علامہ علیہ الرحمہ سترہویں کلام مجید کی آیت وتعیہا اذن واعیہ یعنی اسے یاد رکھنے والے کان (سنکر) یاد رکھیں (پارہ ۲۹ سورہ حاقہ آیت ۱۲) جمہور نے روایت کی ہے کہ یہ آیت حضرت علی کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

قول ابطال مفسرین نے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت رسولخدا صلعم نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ میں نے خدا سے دعا کی ہے کہ ایسا کان خدا تمہارے کان کو کردے۔ تو حضرت علی فرماتے ہیں کہ اسکے بعد میں کوئی چیز نہیں بھولا۔ بہرکیف یہ آیت اور اسکی تفسیر حضرت علی کے کمال علم اور قوت حافظہ اور فضیلت پر دلالت کرتی ہے لیکن اس سے حضرت علی کے امامت کی نص کسی طرح ثابت نہیں ہوتی۔

قول احقاق علامہ واحدی نے اپنی کتاب اسباب نزول القرآن میں بریدہ سے اور علامہ ابونعیم نے حلیۃ الاولیا میں حضرت علی سے اور ابوالقاسم بن حبیب نے اپنی تفسیر میں زر بن حبیش سے اور انھوں نے حضرت علی سے روایت کی ہے کہ حضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت رسولخدا صلعم نے مجھے اپنے سینہ سے لگا کر فرمایا کہ اے علی میرے پروردگار نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم کو اپنے سے قریب کروں اور دور نہ کروں اور یہ کہ تم سنو اور یاد رکھو اور تفسیر ثعلبی میں بریدہ کی روایت سے یہ مضمون بھی ہے کہ حضرت صلعم نے فرمایا کہ

اے علی میں تمکو تعلیم کرتا رہونگا اور تم یاد کرتے رہو اور خدا پر حق ہے کہ (تمکو اتنی قوت عطا فرمائے کہ) تم جو کچھ سنو اسکو یاد کر لو اسپر یہ آیت نازل ہوئی وتعیہا اذن واعیۃ انتہیٰ۔ ہاں بعض مفسرین نے اس آیت کی تفسیر وہی ذکر کی ہے جسکو فاضل مخاطب نے روایت کیا ہے مگر انھوں نے جو کل مفسرین کے بارے میں مطلقاً یہ دعوی کر دیا کہ "مفسرین نے روایت کی ہے" اس سے انکی حق پسندی اور راست بیانی پر کافی روشنی پڑتی ہے کہ صرف بعض مفسرین کی روایت کو مطلقاً کل مفسرین کی روایت بنا دی۔ اور علامہ زمخشری نے تفسیر کشاف میں[۱] اور فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں اس روایت کو جسے فاضل مخاطب نے ذکر کیا ہے نقل کرکے کہا ہے کہ "اگر کوئی شخص سوال کرے خدا نے اذن واعیہ کیوں فرمایا جو لفظ واحد اور نکرہ ہے (حالانکہ بجے کان دو ہوتے ہیں تو بجائے واحد کے جمع اور بجائے نکرہ کے معرفہ ہونا چاہیئے تھا) تو ہم جواب دینگے کہ لوگوں کو اس پر آگاہ کرنے کے لئے ایسا کیا کہ احکام خدا ورسول کے یاد رکھنے والوں میں قلت ہے اور لوگوں کو اسپر زجر و توبیخ کرنے کے لئے بھی کہ جو لوگ یاد رکھتے ہیں وہ بہت کم ہیں اور اسکو واضح کر دینے کے لئے بھی کہ اگر ایک ہی کان احکام خدا کو یاد رکھے اور سمجھ لے تو خدا کی نظروں میں وہی سواد اعظم ہے اور اسکے سوا جس قدر کان ہیں وہ ناقابل التفات ہیں اگرچہ تمام دنیا ایسے ہی کانوں والوں سے بھری ہو" انتہیٰ۔

---

[۱] علامہ واحدی وابو نعیم وابو القاسم بن حبیب کی کتابیں جن حضرات کے پاس نہ ہوں وہ حضرات اہلسنت کے سب سے بڑے مفسر علامہ جلال الدین سیوطی کی تفسیر در منثور مطبوعہ مصر جلد ۶ صفحہ ۲۶۰ ملاحظہ فرمالیں کہ اسمیں وہ سب روایتیں موجود ہیں جو اوپر نقل کی گئیں۔ ان روایتوں کو سعید بن منصور وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم وابن مردویہ ومکحول وابن عساکر وابن النجاری ابریدہ وغیرہ ایسے جلیل القدر علماء ومحدثین وارکان اہلسنت نے روایت کی ہیں ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ رسولخدا صلعم نے حضرت علی سے فرمایا مجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ میں تم کو اپنے سے قریب کروں اور دور نہ ہونے دوں اور تمکو تعلیم کروں اور تم یاد رکھو اور تم پر حق ہے کہ اسکو یاد رکھو اسکے بعد یہ آیت نازل ہوئی اور حضرت رسولخدا صلعم نے حضرت علی سے فرمایا اے علی تم میرے علم کا یاد رکھنے والے کان ہو۔ اور تفسیر طبری مطبوعہ مصر جلد ۲۹ صفحہ ۳۵ میں ایک روایت اس مضمون کی بھی ہے کہ مکحول کہتے تھے حضرت رسولخدا صلعم نے اس آیت کی تلاوت فرمائی پھر حضرت علی کیطرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ میں نے خدا سے دعا کی ہے کہ ایسے کان تمہارے ہی کان کو بنادے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت صلعم کی اس دعا کے بعد جو کچھ بھی میں نے آنحضرت صلعم سے سنا یاد کر لیا اور کبھی کچھ نہ بھولا

ب ہم (جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ) کہتے ہیں کہ فرقہ معتزلہ کے علامہ (زمخشری) اور فرقہ اشاعرہ کے امام (فخر الدین رازی) نے اس آیت کے جن اسرار کو کھولدیا ہے ان سے معلوم ہوا کہ زمانہ حضرت رسولخدا صلعم میں یہ آیت حضرت علی کی ذات کے لئے مخصوص تھی کیونکہ ان لوگوں نے تصریح کردی ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے حضرت علی کے لئے خدا سے جو دعا کی وہ مقبول ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت علی کے سوا جو حضرات تھے ان کی زجر و توبیخ بھی کی گئی کہ وہ احکام خدا کو محفوظ نہیں رہتے ہیں اور یہ کہ وہ قابل التفات نہیں ہیں لہذا امامت کے سب سے زیادہ حقدار بھی حضرت علی ہی ہو سکتے ہیں (کیونکہ آپ ہی احکام خدا ورسول کے سب سے زیادہ محافظ اور نگہبان رہتے) اور یہی جناب علامہ علیہ الرحمہ کا مدعا ہے۔

مناسب ہے کہ اسی جگہ وہ مضمون بھی ذکر کردیا جائے جس پر آئندہ کی بڑی بڑی بحثیں موقوف ہیں اور وہ یہ کہ جو شخص قرآن اور حدیث میں غور و فکر سے کام لیگا معلوم کرلیگا کہ کسی کو دوسرے سے افضلیت بغیر علم کے نہیں ہوسکتی چنانچہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادناکم یعنی عابد پر عالم اسی طرح افضل ہے جس طرح تم لوگوں کے ادنے سے میں افضل ہوں سلہ اور خدا نے قرآن مجید میں فرمایا ہے انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء یعنی اس کے بندوں میں خدا کا خوف کرنے والے تو بس علماء ہیں (پارہ ۲۲ سورہ فاطر آیت ۲۹) اب غور کرنا چاہئے کہ خدا نے دوسرے مقام پر فرمایا ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم خدا کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ بزرگ وہ ہے جو سب سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہو (پارہ ۲۶ سورہ حجرات آیت ۱۳) پھر انما یخشی اللہ میں خدا سے ڈرنے اور پرہیزگاری کرنے کا حصر علماء میں کیوں کردیا؟ تو اسی وجہ سے کہ جس میں علم دین زیادہ ہوگا اسی کو خدا کا خوف بھی زیادہ ہوگا اور شک نہیں کہ حضرت علی علیہ اپنے زمانہ کے کل صحابہ سے اعلم تھے کیونکہ خلفائے ثلثہ اور دیگر صحابہ کا اپنے زمانہ میں حضرت سے علمی و دینی مسائل کے بکثرت استفسار کرتے رہنا مشہور ہے اور ان مسائل دینیہ میں ان حضرات نے حضرت علی کے مقابلہ میں اپنے جہل کا پورا اقرار کرلیا ہے یہانتک کہ حضرت عمر کا

سلہ منتخب کنز العمال برحاشیہ مسند احمد بن حنبل جلد ۴۔

قول لولا علی لہلک عمر اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہوگیا تھا۔ زبان زد خواص و عوام ہو کر ضرب المثل ہوگیا جو بڑی دلیل اسکی ہے کہ حضرت علی ان سب میں اعلم تھے۔ رہا یہ کہ جو شخص سب سے زیادہ عالم ہو وہی سب سے افضل بھی ہے خدا و رسولخدا صلعم کے نص سے ثابت ہو چکا ہے جسکو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے پس جب منطق کے شکل اول کی طرح صغری اور کبری ثابت ہو گیا تو اسکا نتیجہ بدیہی طور پر ثابت ہو گیا کہ حضرت علی اُن سب میں افضل اور وہی سبکے زیادہ مستحق خلافت تھے جس سے انکار کرنا محض مکابرہ اور دشمنی ہے جسکی طرف توجہ نہیں ہوسکتی۔

قول علامہ علیہ الرحمہ اظہار ہوئی سورہ ہل اتی (پارہ ۲۹ کی) ہے چنانچہ جمہور نے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ حضرت امام حسن و امام حسین ع عہد رسولخدا صلعم میں بیمار ہوے اور حضرت رسولخدا صلعم نیز دوسرے لوگ ان حضرات کی عیادت کو آتے رہے تو حضرت علی نے نذر کی کہ انکی صحت پر آپ تین روزے رکھیں گے اسی طرح حضرت سیدہ اور ان کی خادمہ فضہ نے بھی نذر مانی جس کے بعد ان صاحبزادوں کو صحت ہوگئی اسوقت خانہ جناب سیدہ میں کوئی چیز نہیں تھی نہ کوئی غلہ تھا۔ تو حضرت امیر المومنین ع نے (ایک شخص سے) تین صاع جو قرض لیا اور اسکے تین حصہ کر کے پہلے روز جناب سیدہ نے ایک صاع جو پیسا اور اسکی پانچ روٹیاں پکائیں۔ ہر شخص (جناب امیر جناب سیدہ حضرت حسن حضرت حسین اور فضہ) کے لئے ایک ایک روٹی اور حضرت علی ع نے مسجد میں نماز مغربین ادا کی پھر دولت سرا پر تشریف لائے اور آپکے سامنے افطار کیلئے کھانا لاکر رکھا گیا یکدفعۃً ایک مسکین آیا اور سوال کیا۔ تو ان کل حضرات نے اپنی اپنی روٹیاں اٹھاکر اس مسکین کو دیدیں اور رات بھر بغیر کچھ کھائے بسر کرتے رہے پھر دوسرے دن ان حضرات نے دوسرا روزہ رکھا اور جناب سیدہ نے حسب معمول پھر ایک صاع جو کے آٹے کی پانچ روٹیاں پکائیں جب وقت افطار روٹیاں سامنے رکھی گئیں تو ایک یتیم نے دروازہ پر آکر سوال کیا پھر سب نے اپنی اپنی روٹی اٹھاکر دیدی۔ تیسرے دن بھی ان حضرات نے روزہ رکھا اور افطار کے وقت

سلہ ازالۃ الخفا جلد ۲ صفحہ ۲۶۰ وغیرہ

کھانا لایا گیا تو دروازہ پر ایک قیدی نے آکر سوال کیا اسوقت بھی کل حضرات نے اپنی اپنی روٹی اٹھا کر دیدی غرض تینوں دنون مین روزہ رکھ کر ان لوگون نے صرف پانی سے افطار کیا اور کھانے کی کوئی چیز چکھی تک نہین - چوتھے دن حضرت رسولخدا صلعم نے ان حضرات کو دیکھا کہ بھوک سے ان کے جسم مین رعشہ پڑا ہوا ہے اور جناب سیدہ علیہا السلام کا تو بسبب گرسنگی شکم اقدس پشت سے ملگیا تھا اور آنکھونمین حلقے پڑ گئے تھے یہ کیفیت دیکھ کر آنحضرت صلعم چیخ اٹھے کہ واغوثاہ یا اللہ اہلبیت محمد یموتون جوعا - یعنی واغوثاہ - یا اللہ محمد کے اہلبیت بھوک سے مرے جارہے ہین ! - اسی وقت جناب جبرئیل نازل ہوے اور کہا یا حضرت اس تحفہ کو قبول فرمایئے جسکو خدا نے آپ کے اہلبیت کی شان مین بھیجا ہے - حضرت نے فرمایا اے جبرئیل وہ کون تحفہ ہے ؟ جبرئیل نے سورہ ہل اتی پڑھ کر یہی ہے -

قول ابطال

علامہ نے جو روایت ذکر کی ہے اس کو بعض مفسرین نے اس سورہ کی شان نزول مین بیان ضرور کیا ہے لیکن اکثر محدثین اور اہل تفسیر نے اس روایت کی صحت سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ کیا جائز ہے کہ کوئی شخص خدا کی راہ مین صدقہ دینے مین اس قدر مبالغہ کرے اور اپنے نفس اور اہل وعیال کو اتنا بھوکا رکھے کہ وہ سب ہلاکت کے قریب پہونچ جائین ؟ حالانکہ خدا فرماتا ہے ویسئلونک ماذا ینفقون قل العفو یعنی یہ لوگ تم سے پوچھتے ہین کہ خدا کی راہ مین کیا خرچ کرین تم ان سے کہدو کہ جو تمھاری ضرورت سے بچے (سورہ بقرہ آیۃ ۲۱۹) اور ظاہر ہے کہ عفو وہی ہے جو اپنے خرچ سے فاضل ہو اور حضرت رسول خدا صلعم نے بھی فرمایا ہے خیر الصدقۃ مایکون ظہرا عفوا یعنی بہترین صدقہ وہ ہے جو زائد اور اپنے عیال کی ضرورت سے فاضل ہو - لیکن اگر روایت مذکورہ صحیح بھی ہو تو حضرت علی کی امامت پر نص نہین ہوسکتی جیسا کہ تعین پہلے معلوم ہوچکا -

قول احقاق

امام فخرالدین رازی نے اپنی تفسیر مین لکھا ہے [۱] کہ ہماری اصحاب (علمائے اشاعرہ) سے علامہ واحدی نے کتاب البسیط مین ذکر کیا ہے

[۱] تفسیر کبیر مطبوعہ مصر جلد ۸ صفحہ ۳۹۲ مین یہ مضمون ہے ۱۲

کہ یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کی شان مین نازل ہوئی ہے اور فرقہ معتزلہ کے پیشوا علامہ زمخشری صاحب تفسیر کشاف نے بھی اس روایت کو ذکر کیا ہے [۱] چنانچہ حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت حسن و حسین مریض ہوئے تا آخر روایت"۔ اور جن لوگون نے اس آیۃ کی شان نزول یہ روایت نہین ذکر کی ہے، انھون نے آیت کو اس کے عموم پر اس وجہ سے چھوڑ دیا کہ ہو سکتا ہے ان کو یہ روایت نہین پہونچی ہو یا حضرات اہلبیت کی عداوت چھپانے کا قصد کیا ہو نہ یہ کہ انھون نے حضرات اہلبیت کے سوا کسی مخصوص جماعت کی شان مین اس کا نازل ہونا بیان کیا ہو جیسا کہ فاضل مخاطب کا ظاہر کلام اشارہ کرتا ہے۔ اور یہ جو کہا کہ "اکثر محدثین اور مفسرین نے اس روایت کی صحت سے انکار کیا ہے الخ" تو ظاہر یہ ہے کہ یہ شبہہ خود فاضل موصوف ہی کی تشکیکات سے ہے نہ کہ محدثین و مفسرین نے اس کو بیان کیا ہو کیونکہ اگر محدثین و مفسرین سے کسی شخص کے دل مین یہ شک گزرا ہوتا تو مشہور امام المشککین فخر الدین رازی اپنی تفسیر مین اسکو ضرور ذکر کیے ہوتے حالانکہ ایسا نہین ہے۔ اور ایک عجیب بات یہ بھی ہے کہ علمائے اہلسنت نے جن مین علامہ فخر الدین رازی اور علامہ نیشاپوری بھی ہین لکھا ہے کہ کلام مجید کی یہ آیت کونوا مع الصادقین (سورہ توبہ آیت ۱۱۹) یعنی تم لوگ سچون کے ساتھ رہا کرو" ان لوگون کی شان مین نازل ہوئی ہے جنھون نے اپنے کو پایون سے باندھ رکھا تھا۔ تو یہ حضرات اس روایت کو تسلیم کرتے اور اس سے انکار نہین کرتے ہین اور اس پر یہ اعتراض نہین کرتے کہ کیا اپنے نفس کی ریاضت اور مشقت اس حد تک جائز ہے کہ اپنے کو ستونون مین باندھ کر ڈال دیا جائے ؟ بلکہ علمائے اہلسنت تو اس پر بھی ترقی کرتے اور اپنے بزرگون اور فرقہ نقشبندی کے صوفیون اور پیرون کے بھوک پیاس کے بارے مین ایسے واقعات ذکر کرتے ہین جو اس سے کہین بڑھ چڑھ کر ہین بلکہ خود فاضل مخاطب ہی نے اپنی اسی کتاب ابطال الباطل مین اس سے پہلے خداوند عالم کے دوسرے مین حلول کرنے کے عقیدہ سے انکار کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ مشہور صوفی پیر حضرت ابو یزید بسطامی نے اپنے نفس کی ریاضت اور تادیب کے لیے سال بھر تک پانی پینا ترک کر دیا تھا اور فاضل مخاطب نے اس واقعہ کو لکھکر

[۱] تفسیر کشاف مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۲۳۹

اسے پسند بھی کیا ہے حالانکہ ان لوگوں کا اپنے نفس کو اس درجہ اذیت دینا اور ضرر پہونچانا کسی
طرح عقل اور شرع کی رو سے مناسب نہیں سمجھا جا سکتا اور پھر اس سے کسی دوسرے کو
نفع بھی نہیں ہوا باوجود اسکے یہی علما حضرات اہلبیت کے خود بھوکے رہکر مسکین و یتیم و
اسیر کو سیر کرنے پر اعتراض کرتے اور ان حضرات کے انتہا درجہ کی سخاوت اور جود سے
فقرا مسلمین کو اپنے نفسوں پر ترجیح دینے کو قابل طعن قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ روایت
باتفاق فریقین ثابت ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ ان تینوں راتوں میں جناب جبرئیل ہی
حضرات اہلبیت کے گھر اون کا امتحان لینے کے لئے خدا کی طرف سے بھیجے گئے تھے اور
کیا خوب صفی نے ایسا شک کرنے والے کے جواب میں یہ دو شعر کہے ہیں ۔ قوم
اتی فی مدحھم ھل اتی ۔ ما شک فی ذلک الا ملحد + قوم لھم فی کل ارض مشھد ۔
لا بل لھم فی کل قلب مشھد یعنی (حضرات اہلبیت) وہ قوم ہیں جنکی مدح میں ہل اتی
نازل ہوا ہے جس میں سوا ملحد شخص کے کوئی شک وشبہہ نہیں کر سکتا ۔ یہ حضرات وہ
قوم ہیں جنکی زیارت گاہ ہر زمین میں ہے ۔ نہیں بلکہ ان حضرات کی جگہ تو ہر دل میں ہے
اور یہ جو فاضل مخاطب نے توہم کیا ہے کہ حضرات اہلبیت کا اس قدر خیرات کرنا اور اپنے
کو تین دنوں تک بھوکا رکھکر جود و سخاوت کرنا جائز نہیں تھا اور آیت یسئلونک ماذا
ینفقون کے خلاف تھا تو یہ بھی بے جوڑ بات ہے کیونکہ اس آیت کے لفظ عفو کا معنے تفسیر
میں جس طرح کہ خرچ سے فاضل آیا ہے اسی طرح بہترین اور پاکیزہ ترین مال بھی آیا ہے
اور اسکی تائید کلام مجید ہی کی اس آیت سے ہوتی ہے لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون
یعنی تم ہرگز نیکی کے درجہ پر فائز نہیں ہو سکتے جب تک اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے کچھ راہ خدا
میں خرچ نہیں کروگے (پارہ ۴ سورہ آل عمران آیت ۹۲) اور حضرت رسول خدا صلعم کی جو حدیث
نقل کی کہ خیر الصدقۃ ما یکون صنوا عفوا تو یہ بھی آنحضرت صلعم ہی کی اس دوسرے
حدیث خیر الصدقۃ ما ابقت غنی کہ بہترین صدقہ وہ ہے جو غنا باقی رکھے کے معارض
ہے اور اگر ہم اس سے بھی تنزل اختیار کریں تو ہم کہینگے کہ منافاۃ تو اسوقت لازم آتی جب
حضرت علی علیہ السلام کے عیال خود ہی وہ روٹیاں صدقہ میں نہ دیئے ہوتے اور حضرت
علی نے ان لوگوں کی خواہش کے خلاف وہ سب دیدیا ہوتا لیکن جب صاحب عیال نے
اپنے عیال کا نفقہ (خرچی) لاکر دیدیا اور وہ لوگ اپنے اختیار اور اپنی خوشی سے

دہ خرچی یتیم - اسیر اور مسکین کو دیدین اور اپنے طور پر ان فقرا کو اپنے نفسون پر ترجیح دین تو پھر اس آیت عفو کے خلاف کیونکر ہوگا اور حضرت علی ان لقبیہ اہلبیت کی سخاوت سے مورد اعتراض کیون قرار پائینگے ؟ جس طرح حضرت علی نے خود بھوکا رہنا اور مخلوق خدا کو سیر کرنا پسند کیا اسی طرح حضرت فاطمہ حسن و حسین و فضہ نے بھی خود بھوکے سو رہنا اور خدا کے محتاج بندون کو کھلا دینا خوشی سے گوارا کیا جو صرف خدا کی خوشنودی ہی کے لئے کیا گیا -

قول علامہ انیسوین کلام مجید کی یہ آیت ہے والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ھم المتقون - اور یاد رکھو کہ جو شخص یعنی رسول سچی بات لیکر آیا وہ اور جس نے اس کی تصدیق کی یہی لوگ تو پرہیزگار ہین - پارہ ۲۴ سورہ زمر آیت ۳۳) جمہور نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ یہ تصدیق کرنے والے بزرگ حضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام ہین انتہے -

قول ابطال جمہور علمائے اہلسنت کہتے ہین کہ یہ آیت حضرت ابوبکر الصدیق کی شان مین نازل ہوئی ہے لیکن اگر اس کا حضرت علی مرتضی کی شان مین نازل ہونا تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے صرف حضرت علی کے فضائل ثابت ہوتے ہین اور کسی طرح امامت کی نص پر دلالت نہین ہو سکتی -

قول احقاق جس روایت کو علامہ علیہ الرحمہ نے ذکر فرمایا ہے اسے صاحب کشف الغمہ نے حافظ ابوبکر موسی بن مردویہ سے روایت کیا ہے اور حافظ ممدوح نے اسکو جناب ابوجعفرؑ سے بھی روایت کیا ہے بلہ رہا اس آیت کا حضرت ابوبکر کی شان مین نازل ہونا جیسا کہ فاضل مخاطب نے ذکر کیا ہے تو یہ ایسی بات ہے جسکو صرف آپ کے امام فخرالدین رازی نے تن تنہا ایجاد کیا ہے اور وہ بھی صرف اس مناسبت کے لحاظ سے کہ اس آیت مین حضرت رسول صلعم کی تصدیق کرنے کا بیان ہے اور یہ حضرات کہتے ہین کہ چونکہ حضرت ابوبکر نے آپ کی تصدیق کی اسی وجہ سے انکا لقب ہی صدیق ہو گیا - تو علامہ فخرالدین رازی کی عادت اکثر آیات کی تفسیر مین یہی ہے کہ بے تکی مناسبت پیدا کر کے اپنے مذہب کی تائید کرنے لگتے ہین جیسا کہ تفسیر کبیر کے غور سے دیکھنے والون کو اچھی طرح معلوم ہے لیکن اگر یہی علمائے اہلسنت اس

بلہ دیکھو کتاب غرر، صفحہ ... سورہ ۹ اور تفسیر در منثور مطبوعہ مصر جلد ۹ صفحہ ۳۲۸ مین بھی یہ روایت منقول ہے ۱۲

روایت کے وجود کو فخر الدین رازی سے قبل کے علماء ومفسرین ومحدثین کی کتابون یاروایتون
سے ثابت کرنا چاہین بشرطیکہ کذب وافترا سے بچنے کا بھی لحاظ رکھین تو ہرگز اس ارادہ
مین کامیاب نہین ہوسکتے ہین۔ اور فخر الدین رازی صاحب کی بے مثل جرأت کی ایک مثال
یہ بھی ہے کہ صرف اسی پر اکتفا نہین کی کہ خدا پر کذب کا ارتکاب کیا (یعنی غلط طور پر یہ دعوی
کردیا کہ خدا نے یہ آیت حضرت ابوبکر کی شان مین نازل کی ہے) بلکہ اس روایت کو حضرت
علی کی زبانی بھی وضع کردیا تاکہ جو لوگ اس آیت کا نازل ہونا حضرت امیر المومنین کی شان
مین بیان کرتے ہین ان کی زبان بند ہوجائے اسطرح کہ خود حضرت علی جب کہتے ہین کہ یہ آیت
حضرت ابوبکر کی شان مین نازل ہوئی ہے تو پھر تم کیونکر کہہ سکتے ہو کہ نہین بلکہ یہ حضرت علی ہی
کی شان مین نازل ہوئی ہے۔ مگر وہ یہ بھی سمجھ گئے کہ آخر محققین اس روایت کی جانچ کرکے کہدینگے
کہ فخر الدین رازی نے اس روایت کو حضرت علی کی زبانی بیان کرنے مین حضرت پر تہمت وافترا
کی ہے لہذا اس تہمت کو دفع کرنے کے لئے اس روایت کو اجمالی طور پر مفسرین کیطرف
بھی نسبت دیدی (چنانچہ ان کی عبارت یہ ہے[۱] الذی جاء بالصدق محمد والذی صدق
به هو ابوبکر وهذا القول مروی عن علی ابن ابی طالب علیه السلام وجماعة من المفسرین
یعنی سچی بات لانیوالے حضرت محمد اور جس نے آپ کی تصدیق کی وہ حضرت ابوبکر ہین اور یہ
قول حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام اور مفسرین کی ایک جماعت سے مروی ہے)
مگر جو شخص ذکی اور سمجھدار ہوگا اور تحقیق کریگا اس پر حقیقت حال مخفی نہین رہ سکتی ہے۔ اور
اس روایت کے حضرت ابوبکر کی شان مین وارد نہ ہونے اور اس روایت کے جو اس آیت
حضرت علی کی شان مین نازل ہونا بتاتی ہے فخر الدین رازی تک بھی پہونچنے کی دلیل امام
فخر الدین کا وہ قول ہے جو اسی کے بعد لکھا ہے کہ یہ آیت اس شخص کو شامل ہے جو حضرت
رسول صلعم کی تصدیق کرنے مین سب سے آگے تھا اور لوگون کا اس پر اجماع ہے کہ آنحضرت
کی رسالت کی تصدیق کرنیوالون مین سب سے اول اور افضل یا حضرت ابوبکر تھے یا حضرت
علی مگر اس لفظ کو حضرت ابوبکر کی شان مین قرار دینا بہتر اور اولی ہے اسلئے کہ آنحضرت
کی بعثت کے وقت حضرت علی کمسن تھے تو آپ کی حیثیت اس چھوٹے بچے کے ایسی تھی
جو عموماً گھرون مین ہوتا ہے اور معلوم ہے کہ آپ کا حضرت رسول صلعم کی رسالت کی

[۱] تفسیر کبیر جلد ۷ صفحہ ۲۶۲

تصدیق کیلئے آمادہ ہونا اور آگے بڑھنا اسلام کی قوت و شوکت بڑھانے مین کوئی فائدہ نہین پہونچا سکتا تھا پس اس آیت کو حضرت ابوبکر ہی کی شان مین سمجھنا بہتر ہے انتہے۔ تو ہم نے جو ابھی دو باتین ذکر کین (اول یہ کہ یہ روایت حضرت ابوبکر کی شان مین نہین نازل ہوئی ہے اور دوسرے یہ کہ فخر الدین رازی صاحب کو بھی معلوم تھا کہ درحقیقت یہ آیت حضرت علی ہی کی شان مین نازل ہوئی ہے) ان کا ثبوت امام صاحب کی اس عبارت سے اسطرح ہوتا ہے کہ اگر واقعا کوئی روایت ایسی ہوتی جس سے معلوم ہوتا کہ یہ آیت حضرت ابوبکر کی شان مین نازل ہوئی ہے تو ممدوح کو اسقدر تکلف کرنے اور باتین بنا کر اس آیت کو حضرت ابوبکر کی شان سے چسپان کرنے کی ضرورت نہین پڑتی صاف صاف لکھدیتے کہ فلان راوی نے فلان صحابی سے روایت کی ہے اور فلان محدثین نے اپنی کتابون مین اس روایت کو لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر ہی کی شان مین نازل ہوئی ہے نہ کہ اگر مگر اور کھینچ تان کرنا پڑتی اور نہ حضرت علی کے ذکر کرنے کی ضرورت ہوتی کیونکہ اگر درحقیقت یہ آیت حضرت علی کی شان مین نازل نہین ہوئی تو آپکا نام کیون لیا اور یہ کیون کہا کہ چونکہ وہ چھوٹے تھے اس وجہ سے مراد نہین ہو سکتے۔ علاوہ برین امام صاحب کے دوسرے تشکیکات کی طرح ان کے اس استدلال کا باطل ہونا بھی ظاہر ہے اسلئے کہ نبوت کا درجہ اسلام کے مرتبہ سے اعلی و افضل ہے پھر جب بچہ کا نبی ہونا جائز ہے تو اسکا اسلام و ایمان کیون نہین صحیح ہوگا؟ خدا نے حضرت یحییٰ کے بارے مین فرمایا ہے و اتیناہ الحکم صبیا ہم نے ان (یحییٰ) کو بچپن مین نبوت دی (پارہ ۱۶ سورہ مریم آیت ۱۲) اور حضرت عیسےٰ کے متعلق فرمایا کہ حضرت نے پیدا ہونے کے کچھ ہی دیر بعد فرمایا انی عبد اللہ اتانی الکتاب و جعلنی نبیا یعنی مین بیشک خدا کا بندہ ہون مجھکو اس نے کتاب عطا فرمائی ہے اور مجھکو نبی بنایا ہے (پارہ ۱۶ سورہ مریم آیت ۳۰) اور حضرت یوسف جب بچپن مین کنوین کے اندر ڈالے گئے تو اسوقت آپ سے بذریعہ وحی فرمایا و اوحینا الیہ لتنبئنہم بامرہم ہذا وہم لا یشعرون کہ اے یوسف تم گھبراؤ نہین ہم عنقریب تمھین بڑے مرتبہ پر پہونچائین گے تب تم ان کو ان کے اس فعل بد سے متنبہ کروگے جب وہ کچھ نہین خیال کرتے ہونگے (پارہ ۱۲ سورہ یوسف آیت ۱۵) اور حضرت سلیمانؑ کے بارے مین فرمایا ففہمناہا سلیمان و کلا اتیناہ

حکما و علما یعنی ہم نے سلیمان کو اسکا صحیح فیصلہ سمجھا دیا اور یون تو سب کو ہم ہی نے فہم سلیم اور علم عطا کیا ہے (پارہ ۱۷ سورہ انبیاء آیت ۷۹) جب خدا نے حضرت سلیمان کو نبی بنایا ہے آپ کی عمر گیارہ سال کی تھی۔ پس جب بچون کا نبی ہونا اور ان پر وحی اترنا جائز ہے تو ان کا صاحب ایمان ہونا بدرجہ اولی جائز ہوگا اور ان کے ایمان کی مدح اور قدر بھی انکا مناسب ہوگی۔ علاوہ برین جس طرح اس شخص کو جو ایماندار والدین کے یہان اور فطرت اسلام مین پیدا ہو یہ نہین کہا جائیگا کہ اس نے ایمان قبول کر لیا کیونکہ وہ تو حالت ایمان مین پیدا ہی ہوا ہے قبول کیا چیز کریگا۔ قبول تو آدمی اس چیز کو کرتا ہے جو پہلے سے اسکے پاس نہین ہوتی ہے۔ اسی طرح حضرت علی کے بارے مین بھی یہ نہین کہا جا سکتا کہ آپ نے ایمان قبول کیا کیونکہ آپ تو ایمان کے ساتھ پیدا ہی ہوئے اور حضرت رسولخدا کی گود مین آنکھ ہی کھولی اور ایک سکنڈ کو بھی نہ کفر پر رہے نہ کسی بت کی عبادت کی۔ ہان حضرت ابوبکر نے البتہ بتون کی پرستش اپنی عمر کے چالیس سال سے زیادہ زمانہ تک کی تھی تو آپ کے بارے مین بیشک یہ کہنا صحیح ہے کہ آپ پہلے سے تو مسلمان نہین تھے بعد کو اسلام قبول کیا۔ اور حضرت علی کے بارے مین یہ البتہ کہہ سکتے ہین کہ آپ نے حضرت رسولخدا صلعم کی بعثت پر آپ کی تصدیق کر کے اپنا ایمان (جس پر آپ بچپن سے تھے) ظاہر فرما دیا۔ اور ہمارے اصحاب اس کو بھی نہین تسلیم کرتے کہ حضرت علی اپنا ایمان ظاہر فرماتے وقت بالکل بچے تھے بلکہ آپ کی عمر پندرہ سال کی تھی اور بعضون نے چودہ سال بھی بیان کی ہے اور حضرت کی عمر کے متعلق یہ دونون روایتین حضرات اہلسنت کے یہان بھی موجود ہین چنانچہ صاحب کتاب شرح الطوالع نے اپنے اصحاب سے اسی کتاب مین اور علامہ عاقولی نے اپنی کتاب شرح مصابیح مین ذکر کیا ہے کہ حسن بصری نے روایت کی ہے کہ حضرت علی کی عمر ایمان ظاہر کرتے وقت پندرہ سال کی تھی اور صاحب شرح الطوالع نے چودہ سال کی روایت بھی کی ہے۔ صحیح بخاری کی روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حد بلوغ سے اسوقت گزر گئے تھے کیونکہ انھون نے مغیرہ سے روایت کی ہے کہ انھون نے کہا احتلمت وانا ابن اثنتی عشرۃ کہ مین جب بارہ سال کا تھا جب ہی مجھے احتلام ہونے لگا تھا۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اگر حضرت اسوقت کمسن تھے جب بھی کوئی مضائقہ نہین ہو سکتا کیونکہ تمام محدثین و مورخین

اسلام روایت کرتے آئے ہیں کہ حضرت رسولخدا صلعم نے حضرت علی کو اسلام کی دعوت دی یعنی اسلام ظاہر کرنے کیلئے کہا اور یہ اپنی جگہ مسلم ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم اُسی شخص کو اسلام کیطرف دعوے دیسکتے تھے جسکا اسلام قبول کرنا یا ظاہر کرنا صحیح ہوتا جیسا کہ خلیفہ مامون الرشید نے بیان کیا تھا جب اس نے (حضرت علی کے کل صحابہ سے افضل ہونے کے متعلق) اپنے ملک کے بڑے بڑے علماء سے مشہور مناظرہ کیا تھا۔ اور اسکو بھی تمام مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے معویہ کو ایک تحریر بھیجی جس میں یہ شعر بھی لکھا تھا سہ سبقتکم الی الاسلام طرا۔ غلاما ما بلغت اوان حلمی۔ (یعنی) میں اسلام کیطرف تم سب لوگوں سے پہلے بڑھا جب میں لڑکا تھا اور حد بلوغ کو نہیں پہونچا تھا۔ تو باوجودیکہ معویہ کو حضرت سے جو عداوت اور مخالفت تھی وہ بھی معلوم ہے مگر اس نے بھی حضرت کے کمسنی کے ایمان پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ پھر فخر الدین رازی اس پر کیا زیادتی کرسکتے ہیں درصورتیکہ آپ بھی اسی کی جماعت سے ہیں۔ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ اسلام کا مرجع حضرت رسولخدا صلعم کی نبوت و رسالت کی تصدیق اور ہر اس چیز پر یقین کرنے کیطرف ہے جس کو حضرت خدا کی جانب سے لائے تھے اور یہ بات عقل کی تکلیفوں سے ہے یعنی ان باتوں کا یقین کرنا عقل ہی کا کام اور فریضہ ہے) اور معلوم ہے کہ عقلی باتوں کی تکلیف انسان کی عقل کے کامل ہونے پر موقوف ہے خواہ انسان پانچ برس کا ہو خواہ پچاس سال کا اور یہ ثابت ہے کہ حضرت علیؑ نے جس وقت اسلام و ایمان کا اعلان فرمایا تھا آپ کی عقل پوری طرح کامل ہوچکی تھی۔ رہا بالغ ہونا تو یہ شرع کے ان احکام کی شرط ہے جو فروع دین اور اعمال و عبادات سے متعلق ہیں۔ ایمان اور اسلام کیلئے کہیں یہ شرط نہیں کیگئی ہے کہ وہ شخص بالغ ہوچکا ہو تب اسکو قبول یا ظاہر کرے۔ اور اگر ہم اسلام کے وقت حضرت علی کو بچہ فرض کرلیں جب بھی آپکا ایمان و اسلام صحیح تھا اور یہ بات آپکے دیگر کثیر خصائص سے ہے جس طرح یہی حضرات حالت شیرخوارگی میں لوح محفوظ کا مطالعہ کرتے رہتے تھے جسکی طرف پہلے بھی علامہ ابن حجر عسقلانی کی کتاب فتح الباری شرح صحیح بخاری سے اشارہ ہوچکا ہے۔ مختصر یہ کہ حضرت امیر المومنین کی فطرت میں خدا نے وہ نور ودیعت فرمادیا تھا جس کی وجہ سے آپ میں معرفت یقین اور اسباب ایمان کے وہ خصوصیات جمع ہوگئے تھے جو دوسروں میں پختہ عمر کے بعد بھی نہیں پیدا ہوتے ہیں۔ لہذا حضرت کی اسی مخصوص فطری فضیلت نے

آپ میں معمولی لوگوں کی عمر سے پہلے شرعی بلوغ کی صفت پیدا کر دی اور یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے کیونکہ حضرت کی ذات تو مظہر العجائب و منبع الغرائب تھی ہی۔

قول علامہ علیہ الرحمہ بیسویں کلام مجید کی یہ آیت ھو الذی ایدک بنصرہ و بالمومنین (یعنی اے رسول وہی تو وہ خدا ہے جس نے اپنی خاص مدد اور مومنین سے تمہاری تائید کی پارہ ۱۰ سورہ ہود آیت ۶۲) ابوہریرہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے مکتوب علی العرش لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ محمد عبدی و رسولی ایدتہ بعلی بن ابی طالب عرش پر لکھا ہوا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکہ و تنہا ہے اسکا کوئی شریک نہیں ہے محمد مصطفےٰ میرے بندے اور رسول ہیں انکی تائید میں نے علی ابن ابی طالب سے کی ہے۔

قول ابطال بیشک یہ روایت اہلسنت کی کتابوں[۱] میں موجود ہے اور ان کے محدثین اسکو بیان کرتے ہیں اور اسمیں بھی کوئی شک نہیں کہ حضرت علی افاضل مومنین اور انکے خلفاء اور آئمہ سے ہیں اور جب حضرت رسولخدا صلعم کی تائید مومنین تک سے کیگئی تو پھر حضرت علی سے آپکی تائید بدرجہ اولی کیگئی تھی لیکن یہ آیت حضرت علی کی خلافت پر نص تو نہیں ہے جیساکہ آپکا دعوی ہے۔

قول احقاق فاضل مخاطب نے اس مقام پر جس قسم کا مغالطہ دینا چاہا ہے وہ سمجھدار لوگوں سے مخفی نہیں رہ سکتا کیونکہ جناب علامہ علیہ الرحمہ کا کلام صرف یہ نہیں ہے کہ خدا نے حضرت علی سے حضرت رسولخدا صلعم کی تائید کی ہے تاکہ دوسرے مومنین کی تائید کی وجہ سے حضرت علی کی تائید کا وزن جاتا رہے اور پھر حضرت کیلئے کوئی مخصوص فضیلت نہ ثابت ہو بلکہ جناب علامہ کا اصل دعوی یہ ہے کہ خداوند عالم نے اس جملہ کو اپنے عرش اعظم پر ازل الآزال میں تحریر فرما کر حضرت علی کی بے مثل فضیلت پر مہر کر دی ہے کہ آپ کا درجہ ایسا رفیع ہے کہ عرش پر خدا اور رسول کے نام کے ساتھ آپ کا ذکر خیر بھی اس عنوان سے کر دیا گیا ہے کہ خدا نے آپ ہی سے حضرت رسولخدا صلعم کی تائید کی ہے اور یہ بات ثابت کرتی ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم کے بعد حضرت علی ہی سب سے افضل تھے اور یہی جناب علامہ علیہ الرحمہ کا دعوی ہے جیساکہ بارہا پہلے ذکر ہو چکا۔ علاوہ بریں فاضل مخاطب نے یہ جو اقرار کیا کہ پھر حضرت

[۱] ابن عساکر نے بھی ابوہریرہ کی یہ روایت کی ہے دیکھو تفسیر در منثور سیوطی مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۱۹۹۔ اور یہی روایت ابن عدی و ابن عساکر نے انس کو

علی سے آپ کی تائید بدرجہ اولیٰ کی گئی تھی، تو یہ بھی ہمارے مقصود کے ثابت کرنے میں کافی ہے کیونکہ جب کل مسلمانوں کی تائید کے مقابلہ میں حضرت علی کی تائید اولیٰ (افضل) کہی گئی تو ثابت ہو گیا کہ حضرت علی کی تائید بہترین تائید تھی اور آپ نے جیسی خدمت یا تصدیق حضرت رسولخدا صلعم کی کی ویسی کسی نے نہیں کی اور یہی شروع سے شیعوں کا دعویٰ ہے جسکو حضرات اہلسنت ماننے میں تامل کرتے ہیں۔

قول علامہ علیہ الرحمہ اکیسویں کلام مجید کی یہ آیت یا ایھا النبی حسبک اللہ و من اتبعک من المومنین (اے رسول تم کو بس خدا اور مومنین سے جو شخص تمھارا تابع فرمان ہے کافی ہیں۔ پارہ ۱۰ سورہ ہود آیت ۶۴) جمہور نے روایت کی ہے کہ یہ آیت حضرت علی ہی کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

قول ابطال ظاہر آیت کا مطلب تو یہ ہے کہ یہ تمام مومنین کی شان میں نازل ہوئی اور اگر اس کا حضرت علی ہی کی شان میں نازل ہونا صحیح مان لیا جائے جب بھی یہ بات صرف حضرت علی کے فضایل سے ثابت ہو گی مگر حضرت کی خلافت پر نص نہیں ہو سکتی ہے۔

قول احقاق آیت مذکورہ کا وہ مطلب نہیں ہو سکتا جو فاضل مخاطب نے لکھا ہے کیونکہ اگر اس آیت کا تمام مومنین کی شان میں نازل ہونا مراد ہوتا تو خدا یوں فرماتا حسبک اللہ والمومنون (خدا اور مومنین تمکو کافی ہیں) لیکن بجائے اسکے من اتبعک من المومنین (مومنین سے وہ جو تمھارے تابع فرمان ہے) کی قید لگا دی گئی تو معلوم ہوا کہ اس سے خاص شخص مراد ہے جس نے حضرت کی کامل درجہ فرمانبرداری کی۔ رہا اس حدیث کا صحیح ہونا تو اسکا طریق اہلسنت سے ثابت ہونا اور انکی کتابوں میں مروی ہونا ہی اسکی صحت کیلئے کافی ہے کیونکہ اگر یہ حدیث صحیح نہیں ہوتی تو حضرات اہلسنت کی معتبر و معتمد علیہ کتب حدیث میں نہیں ہوتی حالانکہ انکی کتابوں میں کثرت سے موجود ہے۔ اور اس روایت کو صاحب کشف الغمہ نے بھی عزالدین عبدالرزاق المحدث الحنبلی کی کتاب سے نقل کیا ہے[1] رہا اس آیت سے حضرت علی کی افضلیت اور خلافت بلافصل کا ثابت ہونا تو اس طرح

[1] دیکھو کتاب مذکور مطبوعہ طہران صفحہ ۹۲

کہ چونکہ خداوند عالم نے حضرت رسول خدا صلعم سے کفار کے شر و فساد روکنے کو دو ہی صورتوں میں حصر کیا ایک اپنی حمایت اور دوسرے علی کی نصرت و جانفشانی اور اسی طرح حضرت رسول خدا صلعم کی حقیقی فرماں برداری کو بھی حضرت علی ہی میں حصر کر دیا لہذا مقتضائے روایت سے ثابت ہوا کہ حضرت علی کل مومنین سے افضل تھے تو آپ ہی انکے خلیفہ اور امیر المومنین بھی ہوئے۔

قول علامہ علیہ الرحمہ

بائیسویں کلام مجید کی یہ آیت فسوف یاتی اللہ بقوم یحبہم و یحبونہ (یعنی عنقریب خدا ایسے لوگوں کو ظاہر کردیگا جنہیں خدا دوست رکھتا ہوگا اور وہ اسکو دوست رکھتے ہونگے۔ پارہ ۶ سورہ مائدہ آیت ۵۴) ثعلبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت علی ہی کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

قول الطال

مفسرین نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت یمن والوں کی شان میں نازل ہوئی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت رسول خدا صلعم سے لوگوں نے دریافت کیا کہ یہ کون قوم ہے تو حضرت نے اپنا دست مبارک جناب سلمان فارسی کی پشت پر مار کر فرمایا کہ وہ بھی اور انکی قوم ہے مگر آیت کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ وہ ایسی قوم کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو اسوقت تک ایمان نہیں لائی تھی کیونکہ خدا نے سوف یاتی (عنقریب ظاہر کریگا) فرمایا ہے اور حضرت علی تو ابتدا ہی سے مسلمان تھے اور آپکو تو خدا نے شروع ہی سے ظاہر کر دیا تھا تو آپ اس سے کیونکر مراد ہو سکتے ہیں۔ لیکن اگر ہم مان بھی لیں کہ یہ حضرت علی ہی کی شان میں نازل ہوئی ہے جب بھی یہ آپکے فضائل میں ہے جس سے کسی کو انکار نہیں مگر آپکی خلافت پر نص نہیں ہے جو علامہ کا دعوی ہے۔

قول احقاق

وہ مفسرین جنھوں نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت یمن والوں کی شان میں نازل ہوئی ہے مثل امام فخر الدین رازی و قاضی بیضاوی کے انھوں نے اپنے دعوے کی دلیل یہ روایت بیان کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت رسول خدا صلعم نے ابو موسی اشعری کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ وہ لوگ اس شخص کی قوم ہیں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ اس کی تحقیق میں بحث ہے کیونکہ اگر اہل یمن سے مراد وہ لوگ ہوں جو یمن کے شہروں میں رہتے تھے اگرچہ وہ قبیلہ اشعریہ سے نہ ہوں مثل طائفہ ہمدان کے

تو ان لوگوں نے کوئی جنگ ہی نہیں کی سوا حضرت علی کی جنگوں کے کہ انہیں وہ حضرت کے ساتھ تھے جیسا کہ سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں تفصیل سے مذکور ہے۔ اور اگر مراد اشعریہ ہی ہوں جیسا کہ سیاق روایت کا مقتضیٰ ہے تو ان لوگوں نے بھی حضرت ابو بکر کے زمانہ میں مرتدین کی لڑائیوں میں شرکت نہیں کی تھی۔ ہاں یہ صورت ہو سکتی ہے کہ اس سے اشعریوں کے بعض اشخاص کی جنگ مراد لی جائے (نہ کل کی) جیسے ابو موسیٰ اشعری کہ جب حضرت علی صفین میں قاسطین مرتدین سے جنگ کر رہے تھے تو وہ ظاہرا حضرت علی ہی کی طرف سے لڑتے تھے تو اس صورت میں بھی اسکا نتیجہ وہی ہوگا جو اس روایت کا ہے جسمیں بیان کیا گیا ہے کہ یہ آیت حضرت علی کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ غرض اس صورت میں بھی آیت کا حضرت علی ہی کی شان میں نازل ہونا ثابت ہوگا کیونکہ ابو موسیٰ اشعری حضرت علی ہی کیطرف سے تھے۔ لیکن جن مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ اس آیت سے مراد جناب سلمان فارسی اور انکے لوگ ہیں جیسا کہ تفسیر بیضاوی میں ہے تو اسمیں یہ بات ہے کہ " لوگ " سے متبادر (فوراً ذہن میں آجانے والا مطلب) اصحاب سلمان یعنی مولانا امیر المومنین حضرت علی اور بقیہ اہلبیت ہی ہیں کیونکہ جب حضرت صلعم نے فرمادیا تھا کہ سلمان منا اہل البیت (سلمان ہم اہلبیت ہی سے ہیں) تو سلمان انھیں اہلبیت سے ہوے اور انکے لوگ اور قوم و قبیلہ بھی یہی اہلبیت قرار پائے اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ جناب سلمان نے اہل الردہ سے کسی جنگ میں شرکت نہیں کی تھی اور اگر انکے لوگ سے مراد فارس والے لئے جائیں تو ان لوگوں سے بھی زمانہ حضرت ابو بکر میں اہل ردہ کے ساتھ کوئی جنگ نہیں معلوم ہوتی لامحالہ اس روایت کو اسی مطلب پر حمل کرنا ہوگا جسکو ہم نے بیان کیا ہے (کہ جناب سلمان کے لوگ سے مراد حضرات اہلبیت علیہم السلام ہی ہیں) ورنہ اس روایت سے حضرت رسولخدا صلعم کا کذب ثابت ہوجائیگا جسکو کوئی مسلمان گوارا نہیں کر سکتا۔ لہذا اس صورت میں بھی آیت کا وہی نتیجہ ہوگا جو ثعلبی کی روایت اور شیعوں کی اس تفسیر کا ہوگا کہ یہ آیت حضرت علی کی شان میں نازل ہوئی ہے کیونکہ حضرت ہی نے ناکثین۔ قاسطین اور مارقین سے بصرہ۔ صفین اور نہروان میں جنگ کی تھی۔ اور

ہمارے اس بیان پر کوئی شخص یہ اعتراض نہیں کر سکتا کہ جس زمانہ میں حضرت علی نے یہ تینوں جہاد کئے ہیں اُسوقت تک حضرت سلمان زندہ ہی نہ تھے اور وہ حضرت علی کی طرف سے کسی جنگ میں لڑے ہی نہیں پھر اس آیت سے حضرت علی کا ناکثین. قاسطین اور مارقین سے جہاد کرنا کیونکر مراد ہو سکتا ہے. یہ اعتراض اسوجہ سے نہیں ہو سکتا کہ کسی فعل کو کسی جماعت کی طرف نسبت دینے کیلئے اسقدر کافی ہے کہ وہ فعل اس جماعت کے اکثر لوگوں سے صادر ہوا ہو خصوصاً اس صورت میں کہ روایت کیگئی ہے کہ جناب سلمان مدائن میں رہے تھے اور وہاں انھوں نے قبیلہ بنی کندہ میں شادی کی تھی جس سے انکے کئی اولاد ہوئی جو کئی لڑائیوں میں حضرت امیر المومنین کے ساتھ رہے تو چونکہ حضرت رسولخدا صلعم نے اسکو ملاحظہ فرمالیا تھا کہ اولاد کے اچھے کام والدین کی پاکیزہ طینت کی وجہ سے ہوتے ہیں لہذا جناب سلمان کی اولاد کے ان جہادوں کو (جو انھوں نے حضرت علی کی طرف ہو کر کیا تھا) جناب سلمان ہی کی طرف منسوب کر دیا. پس اب کوئی شبہہ نہیں ہو سکتا کہ اگر اس آیت کا جناب سلمان ہی کی شان میں نازل ہونا فرض کیا جائے جب بھی اس سے مراد حضرت علی ہی ہیں کیونکہ حضرت ہی کے پیروؤں میں جناب سلمان اور آپکی اولاد تھے جنھوں نے آپکی طرف سے جہاد کیا تھا. شیخ موحد محی الدین ابن عربی نے اپنی کتاب فتوحات مکیہ میں لکھا ہے کہ چونکہ حضرت رسولخدا صلعم خدا کے ایسے خالص بندے تھے جنکو اور جنکے اہلبیت کو خدا نے پاک و پاکیزہ کر رکھا تھا اور ان سے ہر عیب و برائی و مذمت کو دور رکھا تھا کیونکہ رجس کا معنے عرب میں برائی اور گندگی ہی ہے جیسا کہ امام فن عربیۃ فرار نے بیان کیا ہے لہذا خدا نے فرمایا انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا. یعنی اے اہلبیت خدا نے تو بس یہ طے کر رکھا ہے کہ تم سے ہر برائی اور گندگی کو دور رکھے اور تمکو ایسا پاک کرے جو پاک و پاکیزہ کرنے کا حق ہے. تو ان حضرات کی طرف نسبت بھی اسی شخص کو دیجائیگی جو پاک ہوگا اور ضروری ہے کہ وہ بھی ایسا ہی ہو کیونکہ انکی طرف وہی منسوب ہوگا جو انکے مشابہ ہو. لہذا یہ حضرت خود بھی کسی کو اسی وقت اپنی طرف منسوب کرینگے جب اسکے لئے طہارۃ اور تقدس کا حکم ثابت ہوگا. پس حضرت رسولخدا صلعم کا وہ قول بھی جناب سلمان فارسی کی طہارۃ اور حفظ الٰہی اور گویا عصمت کی شہادت ہے جو ان کے

بارے میں حضرت نے فرمایا سلمان منا اهل البیت (کہ سلمان ہم ہی اہلبیت سے ہیں) اور حضرات اہلبیت کی یہ شان ہے کہ خدا نے ان کی پاکیزہ کرنے اور ہر برائی وعیب کو ان سے دور رکھنے کی شہادت دی ہے اور حب ان اہلبیت کیطرف سوا پاکیزہ اور مقدس شخص کے کوئی منسوب بھی نہیں ہو سکتا اور ان حضرات کیطرف کسی کے صرف منسوب ہی ہو جانے سے اسکو عنایت الٰہی حاصل ہو جاتی ہے تو پھر خود ان اہلبیت کی طہارت و تقدس کی کیا حد بیان ہو سکتی ہے اور ان حضرات کی پاکیزگی اور عصمت کو کوئی کیونکر سمجھ سکتا ہے؟ کہ یہ تو ہر طرح پاک و پاکیزہ بلکہ عین طہارت اور مجسم پاکیزگی تھے۔ پھر یہی شیخ محی الدین ابن العربی کہتے ہیں کہ حضرات اہلبیت تو نص (قول خدا) سے پاک و پاکیزہ ثابت ہو چکے ہیں پھر جناب سلمان بھی انھیں کی ذیل میں جیسا ان کو ئی شک نہیں ہو سکتا اور مجھے امید ہے کہ حضرت علی اور جناب سلمان کی اولاد بھی اس عنایت الٰہی کے قریب ہونگے جسطرح یہ عنایت الٰہی حضرت علی کے معصوم صاحبزادوں امام حسنؑ و امام حسینؑ اور انکی اولاد اور انکے شیعوں تک پہونچی کیونکہ خدا کی رحمت وسیع ہے۔ پھر تم ان حضرات معصومین کے بارے میں کیا خیال کر سکتے ہو جو ہر گناہ اور برائی سے محفوظ ہیں اور اپنی حدود پر قائم ہیں اور اسکے مراسم پر ٹھہرے ہوئے ہیں ان حضرات کا شرف تو کہیں اعلےٰ واکمل ہوگا اور اس بلند درجہ تقرب خدا کے قطب یہی حضرات ہیں اور انھیں قطبوں سے جناب سلمان فارسی نے بھی اہلبیت کی منزلت کا شرف پایا اور اسی وجہ سے آپ حقوق خدا بر عباد و حقوق عباد بر خدا کے سب سے بہتر جاننے والوں اور ان حقوق کو کمال مستعدی و انہماک و پابندی سے ادا کرنے والوں میں ہوئے چنانچہ انھیں کے بارے میں حضرت رسولخدا صلعم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ لو کان الایمان بالثریا لناله رجال من فارس یعنی اگر ایمان ثریا پر بھی ہوگا تو اسکو فارس کے کچھ لوگ حاصل کر کے رہیں گے اور یہ حدیث ارشاد فرماتے وقت حضرت نے جناب سلمان فارسی ہی کی طرف اشارہ کیا تھا۔" فتوحات مکیہ کی عبارت تمام ہوگئی۔

اس آیت کی تفسیر میں جو روایتیں حضرات اہلسنت نے ذکر کی ہیں انکے لطائف سے یہ بھی ہے کہ فخر الدین رازی و بیضاوی نے لکھا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے پر حضرت نے ابو موسیٰ اشعری کی طرف اشارہ کر کے فرمایا هم قوم هذا یعنی وہ لوگ اس شخص کی

قوم ہیں۔ تو حضرت نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ شخص اور اسکی قوم ہے " بلکہ صرف انکی قوم کو فرمایا اور اسطرح ابو موسیٰ کو ان لوگوں سے علحدہ اور خارج کر دیا۔ اور اس آیت کے شرف میں ان کو داخل نہیں کیا جس سے ثابت ہوا کہ حضرت کو معلوم تھا کہ ابو موسیٰ کا آخر وقت میں برا انجام ہو جائیگا۔ اور وہ حضرت علی سے منہ پھیر لینگے (جیسا کہ جنگ صفین کے بعد قصہ تحکیم میں انھیں ابو موسیٰ نے فیصلہ کیا تھا کہ نہ حضرت علی خلیفہ رہیں نہ معویہ ہو بلکہ تیسرا شخص مقرر کیا جائے) رہی انکی قوم یعنی یمن والے تو انکے بزرگوں کی ایک جماعت اور انکے اشراف و معززین جنکا ایک ایک شخص دوسرے قبیلہ کے ہزار ہزار شخص کے برابر تھا سب کے سب حضرت علی ہی کے شیعہ تھے اور انھیں سے قبیلہ ہمدان بھی تھا اور انھیں سے اویس قرنی بھی تھے جنھوں نے جنگ صفین میں حضرت علی کے لشکر میں شہادت پائی اور جن روایتوں میں یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے اس آیت کے نازل ہونے پر فرمایا کہ وہ سلمان اور انکے لوگ ہیں تو حضرت نے جناب سلمان کی قوم کو اس حکم میں انکا تابع قرار دیا اور انکی قوم کو لفظ ذوو (لوگ) سے تعبیر فرمایا جس سے اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ جو لوگ معرفت ولایت اور احکام خدا کی پیروی میں جناب سلمان کے تابع ہونگے وہی جناب سلمان کے لوگ اور انکی قوم اور اس حکم میں داخل سمجھے جائینگے اور جو ایسے نہیں ہونگے وہ نہیں سمجھے جائینگے۔ اس مضمون کو اچھی طرح سمجھنا چاہیئے۔

امام فخر الدین رازی نے بھی اپنی تفسیر میں اس مضمون کو نقل کیا ہے کہ یہ آیت حضرت علی کی شان میں نازل ہوئی ہے لیکن چونکہ اسکو نقل کرنے کے بعد وہ شیعوں پر خوب جھکے اور اگرچہ ہیں اور اپنے تعصب سے اس مضمون پر بکثرت شکوک و شبہات کے حملے کئے ہیں لہذا ہمیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انکے کلام کو ذکر کردیں اور پھر اس کلام میں جو غلطیاں ہیں انکو بھی واضح کردیں تاکہ ناظرین شکوک وادہام کی جال میں پھنسنے نہ پائیں۔ امام صاحب تحریر فرماتے ہیں ایک جماعت نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت حضرت علی کی شان میں نازل ہوئی ہے اور اسکی دلیل دو وجہیں ذکر کی ہیں پہلی یہ کہ جب جنگ خیبر میں حضرت رسولخدا صلعم نے حضرت علی کو علم مرحمت فرمایا تو اس سے پہلے ہی فرمادیا تھا کہ لادفعن الرایۃ الی رجل یحب اللّٰہ و رسولہ و یحبہ اللّٰہ

ورسولہ یعنی اب میں اس علم کو اسے دونگا جو خدا ورسول کو دوست رکھتا ہے اور خدا ورسول بھی اسکو دوست رکھتے ہیں اور آیت زیر بحث میں بھی یہی الفاظ ہیں کہ خدا ایسی قوم کو ظاہر کردیگا جو خدا کو دوستدار رکھتے ہیں اور خدا بھی ان کو دوست رکھتا ہے لہٰذا قرآن کی تفسیر حدیث سے بہتر کیا چیز کرسکتی ہے! دوسری وجہ یہ کہ خداوندعالم نے اسکے بعد فوراً ہی جو آیت ذکر کی ہے وہ مشہور آیت ولایت یعنی انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین اٰمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون (اے ایماندارو تمھارے سرپرست تو بس یہی ہیں خدا اور اسکا رسول اور وہ ایمان والے جو نماز کو قائم کرتے اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں) ہے اور یہ مسلم ہے کہ یہ آیت حضرت علی ہی کی شان میں نازل ہوئی ہے لہٰذا اسکے قبل والی آیت (فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ) کو بھی حضرت علی ہی کی شان میں تسلیم کرنا بہتر ہے۔ اس آیت کے حضرت علی کی شان میں نازل ہونے کی جو دلیلیں دی گئی ہیں انکا خلاصہ اقوال یہی ہے مگر ہمیں فخرالدین رازی کے اس کلام اور اس آیت کے متعلق کئی امور ذکر کرنا ہیں اول یہ کہ شیعوں کا مذہب باطل کرنے کے لئے یہی آیت بہترین دلیل ہے جسکی توضیح یہ ہے کہ شیعہ کہتے ہیں جن لوگوں نے حضرت ابوبکر کو خلیفہ اور امام مانا وہ سب کافر ہوکر مرتد ہوگئے اسلئے کہ انھوں نے حضرت علی ابن ابی طالب کی امامت وخلافت پر جو نص جلی تھی اس سے انکار کردیا اور اسکو چھوڑکر اپنے نفس کی پیروی میں حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنالیا۔ پس ہم کہتے ہیں کہ اگر واقعاً ایسا ہی ہوتا جیسا شیعہ کہتے ہیں تو یقیناً خدا ایسی قوم کو لاتا جو ان (حضرت ابوبکر کو خلیفہ ماننے والے) مسلمانوں سے لڑتی اور انکو زیر کرتی اور انھیں دین حق کی طرف پلٹا لاتی کیونکہ خود خدا نے اسکا وعدہ فرمادیا ہے کہ ومن یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم تا آخر آیہ یعنی تم میں سے جو شخص اپنے دین سے مرتد ہوگا تو (کچھ پروا نہیں ہے) خدا بہت جلد ایسی قوم کو لادیگا جسکو وہ دوست رکھتا ہے اور وہ لوگ بھی اسکو دوست رکھتے ہیں۔ اور اس آیت میں لفظ "مَنْ" (جو شخص) شرط کی صورت میں عموم کیلئے ہے تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص بھی دین اسلام سے مرتد ہوجائیگا۔

اسکے زیر کرنے کے لئے خدا ایسی قوم کو ضرور لائیگا جو اُسے مغلوب کرے اور اسکی شوکت واقتدار کو باطل کر دے۔ بس جن لوگوں نے حضرت ابو بکر کو خلیفہ مقرر کیا تھا اگر وہ دین اسلام سے مرتد ہو گئے ہوتے تو اس آیہ کے حکم کے مطابق خدا پر واجب تھا کہ ایسی قوم کو لائے جو ان کو زیر کرے اور انکے مذہب کو باطل کر دے مگر واقع میں ایسا نہیں ہوا بلکہ اسکے خلاف ہی ہوا کیونکہ ہمیشہ یعنی جب سے ہمیں رافضیوں کے باطل عقائد اور انکے فاسد مذہب کا علم ہوا ہی جانتے ہیں کہ برابر رافضی لوگ ہی زیر کئے گئے اور اپنے باطل عقیدوں کے ظاہر کرنے سے برابر روکے جاتے رہے اور جو شخص انصاف سے کام لے اُس کے لئے یہ بات بالکل ظاہر ہے۔ دوسرا امر یہ کہ ہمارا دعوی ہے کہ واجب ہے اس آیت کو حضرت ابو بکر کے حق میں نازل ہونا تسلیم کیا جائے جسکی دو دلیلیں ہیں۔ پہلی دلیل یہ کہ یہ آیت مرتد لوگوں سے جہاد وقتال کرنے کے متعلق مخصوص ہے اور جیسا کہ ہم نے پہلے شرح وبسط سے ذکر کیا ہے حضرت ابو بکر ہی وہ بزرگ ہیں جو اسلام سے پھر جانے والوں (مرتدین) سے جہاد پر آمادہ ہوئے اور یہ ممکن نہیں ہے کہ اس سے مراد خود حضرت رسولخدا صلعم ہوں کیونکہ حضرت کو تو اپنی عمر میں کبھی بھی مرتد لوگوں سے جہاد کا اتفاق نہیں ہوا اور یہ بات بھی ہے کہ خدائے تعالٰے نے فرمایا ہے فسوف یاتی اللہ بقوم (خدا جلد ایسی قوم کو لائیگا) جسمیں لفظ سوف استقبال (آنے والے زمانہ) کیلئے ہے نہ کہ حال (موجودہ زمانہ) کیلئے۔ تو واجب ہے کہ جس وقت یہ آیت اُتری اور یہ خطاب نازل ہوا اسوقت وہ قوم موجود نہ ہو کیونکہ اگر وہ قوم اسوقت موجود ہو گی تو خدا کا قول غلط ہو جائیگا جو فرماتا ہے عنقریب ایسی قوم لائیگا۔ یہاں اگر کوئی کہے کہ اس سے حضرات اہلسنت ہی کا دعوی غلط ہوا جاتا ہے کیونکہ حضرت ابو بکر اس آیت کے اُترتے وقت موجود تھے اور انکو زمانہ استقبال سے تعلق نہیں تھا تو اسکے جواب میں ہم دو باتیں کہیں گے ایک یہ کہ وہ مرتد لوگ جن سے حضرت ابو بکر نے جہاد کیا آیت کے اُترتے وقت موجود نہیں تھے لہذا انکو زمانہ حال میں موجود نہیں کہہ سکتے دوسری یہ کہ آیہ کا معنے یہ ہے کہ خدا جلد ایک ایسی قوم کو لائیگا جو مرتدین سے لڑنے پر قدرت رکھتی ہوگی اور اسکا موقع اسکو ملیگا۔ اور حضرت ابو بکر اگرچہ آیت اُترتے وقت موجود تو تھے مگر اُسوقت مرتدین سے جہاد وقتال کرنے پر آمادہ نہیں تھے اور نہ امر و نہی کرنے کا انکو حق تھا لہذا اعتراض مذکور زائل ہو گیا۔ غرض یہ بات ثابت ہوگئی کہ اس آیت سے حضرت رسولخدا صلعم کسی طرح مراد نہیں ہو سکتے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ہرگز مراد

نہیں ہو سکتے کیونکہ آپکو مرتدین (اسلام سے پھر جانے والوں) سے جہاد کا اتفاق ہی نہیں ہوا۔ یہاں
اگر کوئی (شیعہ) یہ اعتراض کرے کہ ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ "حضرت علی کو مرتدین سے
جہاد کا اتفاق نہیں ہوا" اسلئے کہ آپکی امامت میں جن لوگوں نے آپ سے مخالفت کی اور حضرت
نے اُن لوگوں سے جنگ کی وہ بھی مرتد ہی تھے۔ تو ہم کہیں گے یہ اعتراض دو وجہوں سے باطل
ہے ایک یہ کہ لفظ "مرتد" صرف اُس شخص پر بولا جاتا ہے جو اسلامی شریعتوں کا تارک ہو اور اسلام
کی کسی بات کو نہ مانے اور وہ قوم جس نے حضرت علی سے مخالفت اور نزاع کی وہ بظاہر شرائع
اسلام کی تارک نہیں تھی اور کوئی شخص یہ نہیں کہتا تھا کہ حضرت علی نے ان لوگوں سے اسوجہ سے
جنگ کی کہ وہ اسلام سے خارج ہو گئے تھے اور حضرت علیؑ نے بھی اُن لوگوں کو کسی موقع پر مرتدین
کے نام سے یاد نہیں فرمایا پس ایسا اعتراض جو روافض کرتے ہیں وہ درحقیقت کل مسلمانوں بلکہ حضرت
علیؑ پر بھی افتراء و بہتان کرتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ کہ جن لوگوں نے مسئلہ امامت میں حضرت علیؑ
سے مخالفت اور نزاع کی اگر اسی وجہ سے وہ سب مرتد ہو گئے تو لازم آئیگا کہ حضرت ابو بکر اور اُس
دور کے جو مسلمان اُنکو اپنا امام مانتے تھے ان کو بھی مرتد کہا جائے۔ اور اگر ایسا ہو تو ظاہر آیت کے
مطابق خدا پر واجب تھا کہ وہ ان لوگوں سے جہاد کرنے کے لئے بھی ایک قوم کو لاتا جو ان پر قہر و
غلبہ حاصل کرتی اور ان سب کو پھر دین اسلام کی طرف پھیرتی اور چونکہ یہ واضح ہے کہ ایسا نہیں ہوا
یعنی حضرت ابو بکر پر قہر و غلبہ کرکے انھیں حضرت علی کی امامت کا قائل کرنے کیلئے کوئی قوم نہیں آئی
لہٰذا ہمیں یقین ہو گیا کہ مسئلہ امامت میں حضرت علی سے مخالفت اور نزاع کرنا ارتداد کا سبب نہیں
تھا اور آپ سے جن لوگوں نے جنگ کی وہ مرتد نہیں تھے اور جب وہ مرتد نہیں تھے تو اس
آیت کو حضرت علی کی شان میں بھی نہیں مانا جا سکتا ہے کیونکہ اسمیں تو ان لوگوں کی مدح ہے
جو مرتد لوگوں سے جہاد کرنے والے تھے۔ اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ یہ یمن والوں یا فارس والوں
کی شان میں نازل ہوئی ہے کیونکہ ان لوگوں کو بھی مرتدین سے لڑنے کا اتفاق نہیں ہوا اور
اگر ہم فرض بھی کرلیں کہ یمن والوں یا فارس والوں کو مرتدین سے لڑنے کا موقع ملا جب بھی چونکہ
وہ رعایا تابع اور پیرو تھے لہٰذا اس لڑائی میں انکے سردار اور مقتدا و پیشوا بھی حضرت ابو بکر
ہی ہونگے اور معلوم ہے کہ اس عبادت میں جو بزرگ اصل اور سردار اور پیشوا و مقتدا ہو اس کی
شان میں اس آیت کا ماننا بہتر اور اولیٰ ہے اس سے کہ یہ آیت رعایا، تابع اور پیرو لوگوں کی
شان میں مانی جائے پس ہم نے جو واضح دلیل ذکر کی اس سے ظاہر ہو گیا کہ یہ آیت خاص حضرت

ابو بکر ہی کی شان میں ہے۔ یہ تو پہلی دلیل تھی۔ دوسری دلیل اس امر کی کہ یہ آیت خاص حضرت ابو بکر ہی کی شان میں نازل ہوئی یہ ہے کہ اچھا ہم فرض کر لیتے ہیں کہ حضرت علی نے مرتدین سے جہاد اور جنگ کی تھی لیکن حضرت ابو بکر نے جو مرتدین سے اپنے زمانہ میں جنگ کی اسلام میں اسکی حالت اعلی اور اسکا موقع اکثر و بہتر تھا اُس جنگ سے جو حضرت علی نے ان لوگوں سے کی جنھوں نے حضرت سے مسئلہ امامت و خلافت میں مخالفت کی تھی جس کی دلیل یہ ہے کہ تواتر سے معلوم ہے کہ جب حضرت رسولخدا صلعم نے دنیا سے انتقال فرمایا تو عربوں میں ایک سخت اضطراب پیدا ہوا اور وہ سب سرکشی پر آمادہ ہو گئے اور حضرت ابو بکر ہی وہ بزرگ تھے جو اُن کو زیر کرنے پر آمادہ ہوئے اور مسیلمۃ الکذاب اور طلیحہ بن خویلد کا فتنہ بھی فرد کر سکے اور وہی تھے جو مرتدین کے ساتوں گروہوں سے لڑے اور وہی تھے جو ان مسلمانوں سے بھی لڑے جنھوں نے زکوۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ پس جب وہ ان کارہائے نمایاں میں کامیاب ہو گئے تو اسلام کا پاؤں جم گیا اور اسکی شوکت عظیم الشان ہو گئی اور اسکی دولت بڑھ گئی برخلاف حضرت علی کے کہ آپکو وہ زمانہ ملا جب اسلام پہلے ہی سے مشرق و مغرب میں دور دور تک پھیل چکا تھا اور دنیا کے بادشاہ مسلمانوں سے زیر ہو چکے تھے اور اسلام دوسرے دینوں اور مذہبوں پر غالب آچکا تھا پس ثابت ہوا کہ حضرت ابو بکر کا جہاد اپنی تاثیر اور حمایت و تقویت اسلام میں حضرت علی کے جہاد سے بڑھا ہوا تھا۔ اور یہ بھی طے شدہ امر ہے کہ اس آیت سے خدا کا مقصود اس قوم کی مدح و ثنا اور تعظیم و تکریم کرنا ہے جو دین کے قوی اور اسلام کی نصرۃ کرنے میں کوشش کرتے رہے تو واجب ہے۔ پس جب حضرت ابو بکر ہی اس غرض خداوندعالم میں زیادہ جاں فشانی کرنے رہے تو واجب ہے کہ اس آیت سے مراد بھی آپ ہی ہوں۔

تیسرا امر اس آیت میں یہ ہے کہ ہمارا دعوی ہے کہ اسی آیت سے حضرت ابو بکر کی خلافت اور امامت کی صحت و حقیت بھی ثابت ہوتی ہے اور وہ اس طرح کہ ہم نے جو وجہیں ذکر کی ہیں اُن سے جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ یہ آیت خاص ابو بکر ہی کی شان میں نازل ہوئی اور وہی اسکے مصداق بھی ہیں نہ کوئی اور، تو اب ہم کہتے ہیں کہ خداوندعالم نے جن لوگوں کو اس آیت سے مراد لیا ہے انکی چند صفتیں اسمیں ذکر کی ہیں پہلی صفت یہ کہ خدا اُن لوگوں کو دوست رکھتا ہے اور وہ لوگ بھی خدا کو دوست رکھتے ہیں اور ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ اس آیت سے مراد حضرت ابو بکر ہیں تو خود ہی یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ خدا کا یہ قول اللہ ان کو دوست رکھتا ہے اور وہ لوگ بھی خدا کو دوست رکھتے ہیں احضرت ابو بکر ہی کی صفت ہے اور خدا جس شخص کی صفت یہ بیان کرے محال ہے کہ وہ

ظالم ہو اور یہ بات ثابت کرتی ہے کہ حضرت اپنی خلافت و امامت میں حق پر تھے۔ دوسری صفت یہ کہ وہ لوگ مومنین کے لئے نرم اور کافرین کے لئے سخت ہیں۔ اور یہ بھی حضرت ابو بکر کی صفت ہے بسبب اسی دلیل کے جس کو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے اور اسکی تاکید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو خبر مستفیض میں وارد ہوئی ہے کہ حضرت صلعم نے فرمایا ارحم امتی بامتی ابی بکر کہ ہماری امت پر سب سے زیادہ رحم کرنے والے ہماری امت سے ابو بکر ہیں۔ تو آپ مومنین پر رحم اور شفقت کرنے اور کافروں پر سختی کرنے سے موصوف ہوئے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ ابتدائے امر میں جب حضرت رسولخدا صلعم مکہ معظمہ میں مقیم تھے اور آپ بہت ہی ضعیف و بے بس ہو رہے تھے اسوقت حضرت ابو بکر آپکی کس کس طرح حمایت فرماتے آپ سے کفار کو کیونکر دفع کرتے اور کس قدر حضرت کی صحبت میں رہتے اور آپکی خدمت کرتے اور کفار مکہ کے سرکشوں اور شیطانوں سے کسی کی بھی تو پروا نہیں کرتے تھے اور آخر وقت یعنی اپنی خلافت کے زمانہ میں بھی آپ ذرہ برابر کسی کے قول کی طرف ملتفت نہیں ہوئے اور جن لوگوں نے زکوۃ دینے سے انکار کیا تھا ان سے جنگ کرنے ہی پر اصرار کرتے رہے آخر کار نوبت یہاں تک پہونچی کہ آپ تن تنہا اس قوم سے لڑنے کے لئے نکل پڑے جس پر اکابر صحابہ آپکے پاس دوڑے آئے اور الحاح وزاری سے اور خوشامد کے ساتھ آپ کو اس ارادہ سے باز رکھا لہذا آپنے ایک لشکر ان لوگوں کی طرف روانہ کیا جسنے جا کر انھیں شکست دی اور خدا نے اس فتح کو دولت اسلام کا سہرا قرار دیا لہذا خدا کا یہ قول اذلۃ علے المومنین واعزۃ علے الکافرین حضرت ابو بکر کے سوا کسی پر چسپاں ہو ہی نہیں ہو سکتا۔ تیسری صفت یہ کہ خدا فرماتا ہے یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم وہ لوگ خدا کی راہ میں جہاد کرینگے اور کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت کی پروا نہیں کرینگے۔ تو یہ صفت حضرت ابو بکر میں بھی تھی اور حضرت علی میں بھی مگر اس میں بھی حضرت ابو بکر کا حصہ زیادہ ہے کیونکہ حضرت ابو بکر کا جہاد کفار کے ساتھ ابتدائے نشوونمائے اسلام میں بمقام مکہ معظمہ ہوا جب کہ اسلام نہایت ضعف و اضمحلال میں تھا پس حضرت ابو بکر کافروں سے اپنی قدرت کے مطابق جہاد کرتے اور اپنے امکان بھر کافروں کو آپ سے دفع فرماتے تھے برخلاف حضرت علی کے کہ آپ کا جہاد مکہ معظمہ میں کوئی بھی ثابت نہیں ہے ہاں جب حضرت ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں تشریف لائے ہیں اور کفار مکہ سے لڑائی ہونے لگی اسوقت سے آپکی اس خدمت کا آغاز ہوتا ہے چنانچہ سب سے پہلے آپ کا جہاد غزوہ بدر و غزوہ احد میں ہوا ہے اور اسوقت اسلام بہت قوی ہو گیا تھا اور اسلامی لشکر اکٹھے اور کافی تعداد میں ہو گئے تھے لہذا ثابت ہو گیا کہ حضرت

ابو بکر کا جہاد حضرت علی کے جہاد سے کامل تر تھا دو وجہوں سے ایک یہ کہ وہ حضرت علی کے جہاد سے باعتبار زمانہ کے مقدم تھا پس افضل بھی تھا کیونکہ خداوند عالم نے فرمایا ہے لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل (پارہ ۲۷ سورہ حدید آیت ۱۰) یعنی تم میں سے جو شخص فتح مکہ کے پہلے راہ خدا میں مال خرچ کرتا اور جہاد کرتا رہا اسکے برابر دوسرے لوگ نہیں ہو سکتے۔ دوسری وجہ یہ کہ حضرت ابو بکر کا جہاد حضرت رسولخدا صلعم کے ضعف وبیکسی کے وقت تھا اور حضرت علی کا جہاد اسوقت ہوا جب اسلام خود قوی ہو گیا تھا چوتھی صفت یہ کہ خدا فرماتا ہے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء یہ خدا کا فضل ہے جسکو وہ چاہتا ہے مرحمت فرماتا ہے۔ یہ بات بھی حضرت ابو بکر کے سوا کسی کے لئے نہیں کہی جا سکتی کیونکہ اسکی تاکید اس قول خداوند عالم سے بھی ہوتی ہے ولا یاتل اولی الفضل منکم والسعۃ یعنی تم میں سے جو لوگ صاحب فضل و وسعت ہیں وہ قسم نہ کھا بیٹھیں (پارہ ۱۸ سورہ نور آیت ۲۲) اور ہم نے بیان کر دیا ہے کہ ضروری ہے یہ آیت حضرت ابوبکر ہی کی نہیں یہ ہے کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ضروری ہے یہ آیت حضرت ابو بکر ہی کی شان میں مانی جائے اور جب بات یہ ہوئی تو یہ بھی ضروری ہے کہ یہ صفتیں حضرت ابو بکر ہی کی ہوں اور جب یہ ثابت ہو گیا تو واجب ہے کہ یقین کیا جائے حضرت ابو بکر کی امامت و خلافت صحیح اور برحق تھی اسلئے کہ اگر آپ کی امامت باطل ہوتی تو یہ صفتیں آپ کے لائق نہیں ہوتیں یہاں اگر کوئی شخص کہے کہ کیا یہ بات ممکن نہیں ہے کہ حضرت ابو بکر میں یہ کل صفتیں اسوقت تو پائی جاتی ہوں جب حضرت رسولخدا زندہ تھے مگر جب آپکا دنیا سے انتقال ہو گیا (اور حضرت ابو بکر کے دل میں خلافت کی طمع پیدا ہوئی) اور آپ نے اپنی خلافت و امامت شروع کی اسوقت آپ سے یہ کل صفتیں زائل اور باطل ہو گئی ہوں؟ تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ بھائی تمہارا یہ احتمال قطعاً باطل ہے کیونکہ خدائے تعالٰے نے تو فرما دیا ہے فسوف یاتی اللہ بقوم یحبہم ویحبونہ تو خود خدا ہی نے ثابت کر دیا کہ جب خدا اُن لوگوں کو آئندہ زمانہ میں ظاہر کریگا اسی وقت وہ لوگ ان صفتوں سے متصف ہونگے۔ پس یہ جملہ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ خداوند عالم گواہی دیتا ہے کہ جس وقت حضرت ابو بکر مرتدین سے جہاد کر رہے تھے اسی وقت وہ ان صفات کے متصف تھے اور وہ وقت آپکی خلافت ہی کا زمانہ تھا پس ہم نے جو ذکر کیا اس سے ثابت ہو گیا کہ یہ آیت حضرت ابو بکر کی صحت خلافت پر دلالت کرتی ہے۔ رہا رافضیوں[1] کا یہ قول کہ آیت حضرت علی کی شان

[1] فخر الدین رازی نے اس جگہ کی عبارت یہ لکھی ہے "اما قول الروافض لعنہم اللہ یعنی رافضیوں کا قول

میں نازل ہوئی ہے اس دلیل سے کہ حضرت صلعم نے جنگ خیبر میں فرمایا تھا لاعطین الرایۃ غدا رجلا یحب اللہ ورسولہ ویحبہ اللہ ورسولہ کہ میں کل یہ علم اسلام اُس مرد کو دونگا جو خدا ورسول خدا کو دوست رکھتا ہے اور اللہ ورسول بھی اسکو دوست رکھتے ہیں اور یہ مرد حضرت علی ہی تھے تو رافضیوں کے جواب میں ہم کہیں گے کہ یہ حدیث اخبار احاد سے ہے اور شیعوں کے یہاں عمل کرنے میں اخبار احاد سے تمسک کرنا جائز نہیں ہے پھر جس قسم کی حدیثوں سے اعمال میں تمسک جائز نہیں ان حدیثوں سے علم کے معاملہ میں تمسک کرنا کیونکر جائز ہوگا ؟ دوسرا جواب یہ کہ اس صفت کے حضرت علی میں پائے جانے سے یہ کیونکر معلوم ہوا کہ یہ حضرت ابوبکر میں نہیں پائی جاتی تھی (یعنی ہو سکتا ہے کہ حضرت علی میں بھی پائی جاتی ہو اور حضرت ابوبکر میں بھی) اور اگر فرض بھی کرلیا جائے کہ اس صفت کے حضرت علی میں پائے جانے سے ضروری ہوگا کہ یہ حضرت ابوبکر میں نہیں پائی جائے جب بھی یہ کیونکر ثابت ہوگا کہ یہ مجموع صفتیں حضرت ابوبکر سے خارج تھیں اور من جملہ ان صفات کے انکا کرار غیر فرار ہونا بھی ہے پس جب یہ صفت حضرت ابوبکر میں نہیں پائی گئی تو ان صفات کا مجموعہ بھی انمیں نہیں پایا گیا تو کل میں بدلیل خطاب اسقدر کافی ہے۔ رہی یہ بات کہ ان صفتوں سے کوئی صفت بھی حضرت ابوبکر میں نہیں پائی جاتی تھی تو یہ بات الفاظ حدیث سے کسی طرح ثابت نہیں ہوتی بغرض خدای تعالے نے اس صفت (محب ومحبوب خدا ورسول اور مومنین کے لئے اذلہ اور کافرین کیلئے اعزہ ہونے) کو جو آیت زیر بحث میں ہے حضرت ابوبکر میں واقعہ خیبر کے بہت زمانہ بعد یعنی اسوقت پیدا کردیا جب وہ مرتدین سے جہاد میں مشغول ہو گئے تھے۔ پس اگر ہم مان بھی لیں کہ جنگ خیبر کے وقت یہ صفت حضرت ابوبکر میں نہیں پائی جاتی تھی جب بھی اس سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ یہ آیندہ بھی انمیں نہیں پیدا ہو سکے (غرض ہو سکتا ہے بعد وفات رسولخدا حضرت ابوبکر میں یہ صفت پیدا ہو گئی ہو) علاوہ بریں ہم اہلسنت اپنے دعوی میں (کہ یہ آیت حضرت ابوبکر ہی کی شان میں نازل ہوئی ہے) ظاہر قران سے دلیل پیش کرتے ہیں اور رافضی لوگ حدیث روایت سے دلیل پیش کرتے ہیں جو اوپر ذکر کی گئی کہ وہ اخبار احاد سے ہے اور یہ حدیث ان بکثرت حدیثوں کے خلاف ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر یقینا خدا ورسول کے دوست رکھنے والے تھے اور خدا بھی اُنکو دوست رکھتا اور اُن سے راضی تھا چنانچہ خدانے حضرت ابوبکر کے بارے میں فرمایا ہے ولسوف یرضیٰ کہ ابوبکر عنقریب خوش ہو جائیں گے

(پارہ ۳۰ سورہ لیل آیت ۲۱) اور حضرت رسولخدا علیہ الصلوۃ والسلام نے بھی فرمایا ہے ان اللہ یتجلی للناس عامۃ و یتجلی لابی بکر خاصۃ کہ خدا تمام لوگوں کے لئے تو عام طور پر تجلی فرمائیگا اور حضرت ابو بکر کے لئے خاص طور پر تجلی فرمائیگا[1] اور حضرت صلعم ہی نے یہ بھی فرمایا ہے ماصب اللہ شیئا فی صدری الا وصببتہ فی صدر ابی بکر کہ خدا نے میرے سینہ میں کوئی چیز نہیں ڈالی مگر یہ کہ اس چیز کو ابو بکر کے سینہ میں بھی ضرور ڈالی ہے۔ اور یہ کل باتیں اس امر کو ثابت کرتی ہیں کہ حضرت ابو بکر یقینا خدا اور رسول کو دوست رکھتے تھے اور خدا و رسول بھی اُن کو دوست رکھتے تھے۔

دوسری وجہ اس امر کی کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے رافضی لوگ یہ بیان کرتے ہیں کہ اسکے بعد کی آیت (یعنی انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلوۃ و یوتون الزکوۃ وھم راکعون جو آیت زیر بحث کے فوراً ہی بعد ہے حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور حضرت علیؑ ہی کی خلافت و امامت ثابت کرتی ہے تو واجب ہے کہ یہ آیت زیر بحث بھی حضرت علیؑ ہی کی شان میں نازل ہوئی ہو۔ تو اس دلیل کا جواب ہماری طرف سے یہ ہے کہ ہم اسکو بھی تسلیم نہیں کرتے کہ بعد والی آیت انما ولیکم اللہ سے حضرت علیؑ کی خلافت ثابت ہوتی ہے چنانچہ اسی آیت کی تفسیر میں ہم اپنے اس دعوی کی دلیل بھی ذکر کرینگے۔ غرض اس جگہ اسی قدر بحث تھی جو ہم نے ذکر کی اور اللہ سب سے زیادہ عالم ہے"۔ امام فخر الدین رازی کا قول تمام ہوا۔ (تفسیر کبیر مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۴۱۷)

مگر ہمیں انکی اس عبارت سے کئی مقام قابل اعتراض ملتے ہیں اول یہ کہ انھوں نے جو کہا ہے کہ اگر واقعا ایسا ہی ہوتا جیسا شیعہ کہتے ہیں تو یقینا خدا ایسی قوم کو لاتا الخ، تو اسپر خود انھیں کے ہم مذہب علامہ نیشاپوری نے اپنی تفسیر میں یہ اعتراض کیا ہے کہ ولناصر مذہب الشیعہ ان یقول ما یدریک انہ تعالیٰ لا یجیئ بقوم یحاربھم ولعل المراد بخروج المھدیؑ ھو ذلک فان محاربتہ من دان بدین الاوائل ھی محاربۃ الاوائل یعنی مذہب شیعہ کے

[1] تجلی فرمانے کا مطلب مولوی وحید الزمان خاں صاحب انوار اللغۃ پارہ ۵ صفحہ ۷۴ میں یہ لکھتے ہیں فیتجلی لھم پھر پروردگار ان پر تجلی فرمائیگا یعنی ظاہر ہوگا اون کو دکھلائی دیگا ضاحکا ہنستا ہوا۔ اس حدیث میں رویت الہی اور ضحک صفت الٰہی دونوں کا ثبوت ہے منکرین صفات کی ایسی حدیثوں سے جان نکلتی ہے اور دور از قیاس تاویلات کرتے ہیں اور نام کے سنیوں کا عجب حال ہے رویت الٰہی کو تو تسلیم کرتے ہیں اور ضحک و تعجب وغیرہ دوسرے

طرفدار کہہ سکتے ہیں کہ اے فخر الدین رازی تمھیں کیا معلوم کہ خدا ایسی قوم نہیں لائیگا جو اُن مرتدین سے جنگ کریگی اور شاید حضرت امام آخر الزمان مہدی علیہ السلام کے ظاہر ہونے کا مطلب یہی ہو کہ وہی حضرت مرتدین سے جنگ کرینگے کیونکہ جو شخص ابتدائی مومنین کے عقاید کا پابند ہو اس کی جنگ در حقیقت ابتدائی مومنین ہی کی جنگ ہو گی پھر یہی علامہ نیشا پوری باوجودیکہ ظاہری اور باطنی دونوں حیثیت سے شافعی مذہب کے پابند تھے جیسا انھوں نے اپنی تفسیر کے آخر میں تصریح کردی ہے جس سے وہ اس میں متہم نہیں ہو سکتے اور اُن کے ہم مذہب متعصب لوگ بھی ان کے اس حال سے واقف ہیں اپنے اس اعتراض کا عذر بھی ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ ھذا انما ذکرتہ بطریق المنع لا لاجل العصبیۃ والمیل فان اعتقاد ارتداد الصحابۃ الکرام امر فظیع واللہ اعلم انتھٰی کہ ہم نے یہ جو ذکر کیا تو صرف عقلی حیثیت سے امام فخر الدین رازی پر جو اعتراض ہوتا ہے اسکو ظاہر کردیا ہی ورنہ یہ کہ ہمیں کچھ تعصب یا شیعوں کی طرف میلان ہو کیونکہ صحابہ کرام کے مرتد ہو جانے کا اعتقاد نہایت ہولناک امر ہے واللہ اعلم انتھٰی (تفسیر نیشا پوری برحاشیہ تفسیر طبری مطبوعہ مصر جلد ۶ صفحہ ۱۴۴)۔

اور علامہ نیشا پوری کی اس عبارت پر بعض ناظرین نے یہ اعتراض کیا ہے کہ حق وہی ہے جو ناصر الاسلام و امام علامہ فخر الدین رازی نے لکھا ہے۔ رہا وہ شبہہ جو اس فاضل نیشا پوری نے شیعوں کی حمایت میں ذکر کیا ہے وہ نہایت فاحش بیہودہ اور شنیع کلام ہے جس کو اہل دیانت سے کوئی شخص بھی زبان سے نہیں نکال سکتا۔ اور کاش کوئی شخص مجھے بتاتا کہ آخر زمانہ میں جب ایام دنیا کا اکثر حصہ گزر جائیگا اور صحابہ و تابعین اور انکے بعد والوں سے بھی دنیا خالی ہو جائیگی اور قیامت کی نشانیاں ظاہر ہونے لگیں گی اسوقت حضرت مہدیؑ جہاد کرینگے بھی تو اس سے کیا نفع ہوگا حالانکہ احادیث سے یہ بھی نہیں ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس غرض کے لئے ظاہر ہونگے۔ انتھٰی۔ ہم شہید ثالث علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ حق اور انصاف کی بات وہی ہے جسکو خدا نے علامہ نیشا پوری کی زبان پر جاری کردیا اگرچہ وہ بھی مخالفین شیعہ ہی سے ہیں مگر ان کی یہ بات مذہب شیعہ کے فائدہ ہی کی ان سے نکل گئی ہے اور ہم ان کی بات کو حق اسوجہ سے سمجھتے ہیں کہ صحابہ و تابعین مرتدین کا زمانہ گزرنے کے بعد ان سے انتقام لینے کے لئے جہاد کرنا آیہ زیر بحث کے مطلب کے خلاف اُسوقت ہوگا جب اُسوقت ان صحابہ و تابعین سے کوئی شخص موجود نہیں ہوگا لیکن جب یہ بات

مسلم ہے کہ آخر زمانہ میں رجعت ہوگی جسکا ثبوت قرآن مجید اور احادیث جناب رسالتمآب صلعم میں بھرا ہوا ہے تو اس بنا پر شیعوں کے یہاں یہ بھی طے ہوگیا ہے کہ جس وقت حضرت امام آخرالزمان مہدی علیہ السلام ظاہر ہونگے اسوقت ان مرتد صحابہ کی ایک جماعت بھی رجعت سے زندہ ہوگی جنکے پاس حضرت مہدیؑ تشریف لیجائینگے اور ان سے شدید ترین انتقام لینگے اور اس کی تائید اُس مضمون سے ہوتی ہے جسکو شیخ الموحدین محی الدین ابن عربی نے اپنی کتاب فتوحات مکیہ کے تین سو چھیاسٹھویں باب میں حضرت مہدی کی صفات اور آپ کے ظاہر ہونے کی علامتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ خدا کا ایک خلیفہ زمین پر ظاہر ہونے والا ہے جو حضرت رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ کی عترت اور حضرت فاطمہ زہرا کی اولاد سے ہونگے انکا نام حضرت رسولخدا صلعم کا نام (یعنی محمد) ہوگا وہ حضرت امام حسین بن علی ابن ابی طالب کی نسل میں ہونگے اور رکن و مقام کے درمیان لوگوں سے بیعت لینگے صورت میں حضرت رسولخدا صلعم کے مشابہ ہونگے اور اخلاق و سیرت میں حضرت ہی کی منزلت پائینگے۔ اسی وجہ سے سب لوگوں سے زیادہ سعادتمندی حاصل کرنے والے اہل کوفہ ہونگے۔ آپ پانچ یا سات یا نو سال تک زندہ رہینگے جزیہ کو موقوف کردینگے اور خدا کی طرف لوگوں کو دعوت دینگے اور کل باطل مذہبوں کو دنیا سے نیست و نابود کردینگے کہ اس وقت سوا خالص دین حق کے اور کوئی مذہب باقی نہیں رہیگا حضرت کے دشمن وہ لوگ ہونگے جو علماء اہل اجتہاد اور پیشوایان دین کے مقلدین ہونگے کیونکہ وہ دیکھیں گے کہ جو مذہب انکے عالموں اور پیشوایان دین کا تھا اسکے خلاف حضرت مہدی حکم دینگے تو وہ لوگ حضرت کے مذہب میں اپنے نفس پر بڑا جبر کرکے داخل ہونگے کیونکہ آپکی تلوار کا خوف ان پر چھایا ہوگا۔ مگر عامہ مسلمین کو خواص مسلمین سے زیادہ آپکے ظہور سے خوشی ہوگی۔ اہل حقائق سے جو لوگ عارفین ہیں وہ آپکی بیعت کرینگے کیونکہ تو آپ کی زیارت سے مشرف ہوکر اور کچھ کشف سے جسکی تعریف خدا ہی انکے دل میں پیدا کریگا (یعنی ان لوگوں کے دل میں خدا بطور کشف واضح کردیگا کہ فلاں بزرگ جو اس مقام پر ظاہر ہوئے ہیں حضرت مہدی امام آخرالزمان ہیں تو وہ لوگ بغیر حضرت کی زیارت حاصل کئے انکی بیعت کرلینگے) ان حضرت کے لئے خدا اپنے ایسے مقرب اور برگزیدہ لوگوں کو مقرر کریگا جو آپکی دعوت قایم کرینگے اور آپکی مدد کرتے رہینگے" اسقدر لکھکر پھر ایک ورق یا صفحہ بعد ممدوح لکھتے ہیں "حضرت کا اثر ایسا تیز ہوگا کہ اگر آپکے ہاتھ پر تلوار نہیں ہوگی

تو اس زمانہ کے فقہاء اور پیشوایان دین حضرت کے قتل کا فتویٰ دیتے جیساکہ حنفی اور شافعی اکثر مسئلہ میں ایک دوسرے کو قتل کرتے ہیں جسمیں انکا اختلاف ہوتا ہے لیکن خدا حضرت کو تلوار اور بزرگی کی وجہ سے غالب کر کے رکھیگا تو وہ لوگ حضرت کی اطاعت کریں گے آپ سے ڈرینگے اور آپکے حکم کو قبول کرینگے بغیر ایمان کے بلکہ دلمیں آپکی مخالفت پوشیدہ رکھکر۔ اور جب حضرت ان لوگوں کو انکے سابق مذہب کے خلاف دین و شریعت کی تعلیم کرینگے تو وہ لوگ آپکے بارے میں اعتقاد کرینگے کہ اس تعلیم میں آپ گمراہی اور غلطی پر ہیں اسلئے کہ اُن کا اعتقاد تو یہ ہوگا کہ صاحبان اجتہاد ختم ہوگئے اور انکا زمانہ گزر گیا اور دنیا میں اب کوئی مجتہد باقی نہیں ہے اور ان کے اماموں اور مجتہدوں کے بعد خدا کسی ایسے شخص کو پیدا نہیں کریگا جو درجہ اجتہاد پر فائز ہو سکے اور جو شخص ان لوگوں کے سامنے اس کا دعوے کریگا کہ وہ احکام شرعیہ کو خدائی تعلیم و تعریف سے سمجھتا ہے اسکو وہ مجنوں اور فاسد الخیال سمجھنے لگیں گے جسکی بات کی طرف اعتنا بھی نہیں کرینگے۔ دوسرا مقام قابل اعتراض یہ کہ امام فخر الدین رازی نے جو کہا کہ اگر واقعاً ایسا ہی ہوتا تو خدا یقیناً ایسی قوم کو لاتا الخ " تو اسکی رد اس طرح ہے کہ آیت مذکورہ میں اسکا کوئی ذکر نہیں ہے کہ خدا ایسی قوم کو لائیگا جو مرتدین سے تلوار و نیزہ کے ساتھ جہاد کرینگے اور ان پر غلبہ حاصل کرینگے جیساکہ ان امام فخر الدین رازی صاحب کا کلام ہے بلکہ آیت مذکورہ کا صاف و صریح مطلب صرف یہ ہے کہ مرتدین کے مقابلہ میں خدا ایسی قوم کو لائیگا جو دین میں راسخ ہونگے اور حق و یقین کے ساتھ انکی تائید کی گئی ہوگی خواہ ان دونوں جماعتوں کے درمیان جنگ واقع ہو یا نہیں اس صورت میں جایز ہے کہ خدا کبھی تو ایسی قوم لائے جو دین کی مدد اور مرتدین سے جہاد تلوار اور نیزے کے ساتھ کرے اور کبھی ایسی جماعت کو برآمد کرے جنکی مدد حجت و برہان سے کی گئی ہو اور اپنی قوت احقاق وطاقت استدلال سے دین حق کی حمایت کرے مگر بات یہ ہے کہ جب شیعوں نے حضرات اہلسنت کو دیکھا کہ یہ اس آیت کا مطلب یہی قرار دیتے ہیں کہ وہ قوم مرتدین سے تلوار اور نیزے کے ساتھ جہاد کریگی تو انھیں کے اصول کے مطابق اسکا جواب یہ دیا کہ اگر تم تلوار و نیزے ہی سے جہاد کرنے کو مانتے ہو تو جایز ہے کہ اس صورت میں بھی اس آیت سے مراد حضرت علی ہی ہوں کیونکہ حضرت ہی نے اصلی مرتدین ناکثین و قاسطین و مارقین سے جہاد کیا تھا۔ پس امام رازی کا یہ قول "جو شخص بھی

بھی دین اسلام سے مرتد ہو جائیگا اس کے زیر کرنے کیلئے خدا ایسی قوم کو ضرور لائیگا جو اسے مغلوب کرے،، باطل ہو گیا جیسا کہ تم دیکھتے ہو۔ اسی طرح انکا بعد والا قول خدا پر واجب تھا کہ ایسی قوم کو لائے جو ان کو زیر کرے اور انکے مذہب کو باطل کر دے،، بھی غلط ہو گیا کیونکہ ہم پہلے بیان کر چکے کہ آیت کا حکم عام ہے اور خاص تلوار و نیزے سے ہی جہاد کرنے سے متعلق نہیں ہے مگر یہ کہ کہا جائے امام رازی کا مطلب بھی یہی ہے کہ حجت و برہان اور احقاق و استدلال سے ان کو زیر کرے نہ تلوار و نیزے سے تو الحمد للہ یہ بات ہر زمانہ میں شیعوں ہی کو حاصل رہی ہے خدا انکی برابر تائید کرتا رہے اور انکو ہمیشہ ہر جگہ غالب ہی رکھے اور اسی وجہ سے تم دیکھتے ہو کہ ان بزرگ نے جنکو لوگ امام رازی کہتے ہیں اس موقع پر اس ایک آیت مبارکہ سے شیعوں کی حقیقت ثابت ہوتے اور انکے مذہب کی صحت واضح ہوتے دیکھکر کس قدر اپنی عقل کی بولائی دکھائی چاہی اور آپ کے مزاج میں کیسا ہیجان پیدا ہوا اور کس طرح کا بے ربط کلام کرنے لگے بلکہ اس ایک آیت کے متعلق آپ اپنے آپے سے گزر گئے اور اپنی کتاب کے اوراق کو ان باتوں سے سیاہ کر دیا جو کسی طرح بھی منہ سے نکالنے قابل نہیں تھیں اور انھیں یقینا یہ بات معلوم تھی کہ اس دلیل میں وہ شیعوں کا مقابلہ کسی طرح نہیں کر سکتے اور اس بحث میں یقینا شکست پائیں گے لیکن مذہب باطل کی حمایت و تائید کی ہوس نے انکو مکابرہ و ہٹ دھرمی کی بدترین صورت پر آمادہ کر دیا تھا۔ تیسرا مقام یہ کہ انھوں نے یہ جو کہا۔ واقع میں ایسا نہیں ہوا بلکہ اس کے خلاف ہی ہوا کہ رافضی لوگ ہی برابر زیر کئے گئے،، تو معلوم ہوتا ہے آپ کو خلاف ہونے کا مطلب ہی نہیں معلوم ہے کیونکہ خلاف تو اسوقت ہوتا جب حضرات اہلسنت یہ حکم صادر کرتے کہ مسئلہ امامت میں ان لوگوں کی مخالفت کرنے کی وجہ سے شیعہ مرتد ہو گئے لیکن ایسا حکم نہ تو انھیں (امام رازی) نے دیا نہ انکے یہاں فروع دین سے ہے جیسا کہ گزرا تو وہ مجتہد جو فروع دین سے کسی امر میں مخالف ہو فاسق تک نہیں ہو سکتا اور نہ اسکے مقلدین ہی فاسق ہونگے چہ جائیکہ وہ لوگ مرتد سمجھے جائیں۔ تو شیعوں کے بارے میں آپ زیادہ سے زیادہ بس یہی ثابت کر سکتے ہیں کہ وہ لوگ اپنے زمانہ کے مرتد ظالم اور جابر قاہر حاکموں کے ظلموں سے چور چور کئے گئے اور اسوقت ان بیچاروں نے صبر کر کے صرف اپنے امام زمانہ کے ظاہر ہونے کا انتظار کیا اور اس وقت کے پہنچنے کی دعا کرتے رہے جس کے بارے میں خدا نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ عنقریب ایسی قوم کو لائیگا جو خدا کو محبوب ہوگی اور وہ قوم بھی خدا کو دوست رکھتی ہوگی اور اسی وجہ سے

شیخ محی الدین ابن العربی نے فتوحات مکیہ میں لکھا ہے کہ حضرت مہدی کی وجہ سے سب سے زیادہ سعادتمندی حاصل کرنے والے شیعیان کوفہ ہونگے" جیسا کہ ابھی گزرا تو اسکو خوب سمجھو اور امام رازی صاحب نے یہ جو کہا کہ رافضی لوگ اپنے عقیدوں کے ظاہر کرنے سے روکے گئے" تو یہ بھی دعوی بے دلیل ہے اور اگر ہم اسکو تسلیم بھی کر لیں تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ خدا کی عادت یہی جاری ہوئی ہے کہ شیعوں کے مستحکم عقاید اور زبردست دلائل و براہین کو ملحدین مرتدین تک دین مبین کی نصرت کے لئے پہنچا دیتا ہے جیسا شیعوں کے اس قول کو امام فخر الدین رازی تک پہنچا یا وہ وعدہ وفا کرنے کے لئے جسکو اس آیت میں فرمایا ہے وکان حقا علینا نصر المومنین کہ مومنین کی مدد کرنا ہم پر لازم و واجب ہے چوتھا مقام یہ کہ یہ جو کہا کہ حضرت ابو بکر ہی وہ بزرگ ہیں جو اسلام سے پھر جانے والوں سے جہاد پر آمادہ ہوئے" تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ یہ کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو بکر نے جن لوگوں سے جہاد کیا وہ اہل ردہ (یعنی اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو جانے والوں) سے تھے چنانچہ پہلے یہ بیان گزر چکا ہے کہ جن لوگوں سے حضرت ابو بکر اور انکے اصحاب نے جنگ کی اور جنکو یہ لوگ بار بار اہل ردّہ اہل ردہ کہتے پھرتے ہیں انکی دو قسمیں تھیں ایک قسم تو وہ لوگ تھے جو کبھی مسلمان ہوئے ہی نہیں تھے اور ہمیشہ کافر ہی رہے مسیلمۃ الکذاب اور اسکے پیروان یا سجاح اور اسکے تابعین وغیرہ تو یہ سب حربی کافر تھے جنھوں نے ایک منٹ کیلئے بھی اسلام نہیں قبول کیا تھا تو انکو اہل ردہ یا مرتد کہہ نہیں سکتے اسلئے کہ مرتد تو زبان عرب اور زبان لغت اور زبان شرع میں اسی کو کہتے ہیں جو پہلے مسلمان رہا ہو اور پھر اسلام کو ترک کر کے اس سے پھر جائے اور غیر مسلم ہو جائے پس ان لوگوں سے حضرت ابو بکر کا لڑنا کسی طرح مرتدین سے جہاد کرنا نہیں کہا جا سکتا دوسری قسم وہ لوگ تھے جنھوں نے اپنی زکوۃ روک لی تھی اور کہتے تھے کہ وہ اسے ابو بکر کو ادا نہیں کرینگے اور اس مال زکوۃ کو انھوں نے اپنی قوم کے فقراء و مساکین پر تقسیم کر دیا تھا کیونکہ انکا اعتقاد یہ تھا کہ حضرت ابو بکر خلافت کے مستحق نہیں ہیں لہذا انھیں زکوۃ دینا بھی جائز نہیں ہے اور حقیقی خلیفہ جنکی خلافت پر خدا و رسول صلعم نے نص کر دی ہے حضرت علی ہیں جیسا کہ پہلے تفصیل سے گزرا تو یہ بات بھی یعنی زکوۃ کا حضرت ابو بکر کے ہاتھ میں نہ دینا انکے مرتد ہونے کا سبب نہیں قرار پا سکتی (کیونکہ دنیا میں کڑوروں مسلمان مر گئے اور زندہ ہیں جنھوں نے کبھی زکوۃ نہیں دی تو کیا اسکی وجہ سے وہ مرتد کہے جائینگے؟)

غرض حضرت ابو بکر کا مرتدین سے لڑنا کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتا۔ پانچواں مقام یہ کہ امام رازی نے یہ جو کہا کہ "وہ مرتد لوگ جن سے حضرت ابو بکر نے جہاد کیا آیت کے اترتے وقت موجود نہیں تھے" تو اسکا باطل ہونا بھی ظاہر ہے کیونکہ جن مخالفین حضرت ابو بکر کو یہ لوگ مرتدین کے نام سے یاد کرتے ہیں انکے سردار تو مسیلمۃ الکذاب اور سجاح مدعیان نبوت تھے اور یہ دونوں حضرت رسولخدا صلعم کی زندگی میں یعنی آیت مذکورہ اترتے وقت موجود تھے اور قبیلہ بنی حنیفہ (جس نے زکوۃ دینے سے انکار کیا تھا اس) کا سردار مالک ابن نویرہ تو صحابہ میں تھا۔ یہی بات قبیلہ بنی کندہ کے متعلق بھی ہے کہ اسکا سردار اشعث بن قیس تھا جو (حضرات اہلسنت کے قول کے مطابق) مرتد ہوا اور پھر حضرت ابو بکر نے اپنی بہن اس سے بیاہ دی جس سے یہ خلیفہ صاحب کا بہنوئی ہو گیا۔ غرض یہ سب موجود تھے پھر خدا نے یہ کیوں فرمایا کہ وہ اس قوم کو بعد میں لائیگا؟ چھٹا مقام یہ کہ جو کہا "حضرت ابو بکر آیت اترنے کے وقت موجود تو تھے مگر اسوقت مرتدین سے جہاد و قتال کرنے پر قادر نہیں تھے" تو اگر اس سے آپکی مراد یہ ہے کہ حضرت ابو بکر خود بنفس نفیس جہاد پر قادر نہیں تھے تو وہ ہمیشہ ایسے ہی رہے یعنی کبھی بھی اپنی تنہا ذات سے جہاد پر قادر نہیں ہوئے کیونکہ آپ تو صرف جناب رسالتمآب صلعم کے لشکر کے ساتھ رہنا ہی جانتے تھے آپ کی ذات سے تو کوئی غزوہ بھی فتح نہیں ہو سکا۔ غرض آپ عضو معطل رہتے تھے بلکہ اس سے بھی ایک زینہ بڑھ کر کیونکہ عضو معطل تو جنگ سے بھاگتا نہیں ہے۔ لیکن آپ اکثر ایسا کرتے تھے۔ اور اگر اس سے مراد یہ ہے کہ آپ مہاجرین و انصار کی مدد کے ساتھ بھی جہاد پر قادر نہیں تھے تو ہم کہینگے کیوں نہیں تھا؟ بیشک حضرت رسولخدا صلعم کی زندگی میں ایسے جہاد کی قدرت حاصل تھی بلکہ کچھ زیادہ ہی تھی کیونکہ یہ حضرات یعنی ابو بکر اور جماعت مہاجرین و انصار جنہوں نے عہد خلیفہ اول میں ان مرتدین سے جہاد کیا حضرت رسولخدا صلعم کی زندگی میں موجود اور آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر رہتے تھے پھر اسکا کیا مطلب کہ خدا مرتدین کو یوں ڈرائے کہ جب آنحضرت صلعم کا انتقال ہو جائیگا تب وہ ایسی قوم لائیگا جو ان سے جہاد کریگی؟ آخر اس حکم کو آنحضرت صلعم کے انتقال کے بعد والے زمانہ سے مخصوص کرنے کی کیا مصلحت ہے؟ علاوہ بریں آپ کا یہ جواب ان لوگوں سے متعلق نہیں ہو سکتا جنہوں نے زکوۃ دینے سے انکار کیا تھا کیونکہ آیت مذکورہ نازل ہوتے وقت تو ان لوگوں نے زکوۃ روکی ہی نہیں تھی

پھر آپ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ حضرت ابو بکر اسوقت ان مرتدین سے جنگ و جدال کرنے پر قادر ہی نہیں تھے اسلئے کہ کسی کام پر قادر اور آمادہ ہونے کے لئے تو ضروری ہے کہ وہ کام پہلے سے موجود ہو (پس یہاں زکوۃ کا روکنا تھا ہی نہیں تو اس پر جنگ و جدال کی قدرت و آمادگی ہونے یا نہ ہونے کی بحث ہی نہیں پیدا ہو سکتی ہے) جیسا کہ پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ ساتواں مقام یہ کہ یہ جو کہا، "لفظ مرتد صرف اُس شخص پر بولا جاتا ہے جو اسلامی شریعتوں کا تارک ہو،" تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ ناکثین۔ قاسطین اور مارقین (جن سے حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اپنی ظاہری خلافت میں جہاد کیا) شیعوں کی تحقیق میں مرتدین تھے کیونکہ انھوں نے اسلام و ایمان کے اصول دین سے پانچویں اصل یعنی امامت کا انکار کیا تھا اور اس مسئلہ کے اصول دین سے ہونے کی بحث اس کتاب کے باب الامامۃ کے شروع میں مفصل طور پر لکھدی گئی ہے اسے دیکھنا چاہیے۔ آٹھواں مقام یہ کہ یہ جو کہا کہ "کوئی شخص یہ نہیں کہتا کہ حضرت علی نے اُن لوگوں سے اسوجہ سے جنگ کی کہ وہ اسلام سے خارج ہو گئے تھے،" تو اگر اس سے آپکی مراد یہ ہے کہ اہلسنت میں سے کوئی شخص نہیں کہتا تو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ہاں ایسا ہی ہے اور اسکی وجہ ظاہر ہے کیونکہ ان لوگوں نے امامت کو فروع دین سے قرار دے رکھا ہے جیسا اوپر بیان کیا گیا لیکن یہ بات ہم پر حجت نہیں ہو سکتی۔ اور اگر آپ کی مراد یہ ہے کہ حضرت علی اور انکے شیعہ جو امامت کو اصول دین سے مانتے ہیں ان میں سے کوئی شخص ایسا نہیں کہتا تو یہ غلط ہے جسکی سند وہ مضمون ہے جو حضرت علی سے روایت کیا گیا ہے کہ حضرت نے جنگ جمل میں فرمایا اُس آیت والوں سے جہاد نہیں کیا گیا مگر آج ہی کے دن، اور اسکی تائید حدیث حوض کے مضمون سے بھی ہوتی ہے جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں روایت کی گئی ہے اور وہ حدیث مشہور ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ صحابہ سے بعض لوگ مرتد ہو گئے تھے اور دونوں کتابوں کی روایتوں کو جناب علامہ علیہ الرحمۃ عنقریب بیان کرینگے[1]۔ اور حدیث طیر کی تحقیق میں انشاء اللہ ہم تملوگوں کو اس

[1] چونکہ اس ترجمہ میں وہ حدیث ابھی دیر میں آئیگی لہذا مختصر طور پر یہاں بھی نقل کردی جاتی ہے صحیح بخاری مطبوعہ دہلی پارہ ۱۳ صفحہ ۲۳۱ میں ہے عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم ان اناسا من اصحابی یوخذ بہم ذات الشمال فاقول اصحابی اصحابی فیقول انہم لم یزالوا مرتدین علی اعقابہم اور پارہ ۲۷ صفحہ ۲۱۳ میں ہے انا فرطکم علی الحوض ولیرفعن رجال منکم ثم لیختلجن دونی فاقول یا رب اصحابی فیقال انک لا تدری ما احدثوا

م بعدک آنحضرت نے فرمایا میری

نکتہ پر بھی مطلع کرینگے جس سے اُس جماعت کا آسانی سے پتہ لمجائیگا جسکا وصف خدا سبحانہ
نے اس آیت میں محبت کے ساتھ کیا ہے اور اسی محبت سے اپنے حبیب کا اسم گرامی مشتق کیا
ہے تاکہ اس نکتہ سے تملوگ اس نسبت کی حقیقت پر واقف ہوجاؤ جو حضرت رسولخدا صلعم اور
انکے وصی یعنی نبی خدا اور ولی خدا میں ہے اور ہر شخص پر یہ امر ظاہر و واضح ہوجائے کہ امامت کا
انکار بعینہٖ نبوت کا انکار ہے اور نبوت کا انکار گویا خدا کی خدائی سے انکار کرنا ہے تب یہ بات
ثابت ہوجائیگی کہ امام کی معرفت اور انکے حق کا اعتراف جزو ایمان ہے اور اگر ایسا نہیں ہوتا
تو خدا انکے انکار کرنے والوں پر ارتداد کا حکم نہ کرتا (یعنی ان کو مرتد نہ کہتا) اسلئے کہ آیت مذکورہ
کے معنے ومقصود کا خلاصہ ان لوگوں کو ڈرانا اور دھمکی دینا ہے جو معرفت امام سے انکار کرتے
اور اس طرح دین اسلام سے خارج ہوکر مرتد ہوجاتے ہیں تو خدا ان منکرین کو اس طرح دھمکاتا
ہے کہ وہ عنقریب ایک ایسی جماعت کو ظاہر کرے گا جو امام کو پہچانینگے اور انکے حق کا اعتراف
کرینگے انھیں خدا دوست رکھیگا اور وہ لوگ بھی خدا کو دوست رکھینگے اور خدا کے دوست
رکھنے کی وجہ سے وہ امام سے بھی محبت رکھینگے اور انکی مودت پر قائم رہینگے اور انکے دشمنوں
سے بیزاری چاہتے رہینگے۔ اے اللہ تو ہمیں بھی انھیں لوگوں کے زمرہ میں قرار دے
جن پر تو نے اسوجہ سے اپنی نعمت نازل کی کہ وہ تیرے دوستوں کو دوست رکھتے اور تیرے
دشمنوں سے برأت ظاہر کرتے ہیں یقیناً تو ہر چیز پر قادر اور اس دعا کے قبول کرنے اور اپنا
تفضل ظاہر کرنے کے لئے سزاوار ہے۔ نواں مقام یہ کہ آپ نے یہ جو کہا کہ "جن لوگوں نے
مسئلہ امامت میں حضرت علی سے مخالفت اور نزاع کی اگر وہ سب مرتد ہوگئے الخ" تو اسکا
جواب تمکو پہلے ہی اس مضمون سے جسکو ہم نے پہلے ذکر کیا اور تفسیر نیشاپوری سے نقل کردیا ہے
معلوم ہوچکا ہے دسواں مقام یہ کہ یہ جو کہا کہ "حضرت ابوبکر کی جنگ علی اور اسکا موقع اکثر
و بہتر تھا اس جنگ سے جو حضرت علی نے کی الخ" تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت والا پہلے
آپ یہ تو ثابت کریں کہ حضرت ابوبکر نے اپنی خلافت میں مرتدین سے کوئی جنگ کی بھی ابھی
تو آپکے پاس اسی کا کوئی ثبوت نہیں ہے جب یہ ثابت ہوجائیگا اسوقت اسمیں بحث کیجئے گا
کہ انکی جنگ بہتر وا علیٰ تھی چنانچہ ہم نے ابھی واضح کردیا کہ حضرت ابوبکر نے ایک مرتد سے بھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اصحاب سے کئی لوگوں کو فرشتے پکڑ کر جہنم کی طرف لیجائینگے تو میں چلاؤنگا کہ یہ
میرے صحابہ ہیں میرے صحابہ ہیں تو خدا فرمائیگا یہ برابر مرتد ہوتے رہے (اسوجہ سے جہنم میں ضرور ڈالے جائینگے) ۱۲

جنگ نہیں کی وہ جو کچھ لڑے یا کفار سے جو مسیلمۃ الکذاب و سجاح مدعیان نبوت کے
پیرو تھے یا مومنین سے جنھوں نے حضرت ابوبکر کو خلیفہ نہیں مانا اور اسوجہ سے انکے
ہاتھ میں زکوۃ نہیں دی اور ان دونوں جماعتوں سے کوئی بھی مرتد نہیں تھی علاوہ بریں
حضرت ابوبکر کی جنگ حضرت علی کی جنگ سے اعلے و افضل کیونکر ہوسکتی ہے کیونکہ حضرت
علی نے تو اپنے زمانہ میں اکابر و سردار ان قریش کے مرتدین سے جو بڑے صاحب
شوکت و اقتدار اور جمعیت و قوت تھے۔ خود بہ نفس نفیس جنگ کی اور حضرت ابوبکر خود تو گھر
کے اندر تشریف رکھتے تھے اور اصحاب نبی کی جماعتوں اور لشکر دلگوان کمزور بے حقیقت
اور ضعیف و ناتوان لوگوں سے لڑنے کو بھیجدیتے تھے جنکے پاس نہ قوت تھی نہ آلات حرب نہ
جمعیت نہ سامان جنگ۔ تو خود میدان جنگ میں دشمنوں سے لڑنے والے کے مقابلہ
میں وہ کیونکر پیش ہو سکتا ہے جو گھر میں بیٹھا رہے کیا خدا کا یہ قول بھول گئے وفضل اللہ المجاہدین
علے القاعدین اجرا عظیما۔ یعنی خدا نے جہاد کرنے والوں کو خانہ نشینوں پر ثواب عظیم
کے اعتبار سے بڑی فضیلت دی ہے (سورہ نساء آیت ۹۵) گیارہواں مقام یہ کہ یہ جو کہا
کہ "حضرت ابوبکر کی جنگ سے اسلام کا پاؤں جم گیا اور اسکی شوکت عظیم الشان ہوگئی الخ"
تو یہ بھی قابل تسلیم نہیں ہے کیونکہ اس جنگ سے اسلام کو تو کوئی بھی نفع نہیں ہوا ہاں خود ابوبکر کی
خلافت مستحکم ہوئی اور انکی سلطنت عظیم الشان ہوگئی اسلئے کہ وہ لوگ جو مرتد نہ تھے تو انھیں کی خلافت
سے انکار کرتے اور انکے ہاتھ میں زکوۃ دینے سے رکتے تھے اور انکے اوپر ہی قرآنی
کو اس طرح ابھارتے تھے کہ دیکھو یہ خلافت حضرات اہلبیت کا حق ہے جس پر بغیر حکم خدا و رسول
کے حضرت ابوبکر قبضہ کرنا چاہتے ہیں چنانچہ اس کا بیان تفصیل سے اوپر گزر چکا۔ پھر حضرت
ابوبکر کی خلافت کے مستحکم ہونے کو اسلام کی قوت سے کیا رابطہ؟۔ بارہواں امر یہ کہ امام
صاحب نے یہ جو کہا حضرت علی کے زمانہ میں اسلام پھیل چکا تھا۔ تو حقیقت یہ ہے کہ صرف
عوام کا اسلام پھیلا تھا۔ رہے خواص جیسے قریش یا جو انکے ہم نفیر تھے اور وہی اسلامی
لشکروں کے رکن اعظم تھے ہم فرض کرتے ہیں کہ وہ سب حضرت رسولخدا صلعم کی وفات پر
مرتد ہوگئے تھے تو ان لوگوں سے معاملہ اب زیادہ اہم ہو گیا تھا اور ان سے جنگ زیادہ
دشوار اور صعب ہوگئی تھی چنانچہ جو لوگ جنگ جمل و جنگ صفین کے مفصل واقعات سے
واقف ہیں اور ان لڑائیوں میں قریش کی طرف سے جو سخت مقابلہ کیا گیا اسکو جانتے ہیں

میں یہ ہمارے دعوے کی حقیقت پوشیدہ نہیں رہیگی۔ تیرہواں مقام یہ کہ یہ جو کہا "جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ آیت خاص ابو بکر ہی کی شان میں نازل ہوئی ہے" تو اس کا جواب یہ ہے کہ جناب عالی ثبت العرش ثم انقش پہلے آپ اسکو تو ثابت کیجئے کہ یہ آیت حضرت ابو بکر کی شان میں نازل ہوئی اسکے بعد اس کے نتیجہ کو ثابت کیجئے گا۔ یہی بات دوسری صفت کے متعلق بھی ہے کہ اسکو پہلے ثابت کر لیجئے پھر آگے بڑھئیگا۔ چودہواں مقام یہ کہ یہ جو کہا۔ "اسکی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو خبر مستفیض میں وارد ہوئی ہے کہ ارحم امتی بامتی ابو بکر" تو عجب تماشہ کی بات ہے کہ جس حدیث خیبر کو شیعہ خود حضرات اہلسنت ہی کی سیکڑوں معتمد کتابوں سے پیش کرتے ہیں (کہ آنحضرت نے فرمایا کل میں یہ علم اس شخص کو دونگا جو خدا اور رسول کو دوست رکھتا ہے اور خدا اور رسول بھی اسکو دوست رکھتے ہیں) اور وہ جب کتابیں آپکے یہاں صحیح مانی جاتی ہیں اس حدیث کو تو آپ اخبار احاد سے فرمائیں اور اسوجہ سے ناقابل استدلال قرار دیں اور یہ حدیث جسکا کوئی نام ونشان بھی ان کتابوں میں نہیں ہے اور حضرات اہلسنت کی قابل اعتبار اور صحیح کتابیں اس حدیث کے بیان سے خالی ہیں اس کو آپ "خبر مستفیض" فرمائیں" اور مضحکہ کی بات تو یہ بھی ہے کہ آگے آپ فرماتے ہیں "مکہ معظمہ میں حضرت ابو بکر آنحضرت صلعم کی کس کس طرح حمایت فرماتے" حالانکہ تمام تاریخیں پکار پکار کر اس دعوے کی تکذیب کر رہی ہیں۔ مکہ معظمہ میں خود حضرت رسولخدا صلعم تو اسپر قادر تھے ہی نہیں کہ کفار مکہ کے مظالم و اذیات کو روک سکیں اسی وجہ سے بعض مومنین کو حکم دیدیا تھا کہ وہ ہجرت کر کے حبشہ چلے جائیں اور حضرت نے خود بھی مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی غار میں چھپے انصار مدینہ کی حمایت میں تشریف لائے پھر حضرت ابو بکر کیا حضرت رسولخدا صلعم سے زیادہ قوت واقتدار مکہ میں رکھتے تھے جو آپکی حمایت کر سکتے؟ ہاں یہ ضرور ہے کہ قریش سے کوئی شخص حضرت ابو بکر کو اذیت نہیں پہنچاتا اور آپ سے کچھ تعرض نہیں کرتا تھا وہ سب جانتے تھے آپ کے دل میں اسلام کی کیا حالت تھی اور یہ وجہ بھی تھی کہ حضرت ابو بکر کفار قریش کے بچوں کو زمانہ جاہلیت میں پڑھاتے تھے اور انکے اکثر نوجوان آپکے شاگرد رہ چکے تھے لہذا وہ سب آپ سے چشم پوشی اور پڑھنے کا حق ادا کرنے کے لئے آپکا لحاظ کرتے تھے اور یہ بات بھی تھی کہ ماننے اور نہ ماننے میں حضرت ابو بکر کا وجود وعدم برابر تھا۔ پندرہواں مقام یہ کہ یہ جو کہا "خلافت کے زمانہ میں بھی کسی کے قول کی

طرف ملتفت نہیں ہوئے الخ" تو اسکی حقیقت یہ ہے کہ آپ جو کسی کے قول کی طرف ملتفت نہیں ہوئے اور ان لوگوں سے لڑنے ہی پر اصرار کرتے رہے تو یہ سب کچھ اسلام کی حفاظت وحمایت میں نہیں تھا بلکہ آپ چونکہ جانتے تھے کہ ان لوگوں کے انکار کرنے اور زکوۃ روکنے سے آپکی خلافت میں بٹہ لگتا ہے اور بادشاہی تشریف لئے جاتی ہے اسوجہ سے آپ نے جان توڑ کوشش کی جس طرح ہو ان لوگوں کو زیر کرکے اپنی سلطنت کا سکہ قایم کیا جائے۔ تو اس سے حضرت ابو بکر کی مدح کیونکر ثابت ہوئی سلہ اسی طرح آپ کا یہ کہنا کہ "حضرت ابو بکر تن تنہا اس قوم سے لڑنے کے لئے نکل پڑے" بھی حضرت ابو بکر کی کوئی خوبی نہیں ثابت کرتا کیونکہ انکو تو معلوم ہی تھا کہ جب ہم خود لڑنے کے لئے روانہ ہونگے تو آپکے ماننے والے مسلمان اور آپکے اعوان و انصار اس سے روکیں گے اور خود اس کام کے انجام دینے پر آمادہ ہو جائیں گے اور آپکو یہ بھی یقین تھا کہ اگر خود نکل پڑینگے تو آپکے ساتھ اکثر مہاجرین و انصار بھی روانہ ہو جائینگے کیونکہ وہ بیچارے تو آپکی اطاعت اور فرمانبرداری میں گرفتار ہی ہو گئے تھے اور آپکی خلافت کو قبول ہی کر لیا تھا اور آپکو اسکا بھی پورا وثوق تھا کہ جب خالد بن ولید کو ایک چھوٹے لشکر کے ساتھ وہ کامیابی ہوئی تو آپکے نکلنے پر ہزاروں مہاجرین و انصار آپکے ساتھ ہونگے پھر نہ بھاگنے کا خوف تھا نہ شکست کا اندیشہ۔ ایسی صورت میں آپ کیوں

سلہ امام فخر الدین رازی نے واقعا عجیب دعوی کیا ہے حالانکہ ابتداء عالم سے آجتک ہر زمانہ اور ہر ملک میں یہ دستور رہا ہے کہ جس سلطنت کے لوگ کسی بادشاہ کے ظلم وجور یا اسکی نا قابلیت وغیرہ سے اسکو اپنا بادشاہ نہیں تسلیم کرتے ہیں بادشاہ اُن لوگوں پر بغاوت کا الزام قایم کرکے اُن سے اعلان جنگ کر دیتا اور لڑکر انکو اپنے قبضہ میں لانے کی کوشش کرتا ہے جس سے غرض اسکی یہی ہوتی ہے کہ اس کی سلطنت مضبوط رہے اسکی بادشاہت میں کوئی رخنہ نہ پیدا ہو۔ تو عقلا کے نزدیک ایسے بادشاہوں کا یہ فعل خود غرضی دنیا پرستی اور حرص وطمع پر محمول ہوتا ہے نہ عدل و انصاف پر۔ پس اگر حضرت ابو بکر کو اسلام کی حمایت مقصود ہوتی تو عہد حضرت رسول خدا صلعم میں بھی کسی غزوہ میں جہاد کیا ہوتا۔ کسی جگہ مخالفین سے لڑے ہوتے کسی کافر کو قتل کیا ہوتا۔ لیکن جب وہ زمانہ گزر گیا اور اپنی خلافت کے زمانہ میں آپکو ادھر توجہ ہوئی تو اس سے سوا اپنی بادشاہت کا تسلط قایم کرنیکے اور کیا مقصود تھا ۱۲ مترجم

نہ نکلنے پر آمادہ ہو جاتے! سولہواں مقام یہ کہ جو کہا "یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم" یہ صفت حضرت ابو بکر میں بھی تھی الخ"۔ تو یہ قابل تسلیم نہیں ہے کیونکہ زمانہ حضرت ابو بکر میں عرب کے جو لوگ (بقول آپکے) مرتد ہو گئے تھے ان سے لڑنے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف ہوتا تو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا پھر حضرت ابو بکر کے متعلق کوئی کیونکر کہہ سکتا ہے کہ آپ نے کسی ملامت کرنے والے سے خوف نہیں کیا؟ آخر وہاں ملامت کرنے والا تھا کون جس سے حضرت ابو بکر خوف کرتے؟ ہاں حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اپنی خلافت کے جنگ جمل، جنگ صفین، و جنگ نہروان میں جہاد کیا تو آپکے متعلق یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ حضرت نے کسی ملامت کرنے والے کا خوف نہیں کیا کیونکہ ان لوگوں میں بہت سے صحابہ حضرت رسولخدا صلعم موجود تھے جو اگرچہ ناحق اور باطل پر ہو گئے تھے مگر انکی صحابیت کی وجہ سے لوگ ان سے لڑنے میں تامل اور ملامت کرنے والوں کی ملامت کا خوف کر سکتے تھے اور واقع بھی ایسا ہی ہوا کہ بہت سے مسلمانوں نے کہا حضرت علی کی فوج میں کیونکر داخل ہوں درصورتیکہ آپکے مقابل وہ قابل احترام ہستیاں ہیں جو صحابیت وغیرہ کے شرف سے مشرف ہیں جیسے جنگ جمل میں جناب طلحہ و زبیر ایسے جلیل القدر صحابہ اور حضرت عائشہ ایسی زوجہ رسولخدا صلعم تھیں اور جنگ صفین میں حضرت کے خلاف معویہ تھا جو مسلمانوں کا ماموں کہا جاتا تھا کیونکہ وہ ام حبیبہ زوجہ حضرت رسولخدا صلعم کا بھائی تھا اور اسکے ہمراہ جماعت قریش کے ۱۳ طائفہ اپنے اہل و اولاد کے ساتھ شریک تھے اور ظاہر یہ ہے کہ انہیں سے بھی اکثر صحابہ ہی تھے۔ رہے خوارج تو وہ بھی صحابہ سے سمجھے جاتے اور اہل قرآن مانے جاتے تھے۔ غرض ان وجوہ سے ان لوگوں سے جہاد کرنے میں ملامت کا اندیشہ تھا لیکن حضرت علی یا آپکے ساتھیوں نے ان لوگوں سے جہاد کرنے میں ذرہ برابر بھی کسی کی ملامت کا خوف نہیں کیا کیونکہ یہ حضرات حق پر تھے اور آپکے مخالفین باطل پر لہذا حضرت علی اور آپکے ساتھی خدا کے سوا کسی کا خوف کر ہی نہیں سکتے تھے۔ اور بڑے مضحکہ کی بات تو یہ ہے کہ بار بار حضرت ابو بکر کے جہاد کا نام لیا جاتا ہے۔ کاش کوئی صاحب ارشاد کرتے کہ آپ نے کب جہاد کیا۔ کیا ابتدائے بعثت حضرت رسالت صلعم میں کوئی جہاد کیا؟ کیا جب حضرت مکہ معظمہ میں تشریف فرما تھے اس وقت کوئی

جہاد کیا؟ کیا مدینہ منورہ میں کوئی جہاد کیا؟ ہاں شاید اس سے یہ مراد ہو کہ آپ دل سے کفار کو برا کہتے اور اپنے منہ ہی میں ان کو برا کہکر زبانی جہاد کا حق ادا کر لیا کرتے تھے۔ اگرچہ ہمارے نزدیک تو اسکی بھی کوئی دلیل نہیں ہے کہ آپ نے کبھی دل ہی سے کفار کو برا سمجھا ہو یا ان سے نفرت ظاہر کی ہو یا ان کو برا کہا ہو یا ان سے کسی قسم کے تعلق کو قطع کیا ہو غرض ہمیں ان باتوں کا کوئی ثبوت کسی کتاب سے نہیں ملتا۔

سترہواں مقام یہ کہ یہ جو کہا "حضرت علی کے جہاد کا آغاز غزوہ بدر و احد میں ہوا ہے جب اسلام بہت قوی ہو گیا تھا" تو معلوم ہوتا ہے فخر الدین رازی صاحب کے سینہ میں بدر و احد کے کینہ انکے بزرگوں سے میراث میں چلے آرہے ہیں اسلئے کہ مہاجرین و انصار کا لشکر جنگ بدر میں تو صرف تین سو سے کچھ زائد کی تعداد میں تھا اور حضرت علیؑ نے تن تنہا کفار کے نصف لشکر کو قتل کیا اور باقی کو دوسرے اصحاب حضرت رسولخدا صلعم نے قتل کیا وہ بھی اس طرح کہ ان کے ساتھ فرشتے بھی تھے اور جنگ احد میں تو اس سے بھی کم تعداد تھی۔ اور جنگ خندق میں تو مسلمان مجبور ہوئے کہ خندق کھود کر اس سے اپنے کو بچائیں یہاں تک کہ خدا نے حضرت علیؑ کے ہاتھوں اس غزوہ کو بھی فتح کرایا کہ آپ نے عمرو بن عبدود کو قتل کیا اور لشکر کفار کو پوری شکست دی اور اسی جہاد حضرت علیؑ کے متعلق اس روز حضرت رسولخدا صلعم نے ارشاد فرمایا لضربة علی یوم الخندق افضل من عبادة الثقلین یعنی جنگ خندق میں حضرت علی کی جو ضربت واقع ہوئی وہ ثقلین کی عبادت سے افضل تھی اور غزوہ خیبر و حنین میں بھی یہی حال رہا کہ حضرت علی ہی کی جانفشانیوں سے اسلام کو فتح نصیب ہوتی رہی برخلاف حضرت ابو بکر کے جو ان معرکوں سے فرار ہی کرتے رہے جسپر متعدد حدیثیں اور تاریخی شہادتیں گواہ ہیں اور علامہ ابن ابی الحدید معتزلی نے بھی اپنے بعض اشعار میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں ؎ ولیس ینکر فی حنین فراره ✦ ففی احد قد فر خوفا و خیبرا

یعنی غزوہ احد میں حضرت ابو بکر بھاگے جس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا اور غزوہ احد و غزوہ خیبر میں بھی آپ نے خوف سے فرار ہی کی راہ لی۔ اور اگر مسلمانوں کی زیادتی اور کفار کی کمی سے "اسوقت اسلام بہت قوی ہو گیا تھا اور اسلامی لشکر اکٹھے اور کافی تعداد میں ہو گئے تھے" تو ان غزوات میں حضرت ابو بکر کا فرار کرتے رہنا اور بھی زیادہ شرمناک

فضیحت کن اور ذلت آمیز تھا بلکہ کیا عجب یہ گناہان کبیرہ میں شمار کیا جائے۔ اٹھارہواں مقام یہ کہ یہ جو کہا "حضرت ابوبکر کا جہاد حضرت علیؑ کے جہاد سے کامل تر تھا دو وجہوں سے" تو یہ اسی وقت تسلیم کیا جا سکتا ہے جب یہ ثابت ہو جائے کہ آپ نے حضرت علیؑ کے قبل کبھی جہاد کیا بھی۔ حالانکہ تمکو معلوم ہو چکا کہ حملہ کرنے اور جوانان عرب سے لڑنے کا کوئی موقع کبھی بھی حضرت ابوبکر کو نہیں ملا اور پوری مدت اسلام میں بھی کوئی شخص نہیں ملتا جو آپ کے ہاتھ سے زخمی ہوا ہو چہ جائیکہ خاص تیوہ جناب رسالتمآب صلعم میں آپ نے کسی کافر کو قتل کیا ہو یا حضرت ہی کی وفات پر کسی مخالف اسلام کا شکار کیا ہو اسی طرح امام صاحب نے دوسری وجہ میں جو فرمایا کہ "حضرت ابوبکر کا جہاد حضرت رسولخدا صلعم کے ضعف و بے بسی کے وقت تھا" تو اسکا باطل ہونا بھی واضح ہو گیا کیونکہ حضرت ابوبکر نے تو کبھی بھی کوئی جہاد کیا ہی نہیں خواہ رسولخدا صلعم کی بے بسی کا وقت ہو یا قوت کا اور عنقریب یہ بھی معلوم ہو گا کہ حضرات اہلسنت جو دعوے کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے حمایت اسلام میں بہت سا مال خرچ کیا تھا وہ بالکل موضوع اور قطعاً غلط ہے اور کبھی بھی آپ کا کوئی مال حضرت رسولخدا صلعم کی اعانت یا اسلام کی حمایت میں نہیں خرچ ہوا پھر آپ کی خدمات کو حضرت علیؑ کی خدمات سے کیونکر افضل کہا جا سکتا ہے؟ انیسواں مقام یہ کہ چوتھی صفت میں جو کہا ہے اسکی لغویت ان لوگوں پر مخفی نہیں رہ سکتی جو امام صاحب کی دلیل میں غور و فکر کریں کیونکہ آپ نے آیہ مبارکہ ولا یاتل اولی الفضل منکم کی تفسیر میں چند تشکیکات اور مغالطے بیان کئے ہیں جنکا اثر انھیں کے ہم مذہب سادہ لوحوں پر ہو سکتا ہے اور کسی سمجھدار پر اسکا جادو نہیں چل سکتا۔ اب ہم یہاں اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے امام صاحب کی دلیل کے رد و جواب پر متنبہ کرنے کے لئے اس راز کو فاش کرتے ہیں جس پر امام صاحب نے اپنے مقدمات فاسدہ اور دعاوی کاذبہ کی عمارت قائم کی ہے ممدوح اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ "مفسرین نے اس امر پر اجماع کیا ہے کہ اس آیت میں اولی الفضل سے مراد حضرت ابوبکر ہیں اور یہ آیت بتاتی ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم کے بعد حضرت ابوبکر تمام آدمیوں سے افضل تھے کیونکہ دو حال سے خالی نہیں کہ جو فضل اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے یا وہ دنیا کا ہو گا یا آخرت کا دنیا کا ہونا تو باطل ہے کیونکہ خدا نے اسکو مقام مدح میں ذکر کیا ہے اور یہ جائز نہیں ہے کہ خدا کسی کی مدح اسکی دنیوی

فضیلت کی وجہ سے کرے اور یہ بات بھی ہے کہ اگر وہ فضل دنیا کا مانا جائے تو اس آیت کا بعد والا لفظ والسعۃ مکرر ہو جائیگا کیونکہ دنیوی فضل کا معنے بھی مال کی زیادتی ہوگا اور سعۃ کا معنے بھی مال کی زیادتی ہوگا اور ایک ہی جگہ ایک معنے کیلیے دو لفظ لانا فصاحت کے خلاف ہے جو قرآن میں ممکن نہیں سکتا لہذا ضروری ہے کہ اس فضل سے مراد دینی فضیلت ہی ہو۔ پس اگر حضرت ابو بکر دینی فضیلت کے درجات میں دوسرے لوگوں سے بڑھکر نہیں مانے جائیں گے تو وہ صاحب فضل نہیں ہونگے کیونکہ اگر اور لوگ بھی آپکے برابر ہی ثابت ہونگے تو آپ کو فضیلت کیا ہوگی اور آپ صاحب فضل کیونکر قرار پائینگے۔ پس جب خدا نے آپ کے لئے مطلقاً بغیر کسی قید اور خصوصیت کے فضل کو ثابت کیا تو واجب ہے کہ حضرت ابو بکر افضل ناس مانے جائیں مگر حضرت رسولخدا صلعم کا سب سے افضل ہونا معلوم ہے لہذا حضرت کے بعد باقی کل لوگوں سے حضرت ابو بکر ہی افضل ثابت ہوئے۔ یہاں اگر کوئی شخص کہے کہ ہم نہیں تسلیم کرتے کہ اس آیت کے مخصوص حضرت ابو بکر کی شان میں نازل ہونے پر مفسرین کا اجماع ہے تو میں کہونگا کہ جو شخص کتب تفسیر و احادیث کا مطالعہ کریگا اسکو یقیناً معلوم ہو جائیگا کہ اس آیت کا حضرت ابو بکر کی شان میں نازل ہونا حد تواتر پر پہنچا ہوا ہے۔ پس اگر اس سے انکار کرنا جائز ہو تو پھر ہر متواتر کا انکار جائز ہو جائیگا۔" (امام رازی کا بیان اس آیت کی تفسیر کے متعلق ختم ہوا۔ اب ہم (جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ) کہتے ہیں کہ ممدوح کی اس تقریر پر کئی اعتراض ہوتے ہیں اول یہ کہ ہم اسی کو نہیں تسلیم کرتے کہ خاص مفسرین اہلسنت کا اجماع اس پر ہے کہ یہ آیت حضرت ابو بکر کی شان میں نازل ہوئی ہے چہ جائیکہ مفسرین شیعہ کے اجماع کا دعوے بھی کیا جائے کیونکہ خود حضرات اہلسنت کے اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت ایک جماعت صحابہ کی شان میں نازل ہوئی ہے جنھوں نے قسم کھائی تھی کہ جو شخص قصہ افک (اتہام حضرت عائشہ) کے متعلق ایک حرف بھی اپنی زبان سے نکالیگا اسکو وہ لوگ نہ تو خیرات وصدقہ دینگے نہ اسکے ساتھ کسی طرح مواسات کرینگے۔ اور ان مفسرین کے اس خیال کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ خدا نے اس آیت میں اولی الفضل کا لفظ بصیغہ جمع استعمال کیا ہے اور اگر مان بھی لیا جائے کہ یہ آیت خاص قصہ

افک ہی کے متعلق نازل ہوئی ہے جب حضرت ابو بکر نے اپنے صدقہ سے مسطح کو محروم کر دیا تو علاوہ اسکے کہ لفظ اولو جو بصیغہ جمع ہے اس مطلب کے خلاف ہے جسکی طرف ہم نے ابھی اشارہ کیا ہے یہ کیوں نہ کہا جائے کہ یہ آیت اصالۃً تو مسطح کی شان میں اور تبعاً حضرت ابو بکر کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اور یہاں اس قضیہ کو اُلٹ دینے (یعنی اس آیت کو دراصل حضرت ابو بکر کی شان میں اور بالعرض مسطح کے متعلق ماننے) کی کیا وجہ ہے باوجودیکہ یہ بات ظاہر ہے کہ آیت کا مقصود اصلی مسطح سے مواسات کرنا اور اسکو خیرات دینے کا حکم کرنا اور جن لوگوں نے اسکو صدقہ دینا موقوف کر دیا تھا ان سے اپنی ناراضی ظاہر کرنا تھا جو بالکل واضح امر ہے۔ رہا امام صاحب کا یہ کہنا کہ "اگر اس سے انکار جائز ہو تو پھر ہر متواتر کا انکار جائز ہو جائیگا" تو اسکے متعلق یہ گزارش ہے کہ اگر اس سے آپکی مراد یہ ہے کہ وہ لفظی حیثیت سے متواتر ہے تو یہ دعوے بے دلیل ہے کیونکہ محدثین محققین نے ان احادیث کو جو لفظی حیثیت سے متواتر ہیں ایک اور دو اور تین راویوں میں حصر کر دیا ہے۔ اور اگر اس سے آپکی مراد یہ ہے کہ وہ معنوی حیثیت سے متواتر ہے تو یہاں چند مستفیض روایات بھی نہیں ہیں تاکہ قدر مشترک انکے درمیان متواتر معنوی بھی ثابت نہیں ہو سکتا۔ دوسرا اعتراض یہ کہ امام صاحب نے یہ جو کہا "خدا نے اسکو مقام مدح میں ذکر کیا ہے" تو یہ بھی غلط ہے اور غالباً موصوف کو اس امر کا وہم اس وجہ سے ہوا کہ انھوں نے صرف لفظ فضل اور وسعت کے وصف عنوانی (ظاہری عنوان) پر نظر کی اور یہ نہیں جانا کہ اس قسم کا وصف تو اکثر کافروں میں بھی پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ بھی سخاوت کرتے ہیں اور مالدار و تونگر ہوتے ہیں تو کیا اسکی وجہ سے واقعاً خدا کے یہاں افضل ہو جائینگے؟ بلکہ کبھی یہ وصف برائی کے ساتھ بھی جمع ہو جاتا ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ فلاں قوم باوجودیکہ صاحب فضل و وسعت ہے پھر بھی خدا نے اسکو جو نعمتیں دے رکھی ہیں انہیں بخل کرتی ہے۔ اور تاریخ و احادیث میں روایات بیان کی گئی ہے کہ حضرت ابو بکر اور انکے ایسے دوسرے اصحاب کبار باوجودیکہ انکے متعلق مالداری اور جود و سخاوت کا دعوے کیا جاتا ہے پھر بھی ان حضرات نے آیۂ نجوی کے نازل ہونے پر بخل کو راہ دیا کہ حضرت رسولخدا صلعم سے سرگوشی کرنے کے قبل کوئی صدقہ نہیں دیا جسکا حکم خدا نے کیا تھا یہانتک کہ وہ آیت نجوی منسوخ ہی کر دی گئی

تو اس بات کو اچھی طرح سمجھو (غرض جب حضرت ابوبکر نے حضرت رسولخدا صلعم سے سرگوشی کرنے کے لئے کوئی پیسہ تک خرچ نہیں کیا جسکا واجبی حکم خدا نے قرآن مجید میں نازل کیا تھا اور ایسے اہم غرض کے لیئے بھی آپ نے بخل کیا تو آپ اسلام کی اشاعت اور آنحضرت صلعم کی حمایت میں کب کچھ خرچ کرنے والے تھے؟) اور عجائب روزگار سے یہ امر بھی ہے کہ امام صاحب نے اس کلام سے کچھ ہی پہلے ذکر کیا ہے کہ قول خدا لایاتل اولی الفضل سے مراد یہ ہے کہ تم لوگ احسان اور بھلائی کرنے میں کمی نہ کرو۔ تو وہاں آپ نے لفظ فضل کا معنے بھلائی اور بخشش کرنا لیا پھر اس بات کو چند ہی سطروں کے بعد بھول گئے اور اسپر اصرار کرنے لگے کہ لفظ فضل سے مراد زیادتی ثواب یا کثرت علم ہے حالانکہ یہاں لفظ فضل کا ان دونوں معنوں سے کسی ایک کو مراد لینے کی بھی کوئی وجہ نظر نہیں آتی اسلیئے کہ بہت سے صاحبان فضل یعنی زیادہ ثواب اور علم والے صلہ رحم اور جود وسخاوت کرنے پر قادر نہیں ہوتے بلکہ اس سے کم خرچ والے کام کرنے سے بھی عاجز ہوتے ہیں۔ اسی طرح آپنے یہ بھی عجیب بات کہی کہ "جائز نہیں ہے کہ خدا کسی کی مدح اسکی دنیوی فضیلت کی وجہ سے کرے" حالانکہ قرآن مجید میں خدا نے دنیوی فضیلت کی وجہ سے کئی جگہ لوگوں کی مدح کی ہے سورہ یوسف آیت ۲۱ و ۵۶ میں ہے وکذلک مکنا لیوسف فی الارض یتبوء منھا حیث یشاء الآیۃ اور یوں ہم نے یوسف کو زمین مصر میں قابض بنایا کہ اسمیں جہاں چاہیں رہیں۔ تو اس آیہ میں خدا نے حضرت یوسف کے قابض کرنے اور جہاں چاہیں وہاں انکے رہنے کا جو ذکر کیا ہے یہ صاف دنیا کی نعمت کا ذکر ہے پس اگر یہ اچھی بات نہ ہوتی تو خدا حضرت یوسف کو مصر میں یہ قبضہ کیوں دیتا بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ آیت مذکورہ ولا یاتل اولی الفضل منکم حضرت ابوبکر کی شان میں خرابی ہی پیدا کرتی اور انکا عیب فاش کرتی ہے کہ معلوم ہوتا ہے حضرت ابوبکر نے حضرت عائشہ کے خالہ زاد بھائی مسطح کے بارے میں (چونکہ اس نے حضرت عائشہ پر زنا کی تہمت لگائی تھی) قسم کھالی تھی کہ کبھی مسطح کے ساتھ اچھا سلوک یا مالی اعانت نہ کرینگے جسپر آیت نازل ہوئی تو ابوبکر کے فعل سے خدا ناراض ہوا اور اس کو اتنا بڑا گناہ سمجھا جسپر حضرت ابوبکر کو ٹوکنا ضروری خیال کیا۔ غرض اسی آیت اور اسکی

تفسیر سے ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر نے ایسا گناہ عظیم کیا جس پر خدا کو قرآن مجید میں اعتراض نازل کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس اعتراض کے دفعیہ میں امام فخرالدین رازی نے اس آیت کی تفسیر کے آخر حصہ میں جو یہ کہا ہے کہ "اس آیت سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ خدا نے حضرت ابوبکر کو جس کام سے روکا ہے وہ اُن سے واقع بھی ہوا بلکہ ہوسکتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے وہ کام کیا نہ ہو اور خدا نے صرف احتیاطاً ان کو منع فرمایا ہو جیسے خدا نے حضرت رسول خدا صلعم سے بھی فرمایا ہے ولا تطع الکافرین والمنافقین واے رسول کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کرنا۔ آیت ۴۸ سورہ احزاب پارہ ۲۲) اس آیت سے بھی یہ نہیں ثابت ہوتا کہ آنحضرت صلعم کفار و منافقین کی اطاعت کرتے تھے" تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں صرف خدا کے منع کرنے سے تو یہ نہیں ثابت ہوتا کہ حضرت ابوبکر نے ویسا کیا تھا لیکن امام صاحب نے خود ہی اس آیت کی شان نزول جو پہلے ذکر کی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر سے وہ کام واقع ہو چکا تھا چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ جب آیت افک نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر نے مسطح اور اس کے قرابت مندوں سے کہا کہ تم لوگ ہمارے پاس سے دور ہو کہ نہ تم کو ہم سے کوئی تعلق ہے نہ ہم کو تم سے اور خبردار تم میں سے اب کوئی شخص ہمارے یہاں نہ آنے پائے۔ تو مسطح نے کہا ہم تم کو اللہ اور اسلام کا واسطہ دیتے ہیں ہماری قرابت اور عزیز داری کا لحاظ کرو اور ہمیں کسی کی طرف نہ نکالو اور تم جانتے ہو کہ پہلے ہمارا کوئی قصور نہیں تھا لیکن حضرت ابوبکر نے اس کا عذر قبول نہیں کیا اور جواب میں کہا نہیں ہرگز نہیں کم بختو تم سب یہاں سے چلے ہی جاؤ اس پر وہ سب بیچارے نکل پڑے لیکن ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کس طرف جائیں اور کہاں پناہ ڈھونڈیں الخ (تفسیر کبیر مطبوعہ مصر جلد ۶ ص۳۱۶) یہ عبارت صاف بتاتی ہے کہ حضرت ابوبکر نے ان غریبوں کو اپنے پاس سے نکالدیا اور ان کا نان ونفقہ بند کر دیا اگرچہ وہ ایک ہی روز ہوا اور اس واقعہ سے انکار کرنا صریحی ہٹ دھرمی ہے۔ علاوہ بریں حضرت ابوبکر نے جو قسم کھائی تھی اس سے خدا کا ان کو منع کرنا گناہ کے ثابت ہونے کے لئے کافی ہے جو کوئی مخفی بات نہیں ہے۔ اور یہ کہنا بھی کہ خدا نے حضرت ابوبکر کو جو منع کیا تو یہ تنزیہی منع اور از قبیل ترک اولیٰ تھا

جیسا کہ علامہ مذکور نے انتہائی بے بسی میں کہدیا ہے قطعاً غلط ہے کیونکہ ہر منع میں اصل یہی ہے کہ وہ کام حرام ہے اور انبیاء کرام کے متعلق جو علماء نے کہا ہے کہ ان سے وہ کام سرزد ہوا جس کا ترک اولیٰ تھا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان حضرات کی عصمت پر دلیلیں قائم ہیں کہ ان سے کوئی گناہ ہو ہی نہیں سکتا ہے برخلاف حضرت ابو بکر کے کہ ان کی عصمت کا کوئی مدعی نہیں ہے تو جس کام سے خدا نے ان کو منع کیا وہ ترک اولیٰ کیونکر کہا جاسکتا ہے؟۔

تیسرے یہ کہ علامہ مذکور نے یہ جو وہم کیا ہے کہ "اگر وہ فضل دنیا کا مانا جائے تو اسی آیت کا بعد والا لفظ والسعۃ مکرر ہو جائیگا" تو یہ تکرار اسوقت کہا جاسکتا ہے جب لفظ فضل (یعنی دنیا میں جسقدر حاجت ہو اس سے زیادتی) لفظ وسعت کا ہم معنے قرار پائے حالانکہ ایسا نہیں ہے اسلئے کہ فضل کا معنے یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی حاجت سے زیادہ کا مالک ہو اور وسعت کا معنے اس سے بھی زیادتی اور کثرت ہے تو دونوں ایک کیسے ہو جائیں گے لہذا تکرار لازم نہیں آتی۔

چوتھے یہ کہ علامہ مذکور نے یہ جو کہا کہ "اگر حضرت ابو بکر دینی فضیلت کے درجات میں دوسرے لوگوں سے بڑھ کر نہیں مانے جائیں گے الخ" تو اس جملہ کا بے ربط اور مہمل ہونا واضح ہے اسلئے کہ کسی فضیلت میں دو شخصوں کے برابر ہونیکا مطلب صرف یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے سے افضل نہیں ہے بلکہ مساوی ہے نہ یہ کہ اس میں کوئی فضیلت ہی نہیں ہے۔ اور وہ فاضل کہا ہی نہیں جائیگا۔ دونوں فاضل تو کہے جائیں گے لیکن ایک افضل اور دوسرا مفضول نہیں کہا جائیگا کیونکہ فضیلت میں دونوں کو مساوی تسلیم کیا گیا ہے۔ اور آخر میں یہ جو کہا ہے کہ "جب خدا نے آپ کے لئے مطلقاً فضل کو ثابت کیا" یہ بھی بنا رفاسد علی الفاسد ہے کیونکہ افضل نہ کہنے کا مطلب یہ کبھی نہیں ہو سکتا ہے کہ وہ فاضل بھی نہ ہو۔ مثلاً دو عالم کے بارے میں کہا جائے کہ فلاں عالم دوسرے سے افضل نہیں ہے تو کیا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ فاضل بھی نہیں ہے؟ بیسواں مقام یہ کہ جو کہا "ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ضروری ہے یہ آیت حضرت ابو بکر ہی کی شان میں مانی جائے" تو اس کا باطل ہونا ہماری گزشتہ تقریر سے واضح ہے جس سے اچھی طرح معلوم

ہو جائیگا کہ یہ بنائے فاسد علی الفاسد اور محض اشتباہ و مغالطہ میں پھنسانا ہے نہ کچھ اور

اکیسواں مقام یہ کہ فخر الدین رازی نے حدیث خیبر یعنی لاعطین الرایۃ غدا رجلا یحب اللہ ورسولہ کے متعلق جو کہا ہے کہ "یہ حدیث اخبار احاد سے ہے" تو صحیح نہیں بلکہ یہ حدیث مستفیض (حد تواتر کے قریب پہنچی ہوئی) ہے بلکہ کہہ سکتے ہیں کہ معنے کے اعتبار سے متواتر ہے[۱]۔ اور یہ جو کہا کہ "شیعوں کے یہاں اخبار احاد سے تمسک کرنا جائز نہیں ہے" تو اس کا جواب یہ ہے کہ برائے نام چند شیعہ یہ کہتے ہیں کہ اخبار احاد سے تمسک جائز نہیں ہے مگر زیادہ تر شیعوں کا مسلک یہی ہے کہ اخبار احاد پر عمل ہوتا ہے[۲] اور سنیوں کے یہاں بھی ایسا ہی ہے کہ بعض لوگ اخبار احاد سے تمسک کرنا جائز نہیں سمجھتے اور زیادہ تر جائز سمجھتے ہیں جیسا کہ کتب اصول فقہ میں تصریح سے ذکر کیا گیا ہے[۳] اور اگر آپ کا بیان تسلیم کر لیا جائے جب بھی جائز ہے کہ جمہور اہلسنت کے مقابلہ میں جو اخبار احاد سے تمسک کرتے ہیں شیعہ بھی ان کے جواب میں یعنی الزامی طور پر اخبار احاد سے تمسک کریں۔ بائیسواں مقام یہ کہ امام صاحب نے یہ جو کہا "ہو سکتا ہے کہ یہ صفت حضرت علی میں بھی پائی جاتی ہو اور حضرت ابو بکر میں بھی"۔ تو اس سے آپ کو کوئی نفع نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ جس بزرگوار میں اس صفت کا ہونا تمام کتب حدیث و تاریخ و تفسیر اہلسنت سے ثابت ہے اس کے برابر وہ شخص نہیں ہو سکتا جس میں یہ صفت کسی طرح ثابت ہی نہ ہو سکتی ہو رہا یہ خیال کہ ہو سکتا ہے یہ صفت حضرت ابو بکر میں بھی پائی جاتی ہو تو یہ احتمال ہر شخص زید۔ عمر۔ بکر۔ خالد کے متعلق ہو سکتا ہے۔ پھر کیا صرف اس احتمال سے یہ لوگ فضل و شرف میں اس بزرگ کے برابر ہو جائیں گے جس میں یہ صفت واقعا پائی جاتی ہے؟۔ علاوہ بریں حضرت رسولخدا صلعم کی حدیث کا سیاق بتاتا ہے

---

[۱] یہ حدیث رایت صحیح بخاری۔ صحیح مسلم۔ مسند احمد بن حنبل۔ سنن نسائی۔ جامع ترمذی۔ تاریخ طبری۔ تاریخ کامل۔ تاریخ ابو الفدا۔ فتوحات واقدی۔ روضۃ الصفا۔ حبیب السیر۔ مدارج النبوۃ۔ معارج النبوۃ۔ روضۃ الاحباب۔ تاریخ خمیس۔ حبیب السیر وغیرہ کل کتب حدیث و تاریخ و تفسیر میں ہے کہ حضرت رسولخدا نے جناب امیر کے بارہ میں فرمایا کل یہ علم اس شخص کو دونگا جو کرار غیر فرار ہے۔ اللہ اور رسول کو دوست رکھتا ہے۔ اللہ و رسول بھی اسکو دوست رکھتے ہیں خدا تعالی اسکے ہاتھ پر اس قلعہ کو فتح کریگا ۱۲ مترجم

[۲] دیکھو شیعوں کی مشہور کتاب اصول فقہ معالم الاصول مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۱۲[۳] دیکھو شرح مسلم الثبوت از مولوی بحر العلوم مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۲۰۹

یہ صفت صرف حضرت علی کی تھی اور کسی دوسرے کی نہیں تھی کیونکہ اس رات سے پہلے حضرت ابو بکر بھی علم لے کر قلعہ فتح کرنے گئے اور ناکامیاب واپس آئے حضرت عمر بھی گئے اور اسی طرح واپس آئے تب حضرت نے فرمایا "کہ کل میں یہ علم اس شخص کو دونگا جو حملہ کرنے والا ہے بھاگنے والا نہیں اور خدا ورسول کو دوست رکھتا ہے اور خدا ورسول اس کو دوست رکھتے ہیں" جس سے صاف اسطرف اشارہ تھا کہ پہلے جو دو صاحب گئے تھے ان میں یہ صفت نہیں تھی۔ اور یہ جو کہا کہ "اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ یہ صفت حضرت ابو بکر میں نہیں پائی جاے الخ" تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ یہ صفتیں ایک دوسرے کو لازم تھیں کہ جہاں ایک پائی جائیگی وہاں دوسری بھی پائی جائے گی اور جہاں دوسری نہیں پائی جائے گی وہاں پہلی بھی نہیں پائی جاسکتی۔ پس حضرت ابو بکر میں ایک صفت (کرار غیر فرار) کے نہ پائے جانے سے ضروری ہے کہ باقی صفتیں (یعنی ان کا خدا ورسول کو دوست رکھنا اور خدا ورسول کا ان کو دوست رکھنا) بھی ان میں نہ پائی جائیں۔ اسلئے کہ یہ بات ظاہر ہے کہ کسی شخص کا اللہ اور رسول کو دوست رکھنا اور اس کے اخلاص برتنا اس کو مقتضی ہے کہ وہ شخص اس محبت پر اپنے نفس کو مجبور اور آمادہ کرے پس جب خدا ورسول کے دشمنوں سے مقابلہ ہو تو اپنی جان کو خدا اور رسول سے زیادہ دوست نہ رکھے اور بھاگ نہ جائے بلکہ جو حق جہاد کرنے کا ہے ویسا ہی اللہ کی راہ میں جہاد کرے۔ اسی طرح خدا اور رسول کا کسی شخص کو دوست رکھنا اس کو مقتضی ہے کہ جہاد میں خدا اس کی تائید کرے اور بھاگنے نہ دے خصوصًا جب دشمن کا وہ مقابلہ انسانی طاقت سے بالاتر بھی نہ ہو جیسا کہ غزوہ خیبر میں تھا کہ مرحب سے لڑنا ایک ہی شخص سے مقابلہ تھا جیسا آدمی وہ تھا ویسے ہی آدمی حضرت ابو بکر و عمر بھی تھے پس اس سے ان کا مقابلہ کسی طرح انسانی طاقت سے بالاتر نہیں کہا جاسکتا اور نہ ان لوگوں کو اس کے سامنے سے بھاگنا مناسب تھا۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ اس حدیث کی پہلی دو صفتیں (یعنی کرار اور غیر فرار ہونا) آخری دونوں صفتوں (یعنی اسکے خدا ورسول کو دوست رکھنے اور خدا ورسول کے اس کو دوست رکھنے) کے لئے بجائے علت اور سبب تھیں (یعنی وہ شخص

چونکہ کرار اور غیر فرار تھا اس وجہ سے وہ خدا و رسول کو دوست رکھتا تھا اور خدا و رسول بھی اس شخص کو دوست رکھتے تھے) پس گویا اس حدیث میں حضرت رسول خدا صلعم نے حضرت ابو بکر و حضرت عمر کے متعلق تعریض کی تھی کہ یہ دونوں اس وجہ سے بھاگ گئے کہ وہ اللہ اور رسول کو دوست نہیں رکھتے تھے اور اللہ و رسول بھی ان کو دوست نہیں رکھتے تھے۔ غرض ظاہر ہو گیا کہ حدیث شریف کے الفاظ استلزام اور علیت کی مدد سے صاف صاف بتا دیتے ہیں کہ جو لوگ جنگ خیبر میں علم لیکر بھاگ آئے تھے وہ ان کل صفتوں سے عاری تھے اور اس حدیث کی ایک صفت بھی ان میں نہیں پائی جاتی تھی اور حدیث شریف کا سیاق بھی اس پر دلیل واضح ہے جیسا کہ حال اور مقام کے مناسب باتوں پر غور و تامل کرنے والا ہر شخص اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔ اور یہ جو کہا کہ "خدا نے اس صفت کو حضرت ابو بکر میں اسوقت پیدا کر دیا ہو جب وہ مرتدین سے جہاد میں مشغول تھے"۔ تو یہ بھی صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اگر ہم تسلیم بھی کر لیں کہ نفس آیت کا یہ مطلب نکلتا ہے کہ ممکن ہے آیندہ زمانہ میں حضرت ابو بکر میں یہ صفت پائی جاسکے جب بھی صرف اس فرض سے کیا ہو سکتا ہے جب تک اس صفت کا واقع ہونا نہ معلوم ہو اور تاریخ و سیرۃ و حدیث کی کتابیں صاف صاف بتاتی ہیں کہ یہ صفت حضرت ابو بکر میں کبھی بھی نہیں پائی گئی نہ تو حضرت رسولخدا صلعم کی زندگی میں نہ حضرت کے بعد۔ ہاں زیادہ سے زیادہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آنحضرت کے انتقال کے بعد حضرت ابو بکر میں صفت "غیر فرار" پیدا ہو گئی تھی بایں معنے کہ پھر وہ کسی لڑائی میں گئے ہی نہیں کسی جنگ کا نام ہی نہیں لیا کسی دشمن سے مقابلہ ہی نہیں ہوا تو پھر بھاگتے کیونکر اسلئے کہ بھاگنا اور نہ بھاگنا تو اسوقت ہوتا ہے جب کسی لڑنے والے کا سامنا ہو۔ اور جو شخص اپنے گھر ہی بیٹھا ہے وہ بھاگے گا کہاں سے اور کیونکر پس اسکے بارے میں تو یہ بات ضرور صحیح ہے کہ وہ بھاگا نہیں لیکن حضرت رسولخدا صلعم سے فصیح و بلیغ متکلم کے کلام کو اس طرح کے نہ بھاگنے پر حمل کرنا اپنی عقل اور فہم کا ثبوت دینا ہے۔ تئیسواں مقام یہ کہ آپ نے یہ جو فرمایا "اہل سنت اپنے دعوے میں ظاہر قرآن سے دلیل پیش کرتے ہیں اور رافضی لوگ حدیث

رایت سے دلیل پیش کرتے ہیں" تو یہ بھی مسلم نہیں اسلئے کہ شیعہ بھی ظاہر قرآن ہی سے دلیل پیش کرتے ہیں لیکن انھوں نے حدیث سے تمسک کرنے کے لئے ایک اصل اور دلیل پالیا ہے اور آیہ مذکورہ کے ظاہری مطلب کو بھی اپنے ہی قول کا مؤید پایا ہے اور آیۂ مذکورہ کا وہ مطلب جو شیعہ قرار دیتے ہیں (کہ حضرت علی کی شان میں نازل ہوا) واضح تر ہے اس مطلب سے جو حضرات اہل سنت قرار دیتے ہیں (کہ یہ حضرت ابوبکر کے متعلق نازل ہوا ہے) جیسا کہ ہم نے توضیح سے بیان کر دیا بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ آیہ مذکورہ کا وہ مطلب لینا جو اہل سنت ذکر کرتے ہیں جس سے وہ کسی وجہ سے معین جماعت پر دلالت کرے اس آیہ سے استدلال کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا ہے اسلئے کہ اس آیت کے ظاہری مطلب سے حضرات اہل سنت کو جو کچھ توہم ہو سکتا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر کی شان میں نازل ہوئی ہے دو حال سے خالی نہیں ہے (الف) یا تو وہ توہم اسکے پہلے جزو (من یرتد (جو شخص مرتد ہو جائے) سے ہو گا تو اس جزو کو اہل سنت کے دعوے پر کوئی دلالت نہیں ہے کہ اس سے مراد صرف وہ جماعت ہو جو حضرت ابوبکر کی خلافت میں اسلام سے مرتد ہونا بیان کی جاتی ہے اس لئے کہ لفظ مَن (جو شخص) بطور شرط ہے جو عام طور پر ہر شخص کے لئے استعمال کیا جاتا ہے تو اس حرف کا مطلب صرف یہ ہوا کہ جو شخص جب کبھی (خواہ عہد رسول خداؐ میں ہو خواہ عہد خلیفہ اول، خلیفہ دوم، خلیفہ سوم، بنی امیہ بنی عباس میں بلکہ اس زمانہ تک) دین اسلام سے مرتد ہو جائے گا تو خدا یقیناً ایک ایسی جماعت کو پیدا کرے گا جو انھیں زیر کرے گی۔ پس اس آیت کو صرف ان لوگوں سے تعلق نہیں ہوا جو خلیفہ اول کے وقت مرتد بیان کئے جاتے ہیں کیونکہ سب جانتے ہیں عام کو خاص پر دلالت نہیں ہوتی یہاں بھی خدا عام لفظ فرماتا ہے کہ جو شخص مرتد ہو گا تو اس سے خاص وہ لوگ کیونکر مراد ہونگے جو خلیفہ اول کے وقت مرتد ہونا بیان کئے جاتے ہیں (ب) یا وہ توہم اس آیت کے دوسرے جزو فان اللہ یاتی بقوم (تو یقیناً خدا ایک ایسی قوم کو لائے گا) سے پیدا ہو گا تو اس میں کوئی شبہہ نہیں ہے کہ لفظ قوم کا مفہوم

ایک امر کلی ہے جو ہر آدمی زید۔ عمرو۔ بکر۔ خالد وغیرہ پر بولا جاتا ہے۔ پس جب خدا نے آیت میں لفظ قوم استعمال کیا ہے جس سے ہر شخص مراد ہو سکتا ہے تو آپ کا اس عام لفظ کو محض حضرت ابوبکر کے لئے مخصوص سمجھنا زبردستی نہیں تو کیا ہے؟ رہیں وہ صفتیں جو اس آیت میں مذکور ہیں تو آپ کو معلوم ہو چکا کہ یہ کہنا کہ "ان صفتوں کا حضرت ابوبکر پر منطبق ہونا ظاہر ہے" حد انصاف سے خارج ہو جاتا ہے کیونکہ یہ صفتیں کسی طرح بھی حضرت ابوبکر پر چسپاں نہیں ہوتیں اور نہ ان لوگوں پر جن سے آپ نے جہاد کیا تھا۔ پس اگر قرآن مجید کی تفسیر کرنے کا یہی ڈھنگ اختیار کیا جائے کہ آیت کا مطلب کچھ ہو اور اس کا مصداق کچھ بیان کیا جائے تو کسی آیت قرآن کی خیریت نظر نہیں آتی۔ پھر تو اگر کسی شخص کا نام نور اللہ ہو اور اس کے دشمن اور مخالف بھی ہوں تو وہ بھی کہہ سکتا ہے کہ خدا نے قرآن مجید میں جو فرمایا ہے یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم (کہ لوگ چاہتے ہیں خدا کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں) اس سے مراد نور خدا نہیں ہے بلکہ وہی شخص ہے جس کا نام نور اللہ ہے اور خدا نے اسی کا نام روشن اور تابندہ رکھنے کے لئے یہ آیت نازل کی ہے تاکہ اس کے دشمن اور مخالف زیر ہوں اور اگر فخر الدین رازی صاحب کی یہ تفسیر صحیح مانی جائے تو علامہ جلال الدین سیوطی کی تفسیر بھی کیوں نہ درست سمجھی جائے جو انھوں نے اپنی کتاب اتقان میں آیہ مبارکہ ولکن لیطمئن قلبی (لیکن تاکہ میرا قلب مطمئن ہو) کے متعلق ابن فورک سے نقل کر کے لکھی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے ایک دوست تھے اسکو خدا نے حضرت ابراہیم کے دل سے تعبیر کیا ہے تو آیۃ کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت ابراہیم نے فرمایا لیکن تاکہ اپنی آنکھ سے مشاہدہ کر کے میرا دوست مطمئن ہو جائے باوجودیکہ وہ سب دشمن ہیں[۱]۔ تو اس قسم کی مہمل تفسیریں اس قابل نہیں ہیں کہ ان پر اعتماد کیا جائے۔ اور کیا اچھا فیصلہ ہے ان علماء کا جنھوں نے کہا ہے کہ ان فی تفسیر فخر الدین الرازی کل شئی الا التفسیر یعنی تفسیر فخر الدین رازی میں

---

[۱] دیکھو اتقان مطبوعہ مصر ص۔

تفسیر کے سوا ہر بات موجود ہے[۱]۔ چوبیسواں مقام یہ کہ جو کہا خدا نے حضرت ابوبکر کے بارے میں فرمایا ہے "ولسوف یرضی گروہ (ابوبکر) عنقریب خوش ہو جائیں گے" تو ہم نہیں تسلیم کرتے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر کی شان میں نازل ہوئی ہے بلکہ روایت میں تو وارد ہوا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوذر اور ابوالدحداح کی شان میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ شارح طوالع نے واحدی کی تفسیر سے نقل کیا ہے اور ہم نے اس آیت کی تفسیر و تحقیق میں ایک علحدہ رسالہ لکھا ہے جسمیں اس کو واضح کر دیا ہے کہ اس آیت کو اس روایت سے کوئی مناسبت نہیں ہے جس میں لوگوں نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت خاص حضرت ابوبکر کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ جس کو اس کی تفصیل دیکھنا ہو وہ ہمارے اس رسالہ کی طرف رجوع کرے۔ پچیسواں مقام یہ کہ حضرت رسولخدا صلعم کی جو دو حدیثیں ذکر کی ہیں کہ خدا حضرت ابوبکر کے لئے خاص طور پر تجلی فرمائیگا اور دوسری یہ کہ خدا نے میرے سینہ میں کوئی چیز نہیں ڈالی مگر یہ کہ اس چیز کو ابوبکر کے سینہ میں بھی ضرور ڈالی ہے تو یہ حدیثیں ان موضوع اور جعلی حدیثوں سے ہیں جن پر خود علماء اہل سنت غضبناک ہوتے اور ان کو جھوٹ کہتے ہیں چنانچہ اس کی تصریح شیخ محدث مجدالدین فیروزآبادی شافعی نے اپنی کتاب سفر السعادت کے آخر میں کر دی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں اشہر المشہورات من الموضوعات ان اللہ یتجلی للناس عامۃ ولابی بکر خاصۃ و حدیث ما صب اللہ فی صدری شیئا الا وصببتہ فی صدر ابی بکر وحدیث انا وابوبکر کفرسی رھان وحدیث ان اللہ لما اختار الارواح اختار روح ابی بکر و امثال ھذا من المفتریات المعلوم بطلانہا ببدیہۃ العقل یعنی موضوع حدیثوں سے جو حدیثیں سب سے زیادہ مشہور و معروف اور جعلی ہیں ان میں یہ بھی ہے کہ خدا عام طور پر سب کیلئے اور خاص طور پر حضرت ابوبکر کے لئے چمکیگا اور یہ حدیث بھی کہ خدا نے میرے دل میں جو علم و معرفت ڈالی تھی اسے میں نے ابوبکر کے دل میں ڈالدی اور یہ حدیث کہ میں اور ابوبکر مثل گھوڑدوڑ کے میدان کے دو گھوڑوں کے ہیں اور یہ حدیث کہ خدا نے جب روحوں کو برگزیدہ کیا تو ابوبکر کی روح کو برگزیدہ کیا اور اسی قسم کی حدیثیں ان افترا و بہتان کی حدیثیں ہیں جن کا باطل ہونا بداہت عقل سے ہی معلوم ہو جاتا ہے۔

[۱] اس قسم کے اقوال لسان المیزان جلد ۴ صفحہ ۲۲۶ میں بکثرت ہیں ۱۲

اور ان حدیثوں کے وضعی ہونے کی تصریح مولف کتاب تذکرۃ الموضوعات نے بھی کی ہے جسکو شیخ مذکور کی تالیف خلاصہ و مختصر سے نقل کیا ہے[۱] چھبیسواں مقام یہ کہ ہم نے پہلے ذکر کر دیا ہے کہ اس آیت کے بعد والی آیت حضرت علی کی خلافت بلا فصل پر دلالت کرتی ہے اور وہ اس طرح جو امام فخر الدین رازی کے منع کو جس کی طرف انھوں نے اپنے آخر کلام میں اشارہ کیا ہے ساقط کر دیتی ہے اور خدا نے جس شخص کو درست عقل اور مناسب فہم دیا ہے وہ اچھی طرح سمجھ لیگا کہ وہ حضرت علی کی خلافت پر ہی دلالت کرتی ہے تو اس کو خوب سمجھنا مومنین کو نفع دیتا ہے۔

قول علامہ علیہ الرحمہ تئیسویں یہ آیت والذین اٰمنوا باللہ ورسولہ اولٰئک ھم الصدیقون کہ جو لوگ خدا اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے یہی لوگ اپنے پروردگار کے نزدیک صدیقون ہیں (پارہ ۲۷ سورہ حدید آیت ۱۹) حضرات اہلسنت کے محدث جلیل امام احمد بن حنبل نے روایت کی ہے کہ یہ روایت حضرت علی کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

قول ابطال اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت علی صدیقین اور شہداء سے ہیں مگر ظاہر یہ ہے کہ یہ آیت صدیقین اور شہداء کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے (نہ کہ حضرت علی کی شان میں) اور ممکن ہے کہ یہ خلفاء کے بارے میں نازل ہوئی ہو۔ اور اگر اس کا حضرت علی کی شان میں نازل ہونا صحیح ہو تو یہ آپ کے فضائل سے ہے جسکو خلافت سے کوئی تعلق نہیں لہذا اس سے حضرت علی کی خلافت کیونکر ثابت ہو گی۔

قول احقاق ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے کوفہ میں منبر پر علی الاعلان فرمایا تھا انا الصدیق الاکبر کہ میں صدیق اکبر ہوں اور اصول میں یہ بات طے ہو گئی ہے کہ کلی لفظ جب بولا جاتا ہے تو فرد کامل کی طرف

---

[۱] دیکھو شرح سفر السعادۃ مطبوعہ کلکتہ صفحہ ۴۴۳۔

[۲] علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب لآلی مصنوعہ مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۱۶۱ میں بھی ان حدیثوں کے وضعی اور جعلی ہونے کی تصریح کی ہے ۱۲

امیر المومنین علیہ السلام

پھر جاتا ہے یعنی اس سے مراد فرد کامل ہی ہوتی ہے لہذا اس آیت میں بھی لفظ صدیق سے فرد کامل یعنی حضرت علی ہی مراد ہو سکتے ہیں نہ کہ دوسرے لوگ فافہم۔ رہا یہ احتمال کہ یہ آیت خلفار کی شان میں نازل ہوئی ہو تو یہ اُسی وقت درست ہوگا جب لفظ شہدار سے مراد وہ لوگ ہوں جو دنیا اور آخرت میں حاکموں کے یہاں گواہی دیتے ہیں۔ لیکن اگر اس سے مراد وہ لئے جائیں جن کو خدا نے ارادہ کیا ہی یعنی راہ خدا میں قتل ہونے والے شہدار تو ان کا احتمال کسی طرح درست نہیں ہو سکتا اس لئے کہ آپ کے خلفاء سے حضرت ابوبکر بھی تھے جو کسی کے قتل کرنے سے نہیں مرے بلکہ بیماری سے مرے تو وہ شہید کیسے کہدئیے جائیں گے؟ اور یہ جو کہا کہ "اس آیت کو خلافت سے کوئی تعلق نہیں" تو اس کا جواب پہلے بھی کئی آیتوں کے متعلق ہم دیچکے ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

قول علامہ علیہ الرحمہ چوبیسویں یہ آیت الذین ینفقون اموالھم باللیل والنھار سراً وعلانیۃ فلھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولاھم یحزنون کہ جو لوگ اپنے مالوں کو خدا کی راہ میں رات کو بھی اور دن کو بھی چھپ کر اور کھلے طور پر خرچ کرتے ہیں تو ان کے لئے ان کا اجر و ثواب ان کے پروردگار کے پاس ہے اور قیامت میں نہ ان کو کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے (پارہ ۳ سورہ بقرہ آیت ۲۷۴) جمہور علما نے روایت کی ہے کہ یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی کہ آپ کے پاس چار درہم تھے ان سے آپ نے ایک درہم رات کو ایک دن کو ایک چھپا کر ایک بے چھپائے خدا کی راہ میں خرچ کیا اسی پر یہ آیت نازل ہوئی۔[1]

قول ابطال البتہ مفسرین اہل سنت نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے مگر یہ آپ کے فضائل سے ہے اس سے شیعوں کا دعوے خلافت جناب امیر نہیں ثابت ہوتا۔

قول احقاق یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام اس قسم کا صدقہ کرنے میں منفرد اور بے مثل و نظیر تھے لہذا کل

[1] دیکھو تفسیر درمنثور مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۳۶۳ وغیرہ

صحابہ سے سخی تر ہوئے پس اسوجہ سے سب صحابہ سے افضل اور خدا کے نزدیک سب صحابہ سے محبوب تر بھی ہوئے پس اسوجہ سے آپ ہی سب سے زیادہ مستحق خلافت بھی تھے کیونکہ افضل اور احب الی اللہ کے رہتے ہوئے مفضول اور غیر محبوب خدا کیونکر خلیفہ ہوسکتا ہے۔ تو ہمارا دعوے ثابت ہے۔

قول علامہ علیہ الرحمہ پچیسویں یہ آیت ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔ کہ یقیناً اللہ اور اس کے ملٰئکہ حضرت رسولخدا پر درود بھیجا کرتے ہیں۔ تو اے ایمان والو تم لوگ بھی ان پر درود اور سلام بھیجتے رہو (پارہ ۲۲ سورہ احزاب آیت ۵۶) صحیح مسلم میں ہے کہ راوی نے حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی یارسول اللہ اما السلام علیک فقد عرفناہ واما الصلوٰۃ علیک فکیف ھی فقال قولوا اللھم صل علی محمد وال محمد کما صلیت علی ابراھیم وال ابراھیم کہ اے رسولخدا آپ پر سلام کرنے کا طریقہ تو ہم سب کو معلوم ہے لیکن آپ پر درود کیونکر بھیجیں تو حضرت نے فرمایا کہا کرو اللھم صل علی محمد و آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وال ابراھیم اے خدا حضرت محمد اور آل محمد پر تو اسی طرح درود بھیجتا رہ جس طرح حضرت ابراہیم اور آل ابراہیم پر بھیجتا تھا ۱۲

قول ابطال معلوم ہوتا ہے کہ علامہ حلی صاحب اپنا دعوے ہی بھول گئے یعنی حضرت علی کی خلافت بلافصل پر قرآن سے نص پیش کرنا۔ تو اس سے غافل ہوکر آپ حضرت علی کے فضائل بیان کرنے لگے حالانکہ یہ فضائل تو سب کو مسلم ہیں اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت علی اور ائمہ طاہرین کی شان میں قرآن مجید کی بہت سی آیتیں نازل ہوئی ہیں اور کون شخص محمد و آل محمد کے فضائل سے انکار کرسکتا ہے ہاں جو شخص آفتاب کی روشنی اور ماہتاب کی چمک سے انکار کرتا ہو وہ شاید ان حضرات کے فضائل سے انکار کرے گی

دیکھو صحیح مسلم مطبوعہ دہلی جلد اول صفحہ ۱۷۵ اور صحیح بخاری مطبوعہ دہلی پارہ ۲۶ صفحہ ۵۲ اور دوسری تمام کتب احادیث میں یہ حدیث موجود ہے ۱۲

جرأت بھی کر سکے۔

قول احقاق معلوم ہوتا ہے فاضل مخاطب صاحب ابتدائی بحث کا عنوان خود فراموش کر گئے یا اپنے مذہب کی ترویج کیلئے تجاہل عارفانہ کرنے لگے کیونکہ حضرت علامہ علیہ الرحمہ نے اس مبحث میں اپنا مقصود یہ قرار دیا ہے کہ ان چیزوں کو بیان کریں جو حضرت علیؑ کی امامت و خلافت بھی ثابت کرتی ہیں اور آپ کی افضلیت بھی واضح کرتی ہیں بلکہ آپ کی فضیلت تک کا اثبات مقصود ہے اور یہ کھلی بات ہے کہ حضرت علی کا ان لوگوں سے افضل ثابت ہو جانا جنھوں نے حق خلافت کو آپ سے لیلیا تھا خود آپ کی خلافت پر بڑی نص ہے کیونکہ خلافت و امامت کی بڑی شرطوں سے ایک عظیم الشان شرط یہ بھی ہے کہ خلیفہ اپنے زمانہ کے کل مسلمانوں سے افضل و اکمل ہو۔ پس جب حضرت علی کا سب مسلمانوں سے افضل و اکمل ہونا ثابت ہو جائیگا تو آپ کی خلافت بھی ثابت ہوتی جائیگی جیسا کہ پہلے تفصیل سے بیان ہو چکا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ خدا نے حضرت رسول خداصلعم کے ساتھ جو آپ کی اولاد پر بھی درود بھیجتے رہنے اور اس عبادت میں دونوں رگوں کو ساتھ رکھنے کا حکم دیا ہے اور آپ کی اولاد کے سوا کسی کو بھی اس شرف میں حضرت رسولخداصلعم کا شریک نہیں کیا حالانکہ کسی شخص پر درود بھیجنا اسکے اعلی شرف و بزرگی اور خدا کے یہاں تقرب کی دلیل ہے اور ایک جماعت نے تو اس کو نبوت کی خصوصیات سے بیان کیا ہے) اس امر کا کافی ثبوت ہے کہ جس طرح درود میں حضرت رسولخداصلعم کے ساتھ آپ کی آل بھی شریک ہے اسی طرح امت کی سرداری (خلافت و امامت) بھی حضرت رسولخداصلعم کے بعد آل محمد ہی کا حق ہے نہ کسی اور کا اور اس میں نکتہ یہ ہے جسکو سلطان فاضل سعید غیاث الدین الجایتو محمد خدابندہ انار اللہ برہانہ نے اپنی بادشاہی ذکاوت اور سلطانی طبیعت سے پیدا کیا ہے کہ سابق انبیاء کرام کے اوصیا کا فرض ان حضرات کی شریعت کی حفاظت کرنا نہ تھا۔ کیونکہ انکی شریعت منسوخ ہو جاتی تھی اور ان لوگوں کے بعد ان کی شریعت کو کسی ایسے محافظ کی ضرورت نہ تھی جو ان کے بعد دوسروں تک اس شریعت کو اسی صورت سے پہنچا دینے میں ان انبیا کے شریک ہوتے لہذا وہ اوصیاء درود کے بھی مستحق نہیں ہوئے اور نہ ان انبیاء کے

ساتھ ان کے اوصیاء کو بھی درود میں شریک کرنا واجب ہوا۔ برخلاف اس کے چونکہ ہمارے پیغمبر آخرالزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دین اسلام منسوخ ہوتے اور بدلجانے سے محفوظ تھا بلکہ یہی دین قیامت تک رہنے والا ہے اور کوئی دین اس کا ناسخ نہیں پیدا ہوگا اور حضرت رسولخدا صلعم کے بعد خدا نے آپ کی عترت و آل پر جو آپکے اوصیاء تھے قیامت تک اس دین کی حفاظت کرنا واجب کیا ہے اور اس طرح خدا نے ان حضرات کو آنحضرت صلعم کے بعد دین اسلام کی حفاظت و تبلیغ واشاعت وترقی میں آنحضرت کا شریک قرار دیا ہے لہذا استحقاق درود وسلام میں بھی ان حضرات کو حضرت رسولخدا صلعم کا شریک قرار دیا اور اس وجہ سے جو شرف و منزلت حضرت رسول خدا صلعم کو عطا کیا وہی آپ کی آل کو بھی دیا۔ علاوہ بریں سب سے زیادہ لحاظ کے قابل یہ بات ہے کہ آل محمد پر درود بھیجنا تو نماز میں بھی ہر مسلمان کیلئے واجب کیا گیا ہے اور نماز کل اعمال بدنیہ سے افضل عمل و عبادت ہے اور بغیر درود کے یہ افضل عمل صحیح ہو ہی نہیں ہوسکتا۔ پس جس بزرگوار کی یہ شان ہو کہ خدا کی بہترین عبادت میں اس بزرگ پر بھی درود بھیجنا واجب ہو اور جب تک اس بزرگ پر درود نہ بھیج لیا جائے اُس وقت تک خدا کی وہ بہترین عبادت صحیح ہی نہ ہوسکے اس بزرگ کے کل امت سے افضل واشرف ہونے میں کس کو شبہہ ہوسکتا ہے لہذا اسکے رہتے ہوئے دوسرے کا خلیفہ ہونا کیونکر صحیح ہوگا اور وہ خلیفہ بلافصل کیوں نہ مانا جائیگا۔ اور علامہ ابن حجر مکی نے اپنی مشہور کتاب صواعق محرقہ کے دسویں باب میں اپنے امام شافعی کے (وہ امام شافعی جو ہمارے مخاطب فاضل ابن روزبہان کے بھی امام تھے) چند اشعار نقل کئے ہیں جو اچھی طرح بتاتے ہیں کہ حضرت علی اور دیگر ائمہ طاہرین کا خدا کے یہاں کیا درجہ ہے لکھتے ہیں ؎

یا اھل بیت رسول اللہ حبکم + فرض من اللہ فی القرآن انزلہ + کفاکم من عظیم القدر انکم + من لا یصلی علیکم لاصلوٰۃ لہ۔ یعنی اے اہلبیت حضرت رسول خدا صلعم آپ کی محبت رکھنا ایسا فرض ہے جسکو خدا نے قرآن مجید میں نازل کیا ہے۔ آپ حضرات کی عظیم الشان قدر و منزلت کیلئے بس یہی کافی ہے کہ جو شخص اپنی نماز میں آپ پر درود نہیں بھیجے گا اس کی نماز ہی نہیں ہوسکتی ہے لہ۔ اور انھیں علامہ

ابن حجر نے اسی کتاب میں اس آیت (صلوا علیہ وسلموا تسلیما) سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ حضرت اہل بیت کا شرف اور فضل اس درجہ کا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے ان کو اس درود میں اپنا قائم مقام کر دیا اسلئے کہ حضرت رسولخدا صلعم پر درود بھیجنے کا حکم خدا نے اسی وجہ سے دیا کہ آپ کی تعظیم زیادہ ہو۔ پس اسی وجہ سے اہلبیت کی تعظیم کا زیادہ ہونا بھی مقصود ہوا اور یہی بات ہے کہ جب حضرت رسول خدا صلعم نے حضرات اہلبیت کو اپنے کمل کے اندر لیکر حدیث کسا ارشاد فرمائی تو دعا فرمائی تھی اللھم انھم منی وانا منھم فاجعل صلاتک ورحمتک ومغفرتک ورضوانک علی وعلیھم یعنی اے خدا یہ سب لوگ (علی۔ فاطمہ۔ حسن وحسین) مجھ سے ہیں اور میں ان لوگوں سے ہوں تو اپنی رحمت اور درود اور بخشش اور خوشنودی کو مجھ پر اور ان لوگوں پر نازل فرما۔ اور حضرت کی اس دعا کے قبول ہونے کا واقعہ یہ ہوا کہ خدا نے حضرت رسول صلعم کے ہمراہ ان حضرات پر بھی درود بھیجا پس اسوقت مومنین کو بھی حکم دیا کہ حضرت رسولؐ کے ساتھ ان آل محمد پر بھی درود بھیجا کریں اور روایت میں وارد ہوا ہے کہ حضرت رسولخداؐ نے فرمایا لاتصلوا علی الصلاۃ البتراء کہ مجھ پر دم بریدہ درود نہ بھیجا کرو صحابہ نے عرض کی یا حضرت دم بریدہ درود کیا ہے؟ تو حضرت نے فرمایا یہ کہ اللھم صل علی محمد کہہ کر خاموش ہو جاؤ کہ یہ دم بریدہ (ناقص) درود ہے بلکہ یوں کہا کرو اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد (کہ یہی پورا درود ہے)"[1]

قول علامہ علیہ الرحمہ

چھبیسویں یہ آیت مرج البحرین یلتقیان بینھما برزخ لایبغیان فبای آلاء ربکما تکذبان یخرج منھما اللؤلؤ والمرجان۔ کہ اسی خدا نے دو دریا بہائے جو باہم ملجاتے ہیں۔ دونوں کے درمیان ایک حد فاصل (آڑ) ہے جس سے تجاوز نہیں کر سکتے تو اے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کس نعمت کو جھٹلا دگے ان دونوں دریاؤں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں۔ (پارہ ۲۷۔ سورہ رحمن آیت ۱۹) جمہور نے روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس نے کہا کہ دونوں دریا علی و

[1] کتاب مذکور صفحہ ۸۸

فاطمہ ہیں اور ان دونوں کے درمیان وہ برزخ جو دونوں کے درمیان حد فاصل ہے حضرت رسول خدا صلعم ہیں ان دونوں سے جو لؤلؤ اور مرجان نکلتے ہیں وہ امام حسن و حسین علیہ السلام ہیں اور حضرت امیر المومنینؑ کے سوا کسی صحابی کو بھی یہ فضیلت نہیں حاصل ہو سکتی ہے۔

قول ابطال یہ روایت اہل سنت کی تفسیروں میں نہیں ہے۔ پھر یہ جو کہا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم حضرت علی و فاطمہ کے درمیان حد فاصل (واسطہ) ہیں۔ تو اس کی بھی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اور اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو اس سے صرف حضرت علی کی فضیلت ثابت ہوگی نہ آپ کی خلافت پر نص۔

قول احقاق اس روایت کو صاحب کتاب کشف الغمہ نے حافظ ابوبکر احمد بن موسی ابن مردویہ سے نقل کیا ہے اور انھوں نے انس بن مالک ایسے جلیل القدر صحابی سے روایت کی ہے اور یہ مضمون حضرات اہل سنت کی بہت سی تفسیروں اور بہت سی کتب مناقب میں مذکور ہے[۱] اور اس کی طرف شیخ عز الدین عبد السلام مقدسی شافعی نے اپنے بعض رسائل کی ایک فصل میں لکھا ہے اور ان بعض رسائل کو بھی انھوں نے خاص خلفاء کی مدح میں تحریر کیا ہے تو اس فصل میں انھوں نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو جناب فاطمہ کا حمل منعقد ہوا تو جناب فاطمہ پیٹ ہی میں سے جناب خدیجہ کے ساتھ باتیں کیا کرتی تھیں اور تنہائی میں ان کا دل بہلاتی تھیں لیکن جناب خدیجہ اس واقعہ کو حضرت رسول خدا صلعم سے مخفی رکھتی تھیں۔ ایک روز حضرت رسولخدا صلعم اس وقت گھر میں تشریف لائے جب جناب خدیجہ حضرت فاطمہ سے باتیں کرتی تھیں۔ آنحضرت صلعم نے یہ کیفیت دیکھ کر پوچھا کہ اے خدیجہ تم کس سے باتیں کر رہی تھیں؟ آپ نے جواب دیا اس بچہ سے جو میرے پیٹ میں ہے کہ وہ برابر مجھ سے باتیں کرتا اور میرا دل بہلاتا رہتا ہے تب حضرت نے فرمایا اے خدیجہ تمھیں مبارک اور خوشخبری ہو کہ یہ بچہ لڑکا نہیں بلکہ

---

[۱] علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی تفسیر در منثور مطبوعہ مصر جلد ۶ صفحہ ۱۴۲ میں بھی کئی روایتیں اسی مضمون کی لکھی ہیں کہ دونوں دریا سے مراد حضرت علی و فاطمہ اور لؤلؤ و مرجان سے مراد امام حسن و حسین ہیں ۱۲

لڑکی ہے اور یہ اور اس کی نسل نہایت پاکیزہ اور مبارک ہوگی کیونکہ خدا نے اسکو میری نسل سے قرار دیا ہے اور جب میرا زمانہ تمام اور وحی کا آنا موقوف ہوجائیگا تو میرے خلیفوں کو بھی خدا اسی لڑکی کی نسل سے پیدا کرتا رہے گا۔ پس جب جناب سیدہ پیدا ہوئیں تو برابر یہ نور بڑھتا اور اس کی روشنی تمام دنیا میں چمکتی گئی یہاں تک کہ حضرت رسولخدا صلعم کے پاس ایک فرشتہ نے آکر عرض کی کہ اے محمدؐ میں فرشتہ ہوں میرا نام محمود ہے اور خدا نے مجھے اسلئے بھیجا ہے کہ ایک نور کو دوسرے نور کے ساتھ تزویج کردوں۔ تو حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا وہ دونوں نور کون ہیں؟ اس فرشتہ نے کہا علی اور فاطمہ کیونکہ خدا نے ساتوں آسمان کے اوپر ان دونوں کا نکاح کردیا ہے اور اس عقد پر اپنے فرشتوں جبرئیل و میکائیل و اسرافیل اور ستر ہزار کروبیین اور ستر ہزار ان مکرم و بزرگ فرشتوں کو گواہ کیا ہے کہ انمیں سے ایک فرشتہ بھی کوئی سجدہ کرتا ہے تو اپنے سر کو قیامت تک نہیں اٹھاتا۔ تو خدا نے ان فرشتوں کی طرف وحی کی کہ اپنے سروں کو اسوقت اٹھالو اور فاطمہ کے ساتھ علی کا نکاح ہوا ہے اسکو دیکھ کر گواہ ہوجاؤ۔ ان دونوں کا جو نکاح آسمان پر خدا نے پڑھا ہے اس کا خطبہ پڑھنے والے جبرئیل اور دو گواہ میکائیل اور اسرائیل ہیں۔ پھر خدا نے حورالعین کو حکم دیا کہ درخت طوبیٰ کے نیچے حاضر ہوں اور درخت طوبیٰ کو وحی کی کہ تجھ میں جو چیزیں ہیں ان کو نچھاور کر۔ تو اس نے اخروٹ بادام اور شکر وغیرہ نچھاور کئے۔ بادام تو در (موتی) کے تھے اور اخروٹ یاقوت کے اور شکر بہشت کی شکر تھی تو ان چیزوں کو حورالعین نے لوٹا اور وہ ان کے پاس قیمتی طبقوں میں ہیں جنکو وہ ایک دوسری کے پاس بطور تحفہ و ہدیہ بھیجتی رہتی اور فخر یہ کہتی ہیں کہ یہ جناب سیدہ کی تزویج کا نچھاور ہے۔ جب فرشتے نے اپنی بات ختم کی تو حضرت رسولخدا صلعم نے اپنے اصحاب کو بلایا اور فرمایا میں تم سب کو گواہ کرکے کہتا ہوں کہ میں نے اپنی پارۂ جگر فاطمہ کا نکاح علی کے ساتھ کردیا۔ پس جب اس طرح دونوں دریا میں رابطہ پیدا ہوگیا یعنی جناب سیدہ جو دریائے نبوت سے تھیں اور حضرت علی جو دریائے امامت و فتوت سے تھے تو اسوقت خدا نے ان دونوں دریاؤں کو ملادیا اس طرح کہ ان دونوں کے درمیان ایک

برزخ تھا جو کسی کو اپنی حد سے بڑھنے نہیں دیتا اور وہ برزخ تقوے کا ہے کہ جن کی وجہ سے نہ حضرت علی کسی دعوے میں جناب سیدہ پر تجاوز کرتے اور نہ جناب سیدہ کسی شکایت میں حضرت علی پر تجاوز کرتیں تو ان سے موتی اور مونگے پیدا ہونے لگے موتی تو امام حسنؑ اور مونگا امام حسینؑ علیہ السلام ہیں ۔ اس طرح یہ دونوں حضرت رسولخدا صلعم کے نواسے دونوں سردار دونوں شہید دونوں حضرت رسول خدا صلعم کے پیارے پیدا ہوئے پس یہ دونوں حضرت رسول خدا صلعم کی روح وجان اور پھول تھے جب حضرت ان دونوں کو سونگھتے اور ان دونوں سے آپ کو خوشی ہوتی تو فرمایا کرتے یہ دونوں میرے لئے دنیا کے دو پھول ہیں اور جب ان دونوں کے دیکھنے کے لئے آپ بےچین ہوتے تو فرمایا کرتے میرے دونوں بیٹے کہاں ہیں جو دونوں جوانان اہل بہشت کے سردار ہیں اور ان کے باپ ان دونوں سے بھی بہتر ہیں اور فاطمہ میری پارہ جگر ہیں جو بات انھیں تکلیف دیتی ہے وہ مجھے بھی تکلیف پہونچاتی ہے اور جس امر سے ان کو اذیت پہنچتی ہے اس سے مجھے بھی اذیت ہوتی ہے اور جس امر سے وہ خوش ہوتی ہیں اس سے میں بھی خوش ہوتا ہوں قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ خدا حکم دیتا ہے کہ اے رسول مسلمانوں سے کہدو کہ اس کار رسالت پر میں تم سے اسکے سوا کوئی اجر نہیں چاہتا کہ میرے اہلبیت سے محبت رکھو اتنے"۔ علامہ شافعی کی اس عبارت سے اس کی وجہ بھی معلوم ہوئی کہ حضرت رسول خدا صلعم کا وجود ان لوگوں کے لئے برزخ کس معنے میں ہے یعنی ان حضرات کی عصمت کیلئے اور ایک سے دوسرے کے خلاف ترک اولیٰ ہونے سے بچانے کے لئے آپ کا وجود موکد تاکید کرنے والا ہے اور فاضل مخاطب نے یہ جو کہا کہ "اگر یہ روایت صحیح بھی ہو الخ" تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے حضرت علی کی عصمت بھی ثابت ہوگئی اور آپ کا سب سے افضل ہونا بھی ثابت ہوگیا عصمت تو اس طرح کہ خدا نے فرمایا لا یبغیان وہ دونوں زیادتی نہیں کرسکتے پس جب حضرت علی کسی قسم کی زیادتی نہیں کرسکتے تو یقیناً معصوم ہوگئے اور افضل ہونا اس طرح کہ خدا نے اور کسی صحابی کو دریائے نبوت کے مقابلے میں نہیں رکھا اور نہ کسی کے بارے میں یہ فرمایا کہ وہ زیادتی نہیں کریگا لہذا حضرت علی کا سب سے افضل ہونا واضح ہے) اور بارہا ہم بیان کرچکے کہ جناب علامہ علیہ الرحمہ کا دعوے صرف حضرت علی کی خلافت پر نص بیان کرنا نہیں ہے

بلکہ ساتھ ہی ساتھ آپ کو معصوم اور کل صحابہ سے افضل ثابت کرنا بھی ہے۔ لہٰذا اگر اس آیت سے صرف حضرت علی کی فضیلت تسلیم کی جائے جب بھی شیعوں کا دعوے مکمل ہو جائیگا کیونکہ حضرت کی ذات میں جو فضائل جمع تھے ان کا ذکر کرنا اور دوسروں کی کسی فضیلت کا ذکر نہ کرنا صاف بتاتا ہے کہ فضیلت کی تمام وجہیں حضرت علی ہی میں منحصر تھیں اور اسوجہ سے حضرت کا باقی کل لوگوں سے جن میں وہ فضائل نہیں تھے افضل ہونا ایسی کھلی بات ہے جس میں کوئی شخص شک نہیں کر سکتا۔ اور لطف یہ ہے کہ گو اس جگہ فاضل مخاطب انکار کرتے ہیں لیکن دوسری جگہ یعنی چوتھے مطلب میں جہاں جناب علامہ علیہ الرحمہ نے حضرت رسولخدا صلعم کی اس حدیث من اراد ان ینظر الی آدم فی علمہ۔ والی نوح فی فہمہ۔ والی یحییٰ بن ذکریا فی زھدہ الخ ذکر (جو شخص حضرت آدم کو ان کے علم میں اور حضرت نوح کو ان کی سمجھ میں اور حضرت یحییٰ بن ذکریا کو ان کے زہد میں دیکھنا چاہے اسے چاہیئے کہ حضرت علی کو دیکھ لے) سے حضرت علی علیہ السلام کے علم پر استدلال کیا ہے وہاں خود اس بات کو تسلیم کیا ہے چنانچہ وہاں کہدیا ہے ان الجامع للفضائل افضل ممن تفرق فیھم الفضائل کہ یقیناً وہ شخص جس میں کل فضائل پائے جاتے ہوں ان سب لوگوں سے افضل ہے جن میں وہ فضائل متفرق طور پر پائے جاتے ہوں (مثلاً کسی میں علم ہے تو شجاعت نہیں۔ زہد ہے تو علم نہیں۔ نسب ہے تو زہد نہیں۔ مال ہے تو سخاوت نہیں وغیرہ)۔

قول علامہ علیہ الرحمہ ستائیسویں یہ آیت قل کفی باللہ شھیدا بینی و بینکم و من عندہ علم الکتاب اے رسول تم ان لوگوں سے کہدو کہ میرے اور تمہارے درمیان میری رسالت کی گواہی کے واسطے خدا اور وہ شخص جسکے پاس کتاب کا علم ہے کافی ہیں (پارہ ۱۳ سورہ رعد آیت ۴۳) جمہور نے روایت کی ہے کہ وہ شخص حضرت علی ہیں۔

قول ابطال جمہور مفسرین نے تو روایت کی ہے کہ اس شخص سے مراد وہ علمار یہود ہیں جنھوں نے اسلام قبول کیا تھا مثل عبداللہ بن سلام وغیرہ کے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس شخص سے مراد بھی خود خدا ہی ہے اور اس صورت میں یہ لفظ دونوں وصفوں کیلئے جمع کی صورت ہو جائیگا۔ یعنی یہ مطلب ہوگا کہ اس کا گواہ اللہ ہے اور وہ اللہ ہی ہے جسکے

پاس کتاب کا علم ہے) رہا اس آیت کا حضرت علی کی شان میں نازل ہونا تو یہ مضمون کسی تفسیر میں بھی نہیں ہے لیکن اگر ہم تسلیم بھی کر لیں تو اس سے آپ کا مقصود نہیں حاصل ہو سکتا کیونکہ اس سے حضرت علی کی خلافت نہیں ثابت ہوتی ہے۔

قول احقاق فاضل مخاطب نے یہ جو کہا ہے کہ "اس شخص سے مراد علماء یہود ہیں" تو اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ حضرت رسولؐ کی نبوت کو ایک یا دو شخصوں کے قول سے ثابت کرنا (درصورتیکہ وہ ایک یا دو شخص معصوم بھی نہیں تھے) جائز نہیں ہے کیونکہ وہ دونوں جھوٹ بول سکتے ہیں تو جس شخص کے قول میں جھوٹ کا احتمال ہو اس کے بیان سے حضرت رسول خدا صلعم کی نبوت کیونکر ثابت ہو جائے گی؟ اور سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ یہ سورہ مکی ہے اور عبد اللہ بن سلام وغیرہ ہجرت کے بعد مدینہ میں مسلمان ہوئے تھے پھر مکی سورہ میں ان لوگوں کا ذکر کیونکر ہوگا؟ چنانچہ تفسیر نیشاپوری میں اس قول پر یہی اعتراض کیا گیا ہے[۱] اور ہم تو یہ بھی عرض کرتے ہیں کہ لفظ کتاب سے جو چیز متبادر ہوتی ہے وہ قرآن ہے نہ توراۃ و انجیل وغیرہ۔ ہاں لفظ اہل کتاب سے یہود و نصاریٰ ہی ہوتے ہیں۔ تو خدا کا قول ومن عندہ علم الکتاب ہے جس کا معنے یہی ہوا کہ جس کے پاس قرآن کا علم ہے۔ اہل الکتاب کا لفظ نہیں ہے جس سے مراد یہود و نصاریٰ لئے جائیں۔ اور یہ جو کہا کہ "یہ مضمون کسی تفسیر میں نہیں ہے" تو غلط ہے کیونکہ علامہ اہل سنت ثعلبی نے اپنی تفسیر میں اس مضمون کو دو طریقوں سے روایت کیا ہے جن میں سے ایک عبد اللہ بن سلام کی روایت ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ وہ شخص علی ابن ابی طالب ہیں۔ اور اس روایت کو علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی اپنی کتاب الاتقان فی معرفۃ علوم القرآن میں نقل کیا ہے[۲] چنانچہ لکھا ہے کہ سعید بن منصور نے اپنی سنن میں کہا ہے کہ مجھ سے ابو عوانہ نے ابو بشر سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے سعید بن جبیر سے اس قول خدا ومن عندہ علم الکتاب کا مطلب پوچھا کہ کیا اس شخص سے مراد عبد اللہ بن سلام ہے؟ تو انہوں نے کہا وہ کیسے مراد ہو سکتا ہے حالانکہ جس سورہ میں یہ آیت ہے وہ مکہ میں نازل ہوئی تھی۔

---

[۱] تفسیر نیشاپوری برحاشیہ تفسیر طبری مطبوعہ مصر جلد ۱۳ صفحہ ۱۰ [۲] علامہ مذکور کی تفسیر درمنثور جلد ۴ صفحہ ۶۹ میں بھی ہے ۱۲

(اور عبداللہ بن سلام مدینہ میں مسلمان ہوا تھا) اسی مضمون کو علامہ بغوی نے بھی اپنی تفسیر معالم التنزیل میں روایت کیا ہے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ صاحب اتقان اور صاحب معالم التنزیل اور علامہ ثعلبی سب نے اس حدیث کو عبداللہ بن سلام سے روایت کیا ہے اور خصوصًا علامہ ثعلبی نے اسکو صیغہ حصر کے ساتھ روایت کیا ہے باوجود اس کے فاضل مخاطب حضرت علی کی مخالفت سے باز نہیں آتے اور آپ کے فضائل سے انکار کرنے کی پروا نہیں کرتے۔ اور یہ جو کہا کہ "اس سے آپ کا مقصود نہیں ثابت ہو سکتا" تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ جب حضرت علی ہی وہ بزرگ ہیں جنکے پاس کتاب (قرآن مجید) کا علم تھا تو تمام امت اسلام کو احکام قرآن معلوم کرنے کے لئے حضرت علی ہی کی طرف احتیاج تھی کیونکہ جب تک قرآن کا حلال وحرام واجب ومستحب اوامر ونواہی عقائد و عبادات جو باتیں قرآن میں موجود ہیں حضرت علی نہیں بتاتے لوگوں کو ان پر عمل کرنیکا موقع کس طرح ملتا پس ضروری ہوا کہ لوگ ان امور کیلئے حضرت ہی کی پیروی کریں کیونکہ حضرت ہی ان کل چیزوں کو صاف طرح بتانے والے تھے اور نجات حاصل کرنے کے لئے گمراہی سے بچنے اور صراط مستقیم پر چلنے کی صورت بغیر اسکے نہیں ہو سکتی ہے کہ جو شخص قرآن مجید کے مطالب کا اصلی جاننے والا اور قابل اعتماد ہو اور جس کو خدا و رسول نے بھی بتا دیا ہو اسی کی پیروی کیجائے ورنہ اسکے خلاف دوسرے اشخاص کی پیروی کرنیمیں ضلالت اور ہلاکت کا اندیشہ ہے کیونکہ ان لوگوں کو قرآن کا علم حقیقی معلوم ہی نہیں ہوا ہے پس جو بزرگ قرآن مجید کے احکام ومطالب بتانے کی صلاحیت رکھتا ہے یقینًا وہی مستحق امامت وخلافت بھی ہے اسلئے کہ خلافت وامامت کی اصلی غرض یہی ہے کہ لوگوں سے خدا و رسول کے احکام بیان کئے جائیں۔

قول علامہ علیہ الرحمہ

اٹھائیسویں یہ آیت يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ یعنی اس دن جب خدا رسول کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے ہیں رسوا نہیں کریگا۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ اس آیت میں والذین آمنوا سے مراد حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام اور ان کے اصحاب ہیں۔

قول ابطال

ظاہر آیت کا مطلب تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی ایسی جماعت کی شان میں نازل ہوئی ہے جو قیامت میں حضرت رسولخدا صلعم کے ساتھ رہیگی اور منجملہ ان کے

حضرت علی بھی ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قیامت میں رسوا نہ ہونا کوئی ایسی بات نہیں ہے جو صرف حضرت رسولخدا صلعم اور حضرت علی سے مخصوص ہو بلکہ حضرت رسول خدا صلعم کے مخصوص اصحاب سب ہی اس روز رسوائی سے بچ سکتے ہیں لیکن اگر ہم مان بھی لیں کہ اس سے صرف حضرت علی مراد ہیں جب بھی اس سے حضرت علی کی خلافت کیونکر ثابت ہو جائیگی؟

قول احقاق اس میں شک نہیں کہ ظاہر آیت کا مطلب یہی معلوم ہوتا ہے جو فاضل مخاطب نے ذکر کیا ہے کہ یہ ایک جماعت کی شان میں نازل ہوئی ہے لیکن وہ روایت جو علامہ علیہ الرحمہ کی کتاب میں ہے اور جس میں آنحضرت صلعم نے حضرت علیؑ کے ساتھ آپ کے اصحاب کو بھی فرمایا ہے کہ وہ رسوا نہ ہونگے فاضل مخاطب نے اس روایت کو حذف کر کے یہ اعتراض کیا کہ "یہ روایت صرف حضرت علی سے مخصوص کیونکر ہو سکتی ہے"۔ اور آپ نے یہ جو فرمایا کہ "حضرت رسولخدا صلعم کے مخصوص اصحاب سب ہی اس روز رسوائی سے بچ سکتے ہیں" تو اگر ان مخصوص اصحاب رسولؐ سے وہ حضرات مراد ہیں جو آنحضرت صلعم کے بعد حضرت علی کے اصحاب ہو گئے جیسے افراد بنی ہاشم۔ جناب مقداد سلمان۔ ابوذر۔ عمار وغیرہ تو ہم بھی اسکو مانتے ہیں لیکن اس سے آپ کو کیا فائدہ کیونکہ جن صحابہ کو آپ قیامت کی رسوائی سے بچانا چاہتے ہیں وہ بچ نہیں سکتے۔ اور اگر ان مخصوص اصحاب رسولؐ سے وہ حضرات مراد ہیں جو حضرت علی سے علحدہ ہو گئے اور آپ کا حق غصب کر لیا تو ہم نہیں تسلیم کرتے کہ وہ رسوائی سے بچ سکیں گے بلکہ مشہور حدیث حوض ان کی رسوائی میں وارد ہو چکی ہے جو کسی پر مخفی نہیں ہے[1]۔ علاوہ بریں رسوائی کے کئی

---

[1] صحیح بخاری تک میں یہ حدیث متعدد طریقوں سے موجود ہے پارہ ۲۷ کتاب حوض (مطبوعہ دہلی ص ۹۷۳) لکھا ہے عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال انا فرطکم علی الحوض ولیرفعن رجال منکم ثم لیختلجن دونی فاقول یارب اصحابی فیقال انک لا تدری ما احدثوا بعدک یعنی حضرت رسولخدا صلعم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ میں تم سب سے پہلے حوض کوثر پر پہونچ جاؤنگا پھر تم میں سے کچھ لوگ بلند کئے جائینگے پھر میرے پاس سے کھینچکر ہٹا دیئے جائینگے۔ اسوقت میں عرض کرونگا کہ اے خدا یہ تو میرے ہی اصحاب ہیں! تب خدا کی طرف سے کہا جائیگا کہ ہاں ہیں تو مگر تم نہیں جانتے کہ ان صحابہ نے تمھارے بعد کیا کیا کیے۔ مسلم ص ۲۹۰ میں یہ حدیث ہے عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لیردن علی ناس

درجے ہیں پھر اصحاب حضرت رسولخدا صلعم سے مطلقاً ہر قسم کی رسوائی سے کیونکر انکار کیا جا سکتا ہے حالانکہ خود فاضل مخاطب کے بزرگان دین نے بعض قسم کی رسوائی تو قیامت

(بقیہ حاشیہ ص ۲۹۳)
من اصحابی الحوض حتی عرفتہم اختلجوا دونی فاقول اصحابی فیقول لا تدری ما احدثوا بعدک
اس کا مطلب بھی وہی ہے پھر یہ حدیث ہے عن سہل بن سعد قال قال النبی صلی اللہ علیہ
وسلم انا فرطکم علی الحوض من مر علی شرب ومن شرب لم یظمأ ابداً لیردن علی اقوام اعرفہم
ولیعرفونی ثم یحال بینی وبینہم قال ابو حازم فسمعنی النعمان بن ابی عیاش فقال ھکذا
سمعت من سہل فقلت نعم فقال اشہد علی ابی سعید الخدری لسمعتہ وھو یزید فیہا
فاقول انہم منی فیقال انک لا تدری ما احدثوا بعدک فاقول سحقاً سحقاً لمن غیر بعدی
یعنی سہل بن سعد بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم سب سے پہلے
حوض کوثر پر پہونچونگا جو میرے پاس پہونچ جائیگا وہ حوض کوثر سے پی لیگا اور جو پی لیگا پھر کبھی
پیاسا نہ ہوگا وہاں کچھ وہ لوگ بھی میرے پاس آئیں گے جنکو میں بھی پہچانونگا اور وہ لوگ بھی مجھے
پہچانینگے پھر میرے اور ان کے درمیان آڑ کر دیا جائیگا۔ ابو حازم نے کہا کہ نعمان بن عباس نے مجھ سے
اس حدیث کو سنا تو پوچھا کہ کیا تم نے سہل بن سعد سے اس روایت کو اسی طرح سنا ہے؟ میں نے کہا
ہاں تو انھوں نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ ابو سعید خدری سے میں نے اسکو سنا ہے وہ اتنا اور
بیان کرتے تھے کہ آنحضرت نے فرمایا پھر میں خدا سے عرض کرونگا کہ یہ لوگ تو میرے ہی ساتھیوں
سے ہیں تو خدا کی طرف سے جواب دیا جائیگا کہ تمکو خبر نہیں ہے ان لوگوں نے تمھارے بعد کیا کیا احداث
کیا تب میں کہونگا مجھ سے وہ شخص دور ہو اور جس نے میرے بعد تغیر پیدا کر دیا۔ پھر صفحہ ۲۱۶ میں یہ حدیث
ہے ان النبیؐ قال یرد علی الحوض رجال من اصحابی فیحلئون عنہ فاقول یا رب اصحابی فیقول انک
لا علم لک بما احدثوا بعدک انہم ارتدوا علی ادبارہم القہقری کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا حوض کوثر
پر میرے پاس میرے اصحاب سے بہت لوگ آئینگے گرد وہ یہاں سے ہٹا دیے جائینگے تو میں عرض کرونگا اے
پروردگار یہ تو میرے اصحاب ہیں تو خدا فرمائیگا تمکو نہیں معلوم ہے کہ انھوں نے تمھارے بعد کیا احداث کیا یہ سب
اپنے پچھلے پاؤں ضلالت کیطرف پھر گئے تھے پھر یہ حدیث ہے عن النبی قال بینا انا قائم اذا زمرۃ حتی اذا عرفتہم
خرج رجل من بینی وبینہم فقال ھلم فقلت این قال الی النار واللہ۔ قلت وما شانہم قال انہم ارتدوا
بعدک علی ادبارہم القہقری ثم اذا زمرۃ حتی اذا عرفتہم خرج رجل من بینی وبینہم فقال ھلم

میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے لئے بھی ثابت کردیا ہے جیسا کہ پہلے صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے ہم بیان کرچکے ہیں کہ حضرت ابراہیم سے بروز قیامت کچھ لوگ شفاعت کی درخواست کریں گے تو حضرت ان لوگوں سے عذر کریں گے کہ میں تمہاری شفاعت نہیں کرسکتا اسلئے کہ اسوقت خدا اس درجہ غضبناک ہے کہ نہ آج سے قبل اتنا غضب تھا نہ آج سے بعد پھر ہوگا اور میں دنیا میں تین جھوٹ بول چکا ہوں تو تمہاری شفاعت نہیں کرسکتا"[۱]۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے تین جھوٹ کی وجہ سے قیامت میں شفاعت کرنے سے عاجز رہنا اور ان لوگوں سے اس کی معذرت کرنا بھی ایک رسوائی ہے جس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا مگر صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت ابراہیم تک کیلئے یہ رسوائی ثابت کی گئی ہے پھر اصحاب حضرت رسولخدا صلعم سے کیوں اس کا انکار ہوسکتا ہے۔ لیکن انبیاء کے بارے میں جو کچھ یہ حضرات کہتے ہیں خدا اور اس کا رسول ان باتوں سے کہیں بلند ہے (یعنی خدا اور رسولخدا صلعم کی زبان سے ہرگز ہرگز انبیاء کی ذلت نہیں ہوسکتی جب یہی لوگ بُرے ہونگے تو خلق خدا کی ہدایت کون کریگا) ایک لطیفہ یہ بھی سننے کے قابل ہے کہ لفظ خزیان عربی بلغت میں مشتق ہے جو کسی شخص کیلئے بولا جاتا ہے اور جسکا معنے (رسوا) ہے جیسا کہ کتب لغت سے معلوم ہوتا ہے جیسے لفظ یقظان معنے جاگنے والا نومان معنے سونیوالا اسی طرح خزیان معنے رسوا ہونے والا۔ پس یہ لفظ خزیان مصدر نہیں ہے لیکن فاضل مخاطب کو یہ بات بھی نہیں معلوم ہے انھوں نے تمام جواب میں خزیان کا معنے مصدر ہی یعنی رسوائی یا رسوا ہونا استعمال کیا ہے جو ایسی فاش غلطی ہے کہ کسی طالب العلم سے بھی نہیں ہونی چاہیئے۔

(بقیہ حاشیہ ۲۹) ، ھلم قلت این قال الی النار واللہ ۔ قلت ماشانھم قال انھم ارتدوا علی ادبارھم القھقری فلا اراہ یخلص فیھم الا مثل ھمل النعم کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا گویا میں قیامت میں کھڑا ہوں کہ ناگاہ ایک جماعت سامنے آئی جب میں نے انکو پہچان لیا تو ایک شخص میرے اور انکے درمیان سے نکلا اور کہا آؤ میں نے اس سے پوچھا کہاں؟ اس نے کہا خدا کی قسم جہنم کی طرف میں نے پوچھا ان کا کیا واقعہ ہے تو اس نے کہا کہ یہ لوگ تمہارے بعد اپنے پچھلے پاؤں مرتد ہوگئے اسی طرح یہ سلسلہ رہا۔ تو میں نہیں دیکھتا کہ ان میں سے بجائے تمام چند شخصوں کے سوا کوئی بچ سکیگا۔ اور کل کتب حدیث و تفسیر اس حدیث سے بھری پڑی ہیں جس سے ثابت ہو گیا کہ آنحضرت صلعم کے کل صحابہ قیامت میں رسوائی سے نہیں بچ سکتے ہیں ورنہ ایسی حدیثیں جھوٹی ہو جائنگی ۱۲۔

[۱] صحیح بخاری پارہ ۱۳ صفحہ ۲۳۲ وغیرہ

قول علامہ علیہ الرحمہ انتیسویں یہ آیت اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ ھُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ کہ بیشک جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کرتے رہے یہی لوگ بہترین خلائق ہیں (پارہ ۳۰ سورہ بینہ آیت ۷) جمہور نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے علی وہ بہترین خلائق تم اور تمہارے شیعہ ہو۔ تم اور تمہارے شیعہ قیامت میں اس طرح آئینگے کہ تم لوگ خدا سے راضی اور خدا تم لوگوں سے راضی ہوگا اور تمہارے دشمن رنجیدہ ذلیل وخوار آئینگے

قول ابطال یہ روایت کسی تفسیر میں نہیں ہے بلکہ ظاہر مطلب عام ہے کہ جو لوگ بھی ایمان لا کر اچھا کام کرینگے وہ بہترین خلائق ہیں لیکن اگر ہم مان بھی لیں تو اس سے حضرت علی کی خلافت کیونکر ثابت ہوگی۔

قول احقاق جناب علامہ علیہ الرحمہ نے یہ تو نہیں فرمایا ہے کہ یہ روایت اہلسنت کی تفسیروں میں ذکر کی گئی ہے بلکہ یہ کہا ہے کہ جمہور نے اسکی روایت کی ہے تو یہ روایت صواعق محرقہ علامہ ابن حجر مکی میں موجود ہے[1]۔ اور صاحب کشف الغمہ نے بھی اسکو حافظ ابن دیم

---

[1] صواعق محرقہ مطبوعہ مصر صفحہ ۹۶ میں بھی حضرت علی کے فضائل میں اس آیت ان الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات اولٰئک ھم خیر البریہ کو لکھ کر اس کی تفسیر میں لکھا ہے ان ھذہ الاٰیۃ لما نزلت قال لعلی ھو انت وشیعتک تاتی انت وشیعتک یوم القیامۃ راضین مرضیین ویاتی عدوک غضابا مقمحین کہ یہ آیت جب نازل ہوئی تو آنحضرت صلعم نے حضرت علی سے فرمایا اے علی وہ بہترین خلائق تم اور تمہارے شیعہ ہیں تم اور تمہارے شیعہ قیامت میں خوش خوش آئیں گے اور تمہارے دشمن رنجیدہ ذلیل وخوار حاضر ہونگے یا ابا الحسن اما انت وشیعتک فی الجنۃ اے علی تم اور تمہارے سب شیعہ بہشت میں جائینگے یا علی ان اللہ قد غفر لک ولذریتک وولدک ولاھلک ولشیعتک اے علی خدا نے تم کو تمہاری ذریت تمہاری اولاد تمہارے اہل وعیال اور تمہارے شیعوں کو بخشدیا ہے۔ اور صفحہ ۹۲ میں ہے ان خلیلی صلی اللہ علیہ وسلم قال یا علی انک ستقدم علی اللہ وشیعتک راضین مرضیین ویقدم علیہ عدوک غضابا مقمحین کہ حضرت علی نے کہا کہ حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اے علی قیامت میں تم اور تمہارے شیعہ اس طرح آؤگے کہ تم لوگ خدا سے خوش اور خدا تم سے خوش ہوگا اور تمہارے دشمن رنجیدہ ذلیل وخوار آئینگے

سے نقل کیا ہے اور اگر علمائے اہل سنت سے متقدمین کی تفسیریں مثل تفسیر ثعلبی وغیرہ
کے دیکھی جائیں تو ان میں بھی یہ روایت ملجائے گی [۱] اور یہ حدیث اگرچہ حضرت علی کی خلافت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۶) یہی روایت کنز العمال مطبوعہ حیدرآباد جلد ۶ صفحہ ۴۰۳ وغیرہ میں بھی ہے ۱۲

[۱] حضرات اہلسنت کے علمائے متقدمین کا کیا ذکر ہے علمائے متاخرین کی تفسیروں میں بھی یہ حدیثیں موجود ہیں چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی کی کتاب تفسیر درمنثور مطبوعہ مصر جلد ۶ صفحہ ۳۷۹ میں ہے فاقبل علی فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفسی بیدہ ان ھذا وشیعتہ لھم الفائزون یوم القیامۃ ونزلت ان الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات اولئک ھم خیر البریۃ فکان اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقبل علی قالوا جاء خیر البریۃ کہ حضرت رسولخدا صلعم کے پاس حضرت علی آئے تو آنحضرت صلعم نے فرمایا قسم اس کی جسکے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ یہ علی اور ان کے شیعہ وہ ہیں جو بروز قیامت نجات پاجائینگے اور آیہ ان الذین اٰمنوا الآیۃ نازل ہوا تو اصحاب رسول کا معمول ہوگیا کہ جب حضرت علی آتے تو وہ کہتے جاء خیر البریۃ یعنی بہترین خلائق آگئے۔ پھر دوسری روایت ہے لما نزلت ان الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات اولئک ھم خیر البریۃ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلی ھو انت وشیعتک یوم القیامۃ راضین مرضیین کہ جب آیہ ان الذین اٰمنوا الآیۃ نازل ہوا تو حضرت رسولخدا صلعم نے حضرت علی سے فرمایا کہ اے علی وہ بہترین خلائق تم ہو اور تمھارے شیعہ ہیں تم لوگ خدا سے خوش اور خدا تملوگوں سے خوش رہیگا۔ اور ارجح المطالب مطبوعہ لاہور صفحہ ۴۰۹ میں مذکورہ بالا کل حدیثوں کو نقل کرنے کے بعد حسب ذیل حدیثیں بھی لکھی ہیں" عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدخل الجنۃ من ھذہ الامۃ سبعون الفا لاحساب علیھم ثم التفت الی علی فقال ھولاء شیعتک یا علی وانت امامھم اخرجہ الشیخ الحر والحافظ محمد بن یوسف بن الحسن الزرندی المدینی الانصاری فی درر السمطین فی فضائل علی والبتول والحسنین عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جناب سرور انبیاء علیہ التحیۃ والثناء نے ارشاد کیا کہ اس امت سے ستر ہزار آدمی بغیر حساب کے جنت میں داخل ہونگے پھر حضرت امیرؑ کی طرف ملتفت ہوکر فرمانے لگے وہ تیرے شیعہ ہیں اور تو ان کے آگے ہوگا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا علی ان اللہ قد غفر لک ولذریتک ولولدک ولشیعتک ولمحبی شیعتک فابشر فانک الانزع البطین

پر نص نہ ہو لیکن اس سے حضرت کا کل صحابہ سے افضل ہونا یقیناً ثابت ہو گیا اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ آپ کے رہتے دوسرے کو خلیفہ نہیں ہونا چاہیئے (کیونکہ خلافت افضل ہی

(بقیہ حاشیہ صفو گزشتہ) اخرجہ الدیلمی فی فردوس الاخبار جناب امیر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد کیا کہ یا علی تحقیق خدا تعالیٰ نے تجھے اور تیری ذریت کو اور تیری اولاد کو اور تیرے اہل کو اور تیرے شیعوں کو اور تیرے شیعوں کے دوستوں کو بخشدیا ہے پس تو خوش ہو کہ تو انزع اور بطین ہو ۔ عن جابر بن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلعم یا علی انت غدا فی الاخرۃ اقرب الخلق منی وانت علی الحوض خلیفتی وان شیعتک علی منابر من نور مبیضۃ وجوھھم حولی اشفع لھم ویکونون فی الجنۃ جیرانی اخرجہ ابن المغازلی فی المناقب والخوارزمی عن علی والملا فی وسیلۃ المتعبدین الی متابعۃ سید المرسلین ومحمد بن یوسف الکنجی الشافعی فی کفایۃ الطالب وابراھیم بن عبد اللہ الوصابی الیمنی الشافعی فی الاکتفاء فی فضائل الاربعۃ الخلفاء وابن اسبوع الاندلسی فی الشفاء وابوسعید وعبد الملک بن محمد بن ابراھیم الخرکوشی فی شرح النبوۃ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب سید المرسلین علیہ الصلوۃ والسلام نے جناب امیر سے فرمایا کہ یا علی تم کل قیامت کو سب خلقت سے زیادہ میرے قریب اور حوض پر میرے خلیفہ ہوگے اور تمھارے شیعہ نور کے منبروں پر سفید مونہہ والے میرے ارد گرد ہونگے میں ان کی شفاعت کرونگا وہ جنت میں میرے ہمسایہ ہوں گے ۔ عن ابی رافع قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلی انت وشیعتک تردون علی الحوض رواء مرویین مبیضۃ وجوھھم وان اعدائک یردون علی ظماء مقمحین اخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر فی مسانید ابی رافع ابراھیم ابورافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تحقیق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر سے ارشاد کیا کہ تو اور تیرے شیعہ حوض سے سیراب ہونگے پورا سیراب ہونا اور تمھارے منہ نورانی سفید ہونگے اور تمھارے دشمن پیاس سے سر اٹھائے ہوئے ہونگے ۔ عن ام سلمۃ قالت ان فاطمۃ اتت رسول اللہ صلعم ومعھا علی فرفع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الیھا راسہ وقال البشر یا علی انت وشیعتک فی الجنۃ اخرجہ فخر الاسلام نجم الدین ابوبکر بن محمد بن حسین السبلانی فی المرتضی فی مناقب الصحابۃ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جناب فاطمہ علیہا السلام جناب امیر کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں تشریف لائیں حضر

شخص کے لئے ہونا چاہیئے) جیسا کہ پہلے کئی بار بیان ہو چکا۔

قول علامہ علیہ الرحمہ | تیسویں آیت هُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) نے ان کی طرف سر اقدس اٹھا کر ارشاد کیا یا علی خوش ہو تو اور تیرے شیعہ جنت میں ہونگے عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الم تسمع قول اللہ تعالیٰ ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات اولئک هم خیر البریہ انت وشیعتک وموعدی وموعدکم الحوض اذا جاءت الامم یوم القیامۃ تدعون غرا محجلین اخرجہ ابن مردویہ والخوارزمی فی المناقب والسیوطی فی الدر المنثور جناب امیر علیہ السلام سے مروی ہے کہ مجھ سے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یا علی کیا تو نے خدائے تعالیٰ کے فرمانے کو نہیں سنا ہے کہ تحقیق وہ لوگ کہ ایمان لائے اور کام کئے ہیں اچھے وہی لوگ ہیں سب خلقت سے بہتر۔ وہ لوگ تم اور تمہارے شیعہ ہیں میرا اور تمہارا وعدہ گاہ حوض کوثر ہے جب قیامت کے روز تمام گروہ حاضر ہونگے تو تم سفید مونہہ اور نورانی ہاتھ اور پاؤں والے پکارے جاؤ گے۔

تنبیہ۔ ان احادیث کے سوا اور بہت سی ایسی حدیثیں ہیں جن میں شیعہ گروہ کا ذکر آیا ہے امامیہ مذہب کے عالم مدعی ہیں کہ جس گروہ کے فضائل کے متعلق یہ حدیثیں وارد ہوئی ہیں وہ ہمارا ہی گروہ اکناف عالم میں اس نام سے پکارا جاتا ہے۔ اور علمائے اہلسنت وجماعت دعویدار ہیں کہ وہ شیعہ اولی ہم ہی ہیں چنانچہ حافظ ابن حجر صواعق محرقہ (ص۹۰) میں لکھتے ہیں وشیعۃ اهل البیت هم اهل السنۃ والجماعۃ لانهم الذین احبوهم کما امرهم اللہ ورسولہ واما غیرهم فاعداءهم فی الحقیقۃ یعنی اہل سنت والجماعت ہی شیعہ اہل بیت ہیں کیونکہ یہی لوگ خدا اور اس کے رسول کے حکم کے موافق اہلبیت سے محبت رکھتے ہیں اور اہلسنت کے سوا دوسرے لوگ فی الحقیقت اہلبیت کے دشمن ہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمہ بھی ایک رسالہ (کتاب تحفہ اثنا عشریہ) میں جو فرقہ امامیہ کے جواب میں لکھا ہے تحریر فرماتے ہیں اہلسنت می گویند مائیم شیعہ اولی واحادیث کہ در فضل شیعہ وارد اند مورد آں مائیم نزد ما (یعنی اہلسنت کہتے ہیں کہ شیعہ اولی ہم ہی ہیں اور شیعوں کے فضائل میں جو حدیثیں وارد ہوئی ہیں انکے مصداق ہم ہی ہیں نہ رافضی لوگ) اب ہم کو دیکھنا چاہیئے کہ جس شیعہ گروہ کے فضائل میں یہ حدیثیں وارد ہیں انکا کیا اعتقاد تھا کیونکہ کتب سیر اور تاریخ اور رجال کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ متقدمین میں جناب امیرؑ کی ذات بابرکات کی نسبت علی العموم لوگوں کے سات مذہب تھے جنکے معتقدات میں پہلا زمین والوں

کہ وہی خدا ایسا ہے جس نے پانی (منی) سے آدمی کو پیدا کیا پھر اس کو خاندان اور سسرال والا بنایا (پارہ ۱۹ سورہ فرقان آیہ ۵۴) ابن سیرین نے کہا ہے کہ یہ آیت حضرت رسولخدا صلعم

(باقی حاشیہ صفحہ گزشتہ) کا فرق تھا" یہاں تک ارجح المطالب کی عبارت تھی اسکے بعد آپ نے ان ساتوں گروہوں کے عقاید کی تفصیل کرنے کے بعد صفحہ ۷۰۰ میں لکھا ہے "پس ثابت ہوا کہ وہ چھٹا گروہ جو جناب امیر علیہ السلام کو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل الناس سمجھتا تھا وہی شیعہ اولی کا گروہ تھا جن سے علمائے اہلسنت بھی اخذ حدیث میں مضائقہ نہیں کرتے تھے۔ خاتم المحدثین شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی تحفہ اثنا عشریہ میں لکھتے ہیں دنیز باید دانست کہ شیعہ اولی کہ فرقہ سنیہ وتفضیلیہ اند در زمان سابق بشیعہ ملقب بودند و چوں غلاۃ روافض وزیدیان واسماعیلیہ بایں لقب خود را ملقب کردند ومصدر قبائح وشرور اعتقادی وعلمی گردیدند خوفا من التباس الحق عن الباطل فرقہ سنیہ وتفضیلیہ ایں لقب را برخود نہ پسندیدند وخود را باہل سنت وجماعت ملقب کردند (یعنی جاننا چاہیئے کہ پہلے شیعہ جو اب فرقہ سنی وتفضیلیہ ہیں سابق زمانہ میں لقب شیعہ سے ملقب تھے اور جب روافض وزیدیہ واسماعیلیہ کے غالی لوگوں نے اپنا لقب شیعہ رکھ لیا اور اعتقادی وعلمی برائیوں اور شرارتوں کے خزانہ ہو گئے تو اس ڈر سے کہ کہیں حق باطل کے ساتھ مشتبہ نہ ہو جائے فرقہ سنی وتفضیلیہ نے اس لقب شیعہ کو اپنے لئے پسند نہ رکھا اور اپنا نام اہل سنت والجماعت رکھ لیا) لیکن یہ کہنا کہ اہل سنت ابتدا میں شیعہ کے نام سے مشہور تھے محض ادعا ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اگر اہلسنت ابتدا میں شیعہ مشہور ہوتے تو زیدیہ فرقہ کے خروج سے جو اہلسنت سے پہلے گزر چکے ہیں ان میں سے کوئی نہ کوئی اس نام سے مشہور ہونا چاہیئے تھا حالانکہ وہی لوگ شیعہ کہلائے جاتے تھے جو جناب امیرؑ کے افضل الصحابہ ہونے کے قائل تھے۔ ماسوا اس کے اگر اہل سنت ابتدا شیعہ مشہور ہوتے تو زیدیہ واسماعیلیہ بوجہ خصومت کے کبھی اس نام کو اپنے لیے مطلق گوارا نہ کرتے کوئی اور نام پسند کرتے۔ علاوہ بریں متاخرین اہلسنت ان شیعیان اولی کو اعتقاد تفضیل کے باعث سے ہمیشہ بدعتی کہتے چلے آئے ہیں اگر اہلسنت بھی اسی گروہ میں شامل ہوتے تو وہ بیچارے مبتدع کیوں قرار دیئے جاتے" پھر صفحہ ۷۰۹ میں ہے "جناب امیرؑ کی افضلیت کا ثبوت احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ سے ملتا ہے سب سے قطع نظر کر کے ہم اس حدیث کو پیش کرتے ہیں جو ائمہ حدیث کے نزدیک اثبت الاخبار اصح الاحادیث خبر متواتر حدیث متفق علیہ ارشاد انت منی بمنزلۃ ھارون من موسی ہے (اے علی تمکو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو حضرت

اور حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی اسوقت جب آنحضرتؐ نے جناب سیدہ کا نکاح جناب امیرؑ کے ساتھ کیا تھا۔ یعنی خدا نے جناب امیرؑ کی یہ خصوصیت بھی ذکر کی)

(بقیہ مضمون صفحہ گزشتہ) موسے سے تھی) جس کی شرح میں امام نووی علیہ الرحمہ المنہاج شرح مسلم شریف میں لکھتے ہیں فیہ اثبات فضیلة لعلی لا تعرض فیہ لکونہ افضل من غیرہ او مثلہ لیس فیہ الدلالة لاستخلافہ یعنی اس حدیث سے جناب امیر کی فضیلت کا اثبات ہے جس میں تعرض نہیں کیا جا سکتا بباعث ان کے افضل ہونے کے اپنے غیر سے یا اپنے مثل اصحاب سے اور اس سے ان کی خلافت پر استدلال نہیں ہو سکتا۔ حضرت اگر نہیں ہو سکتا نہ ہو۔ ہمارا مطلب تو ثبوت افضلیت ہے سو وہ آپ کی تقریر سے ثابت ہے" پھر اس کتاب کے صفحہ ۲۱۲ میں ہے "خدا کا شکر ہے کہ جس اعتقاد پر ہم کو مبتدع اور اہل الاہوار قرار دیا جاتا ہے اس میں حضرت عباس عم رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت سلمان فارسی اور ابوذر غفاری اور مقداد بن اسود اور خباب بن الارت اور جابر بن عبداللہ الانصاری اور ابوسعید خدری اور زید بن ارقم اور ابو الطفیل عامر بن واثلہ الکنانی اللیثی رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ ہمارے پیشوا ہیں بابی انت وامی لنعم ما قلت یارسول اللہ اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم (یارسول اللہ میرے باپ اور ماں آپ پر فدا ہوں آپ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں تم لوگ ان سے جن کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پاجاؤ گے) ولنعم ما قال امامنا ابو عبداللہ محمد بن ادریس الشافعی المطلبی رحمۃ اللہ علیہ ؎ اذا نحن فضلنا علیا فاننا۔ روافض بالتفضیل عند ذوی الجھل + وفضل ابی بکر اذا ما ذکرتہ۔ رمیت بنصب عند ذکر الفضل + فلا زلت ذا رفض ونصب کلیھما۔ بحبیھما حتی اوسد فی الرمل + وایضاً قال ؎ ولو کان الرفض حب ال محمد۔ فلیشھد الثقلان انی رافض + وقال البیہقی وانما قال الشافعی ذلک حین نسبہ الخوارج الی الرفض حسدا و بغیا۔ صواعق محرقہ علامہ ابن حجر۔ کیا اچھا فرمایا ہے ہمارے امام اعظم سیدنا و مولانا حضرت امام محمد بن ادریس الشافعی مطلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہ جب ہم جناب علی علیہ السلام کو فضیلت دیتے ہیں تو ہم بیوقوفوں کے نزدیک رافضی ٹھہرائے جاتے ہیں اور جب ہم حضرت ابوبکر کے فضائل کو بیان کرتے ہیں تو ہم ناصبی قرار دیئے جاتے ہیں۔ میں مرنے تک ان دونوں صاحبوں کی محبت میں ہمیشہ رافضی اور ناصبی ہوں۔ اگر آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم

قول الطال: سنت کی تفسیروں میں تو نہیں ہے لیکن اگر ہم مان بھی لیں کہ ہے تو اس سے صرف حضرت علیؓ کی فضیلت ہی ثابت ہوتی ہے جس سے کسی کو انکار نہیں ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کی محبت رفض ہے تو جن وانس گواہ رہیں میں رافضی ہوں۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جناب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اشعار اس وقت تصنیف کئے تھے جب کہ خوارج نے حسد اور بغض سے ان کو رافضی کہا تھا۔

اب ہم ان شیعہ بزرگوں کے نام کی ایک فہرست مختصر ہدیہ ناظرین کرتے ہیں کہ جنکو ایک طرف سے تو مبتدع قرار دیا جاتا ہے اور دوسری طرف ان سے اخذ حدیث کیا جاتا ہے۔ حافظ عبدالرحیم العراقی شرح الفیہ الحدیث میں لکھتے ہیں و کتاب مسلم ملأن من الشیعہ۔ یعنی صحیح مسلم شریف شیعہ کی روایتوں سے مالامال ہے۔ سیوطی علیہ الرحمہ تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی میں بخاری اور مسلم کے راویوں کے بیان میں لکھتے ہیں ارادہ کرتا ہوں کہ شمار کروں نام ان لوگوں کے جو کہ تشیع کے ساتھ منسوب ہوئے ہیں اور احادیث اخذ کئے ہیں ان سے امام بخاری اور مسلم نے یا ایک نے ان دونوں میں سے اور وہ اسمعیل بن ابان اور اسمعیل بن زکریا خلقانی اور جریر بن عبدالحمید الخ۔ عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری نے المعارف میں بھی ایک فہرست دی ہے وھو ھذا۔۔۔ ان کے سوا اکثر اور بھی ائمہ حدیث انہیں شیعیان علی کی قطار میں شمار کئے جاتے تھے۔ چنانچہ ابن خلکان وفیات الاعیان میں بترجمہ امام نسائی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں یعنی امام ابو عبدالرحمان بن شعیب النسائی صاحب سنن کبیر دمشق میں گئے لوگوں نے ان سے امیر معویہ کے فضائل کے متعلق سوال کیا۔ امام نسائی نے جواب دیا مجھے ان کے فضائل کے متعلق کوئی حدیث سوا اس حدیث کے کہ خدا اسکے پیٹ کو نہ بھرے۔ یاد نہیں ہے۔ دمشق کے لوگوں نے امام نسائی کے خصیوں پر لاتیں مار کر ان کو مسجد سے نکال دیا کیونکہ وہ شیعہ پن بیان کر رہے تھے" یہ کل عبارتیں ارجح المطالب مطبوعہ لاہور از صفحہ ۷۰۳ تا ۷۰۶ کی ہیں اور اسکے مصنف حضرت اہلسنت کے ایک عالم جلیل القدر مولوی عبیداللہ صاحب امرتسری ہیں۔ یہی مولوی صاحب اسی ارجح المطالب کے صفحہ ۹ میں یہ بھی لکھتے ہیں و ممن خلقنا امۃ یھدون بالحق و بہ یعدلون سورہ اعراف ترجمہ اور ہماری خلقت میں سے ایک گروہ ہے کہ جو حق کے ساتھ ہدایت پاتے ہیں اور اسی کی طرف پھرتے ہیں۔ عن زاذان عن علیؓ قال ستفترق ھذہ الامۃ علی ثلث و سبعین فرقۃ اثنان و سبعون فی النار ہو واحدۃ فی الجنۃ و ھو الذین قال اللہ تعالی و ممن خلقنا امۃ الخ

مگر خلافت تو نہیں ثابت ہوتی جو آپ کا عین دعویٰ ہے۔

قول احقاق آیت کی شان نزول قول ابن سیرین ہے اسکے علاوہ اس سے جوبات

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) وھو انا و شیعتی اخرجہ ابن مردویہ۔ زاذان جناب امیر علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ آپ فرماتے تھے کہ یہ امت عنقریب تہتر ۷۳ فرقوں میں منقسم ہوگی۔ بہتر دوزخ میں جائیں گے اور ایک جنت میں جائیگا اور وہی لوگ ہیں جنکے حق میں خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے اور ہماری خلقت میں سے ایک گروہ ہے جو حق کے ساتھ ہدایت پاتا ہے اور اسی کی طرف پھرتا ہے پھر جناب امیر نے فرمایا ہے وہ میں ہوں اور میرا گروہ ہے۔ اور زمانہ حال میں حضرات اہل سنت کے ایک اور علامہ جناب مولوی وحید الزماں خانصاحب حیدر آبادی گذرے ہیں جو اپنی کتاب انوار اللغۃ پارہ ۱۴ صفحہ ۲۰۴ میں لکھتے ہیں "اصل میں شیعہ گروہ کو کہتے ہیں اب اس کا استعمال ان لوگوں کے لئے کیا جاتا ہے جو حضرت علی سے محبت رکھتے ہیں اور آپ کے اہلبیت سے۔ محیط میں ہے کہ شیعہ ایک بڑا فرقہ ہے مسلمانوں کا جو آنحضرت صلعم کے بعد حضرت علی کو امام جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے حضرت علی کی خلافت پر نص کر دیا ہے اور ہمیشہ امامت آپ ہی کی اولاد میں رہے گی دوسرے خاندان میں نہیں جاسکتی ... اب دو فرقے شیعوں کے موجود ہیں ایک زیدیہ اطراف یمن میں ہیں دوسرے امامیہ جو ایران اور عرب اور ہند میں بکثرت ہیں۔ ان کے پھر دو فرقے ہیں ایک اثنا عشریہ دوسرے اسماعیلیہ۔ اکثر شیعہ ہمارے زمانہ کے اثنا عشری ہیں" اور اسی کتاب کے پارہ ۲۱ صفحہ ۱۲۴ میں لکھتے ہیں "ستقدم علی اللہ انت وشیعتک راضین مرضیین ویقدم علیہ عدوک غضابا مقمحین آنحضرتؐ نے حضرت علی مرتضیٰؑ سے فرمایا قریب تم اور تمہارے گروہ والے خوش خوش اللہ تعالےٰ کے پاس حاضر ہوں گے اور تمہارے دشمن غضبناک سر اوپر اوٹھائے ہوئے آئینگے۔ فائدہ یہ حدیث شیعہ اور اہلسنت دونوں کی کتابوں میں منقول ہے اور اس میں صاف صراحت ہے کہ شیعیان علیؑ وہی ناجی اور مقبول بارگاہ الٰہی ہیں اور دشمنان علی مبغوض بارگاہ خداوندی اور تباہ ہونے والے ہیں۔ شیعیان علی سے وہ جماعت صحابہ اور تابعین مراد ہے اور اسی طرح قیامت تک وہ تمام اہل اسلام جو حضرت علی اور آپ کی اولاد سے محبت اور اخلاص رکھتے ہیں۔ یا اللہ ہمارا حشر بھی شیعیان علی مرتضیٰ میں کر اور مرتے دم تک ہم کو محبت اہلبیت علیہم السلام پر قائم رکھ۔ فائدہ۔ دشمنان علی سے مراد فرقہ خوارج اور نواصب

معلوم ہوتی ہے یہ ہے کہ خدا نے حضرت علیؑ کو نسب اور سبب دونوں اعتبار سے
رسول خدا صلعم کا جزو قرار دیا (نسب کے اعتبار سے اسطرح کہ حقیقی چچازا)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) جو حضرت علی سے بغض رکھتے ہیں یا آپ کی اولاد سے ان کو نجات ملنا مشکل وہ کتنی ہی عبادت اور ریاضت کریں کیونکہ حضرت علی سے بغض رکھنا گویا رسول اللہ صلی اللہ سے بغض رکھنا ہے۔ اسی لئے دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے حضرت علی سے فرمایا تم محبت رکھیگا جو مومن ہو اور تم سے بغض وہی رکھیگا جو منافق ہو۔ اس حدیث سے یہ بھی نکلا کہ شیعہ علی ایک قدیم فرقہ ہے جس کا ذکر خود آنحضرتؐ نے کیا اسی طرح عدو علی۔ تو درحقیقت کے دو ہی فرقے ہیں ایک شیعہ دوسرے خوارج سچے اہلحدیث اور سنت۔ شیعیان علی مرتضیٰ ہیں معویہ و من تبعہ۔ ایک صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ اگر معویہ اور جناب علی مرتضیٰ کی جنگ تمہارے زمانہ میں ہوتی تو تم کس گروہ میں شریک ہوتے۔ میں نے اسی وقت جواب دیا کہ ہم علی مرتضیٰ کے شیعہ ان ہی کے گروہ میں رہکر معویہ اور ان کے ساتھیوں سے لڑتے ہمکو معویہ سے کام ہی کیا ہے ان غایۃ ما فی الباب یہ ہے کہ ہم ان کے صحابیت ظاہری کی حرمت کرکے ان کے سب اور لعن سے سکوت کرتے ہیں نہ یہ کہ ان سے محبت رکھتے ہیں یا ان کے فضائل اور مناقب بیان کرتے ہیں۔ جناب امیر نے فرمایا "قسم خدا کی میری محبت اور معویہ کی محبت دونوں مومن کے دل میں جمع نہ ہونگی" اور پارہ ۸۰ صفحہ ۱۴۴ میں لکھتے ہیں عامۃ ان الاسلام الشیعۃ اسلام کے ستون شیعہ ہیں یعنی جو لوگ حضرت علی اور اہلبیت سے محبت رکھتے ہیں

کنز العمال بر حاشیہ مسند احمد بن حنبل مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۱۱۱ میں ہے انک وشیعتک فی الجنۃ یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ نے حضرت علی سے فرمایا کہ تم اور تمہارے شیعہ بہشت میں جائینگے اور جلد ۶ صفحہ ۴۰۳ میں ہے عن علی قال قال لی النبی صلی اللہ علیہ وسلم انت وشیعتک فی الجنۃ یعنی حضرت رسول خدا صلعم نے جناب امیرؑ سے فرمایا کہ تم اور تمہارے شیعہ بہشت میں جائینگے اور علامہ ابوبکر بن شہاب الدین اپنی کتاب رشفۃ الصادی مطبوعہ مصر صفحہ ۷۰ میں لکھتے ہیں عن ابراہیم بن شیبۃ الانصاری قال جلست الی الاصبغ بن نباتۃ قال الا اقرئک ما املاہ علی علی ابن ابیطالب کرم اللہ وجہہ فاخرج صحیفۃ فیہا مکتوب بسم اللہ هذا ما اوصی محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اہل بیتہ وامتہ واوصی اہل بیتہ بتقوی اللہ ولزوم طاعتہ واوصی امتہ بلزوم اہل بیتہ وان اہل بیتہ یاخذون بحجزۃ نبیہم وان شیعتہم یاخذون بحجزہم یوم القیامۃ وانہم لن یدخلوکم باب

ترجمہ احقر

کر خلافت ...

قول احز

شہادۂ عظمیٰ

سور کانگریسی لیڈر اور نامور عالم اہلسنت جناب مولوی ابوالکلام آزاد صاحب دہلوی کے حیرت خیز رسالہ شہید اعظم پر
لقبیہ جو ایسے طرز سے لکھا ہے کہ ثابت ہوتا ہے یزید جائز و برحق اور تسلیم شدہ خلیفۂ رسول تھا۔ امام حسینؑ نے بغیر کسی
نقل کر صحیح عذر کے محض بادشاہت کے لالچ میں اس سے بغاوت کی جس پر خود آپ کے مخصوص عزیزوں نے بھی آپ کو
سمجھایا مگر آپ پر حکومت اور دنیا پرستی کی طمع کا نشہ اس درجہ سوار تھا کہ کسی ایک کی نہیں سُنی اور اپنی ضد پر قائم رہے
حامیو یزید کے گورنر ابن زیاد نے آپ کو فتنہ و فساد سے باز رکھنے کی پوری جد و جہد کر لینے اور ہر تدبیر سے مایوس ہو جانے
بعد انتہائی مجبوری کے عالم میں امن و امان قائم رکھنے کی غرض سے قتل کرا دیا مگر اس دھبہ سے یزید کا دامن بالکل
ہوا رہا تھا۔ ابن زیاد نے صرف اپنے ذاتی فیصلہ سے حضرت کی سرکشی کی سزا میں آپ کا خون بہایا جس میں اس کی نیت
بہا درست تھی اور اس کا یہ انتظام بھی صحیح تھا) جامع تحقیقی اور منصفانہ تبصرہ (اور پر شہید اعظم کی عبارت، پیچ
پھر شہادۂ عظمیٰ لکھی گئی ہے) اور واقعۂ کربلا کے مفصل اسباب، اس جہاد کی اصلی غرض و غایت، امام مظلوم کی
ایک بوریاں، اس قربانی کے حقیقی وجوہ و اسرار، حضرت کے خوشی سے جام شہادت نوش فرمانے کا راز۔ اس
نخت ترین اسلامی حادثہ کے بارے تاریخی حالات اور تمام مستند تاریخی بیانات کا مرتب مجموعہ جس میں بفضلہ تعالیٰ
الشہدائے کربلا اور حضرات اہلبیتؑ کے مصائب کے کل واقعات تفصیل سے اور کمال ترتیب کے ساتھ اور
گو سہل عبارت میں لکھے گئے ہیں۔ قیمت صرف پانچ روپے (صہ)

دین حق

عصر حاضر کے دو روشن دماغ و نکتہ رس و صاحب علم و فضل حضرات میں اسلام کے صحیح راستہ کے متعلق لطیف و پاکیزہ
ہوئی۔ ایک بزرگ عراق کے جلیل القدر عالم علامہ سید عبدالحسین شرف الدین موسوی عاملی ہیں اور دوسرے
مصر کے صاحب فضیلت و شرف عالم اہل سنت ہیں آپس میں دوستانہ خطوط کا سلسلہ جاری ہوا۔ ہر ایک نے دوسرے
کے ساتھ انتہائی رواداری و لطف کے ساتھ حکیمانہ مباحثہ جاری کیا اور مذہب کے متعلق اُن تمام مسائل پر گفتگو کی
اور کرید کرید کر سوالات کیے جس پر جاہل عوام اور غبی و تنگدل علما صف آرائی کرتے ہیں اور ایک دوسرے کی
ہین پر اتر آتے ہیں اور جنگ و فساد کی آگ بھڑکاتے ہیں۔ آخر تک یہ علمی و دینی مباحثہ نہایت خوش دلی و بشاشت
کے ساتھ جاری رہا۔ مصر کے سنی عالم نے اپنے شکوک مذہب شیعہ کے متعلق دریافت کیے تھے اور عراق کے شیعہ عالم
نے انکے شکوک نہایت حسن و خوبی سے زائل کیے۔ بجائے ایک دوسرے سے کبیدہ ہونے کے ہر ایک دوسرے کے
خطوط کا منتظر و مشتاق رہتا تھا اور ہر ایک دوسرے کا شکر گذار ہوتا تھا۔ یہ نایاب گنجینۂ علم اب بے نظیر سرمایۂ ہدایت
عربی میں تھا۔ اردو داں اس کے فیض سے محروم تھے۔ دفتر اصلاح نے نہایت حسن و خوبی کے ساتھ اردو زبان میں
شائع کیا ہے۔ اس کتاب کی اشاعت نے ہندوستان و پاکستان میں ہلچل مچا دی ہے۔ پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ
نکل گیا صرف چند نسخے باقی رہ گئے ہیں۔ قیمت تین روپے۔

حضرت عمرؓ

مولوی شبلی صاحب نعمانی نے الفاروق لکھ کر حضرت عمرؓ کو صرف خلیفۂ رسولؐ ہی نہیں بلکہ حضرت
رسول خداؐ سے بھی افضل و اعلیٰ بلکہ حضرتؐ کا اُستاد تک ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف
کیا تھا۔ شدید ضرورت تھی کہ حضرت عمرؓ کی سچی تصویر نمایاں کی جائے (اس وجہ سے دفتر اصلاح نے ۸۰۰ صفحے کی یہ
عظیم الشان سوانح عمری شائع کر کے حضرت عمرؓ کے کل کارناموں کی دھجیاں اُڑا دی ہیں۔ مذہب شیعہ کی حقیقت ثابت
کرنے کے لیے بہترین ذریعہ ہو گیا ہے۔ حضرت ام کلثوم کی شادی کے افسانے کی بھی ایسی تحقیق کی گئی ہے جس سے اس کا
کل غلط اور خلاف واقع ہونا مثل آفتاب روشن ہو گیا ہے۔ لکھائی چھپائی نہایت عمدہ۔ قیمت ہر دو حصہ صرف آٹھ روپے

صلح الحسنؑ

حضرت استاذ الواعظین جناب مولانا سید عدیل اختر صاحب قبلہ طاب ثراہ پرنسپل مدرسۃ الواعظین لکھنؤ کی
شاہکار تصنیف صلح امام حسنؑ کے اسباب، اغراض اور اس کے مصالح، مجبوریاں اور اس سے ملت اسلام کو
پہنچا فوائد پہنچے ان سب پر انتہائی محققانہ و مورخانہ انداز میں تبصرہ۔ قیمت مجلد صرف دو روپے آٹھ آنے

شیعیان امیر المومنینؑ کا محبوب و ہر دلعزیز ماہنامہ اصلاح کھجوا (بہار)

جنوری سنہ ۱۹۵۳ء (تقریباً ۵۰ سال) سے دین حق کی حمایت و ترقی میں مشغول ہے اور مذہب شیعہ کی ناقابل فراموش خدمات انجام دے چکا ہے۔ خداوند عالم کی تائید پر بھروسہ کرکے جنوری سنہ ۱۹۵۱ء سے

حضرت امیر المومنینؑ کی عظیم الشان سوانح عمری

پیش کر رہا ہے خدا نے چاہا تو یہ سوانح عمری مذہب شیعہ کے حق ثابت کرنے کا بہترین خزانہ ہوگی۔ یہ سوانح عمری کئی جلدوں میں ہوگی اور رسالہ اصلاح کے ساتھ ہر سال ایک جلد شائع ہوگی چنانچہ اب تک تین جلدیں شائع ہوکر ہمہ گیر مقبولیت حاصل کر چکی ہیں اور اب اس سال سنہ ۱۹۵۳ء میں چوتھی جلد شائع ہو رہی ہے

اعجاز الولی پہلی جلد

جس میں دکھایا گیا ہے کہ جس طرح قرآن مجید پیغمبرؐ کا زندہ معجزہ ہے کہ آج تک کروڑوں مخالفین اس کا جواب نہ لا سکے اسی طرح پیغمبرؐ کے اہلبیت خصوصاً حضرت امیر المومنینؑ کی ذات بھی اسلام کا عظیم الشان اور بے مثل معجزہ ہے کیونکہ حضرت کے مخالفین بھی گزر گئے جو حضرت کے فضائل و کمالات و دینی خدمات چھپانے بلکہ مٹانے کی انتھک کوشش کرتے رہے مگر وہ لوگ کسی طرح آفتاب پر خاک نہ ڈال سکے اور اب بھی حضرت کے علمی و دینی اور دنیوی کارنامے کتابوں میں اس کثرت سے بھرے ہوئے ہیں کہ حضرت رسول خداؐ کے سوا کسی کے بھی نہیں مل سکتے۔ لکھائی، چھپائی بہترین۔ حجم ۵۰۰ صفحے۔ قیمت صرف سات روپے (معہ/)

قرآن ناطق دوسری جلد

جس میں دکھایا گیا ہے کہ قرآن مجید میں جس قدر فضائل و مناقب امیر المومنینؑ اور اہل بیت طاہرینؑ کے بھرے ہوئے ہیں اُن کا عشر عشیر بھی کسی اور کا نہیں مل سکتا۔ تقریباً ۳۵۰ آیتیں علمائے اہلسنت کی معتبر ترین کتب تفسیر و حدیث کے حوالوں سے نہایت شرح و بسط کے ساتھ درج کی گئی ہیں جو حضرت امیر المومنینؑ اور اہل بیت طاہرینؑ کے متعلق نازل ہوئیں۔ لکھائی، چھپائی بہترین۔ قیمت صرف چھ روپے (۶/)

ثقل اکبر تیسری جلد

جس میں صحاح ستہ اور دیگر مسلم الثبوت کتب احادیث اہل سنت کی وہ تمام حدیثیں جمع کردی گئی ہیں جو پیغمبرؐ نے امیر المومنینؑ کے متعلق ارشاد فرمائیں۔ اس جلد کی ترتیب و تالیف اس حسن و انتظام سے کی گئی ہے کہ مطالعہ کرنے والا خود فیصلہ کرلے کہ حضرت امیر المومنینؑ یقیناً نفس رسولؐ تھے اور پیغمبرؐ کے بعد اسلام کا سرپرست و محافظ ایسا ہی ولی خدا ہونا چاہیے جس کا درجہ حضرت پیغمبرؐ سے اتنا ملتا جلتا ہو کہ دونوں میں بہت کم فرق معلوم ہو سکے۔

قیمت صرف پانچ روپے (صہ/)

حضرت امیر المومنینؑ چوتھی جلد

سنہ ۱۹۵۳ء سے یہ چوتھی جلد شائع ہو رہی ہے جس کے پہلے حصے میں حضرت کے خاندان اور بزرگوں کے مفصل حالات لکھ کر حضرت کی ولادت باسعادت سے حضرت رسول خداؐ کی وفات حسرت آیات تک کے پورے سوانح زندگی کمال تحقیق و صحت سے درج کیے گئے ہیں

منیجر اصلاح کھجوا (بہار)

مولانا سید محمد باقر صاحب قبلہ کے حکم سے مطبع اصلاح کھجوا میں چھپ کر شائع ہوا